www.KitaboSunnat.com
فتاویٰ اسلامیہ
(جلد اول)
(کتاب العقائد تا کتاب الصلاۃ)
فتاویٰ
سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین
اور
"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"
جمع وترتیب:
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ
ترجمہ:
مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)
دار السلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اِشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض ٥ جدہ ٥ شارجہ ٥ لاھور
لندن ٥ ھیوسٹن ٥ نیو یارک

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون : 4043432 - 4033962 (00966 1)
فیکس: 4021659 ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483
جدہ فون: 6712299 فیکس: 6173448 02 الخبر فون: 8948106 03
شارجہ فون : 5511293 فیکس : 5511294 (009716)
پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@mail.com
② رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 7255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

فتاویٰ اسلامیہ

(جلد اوّل)

کتاب العقائد

تا

کتاب الصلاۃ

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"

جمع و ترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظرثانی:

ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور

لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

DARUSSALAM

فاسئلوا أهل الذكر
إن كنتم لا تعلمون
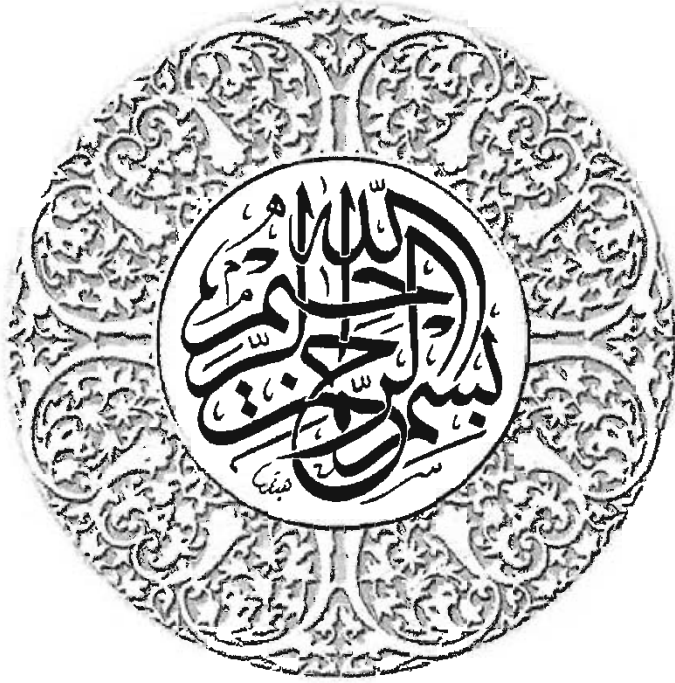
فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد اوّل)

عرض ناشر

کتاب و سنّت کا عالم اور احکام شریعت سے آگہی رکھنے والا جب کسی پیش آنے والے مسئلے کا حل شریعت کی روشنی میں پیش کرتا ہے تو اسے ''فتویٰ'' کہتے ہیں۔ گویا مشکل دینی احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو ''فتویٰ'' اور جواب دینے والے کو ''مفتی'' کہتے ہیں۔

اسلام میں افتاء کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ کسی کام کی اہمیت کا اندازہ اسی منصب پر مقرر کیے جانے والے کی شخصیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ امام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تبلیغ و افتاء کے منصب پر سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود کو فائز کیا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ١٢٧)

''اے پیغمبر لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔''

پھر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اس منصب پر فائز کیا اور فرمایا:

﴿ ۞ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلْحَجِّ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٩)

''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے۔''

یوں یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور وہ وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ جس بات میں فتویٰ دے دیا کرتے تھے اس کے بعد اس کی روگردانی کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ:

﴿ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

''جس نے رسول کی فرماں برداری کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی۔''

حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز ہوئے اور افتاء کی تاریخ میں تقریباً 130 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اس فہرست میں ملتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد علمائے حق نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا ہے اور یہ علمائے حق اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے۔ اس میں کس درجے کا علم اور تقویٰ کا حامل ہونا چاہیے' اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو مسلم بن بسیار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ. . .»

”جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہو گا۔“

دارالسلام نے ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فتاویٰ کی یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین کے صادر کردہ فتوے جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو علم میں جو پختگی عنایت کی وہ انہی کا خاصا ہے۔ ان جید اور روشن ضمیر علماء کا وجود علم و کردار کا وہ مینارۂ نور ہے جس کی ضیا پاشیوں سے ایک دنیا منور ہو رہی ہے۔

اس کتاب میں عقائد، طہارت، صلوٰۃ اور کتاب العلم کے مسائل جمع کئے گئے ہیں۔ علماء کرام نے پوچھے گئے مسائل کا خالص قرآن و حدیث کے حوالے سے جواب دیا ہے اور ان کے جوابات پوچھے گئے مسئلہ کو بہت احسن طریقے سے واضح کر دیتے ہیں۔

عربی زبان سے اردو میں ترجمے کی بھاری ذمہ داری معروف سکالر اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ریسرچ آفیسر مولانا محمد خالد سیف نے نبھائی ہے۔ مولانا ایک کہنہ مشق مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جید عالم دین بھی ہیں۔ انہوں نے جس خلوص دل، جانفشانی اور اردو زبان کے محاورے کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا وہ باعث صد تحسین ہے۔

اس ایڈیشن میں احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ یہ ذمہ داری حافظ آصف اقبال کے سپرد کی گئی تھی اور وہ اپنے فرض سے کماحقہ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام جملہ اہل علم کو جزائے خیر دے اور اس عظیم خدمت کو اپنے حضور قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

مقدمہ

یہ ہمارے جلیل القدر مشائخ --- حفظہم اللہ --- کے فتاویٰ اسلامیہ کا جزء اوّل ہے' جسے ہم طویل انتظار کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شرعی مسائل پر مبنی اس فتاویٰ کا یہ ایڈیشن ہی پہلا صحیح ایڈیشن ہے۔ اس سے پہلے بھی اگرچہ یہ کئی بار طبع ہوا مگر اس کی سابقہ تمام طبعات محض تجارتی مقاصد کے لئے اور غلطیوں اور تحریفات سے بھری ہوئی تھیں' جن میں سب سے مشہور طباعت دار العلم بیروت کی ہے' جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مقدمہ میں دار العلم کے مالک نے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نے ان فتاویٰ کی جمع و ترتیب کا کام سرانجام دیا اور اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ سے کام کیوں لیا اور اپنی طرف ایک ایسے کام کی نسبت کیوں کی ہے' جسے اس نے سرانجام ہی نہیں دیا؟

اس فتاویٰ کی دوسری طباعت مکتبہ تراث اسلامی مصر کی ہے اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے' اس مکتبہ کے مالکان نے اس کے اصلی نام ہی کو بدل دیا اور اسے "فتاویٰ هيئة كبار العلماء" کے نام سے موسوم کر دیا تاکہ وہ یہ تاثر دے سکیں کہ یہ "فتاویٰ اسلامیہ" کے بجائے کوئی اور چیز ہے حالانکہ اسے اس نام سے موسوم کرنا کتاب کے مندرجات ہی کے خلاف ہے۔

ان دونوں اور دیگر طبعات میں غلطیوں کی کثرت کے کئی اسباب ہیں' جن میں سے سب سے اہم سبب یہ ہے کہ یہ مفتیان کرام اور مشائخ عظام --- حفظہم اللہ --- خصوصاً سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ اور فتاویٰ کی کمیٹی کی نظر ثانی کے بغیر عمل میں آئی ہیں حالانکہ انہوں نے نظر ثانی کے بغیر طباعت واشاعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی نظر ثانی ہی کی وجہ سے اسے طبع کرنے اور استفادہ کے لئے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے میں ہم سے تاخیر ہوئی ہے۔

جن فتاویٰ کا تعلق سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ سے تھا' آپ نے ان کی قراءت و تصحیح کا اہتمام فرمایا ہے' اسی طرح فتویٰ کمیٹی نے بھی اپنے فتاویٰ کی نظر ثانی کی ہے اور پھر انہوں نے بالآخر مجھے تحریری طور پر ان کی طباعت واشاعت کی اجازت دی ہے۔ شیخ ابن باز حفظہ اللہ نے تو مجھے ایک ایسی تحریر بھی دی ہے' جس میں آپ نے اس کتاب کے مذکورہ بالا نسخوں کے استعمال سے منع کیا اور صرف اسی صحیح نسخہ کے استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سماحۃ الشیخ محمد بن العثیمین اور شیخ عبد اللہ بن جبرین --- حفظہم اللہ --- تو کئی سال پہلے اپنے فتاویٰ پر نظر ثانی کا کام مکمل کر کے' طباعت واشاعت کی اجازت فرما چکے تھے' ہاں البتہ مشاغل واعمال کی کثرت کی وجہ سے سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز

حفظہ اللہ کی طرف سے اجازت ملنے میں تاخیر ہوئی' اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے' اسلام اور مسلمانوں کو آپ سے فائدہ پہنچائے اور ملت اسلامیہ اور دین اسلام کی آپ کے ساتھ نصرت واعانت فرمائے۔ [1]

مذکورہ بالا مفتیان کرام ومشائخ عظام کے فتاویٰ کے علاوہ اس مجموعہ میں فقہی کونسل کی بعض قراردادیں بھی شامل ہیں۔ فقہی کونسل کا اجلاس ہر سال مکہ مکرمہ میں پہلے سماحۃ الشیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ کے زیر صدارت اور پھر شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے زیر صدارت منعقد ہوتا رہا ہے۔

اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ میں نے ان فتاویٰ کو کئی سالوں میں مختلف مصادر وماخذ' کتب اور رپورٹوں وغیرہ سے جمع کیا ہے' ان میں سے بعض فتاویٰ تاحال مخطوط اور خود حضرات علماء کرام کے پاس موجود تھے' میں نے جمع وترتیب کے بعد ان حضرات علماء کرام کی خدمت میں انہیں پیش کیا' جن کے یہ فتاویٰ تھے اور انہوں نے خود ان کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے' بہرحال دیگر تجارتی ایڈیشنوں کے برعکس یہ صحیح' ثقہ اور قابل اعتماد ایڈیشن ہے۔

آخر میں اللہ کریم' رب عرش عظیم سے دعاء ہے کہ وہ میرے اس عمل کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارے ان مشائخ عظام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ لوگوں کو دین کا علم سکھانے اور جہالت دور کرنے کے سلسلہ میں کس قدر عظیم کوششیں فرما رہے ہیں۔

واللّٰہ المستعان' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد

محمد بن عبدالعزیز المسند

پوسٹ بکس نمبر: 4224 - ریاض 11491

---

[1] لیکن اب حضرت الشیخ ..... رحمہ اللہ ..... اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات قبول فرمائے اور انہیں اپنے خصوصی اجر وثواب سے نوازے۔ (ناشر)

اسلام میں افتاء کی اہمیت

لغوی معنی: اسلام میں افتاء کی اہمیت پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افتاء کے لغوی و شرعی معنی بیان کر دیئے جائیں: اَلْفَتَاوٰی یا اَلْفَتَاوِیْ کا واحد فَتْوٰی ہے۔ اس کا واحد فُتْوٰی اور فُتْیَا بھی آتا ہے۔ فتویٰ سے مراد ہے: مَااَفْتٰی بِهِ الْفَقِیْهُ یعنی فتویٰ وہ ہے جو کسی فقیہ کی جانب سے دیا جائے گویا یہ اَفْتَی الْعَالِمُ اِذَا بَیَّنَ الْحُکْمَ "عالم نے فتویٰ دیا یا حکم بیان کیا" سے اسم مشتق [1] ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے جو بعض علماء لغت کے نزدیک اَلْفُتُوَّةُ سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ہیں: کرم' سخاوت' مروت اور زور آوری۔ فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی فتوت یعنی سخاوت و مروت اور عالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے [2] علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

«اَلْفُتْیَا وَالْفَتْوٰی: اَلْجَوَابُ عَمَّا یُشْکِلُ مِنَ الأَحْکَامِ وَیُقَالُ اسْتَفْتَیْتَ فَأَفْتَاكَ» (مفردات القرآن: ۳۷۳)

فتویٰ اور فتیا مشکل احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو کہتے ہیں' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سے فتویٰ دریافت کیا تو اس نے مجھے فتویٰ دیا۔"

ابن الاثیر نے اسکے معنی کسی مسئلے کے بارے میں رخصت یا جواز پیش کرنے کے بتائے ہیں۔ [3]

بعض کے نزدیک فتوی دراصل اَلْفَتٰی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اَلثَّابِتُ الْقَوِیُّ چونکہ کسی حادثہ یا واقعہ کے جواب میں پیش کئے جانے والے دینی مسائل کو مفتی اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے' اس لئے فتویٰ گویا مدلل ثبوت والا جواب ہوا۔ [4] قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ (النساء٤/ ١٢٧)

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔"

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي ٱلْكَلَٰلَةِ﴾ (النساء٤/ ١٧٦)

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے۔"

---

[1] لسان العرب و تاج العروس' مادہ (ف - ت - و) [2] کشف الظنون ص ۱۲۱۸۔ [3] النہایہ فی غریب الحدیث: ۱۹۹/۳ [4] کشف الظنون ص:۱۲۱۸' دستور العلماء ۳:۱۳' کتاب التعریفات ص:۱۷۱

﴿أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ﴾ (یوسف۱۲/ ۴۳)

"تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔"

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ﴿١١﴾﴾ (الصافات۳۷/ ۱۱)

"ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے ان کا؟"

یہ چند آیات کریمہ بطور مثال ذکر کی ہیں' ان کے علاوہ اس لفظ کے اور بھی بہت سے مشتقات قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔[1]

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے' چنانچہ ایک مشہور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ»(مسند احمد)

"گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔"

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»(صحيح مسلم، مع شرح النووي، تفسير البر والاثم ج:١٦، ص:١١١، دارالكتاب العربي بيروت١٩٨٧ء)

"گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اسکی اطلاع ہو۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

«اَلإِثْمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ»(مسند احمد)

"گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں اس کے بارے میں تردد پیدا ہو خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز اور رخصت کا فتویٰ دیں۔"

شرعی معنی: علماء فقہ و اصول کے اقوال کے مطابق فتویٰ کے شرعی معنی ادلہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا ہے' چنانچہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

«اَلْمُفْتِيْ قَائِمٌ فِي الأُمَّةِ مَقَامَ النَّبِيِّ ﷺ لأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ»(الموافقات ج:٤، ص:٢٤٤)

"مفتی' امت میں نبی ﷺ کی نیابت کرتا ہے' کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں' جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے انہیں دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا ہے۔

مفتی تبلیغ احکام میں نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے جیساکہ درج ذیل احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے:

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من سامع حديث:٦٧، ص:٩١، مكتبة دارالسلام)

---

[1] دیکھئے "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" ص:۵۱۲

"تم میں سے جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں تک بھی یہ احکام پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔"

«بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً»(صحيح بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، ح:٣٤٦١)

"میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔

«تَسْمَعُوْنَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ»(أبوداود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ح:٣٦٥٩)

"تم میری احادیث کو سنتے ہو' تم سے بھی انہیں سنا جائے گا اور ان سے بھی جنہوں نے تم سے سنا ہو گا۔"

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ مفتی گویا نبی ﷺ کے نائب اور قائم مقام کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

افتاء نویسی کی اہمیت: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "افتاء ایک عظیم الشان' جلیل القدر اور بہت ہی شرف و فضل کا حامل عمل ہے کیونکہ مفتی درحقیقت وارث انبیاء ہے اور فرض کفایہ کو سرانجام دیتا ہے لیکن یہ الگ بات کہ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔"[①]

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ "فاسق مفتی نہیں بن سکتا کیونکہ فتویٰ امور دین میں سے ہے اور امور دین کے بارے میں فاسق کا قول ناقابل قبول ہے۔"[②] اسی طرح علامہ قرافی نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "کسی عالم کو اس وقت تک فتویٰ نہیں دینا چاہیئے جب تک لوگ اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو فتویٰ کا اہل نہ سمجھے۔" امام مالک رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی علماء کے نزدیک اہمیت ظاہر اور ثابت نہ ہو وہ منصب افتاء کا اپنے آپ کو اہل نہ سمجھے' چنانچہ مختلف مکاتب فکر کی کتب فقہ میں اس مفہوم کی بہت سی عبارتیں موجود ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ فتویٰ دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ سلف صالح بھی اس سلسلے میں بے حد محتاط تھے' حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سلف صالحین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ فتویٰ میں جلد بازی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص فتویٰ دے دے' لیکن ان میں سے جب کوئی یہ محسوس فرماتا کہ اب اس کے لئے فتویٰ دینا فرض ہے تو وہ کتاب و سنت یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے قول کی روشنی میں اس کے حکم کو معلوم کرنے کے لئے پورے پورے اجتہاد سے کام لے کر فتویٰ دیتا۔"[③]

حضرت عبداللہ بن مبارک نے عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ:

"میں نے ..... مسجد نبوی میں ...... ایک سو بیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور دیکھا کہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ہر محدث کی یہ خواہش ہوتی تھی کاش اس کی بجائے اس کا کوئی دوسرا بھائی افتاء کے فرض سے عہدہ برآ ہو۔"[④]

---

① المجموع شرح المهذب ص:۴۰' طبع ادارة الطباعه المنيريه ۱۳۴۴ھ۔ ② ردالمحتار حاشيه- الدرالمختار ج:۴' ص:۲۱۸۔ ③ الفروق ج:۲' ص:۱۱۰۔ ④ اعلام الموقعين ج:۱' ص:۶۳' مكتبه ابن تيميه القاهره۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے' بہرآئینہ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین فتویٰ دینے میں کس قدر محتاط تھے لیکن اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلبہ کو تعلیم دینا اور استفتاء کرنے والوں کو فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی مسئلہ یا واقعہ کے پیش آنے کے وقت صرف ایک ہی ایسا شخص ہو جو اس کا جواب دے سکتا ہو تو پھر اس کے لئے جواب دینا فرض عین ہے اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس کا اہل ہو تو پھر یہ دونوں کے لئے فرض کفایہ ہو گا۔''①

نبی ﷺ بحیثیت مفتی اعظم: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تبلیغ و افتاء کے منصب پر جنہیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے' وہ خود سید المرسلین' امام المتقین' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہیں۔ آپ وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اللہ احکم الحاکمین کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ:

﴿ قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ ﴾ (صٓ ۳۸/ ۸۶)

''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں۔''

آپ کے فتاویٰ جامع احکام اور فصل خطاب پر مشتمل تھے اور وجوب اتباع میں ثانی کتاب تھے کہ کسی مسلمان کے لئے ان سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (النساء۴/ ۵۹)

''اور اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) بھی اچھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جہاں تمام تنازعات اور معاملات میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے' وہاں یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ وہ بے فائدہ سوال پوچھنے سے اجتناب کریں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کریں کہ اگر ان کی حقیقتیں واضح کر دی جائیں تو بری لگیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْـَٔلُوا۟ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۰۱)

''مومنو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

«ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى

① فقہاء کرام کے اقوال کے لئے ملاحظہ فرمایئے: المجموع شرح المھذب ج:۱' ص:۴۵' البحر الرائق ج:۶' ص:۲۹۰' الفروق ج:۴' ص:۸۹' منتھی الارادات ج:۴' ص:۲۵۷۔

أَنْبِيَآئِهِمْ»(مسند امام احمد بن حنبل ۲/ ۳۱۳)

"جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دو کہ تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔"

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَآءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْئَلُوْا عَنْهَا»(رزين بحواله جمع الفوائد، ۱/ ٤١، حديث: ۲۷۲، المكتبه الاسلاميه، سمندري)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں' تم انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے اس نے سکوت فرمایا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر ہے' لہٰذا ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔"

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

«أَعْظَمُ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْئَالَتِهِ»(مسند امام احمد۱/ ۱۷۹)

"مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے صرف وہی سوالات پوچھے جو ناگزیر تھے اور جن کے پوچھنے کی انہیں واقعتاً ضرورت تھی' چنانچہ قرآن و سنت کے صفحات شاہد ہیں کہ انہوں نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کی طرح نہ تو بے معنی سوالات پوچھے اور نہ کسی کٹ حجتی سے کام لیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے انتہائی پاکباز تھے' علم کے اعتبار سے بے حد گہرے' تکلف میں سب سے کم' بیان کے اعتبار سے سب سے حسین' ایمان میں سب سے پکے' بات کے سب سے سچے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تقرب الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہی لشکر ایمان' عسکر قرآن اور عباد الرحمٰن تھے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے بعد افتاء کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور افتاء: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے تو کثرت سے فتاویٰ منقول ہیں اور بعض کے فتاویٰ کی تعداد انتہائی قلیل ہے جب کہ ان میں سے بعض کے فتاویٰ کی تعداد کثرت و قلت کے درمیان ہے' بہرحال ان صحابہ کرام کی تعداد ایک سو تیس سے بھی کچھ زیادہ ہے جن کے فتاویٰ محفوظ ہیں۔

جن حضرات سے بکثرت فتاویٰ منقول ہیں' ان میں حضرت عمر فاروق' حضرت علی مرتضیٰ' عبداللہ بن مسعود' صدیقہ کائنات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ' زید بن ثابت' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ان سے ایک بہت ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے' چنانچہ ایک بہت بڑے امام و محدث ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے امیرالمؤمنین مامون کے

لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو مرتب کیا تو وہ بیس کتابوں پر مشتمل تھے۔ امام ابو محمد بن حزم اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقاعدہ فہرست مرتب فرمائی ہے جو منصب افتاء پر فائز تھے نیز انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فتویٰ نویسی میں کثرت' قلت یا توسط کے کس درجہ پر فائز تھے'① بلکہ امام ابن حزم نے تو ان تابعین' تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ کی ایک مفصل فہرست بھی مرتب فرمادی ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بصرہ' کوفہ' شام' مصر اور دیگر علاقوں میں منصب افتاء پر فائز تھے۔②

فتویٰ کون دے سکتا ہے؟: دین کا معاملہ چونکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر دین کے بارے میں بات کرنے کو حرام قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۳۳)

''کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ نے محرمات کو چار مراتب میں تقسیم فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے کم درجہ کی محرمات کو ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ظاہر و پوشیدہ بے حیائی کی باتیں' اور ان کے بعد انہیں ذکر کیا ہے جن کی حرمت ان سے شدید ہے' اور وہ ہیں گناہ اور ناحق زیادتی کرنا اور پھر اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سے بھی شدید ہے' اور وہ ہے اللہ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا اور آخر میں اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سب سے شدید تھی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کہنا خواہ وہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اسماء' صفات اور افعال کے بارے میں کہی جائے یا اس کے دین و شریعت کے بارے میں' اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۱۶-۱۱۷)

''اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے' مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال و احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا حرام ہے۔ مفتی چونکہ اللہ تعالیٰ یا اسکے دین کے بارے میں بات بتاتا ہے لہٰذا اگر اسکی بات شریعت کے مطابق نہ ہو تو گویا

---

① جوامع السيرة' امام ابن حزم ص:۳۱۹-۳۳۵۔ ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ ضلع گوجرانوالہ' اعلام الموقعین' امام ابن قیم ج:۱' ص:۳۹-۴۲۔ ② ملاحظہ فرمایئے: الرسالة الثالثة' اصحاب الفتيا من الصحابة ومن بعدهم على مراتبهم في كثرة الفتيا' یہ رسالہ جوامع السیرۃ میں (۳۱۹-۳۳۵) شامل ہے۔

اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیربات کی ہے۔

ہاں البتہ اگر اس نے اجتہاد سے کام لیا ہو اور حق بات معلوم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو اور اس کے باوجود اس سے غلطی ہو گئی ہو تو پھر وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا' اس کی خطا معاف ہوگی بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے اسے اجروثواب بھی ملے گا لیکن اسے یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ جو بات وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کہہ رہا ہو اس کے بارے میں اسے کتاب و سنت سے کوئی نص نہ ملی ہو تو اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ:

- اللہ تعالیٰ نے یہ حلال قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ حرام قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ مباح قرار دیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ سلف کس قدر محتاط تھے' اس کا اندازہ اس بات سے فرمایئے کہ امام مالک رحمہ اللہ جب کوئی مسئلہ اپنے اجتہاد اور رائے کی بنیاد پر بیان کرتے تو ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمادیا کرتے تھے کہ:

﴿ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (الجاثية ٤٥/ ٣٢)

"ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔"

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص اپنے آپ کو منصب افتاء پر فائز کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وجوہ قرآن' اسانید صحیحہ اور سنن کا عالم ہو" آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ "فتویٰ دینا صرف اس آدمی کے لئے جائز ہے' جو کتاب و سنت کا عالم ہو۔"

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی شخص کے لئے اس وقت تک فتویٰ دینا حلال نہیں ہے جب تک وہ کتاب اللہ اور اس کے ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ' تاویل و تنزیل' مکی و مدنی سورتوں اور ان کے معانی و مطالب سے آگاہ نہ ہو۔ حدیث رسول اللہ ﷺ' اس کے ناسخ و منسوخ اور قرآن مجید ہی کی طرح حدیث سے متعلق دیگر امور سے آگاہ نہ ہو۔ اسے لغت و شعر کا بھی اس قدر علم ہو جو قرآن و سنت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے' مختلف علاقوں کے اہل علم کے اختلاف کا بھی اسے علم ہو نیز اسے طبعی ملکہ بھی حاصل ہو' اگر اس میں یہ باتیں موجود ہوں تو وہ حلال و حرام کے بارے میں فتویٰ دے سکتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو اسے فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔"[1]

بہرحال اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ایسی رائے کی بنیاد پر فتویٰ دینا حرام ہے جو کتاب وسنت کی نصوص کی مخالفت پر مبنی ہو یا نصوص نے جس رائے کو قبول کرنے کی شہادت نہ دی ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾ ﴾ (القصص ٢٨/ ٥٠)

"پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے

---

[1] اعلام الموقعین ج:۱' ص:۷۸-۸۰۔

زیادہ کون گمراہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ﴾ (ص ٣٨/ ٢٦)

"اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ ٱلْأَمْرِ فَٱتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا۟ عَنكَ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ وَإِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۖ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ ﴾ (الجاثية ٤٥/ ١٨-١٩)

"پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا' یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی علم کے بغیر فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے' چنانچہ مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتًا فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ. . .»(أخرجه الحاكم في المستدرك، ١/ ١٠٣ ورواه الحافظ البيهقي في سننه الكبرى، ١٠/ ١١٦)

"جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا تو اسکا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہو گا۔"

کتاب و سنت کے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ صرف اس شخص کو دینا چاہیئے جس میں مکمل اہلیت ہو۔ مکمل اہلیت سے کیا مراد ہے' اس کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال مختلف ہیں۔[1] فقہ حنفی کے مطابق جو واقعہ ابھی تک پیش ہی نہ آیا ہو اس کے بارے میں فتویٰ دینا واجب نہیں ہے۔ فتویٰ میں تساہل کا ثبوت دینا یا اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ فتویٰ صرف اسی شخص کو دینا چاہیئے جو علما کے اقوال کو جانتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ علماء کے ان اقوال کا مصدر و ماخذ کیا ہے' اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں تو اسے اس قول کی دلیل بھی معلوم ہونی چاہیئے جسے اس نے اختیار کیا ہو الغرض ہر اس بالغ عاقل مسلمان کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے جو روایات کا حافظ' درایات سے واقف' طاعات کا

---

① تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: البحر الرائق لابن نجیم ج:٦' ص:٢٨٩' مواہب الجلیل مع التاج والاکلیل ج:٦' ص:٩٤-٩٥' المجموع للنوی ج:١' ص:٤٢' روضۃ الناظر ج:٢' ص:٤٤١' اعلام الموقعین ج:١' ص:٣٧-٣٨' مکتبہ ابن تیمیہ' قاہرہ۔

محافظ اور شہوات و شبہات سے مجتنب ہو، خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان[1] اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ارشادات بھی قریباً قریباً اسی کے ہم معنی ہیں۔[2] حافظ ابن قیم نے آداب فتویٰ و مفتی و مستفتی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[3]

مفتی کا اپنے فتویٰ سے رجوع: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مفتی نے کوئی فتویٰ دیا ہو اور پھر وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کرے اور مستفتی کو بھی اس کے رجوع کے بارے میں علم ہو جائے اور ابھی تک اس نے اس کے فتویٰ پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لئے ایک قول کے مطابق اس کے اس پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ محض مفتی کے رجوع کی وجہ سے اس کے پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہیں ہو گا بلکہ اسے چاہیئے کہ اس کے متعلق کسی اور مفتی سے بھی فتویٰ طلب کرے اور اگر دوسرے مفتی کا فتویٰ اس کے پہلے فتویٰ کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر وہ اس کے دوسرے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دے اور کسی اور نے بھی اس کے اس دوسرے فتویٰ کے خلاف فتویٰ نہ دیا ہو تو پھر پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہو گا اور اگر کسی شہر میں مفتی ہی ایک ہو تو پھر اس سے یہ پوچھ لے کہ اس نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کیوں کیا ہے؟ اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس نے اس مسئلہ میں کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے جب کہ پہلا قول بھی درست ہے تو اس صورت میں پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہ ہو گا اور اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ صحیح نہیں تھا اور اس میں اس سے غلطی ہو گئی ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے بشرطیکہ اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ شرعی دلیل کے خلاف ہو اور اگر اس کا رجوع محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر مستفتی کے لئے اس کے مطابق عمل کرنا حرام نہیں ہو گا۔[4]

کیا مستفتی کو بتانا ضروری ہے؟: اگر مفتی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لے یا اس کے اجتہاد میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے تو کیا اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مستفتی کو بھی اس کے بارے میں مطلع کرے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ فتویٰ دینے میں اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اس کا فتویٰ کتاب و سنت کی کسی ایسی نص کے خلاف ہے جس کے مقابلہ میں کوئی اور نص موجود نہیں ہے یا اس کا فتویٰ اجماع امت کے خلاف ہے تو اس صورت میں اسے چاہیئے کہ وہ مستفتی کو مطلع کرے اور اگر اسے یہ معلوم ہے کہ اس کا فتویٰ صرف اس کے اپنے فقہی مذہب یا اپنے امام کے قول کے خلاف ہے تو اس صورت میں مستفتی کو مطلع کرنا واجب نہیں ہے۔[5]

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ افتاء کی شرائط کو پورا کرتا ہو اور فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہو جسے علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① الفتاوی الھندیہ ج:۳، ص:۳۰۹-۳۱۰، البحرالرائق لابن نجیم ج:۶، ص:۲۹۱۔ ② ملاحظہ فرمائیے: التاج والاکلیل مع مواہب الجلیل ج:۶، ص:۹۱، المجموع للنووی ج:۱، ص:۴۵، کشاف القناع للبھوتی الحنبلی ج:۶، ص:۲۴۲۔ ③ اعلام الموقعین ج:۴، ص:۱۹۹-۲۳۰، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ۔ ④ اعلام الموقعین ج:۴، ص:۱۹۹-۲۳۰۔ ⑤ اعلام الموقعین ج:۴، ص:۱۱۹-۲۳۰، المجموع للنووی ج:۱، ص:۴۵-۴۶، مختصر الطحاوی ص:۳۲۷، قوانین الاحکام الشرعیۃ لابن جزی المالکی ص:۳۲۲، طبع دارالعلم بیروت ۱۹۷۴۔

«يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ - وَفِيْ رِوَايَةٍ - قَوْمٌ رُءُوْسٌ جُهَّالٌ يُفْتُوْنَ النَّاسَ فَيَضِلُّوْنَ وَيُضِلُّوْنَ»(الفقيه والمتفقه، ٢/ ١٥٢-١٥٣، طبع اول، دارالإفتاء السعودية١٣٨٩هـ)

''آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ ---اور ایک روایت میں ہے کہ--- کچھ ایسے جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو فتویٰ دیں گے' مگر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ مسلمانوں کے امام و حاکم کو چاہیئے کہ وہ مفتی حضرات کے حالات کا جائزہ لے' ان میں سے جو فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تو برقرار رکھے اور جو اس صلاحیت سے محروم ہو تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دے اور کہے کہ اگر وہ آئندہ باز نہ آیا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر خلفاء بنی امیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ میں مفتیوں کا تقرر کر دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی اور سے فتویٰ طلب نہ کیا جائے۔''①

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں کسی کو بھی فتویٰ نہ دیتا۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم نے ''شرح الروض'' کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو چاہیئے کہ وہ اپنے زمانے کے مشہور اہل علم سے یہ پوچھے کہ فتویٰ دینے کی صلاحیت سے کون بہرہ ور ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو فتویٰ دینے سے منع کر دے جو اس صلاحیت سے محروم ہوں اور باز نہ آنے کی صورت میں انہیں سزا بھی دے۔ علامہ خطیب بغدادی' حافظ ابن قیم اور دیگر اہل علم نے بھی ائمہ کرام و فقہاء عظام کے ارشادات اس مسئلہ سے متعلق بیان فرمائے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر سردست ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

افتاء و استفتاء کی تاریخ: افتاء و استفتاء کا سلسلہ چونکہ خود حضور اکرم ﷺ کے مبارک عہد ہی سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے کیونکہ آپ ہی مہبط وحی' شارح اسلام اور مرجع خلائق تھے۔

آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز تھے' جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے ان میں سے مدینہ منورہ میں خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت زید بن ثابت' حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' کوفہ میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما' بصرہ میں حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما' شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما' اور مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں قریباً ایک سو تیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی محفوظ ہیں جو مسند افتاء پر فائز تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ منصب افتاء پر فائز رہے ان میں چند نمایاں شخصیتوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

1 سعید بن مسیب 2 سعید بن جبیر 3 عروہ بن زبیر 4 عکرمہ 5 مجاہد 6 عطاء 7 علقمہ بن قیس

---

① البحرالرائق ج: ٦' ص: ٢٨٦۔

8 قاضی شریح 9 یزید بن ابی حبیب 10 لیث بن سعد رحمہم اللہ

یہ چند اسماء گرامی ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ذکر کئے ہیں' تفصیل کے شائقین حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب "جوامع السیرۃ" اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "اعلام الموقعین" کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگرچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی فتاوی کے سلسلے میں مجتہدین میں بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن تدوین فقہ کے دور میں اختلاف کی اس خلیج میں مزید وسعت پیدا ہو گئی اور اس کے نتیجے میں فقہاء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں ایک اہلحدیث کا گروہ تھا جو کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کی بنیاد پر فتویٰ دیتا تھا۔ اس گروہ میں علماء حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔ دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا جو نصوص شرعیہ کی تشریح ان کے عقلی معنی و مفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا' اس گروہ میں فقہاء عراق کی غالب اکثریت شامل تھی۔

اس دور کے بعد فتاویٰ کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو گئی' دوسرے ائمہ و فقہاء کے مقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے' ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ نااہل لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے یا صحیح اجتہاد کے اہل علماء کے صحیح مجتہدانہ فتاویٰ کو خلاف اسلام ثابت کر کے ان پر کفر کے فتوے لگانے لگے' اندھی تقلید کی وجہ سے جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی اس کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان العلماء عزبن عبدالسلام نے بجا فرمایا ہے کہ:

"یہ انتہائی تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کے ضعف کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے مداوا کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید اور مذہبی جمود کے باعث انہیں کتاب وسنت اور صحیح قیاس کو ترک کر دینے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ کتاب وسنت کے واضح نصوص کو ترک کر دینے اور اپنے امام کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے عجیب وغریب بعید از قیاس اور باطل تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔

لیکن الحمدللہ ہر دور میں اہل حق کا --- آلام و مصائب کا تختۂ مشق بننے کے باوجود --- ایک ایسا مقدس گروہ بھی رہا ہے' جنہوں نے اپنے افکار و نظریات اور اپنے فتاویٰ یا مسائل کی بنیاد قیل و قال اور آراء الرجال کے بجائے ہمیشہ کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ پر رکھی۔ سلف امت حضرات صحابہ کرام و تابعین کے بعد بھی ہر دور میں ایسے بے شمار اساطین علم و فضل رہے جو حاملین کتاب وسنت کی اسی سلک مروارید سے منسلک ہیں اور ان کی کتب اور فتاوی کے مجموعوں سے آج بھی دنیا اکتساب ضیاء کر رہی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل' حضرت امام بخاری' شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم' حافظ ابن حجر عسقلانی' شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب' امام قاضی محمد بن علی شوکانی اور دیگر ائمہ و فقہاء کرام رحمہم اللہ جو حیطہ شمار سے باہر ہیں اسی مسلک سلف کے ترجمان ہیں۔ ادھر برصغیر پاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ' ان کے صاحبزادگان گرامی اور نبیرہ عالی مقام حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نواب والاجاہ حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں' شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے بے شمار شاگردان رشید بالخصوص استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی' حضرت علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی' حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے ان علماء میں سے

جن کے فتاویٰ کو بطور خاص شرف پذیرائی حاصل ہوا ان میں سے شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کا "فتاویٰ نذیریہ" شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور ان کا "فتاویٰ ثنائیہ" حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اور ان کا "مجموعہ فتاویٰ" حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ اور ان کا "فتاویٰ سلفیہ" حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور حضرت العلام امام محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اور ان کے فتاویٰ کے مجموعے ہیں۔ اس وقت ان حضرات مفتیان کرام اور ان کے فتاویٰ کے مجموعوں کی تفصیلات و خصوصیات بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ قلم برداشتہ چند باتیں فتاوی کے اردو ترجمہ کی تقریب اشاعت و طباعت کی مناسبت سے نوک قلم پر آگئی ہیں۔

یہ فتاوی برادر اور عظیم اسلامی ملک سعودی عرب کے حسب ذیل حضرات مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے:

- سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ
- فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ

علاوہ ازیں اس میں دارالافتاء کی فتوی کمیٹی کے فتاویٰ اور فقہی کونسل کی قراردادیں بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ فتاویٰ بھی مسلک سلف کا ترجمان ہے' اس میں بھی ایک ایک فتویٰ کا کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا حضرات مفتیان کرام و شیوخ عظام کے فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بہت ہی احسن انداز میں مرتب فرمایا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

برادر مکرم فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اُردو قارئین کرام کے لئے اس عظیم مجموعہ فتاویٰ سے استفادہ کی راہیں آسان کیں اور اسے دارالسلام کی جمیل و جلیل روایت کے مطابق نہایت سلیقہ سے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

محمد خالد سیف

اسلام آباد ۲۰-۵-۱۴۱۸ھ / ۲۳-۹-۱۹۹۷ م

باب اوّل
کتابُ
العَقِیدۃ
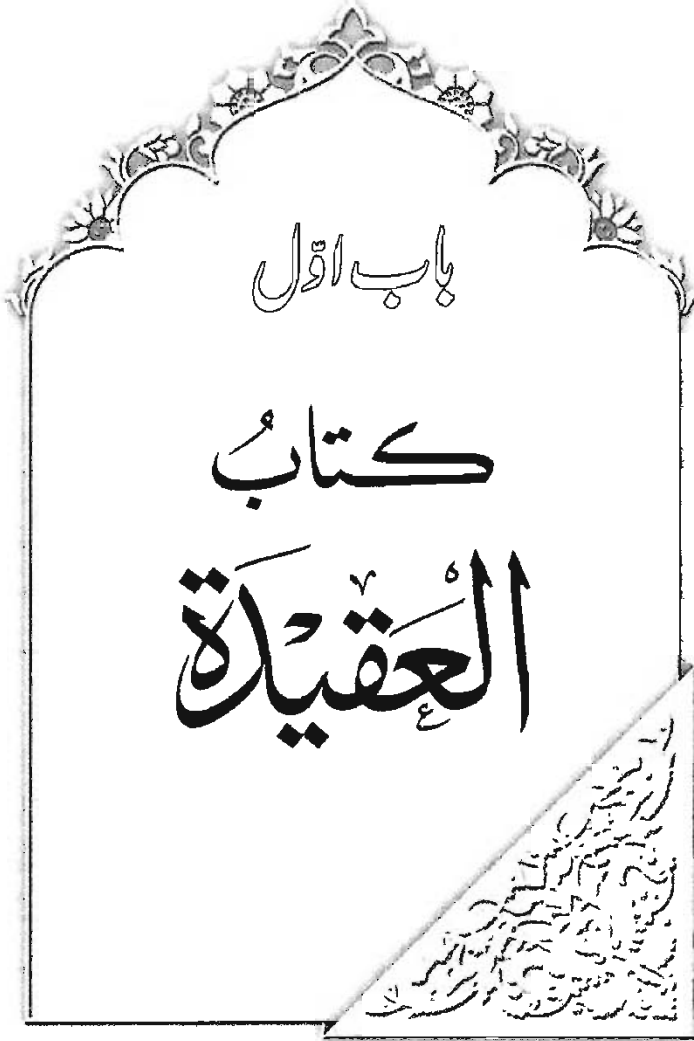
جنوں کے لئے ذبح کرنے والے کا کوئی عمل توبہ کے بغیر قبول نہیں

الحمدلله رب العالمين و الصلاة و السلام على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين - و بعد:

❁ بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ہمارے پاس صحراء میں کئی علماء آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جن کے نام پر ذبح کرے تو اس کی نہ نماز قبول ہے اور نہ حج۔ میں نے جب ان کی یہ بات سنی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی کہ آئندہ میں جن کے لئے ذبح نہیں کروں گا' میں حج بھی کر چکا ہوں۔ علماء فرماتے ہیں تمہارا حج باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا میرا حج واقعی باطل ہے یا صحیح ہے؟ اور اگر میرا حج باطل ہو گیا ہے تو کیا مجھے نیا حج کرنا پڑے گا؟

❁ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جن کے لئے ذبح کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے' اگر ایسا کرنے والا توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ ابدی جہنمی ہو گا کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٨)

"اور اگر وہ لوگ (یعنی انبیاء بھی) شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے' سب ضائع ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو اس گناہ عظیم سے توبہ کی توفیق بخشی کہ جس کی موجودگی میں کوئی عمل قبول نہیں ہوتا لہٰذا آپ دوبارہ حج کیجئے۔ اگر آپ کی توبہ سچی ہے تو توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ گناہوں کو معاف فرما کر اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَـٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَـٰلِحًا فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَـٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨-٧٠)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔" اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔ ((وصلى الله وسلم على عبده

ورسوله محمد وآله وصحبه))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھنا

سوال جو شخص مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھے اور اس کے لئے درج ذیل آیت سے استدلال کی کوشش کرے:

﴿ فَكُلُوا۟ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِـَٔايَٰتِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھا لیا کرو۔"

اور کہے کہ یہ آیت کریمہ محتاج تفسیر نہیں ہے اور کسی کی بات کو نہ سنے تو کیا وہ کافر ہو گا؟

جواب جو شخص شرک اکبر کے مرتکب مشرک کے ذبیحہ کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے حلال قرار دے تو وہ خطا کار ہے لیکن وہ کافر نہیں کیونکہ یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید وہ اللہ کے نام کی وجہ سے اسے حلال قرار دے رہا ہو' البتہ مذکورہ آیت سے اس کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آیت کے عموم کو مشرک کے ذبیحہ کی حرمت پر اجماع نے خاص کر دیا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مشرک کی طرف سے حج اور اس کے لیے مغفرت کی دعاء

سوال ایک شخص جس نے زندگی بھر کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور جن' پتھر' درخت اور بتوں کے نام پر ذبح کرتا رہا اور اسی حالت میں مر گیا تو کیا اس کے کسی رشتہ دار کے لئے اس کی طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص سوال میں مذکور حالت کے مطابق مرا ہو' اسے شرک اکبر کا مرتکب سمجھا جائے گا اور ایسے شخص کی طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے بخشش کی دعاء کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ ﴾ (التوبة٩/ ١١٣)

"نبی اور مسلمانوں کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک دوزخی ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں' اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَ أُمِّي فَأَذِنَ لِيْ، وَاسْتَأْذَنْتُهُ أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِيْ»

(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ربه في زيارة قبر أمه، ح:٢٢٥٨، ٢٢٥٩)

"میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرما دی اور میں نے مغفرت کی دعاء کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔"

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ کے اس فرمان کا معنی کہ "ایک کے سوا تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔"

سوال نبی ﷺ کے اس ارشاد میں امت سے کیا مراد ہے جس میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ "ایک کے سوا میری امت کے تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے۔" تو کیا یہ بہتر فرقے مشرکوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا نہیں؟ اور جب ہم "نبی کی امت" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو کیا اس سے مراد آپ ﷺ کے فرمانبردار اور نافرمان سب مراد ہوتے ہیں یا اس سے صرف آپ کے فرمانبردار مراد ہوتے ہیں؟

جواب اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی' ان میں سے بہتر فرقے منحرف اور بدعتی تو ہوں گے لیکن ملت اسلام سے خارج نہیں ہوں گے۔ بدعت اور انحراف کے باعث انہیں عذاب ہو گا الا یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اور اسے جنت میں پہنچا دے۔ صرف اہل سنت و جماعت کا ایک فرقہ نجات یافتہ ہے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور آپ کے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اختیار کیا چنانچہ انہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّن أُمَّتِيْ قَائِمَةً عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلاَ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، ح:٧١_٣٦٤١، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة...، ح:١٩٢٠)

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا' اس کی مخالفت کرنے والے اور اسے رسوا کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ اللہ کا امر (قیامت) آ جائے گا۔"

جو شخص اپنی بدعت کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اس کا تعلق امت دعوت سے ہے' امت اجابت سے نہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو گا اور اس مسئلہ میں راجح قول یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت ہے اور اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن کی طرف نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اور ایک گروہ سے مراد جہنم سے نجات پانے والی امت ہے خواہ عذاب سے اس کا سابقہ پڑے یا نہ پڑے' اس کا انجام بہرحال جنت ہے۔

فرقہ ناجیہ کے سوا دیگر بہتر فرقے کافر اور ابدی جہنمی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت دعوت' امت اجابت کی نسبت عام ہے یعنی جو شخص امت اجابت سے تعلق رکھتا ہے وہ امت دعوت میں سے بھی ہے لیکن امت دعوت کا ہر فرد امت اجابت میں سے نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلاَّ وَارِدُهَا ﴾ کے معنی

 میں نے سورۂ مریم کی آیات ۷۱'۷۲ کو پڑھا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱_۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

میں ان آیات کریمہ خاص طور پر ان میں مذکور جہنم میں وارد ہونے کے معنی معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس ورود سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی چھت پر نصب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ لوگ اپنے اعمال کے مطابق رفتار کے ساتھ اس کے اوپر سے گزر جائیں گے۔

——— شیخ ابن باز ———

لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے

سوال قیامت کے دن لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے' انبیاء' اقطاب اور ابدال کس طرح اٹھیں گے؟ اور سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا؟

جواب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ریڑھ کی ہڈی سے دوبارہ پیدا فرمائے گا' اس سے لوگ ٹھیک اپنی شکل و صورت میں اسی طرح پیدا ہوں گے جس طرح دانے سے کھیتی اور گٹھلی سے کھجور پیدا ہوتی ہے' پھر وہ اپنی قبروں سے برہنہ پاؤں' برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اس طرح نکلیں گے گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوں یا بکھرے ہوئے پتنگے اور وہ راہ حشر سے ناواقف نہ ہوں گے بلکہ بھٹ تیتر سے بھی اپنی منزل کے بارے میں زیادہ آگاہ ہوں گے اور قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر شق ہو گی' صعقہ سے آفاقہ بھی سب سے پہلے آپ ہی کو ہو گا۔ قبروں سے اٹھنے کے بعد جن کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس دن سب لوگوں پر انتہائی گھبراہٹ اور خوف (دہشت) کی کیفیت طاری ہو گی حتی کہ ہر نبی بھی "نفسی نفسی" پکار رہا ہو گا۔ جو شخص بھی القمر' المعارج اور القارعہ جیسی سورتوں میں آیات بعثت کو پڑھے گا تو اس کے سامنے مذکورہ باتوں میں سے بہت سی واضح ہو جائیں گی اور صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: واتخذ الله ابراهيم خليلا، ح:٣٣٤٩، صحيح مسلم، كتاب صفة الجنة، باب فناء الدنيا...، ح: ٢٨٦٠)

"بلاشبہ تم برہنہ پاؤں' برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جاؤ گے!"

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۱۰٤)

"جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے (یہ) وعدہ (ہے جس کا پورا کرنا) ہم پر لازم ہے' ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔"

اور فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو بائیں جانب لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا "یہ تو میرے ساتھی ہیں" تو مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے' تو میں بھی نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح یہ کہوں گا:

﴿ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ﴾ (المائدة٥/ ١١٧)

"اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا....."

"صحیحین" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ:

«إِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ. . .»(صحيح بخاري، كتاب الخصومات، باب ما يذكر في الاشخاص...ح:٢٤١٢)

"لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور سب سے پہلے میری زمین شق ہو گی۔"

صحیحین ہی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ. . .»(صحيح بخاري، كتاب التفسير باب ﴿ ولما جاء موسى لميقاتنا... ﴾ ح ٤٦٣٨)

"لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔"

ان دونوں حدیثوں کی تحقیق کے لئے "شرح عقیدہ طحاویہ" کا وہ مقام دیکھئے جہاں امام طحاوی رحمہ اللہ نے لوگوں کے قیامت کے دن کے حالات کو بیان فرمایا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

توکل کی حقیقت

سوال اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کے یہ معنی نہیں کہ تیراکی جانے بغیر آپ سوئمنگ پول میں چھلانگ لگا دیں یا مشق کئے بغیر کسی گیم میں حصہ لے کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیں' تو پھر سوال یہ ہے کہ توکل کی حقیقت کیا ہے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب توکل علی اللہ کا معنی یہ ہے کہ کام کو اللہ تعالیٰ وحدہ کے سپرد کر دیا جائے اور یہ واجب ہی نہیں بلکہ ایمان کا ایک اہم اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٢٣)

"اور اللہ ہی پر توکل رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو"

مطلوب و مقصود کے حصول کے لئے توکل ایک طاقتور معنوی سبب ہے لیکن مومن کو چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر ممکن اسباب کو بھی اختیار کرے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو مثلاً دعاء' نماز' صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ یا ان کا تعلق مادیات سے ہو کہ قوانین فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو مسببات کے ساتھ ملا دیا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے' جنہیں سائل نے اپنے استفتاء میں ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ

سب سے بہترین متوکل تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کمال درجہ کے توکل کے ساتھ ساتھ دیگر مناسب اسباب کو بھی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ پس جو شخص دستیابی کے باوجود دیگر اسباب کو ترک کر دے اور محض توکل پر اکتفاء کرے تو اس کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے اور اس کے اس عمل کو شرعی توکل کی بجائے عاجزی یا کم ہمتی کہا جائے گا۔ ((وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مساجد کے افتتاح کے لئے مجلسوں کا اہتمام

الحمدللّٰه رب العالمين و الصلاة و السلام على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين - وبعد:!

❁ بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو اس سوال کا علم ہوا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کے نام ارسال کیا گیا ہے اور جس میں یہ پوچھا گیا ہے کہ ہمارے ہاں جب کوئی نئی مسجد بنائی جاتی ہے اور اس میں نماز شروع کرنے کا پروگرام بنتا ہے تو اس کے لئے مختلف شہروں سے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ وہ افتتاح مسجد کی تقریب میں شریک ہوں' تو اس مقصد کے لئے لوگوں کے آنے کا کیا شرعی حکم ہے؟ کیا حدیث:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩)

''تین مساجد کے علاوہ کسی طرف (تبرک کی غرض سے) سواریاں تیار کرکے (سامان سفر باندھ کر) مت جایا جائے''

کی روشنی میں یہ فعل حرام ہو گا؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو جواز کی دلیل کیا ہے؟ کیا وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ ''بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لا کر ایک کونے میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے جائے نماز قرار دے لیں۔'' اس عمل کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں قصہ مسجد ضرار سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں جانے کے محض قصدوارادہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس لئے منع کیا کہ اس مسجد کو ضرر اور کفر کے لئے بنایا گیا تھا؟

❁ کمیٹی کا جواب حسب ذیل ہے:

مساجد کا افتتاح ان میں نماز پڑھنے اور ذکر الٰہی' تلاوت قرآن مجید' تسبیح و تحمید و تہلیل اور علوم شرعیہ کی تعلیم جیسے امور سے ہونا چاہیئے' جو مسجد کے لئے باعث عظمت و رفعت شان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ ﴾
(النور٢٤/ ٣٦-٣٨)

''(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا

نام ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت' وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ انکو انکے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے"

اس طرح کے وعظ و نصیحت اور مشورہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مساجد کو آباد فرمایا کرتے تھے' آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدایت کا بھی یہی طرز عمل رہا اور سراسر خیر و برکت اسی میں ہے کہ ان پاکباز لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مساجد کے افتتاح کے لئے انہی کی پیروی کریں اور مسجدوں کو عبادات اور ان کے ہم معنی شعائر اسلام سے آباد شاد رکھیں۔ نبی ﷺ سے اور آپ کی پیروی کرنے والے ائمہ ہدیٰ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی افتتاح مسجد کے موقعہ پر اس قسم کی تقریب کا اہتمام کیا ہو اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہو' جس طرح آج کل لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور وہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل کے موقعہ پر مختلف شہروں سے آکر تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہ عمل قابل ستائش ہوتا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کی طرف سبقت فرماتے' امت کیلئے اسے مسنون قرار دے دیتے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدیٰ رحمہم اللہ اس کی پیروی کرتے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً منقول بھی ہوتا لہٰذا اس طرح کی محفلوں کا اہتمام درست نہیں ہے' اس طرح کی محفل میں شرکت کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور نہ مالی امداد کی صورت میں ان محفلوں کے انعقاد میں تعاون کرنا چاہئے۔ سراسر خیر و بھلائی اتباع سلف میں اور سراسر شر و برائی ابتداع خلف میں ہے۔

یہ جو حدیث ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لائیں اور ان کے مکان کے ایک حصہ میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے اپنے نوافل وغیرہ کے لئے جائے نماز بنالیں' تو یہ مروجہ تقریب افتتاح مسجد کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ آپ ﷺ کو تقریب میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ نماز کے لئے دعوت دی گئی تھی آپ نے اس نماز کے لئے سفر بھی نہیں کیا اور پھر اس محفل میں شرکت یا اس مسجد میں نماز کے لئے سفر اس حدیث کے عموم نہی میں داخل ہے جس میں آپ ﷺ نے تین معروف مساجد کے علاوہ دیگر مسجدوں کی طرف شد رحال (رخت سفر تیار) کر کے جانے سے منع فرمایا ہے لہٰذا اس تو ایجاد عادت سے اجتناب کرنا چاہئے اور مسجدوں کے معاملات میں بھی اسی عمل پر اکتفاء کرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد اور آپ کے تابعدار ائمہ ہدیٰ کے دور میں تھا۔ ((وصلى الله وسلم على عبده ورسوله محمد وآله وصحبه))

——— فتویٰ کمیٹی ———

حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد از وفات کسی کی مدد نہیں کر سکتے

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے۔ "کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ مصائب کے وقت کسی کی مدد کر سکتے ہیں؟

جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور وہ اپنے قاتل کی تدبیر کو معلوم نہ کر سکے اور نہ اپنے نفس سے اس مصیبت کو

دور کر سکے' تو یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی مشکل کو دور نہ کر سکے؟ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا فوت شدگان میں سے کوئی اور شخصیت نفع پہنچا سکتی ہے یا مدد کر سکتی یا نقصان کو دور کر سکتی ہے' تو وہ مشرک ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں تو جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ یہ خصوصیات کسی اور میں بھی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے تو اس نے گویا اسے اپنا الٰہ بنالیا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (یونس ۱۰/۱۰۷)

"اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو دور کرنے والا بھی کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبر پر پھولوں کے گلدستے رکھنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وبَعْدُ:

✿ بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو عزت ماب ڈائریکٹر جنرل سے پوچھا گیا تھا کہ گم نام فوجی کی قبر پر پھولوں کے گلدستے رکھنے پر کیا وہ احکام منطبق ہوں گے' جو ان لوگوں کے عمل پر منطبق ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے اولیاء و صلحاء کی اس قدر تعظیم کی حتی کہ وہ عبادت کی صورت اختیار کر گئی؟

جواب یہ عمل بدعت اور مردوں کے بارے میں غلو ہے اور تعظیم کے اعتبار سے ان کے صالحین کے ساتھ معاملہ سے مشابہت رکھتا ہے اور خدشہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عمل ان کی قبروں پر قبے تعمیر کرنے' ان کے ذریعے تبرک حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں معبود بنانے کا سبب بن جائے گا لہٰذا شرک کے سدباب کے لئے اسے ترک کر دینا فرض ہے۔ ((وصلی اللّٰه وسلم علی عبده ورسوله محمد و آله وصحبه))

——— فتویٰ کمیٹی ———

کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کا انجام

سوال جو لوگ زنا' قذف (تہمت) یا چوری جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کریں اور احکام شریعت کے مطابق انہیں دنیا میں ان جرائم کی سزا نہ دی جا سکے اور وہ توبہ کئے بغیر مر جائیں تو قیامت کے دن ایسے لوگوں کے بارے میں حکم الٰہی کیا ہو گا؟

جواب اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان زنا' قذف (تہمت) اور چوری جیسے کبیرہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں مر جائے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور بالآخر اس کا انجام جنت ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

"بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔"

صحیح اور متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گار موحدین کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَتُبَايِعُوْنَنِي عَلٰى أَلاَّ تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَلاَ تَزْنُوْا وَلاَ تَسْرِقُوْا»(صحيح بخاري، كتاب الإيمان، باب رقم: ١١، ح:١٨، ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٤٨٩٤)

"کیا میری اس بات پر بیعت کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے' بدکاری نہ کرو گے' چوری نہ کرو گے۔"

پھر آپ نے سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا:

«فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ» (بخاري، كتاب الإيمان، باب رقم: ١١، ح:١٨، ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٤٨٩٤)

"جو تم میں سے اس بیعت کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اسے سزا مل جائے تو وہ سزا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرما دے۔"

فتویٰ کمیٹی

قبروں پر سجدہ اور ذبح کرنے کا حکم

سوال قبروں پر سجدہ کرنے اور ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب قبروں پر سجدہ کرنا اور ذبح کرنا زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی اور شرک اکبر ہے کیونکہ یہ دونوں کام عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہے۔ جو شخص غیراللہ کی عبادت کرے وہ مشرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِى وَنُسُكِى وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِى لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میری نماز' میری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الكوثر١٠٨/ ١-٢)

"(اے محمدؐ!) ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا فرمائی ہے' پس اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سجدہ اور ذبح کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا اور ذبح کرنا شرک ہے۔ بے شک انسان جب سجدہ و ذبح کے لئے قبروں کا رخ کرتا ہے تو اس کا مقصود قبروں کی تعظیم و توقیر ہی ہوتی ہے۔ امام مسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«حَدَّثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ، بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللهُ مَنْ أوىٰ مُحْدِثًا، لَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالي، ح:١٩٧٨، سنن نسائي، كتاب الاضاحي، باب من ذبح لغير الله عزوجل، ح:٤٤٢٢)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔
② اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔
③ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے اور
④ اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت فرمائے جو زمین کے نشانات کو تبدیل کرے۔"

اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں بطریق ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ: فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوْا: لاَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ»(سنن أبي داود، كتاب الأيمان، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر، ح:٣٣١٣)

"کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا "نہیں۔" آپ نے فرمایا "کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کا کوئی میلہ منعقد ہوتا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا "نہیں" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی نذر کو پورا کرلو کیونکہ اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہئے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔"

ان مذکورہ آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نیز ایسی جگہ بھی جانور کو ذبح کرنا حرام ہے جہاں کسی بت یا کسی بھی غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہو یا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ ٹھیلا منعقد ہوتا ہو خواہ ذبح کرنے والے کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مُردوں کے لئے ذبح کرنے کا حکم

❁ بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس یہ سوال آیا کہ میرے ملک میں بعض لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں

اور ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ان میں سے جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ ایک مخصوص طریقہ سے اس کے لئے گائے' بکری یا کوئی اور پالتو جانور ذبح کرتے ہیں اور اس کا گوشت اپنے اردگرد کے لوگوں بشمول مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں لیکن مسلمان اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے تو پھر وہ مسلمانوں کو گائے وغیرہ زندہ جانور ہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جانور لے لو اور اسے اپنے طریقے سے ذبح کر لو تا کہ یہ اس میت کی طرف سے صدقہ ہو جو کہ غیراللہ کی عبادت کرتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کیا اس جانور کو لے کر اسلامی طریقہ سے ذبح کر کے اس کے گوشت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ عمل ان کے کام میں شرکت سمجھا جائے گا؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب غیراللہ کی عبادت کرنا اور مُردوں' غائب لوگوں اور درختوں اور دیگر غیراللہ کے نام کی نذر ماننا یا ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔ وہ شخص بہت اچھا کرتا ہے جو گائے بکری وغیرہ کے اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے جسے غیراللہ کے پجاری اپنے مردوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں' ہاں البتہ اس زندہ گائے اور بکری کے لینے میں کوئی حرج نہیں جسے ان سے لے کر اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کر لیا جائے بشرطیکہ ذبح کے وقت کا مُردہ کی وفات کے وقت سے تعلق نہ ہو' نہ ان کی بدعت میں شرکت ہو اور نہ ذبح کرنے اور گوشت تقسیم کرنے سے مقصود میت پر صدقہ کرنا ہو جب کہ میت غیراللہ کی عبادت کرنے والوں میں سے ہو اور اگر مسلمان اس جانور کو اس کی موت کے وقت یا اس کے جنازہ کے لے جانے کے وقت ذبح کریں تو جائز نہ ہو گا کیونکہ اس میں ان کی بدعت میں شراکت ہو گی۔

((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

منتروں' تعویذوں اور دموں کے لکھنے کا حکم

سوال کچھ لوگ مریضوں' مجنونوں اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے لئے قرآن و سنت کے کلمات کو بطور تعویذ لکھتے ہیں' ہم نے انہیں ایسا نہ کرنے کی نصیحت کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کلمات کو بطور تعویذ لکھنا منع نہیں حالانکہ یہ ایسے لوگوں پر بھی تعویذ لٹکا دیتے ہیں جو پاک نہیں ہوتے مثلاً حیض اور نفاس والی عورت' مجنون و مدہوش مرد اور چھوٹا بچہ جسے عقل ہوتی ہے نہ طہارت کا شعور' تو کیا ان تعویذوں وغیرہ کا لکھنا جائز ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید' اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اذکار اور ادعیہ میں شرک نہ ہو یا وہ ایسے کلام پر مشتمل نہ ہوں جن کا مفہوم واضح نہ ہو۔ کیونکہ عوف بن مالک سے مروی ہے کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لاَ بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، ح: ٢٢٠٠)

"میرے سامنے اپنے دم پیش کرو' دم میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرکیہ نہ ہو۔"

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف اسی صورت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو حرام ہے بلکہ شرک ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَىٰ رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»

(سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٥٣١، مسند احمد٤/ ٤٤٥)

"نبی ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے اتار دے یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(أحمد في المسند ٤/ ١٥٤، وأبويعلى في المسند رقم: ١٧٥٩ والحاكم في المستدرك ٤/٤١٧)

"جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

امام احمد اور ابوداود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣، مسند احمد١/ ٣٨١)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

خواہ جو اس نے لٹکایا ہو وہ قرآنی آیات ہی ہوں' صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے تین اسباب ہیں:

① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں' تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔

③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضائے حاجت' استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورت یا آیات کا پلیٹ یا کاغذ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ آپ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دواعی اور اسباب بھی موجود تھے' لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے' جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم' اسماء حسنیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار اور دعائیں اور

ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں' جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے قرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود مقرر فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے' اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرما دے' غم و فکر سے نجات دے دے' علم نافع سے سرفراز فرمائے۔ ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے!

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے

سوال میرے خاندان میں تقرب کے حصول کے لئے اولیائے کرام کی قبروں پر بکریوں کے ذبح کرنے کا رواج ہے۔ میں نے انہیں اس سے روکا لیکن اس سے ان کے عناد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس کی عبادت کا حق ہے' لیکن اگر ہم اولیاء کی زیارت کریں اور اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یوں کہیں کہ اپنے فلاں ولی کے طفیل ہمیں شفاء عطا فرمایا ہماری فلاں مصیبت کو دور کر دے تو بھلا اس میں گناہ کی کون سی بات ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارا دین واسطے کا دین نہیں ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو..... میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے علاج کے لئے آپ کون سا حل بہتر سمجھتے ہیں؟ ان کے مقابلہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں اس بدعت کا کس طرح مقابلہ کروں؟ شکریہ!

جواب کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اللہ خواہ وہ اولیاء ہوں یا جن' بت ہوں یا دیگر مخلوقات' ان کے لئے ذبح کر کے تقرب حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور جاہلیت و مشرکین کے اعمال میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلۡ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرۡتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

''(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔''

''نسک'' کا معنی ذبح کرنا ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جس طرح غیر اللہ کے لئے نماز پڑھنا شرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ ﴿٢﴾﴾ (الکوثر١٠٨/ ١-٢)

''(اے محمد) ہم نے آپ کو کوثر (بہت بڑی خیر و برکت) عطا فرمائی ہے۔ سو (آپ اس کے شکر میں) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔''

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور اسی کے

لئے قربانی کریں جب کہ مشرکین غیراللہ کو سجدہ کرتے اور غیراللہ ہی کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البينة٩٨/ ٥)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔"

اس مضمون کی آیات بہت سی ہیں۔ ذبح کرنا عبادت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ذبح بھی صرف اللہ ہی کے نام پر کیا جائے۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله وتعالى ولعن فاعله، ح: ١٩٧٨)

"جو شخص غیراللہ کے لئے ذبح کرے اللہ اس پر لعنت فرمائے۔"

رہی قائل کی یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ سے بحق اولیاء یا بجاہ اولیاء یا بحق نبی یا بجاہ نبی سوال کرتا ہوں' تو یہ شرک تو نہیں لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک بدعت اور وسیلہ' شرک ضرور ہے کیونکہ دعاء عبادت ہے اور اس کی کیفیت توقیفی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ مخلوق میں سے کسی کے حق یا جاہ کے ساتھ توسل شرعاً جائز ہے' لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وسیلہ کی کوئی ایسی صورت ایجاد کرے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ﴾ (الشورى٤٢/ ٢١)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ،ح: ١٧١٨)

"جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔"

اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی اپنی "صحیح" میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح: ١٧١٨، وصحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب رقم: ٢٠)

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین (اسلام) میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے فرمان "رد" کے معنی یہ ہیں کہ اسے کام کرنے والے کے منہ پر دے مارا جائے گا اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہو گا' لہٰذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ صرف اس کی پابندی کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے اجتناب کریں جو بدعات لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ جس وسیلہ کی شریعت میں اجازت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ' اس کی صفات' اس کی توحید' اعمال صالحہ' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس طرح کے دیگر نیکی اور بھلائی کے کاموں کے ساتھ وسیلہ ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

ممنوع اور جائز دم جھاڑ

سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣، مسند احمد١/ ٣٨١)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ لِيْ خَالٌ يَرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، عَنِ الرُّقٰى، قَالَ: فَأَتَاهُ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى وَأَنَا أَرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ فَقَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة ...، ح:٢١٩٩)

"میرا ایک ماموں بچھو کے کاٹے کیلئے دم کیا کرتا تھا' جب نبی ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ ﷺ! "آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے' اور میں بچھو کے کاٹے کا دم کرتا ہوں۔" تو آپ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اسے فائدہ پہنچانا چاہیے۔"

جھاڑ پھونک کے موضوع سے متعلق ممانعت اور جواز کی ان حدیثوں میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی؟ اگر کوئی بیمار آدمی اپنے سینے پر قرآنی آیات والا تعویذ لٹکائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جس جھاڑ پھونک سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں شرک ہو یا غیر اللہ کے ساتھ توسل (وسیلہ پکڑنا) ہو یا ایسے مجہول الفاظ ہوں۔ جن کے معنی معلوم نہ ہوں' باقی رہے وہ دم جھاڑ جو ان سے پاک ہوں تو وہ شرعاً جائز اور شفاء کا ایک بڑا سبب ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ...، ح:٢٢٠٠)

"جس دم جھاڑ میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة ...، ح:٥٧٢٩)

"جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے ضرور پہنچانا چاہیے۔"

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب من اكتوى أو كوى ...، ح:٥٧٠٥، وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب لدليل على دخول طوائف ...، ح:٢٢٠)

"دم جھاڑ نظر بد اور ڈسے جانے سے ہوتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو باتوں ہی میں دم جھاڑ زیادہ بہتر اور زیادہ شفاء بخش ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے خود دم کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔ باقی رہا مریضوں یا بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانا تو یہ جائز نہیں' جو تعویذ لٹکائے جائیں انہیں تمائم' حروز اور جوامع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کی انواع و اقسام میں سے ایک ہیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَبِسَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ»(مسند احمد٤/ ١٥٤، مجمع الزوائد٥/ ١٠٣، وابويعلي في المسند رقم:١٧٥٩)

"جو شخص تعویذ پہنے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص سیپی (گھونگا) لٹکائے اللہ اسے آرام نہ دے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(احمد في المسند٤/ ١٥٦، والحاكم في المستدرك ٤/ ٤١٧، وفي مجمع الزوائد ٥/ ١٠٣)

"جس شخص نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

نیز فرمایا:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

جو تعویذ قرآنی آیات اور جائز دعاؤں پر مشتمل ہوں' ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حرام ہیں یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہیں اور اس کے دو سبب ہیں:

① مذکورہ احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کے تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآنی کلمات پر!

② شرک کے سدباب کے لئے یہ بھی حرام ہیں کیونکہ اگر قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کو جائز قرار دے دیا جائے تو ان میں دوسرے بھی شامل ہو کر معاملے کو مشتبہ بنا دیں گے اور ان تعویذوں کے لٹکانے سے شرک کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو ذرائع شرک اور گناہوں تک پہنچانے والے ہوں' ان کا بند کر دینا قواعد

شریعت میں سے ایک بہت بڑا قاعدہ ہے اور توفیق عطا فرمانے والا تو اللہ ہی ہے!

——— شیخ ابن باز ———

تعویذ لٹکانے والے کا ذبیحہ

سوال جو شخص قرآن یا غیر قرآن کا تعویذ یا گرہ لگائے ہوئے دھاگے لٹکائے' اس کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب تمائم تمیمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ منکے' سیپی' گھونگا اور تعویذ ہیں جو بچوں' عورتوں اور حیوانوں وغیرہ کی گردنوں میں یا سینوں کے وسط پر یا بالوں میں لٹکائے جاتے ہیں تاکہ شر سے محفوظ رہا جائے اور جو ضرر نازل ہو چکا ہو اسے دور کیا جا سکے تو یہ منع ہے بلکہ شرک ہے کیونکہ نفع و نقصان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے' اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ»(سنن ترمذي، كتاب الطب، ما جاء في كراهية التعليق، ح:٢٠٧٢، احمد في المسند٤/ ٣١٠، ٣١١)

"جو شخص کوئی چیز لٹکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔"

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَرْسَلَ رَسُوْلاً أَلاَّ تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلاَدَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلاَدَةٌ إِلاَّ قُطِعَتْ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في الجرس . . .ح:٣٠٠٥)

کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب آپ نے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی نہ رہنے دی جائے (جو نظر بد وغیرہ کے سلسلہ میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) مگر اسے کاٹ دیا جائے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں پر رسیوں کے لٹکانے سے مطلقاً منع فرمایا ہے خواہ ان میں گرہیں لگائی گئی ہوں یا نہ لگائی گئی ہوں' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رسیوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اونٹوں پر رسیاں باندھتے' ان کی گردنوں میں ہار ڈالتے اور انہیں تعویذ پہناتے تھے تاکہ انہیں آفات اور نظر بد سے محفوظ رکھ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان سب باتوں سے سختی سے منع فرما دیا اور ان چیزوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا لہٰذا اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ ان تعویذوں اور منتروں' جنتروں میں حصول منفعت اور دفع مضرت کے سلسلہ میں ذاتی تاثیر ہے تو وہ مشرک اور شرک اکبر کا مرتکب ہے' جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ایسے شخص کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں۔

جو شخص ان تعویذوں وغیرہ کو محض اسباب سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نفع و نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اسباب سے نتائج پیدا کرتا ہے تو وہ شرک اصغر کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب عادی ہیں نہ شرعی بلکہ

یہ وہمی ہیں۔ ہاں! البتہ بعض علماء نے ایسے تعویذوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو قرآنی آیات پر مشتمل ہوں' انہوں نے ان کے استعمال کی اجازت دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو غیر قرآنی ہوں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث عام ہیں' نبی ﷺ سے قرآنی تعویذوں کی تخصیص ثابت نہیں ہے' سد ذریعہ کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ پھر آدمی ایسے تعویذ بھی استعمال کرنے لگ جاتا ہے جو غیر قرآنی ہوں' قرآنی ہونے کی صورت میں قرآن مجید کی بے ادبی کا بھی احتمال ہے ہاں البتہ قرآنی تعویذ استعمال کرنے والے کے ذبیحہ کو کھایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس میں تاثیر و برکت کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ عقیدہ اسے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا اور پھر اس لئے بھی کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تعویذوں کے لٹکانے کا حکم

 کیا قرآنی اور غیر قرآنی تعویذوں کے لٹکانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟

جواب لوگ جن تعویذوں کو استعمال کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

① قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ اور ② غیر قرآنی کلمات پر مشتمل تعویذ

اگر تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں' تو ان کے بارے میں علماء سلف کے دو قول ہیں:

پہلا قول "ایسے تعویذوں کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں" یہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ حذیفہ' عقبہ بن عامر اور ابن عکیم کا بھی بظاہر قول یہی ہے' تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے' جن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا۔ متأخرین نے بھی بڑے وثوق کے ساتھ اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ قول اس حدیث پر مبنی ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد وغیرھما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣، احمد في المسند١/ ٣٨١، وابن ماجة في السنن رقم:٣٥٧٦)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔"

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہی قول صحیح ہے اور اس کے تین سبب ہیں جو غور کرنے والے کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

① ممانعت کی احادیث عام ہیں اور عام کو خاص کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔

② شرکیہ و بدعیہ تعویذات کا ذریعہ بند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

③ قرآنی آیات سے لکھے ہوئے تعویذات گلے میں ڈالنے والا لازمی طور پر قضاء حاجت اور استنجاء کی حالت میں بھی انہیں اپنے ساتھ رکھے ہو گا اور اس طرح قرآنی آیات کی توہین اور بے ادبی ہو گی۔

دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بظاہر یہی مروی

ہے۔ ابو جعفر باقر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور ممانعت کی حدیث کو انہوں نے ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو شرکیہ ہوں کیونکہ حدیث کے الفاظ ((اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ)) عام ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

شعبدہ بازوں سے علاج کرانا

سوال کچھ لوگ بزعم خود شعبدہ بازی کے طبی طریقہ سے علاج کرتے ہیں' جب میں ان میں سے کسی کے پاس جاؤں تو وہ مجھے کہتا ہے کہ اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو اور پھر کل ہمارے پاس آؤ اور پھر جب کوئی ان کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھے فلاں فلاں مصیبت آئی ہے اور اس کا علاج یہ ہے... ان میں سے کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ میں کلام اللہ سے علاج کرتا ہوں' ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور ان کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص علاج میں ایسا طریقہ استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنوں سے خدمت لیتا اور علم غیب کا دعوی کرتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے پاس جانا' اس سے سوال کرنا اور اس سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/٦٨، ٥/٣٨٠)

"جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی۔"

اور بھی بہت سی احادیث سے کاہنوں' نجومیوں اور جادوگروں کے پاس جانے اور ان سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کی ممانعت آئی ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

"جو شخص کسی کاہن و نجومی کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اسکے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔"

جو شخص بھی کنکریاں مارنے یا گھونگھے اور سیپیاں استعمال کرنے یا زمین پر لکیریں کھینچنے یا مریض سے اس کے' اس کی ماں یا اس کے رشتہ داروں کے نام پوچھ کر علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ وہ نجومیوں اور کاہنوں میں سے ہے' جن سے سوال کرنے اور جن کی تصدیق کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مجہول تعویذوں اور منتروں کا حکم

 استاذ گرامی! میں نے راستہ میں ایک لکھا ہوا کاغذ دیکھا اور چاہا کہ اسے راستہ سے دور کر دوں تاکہ یہ پاؤں تلے پامال

نہ ہو لیکن جب اس پر نظر پڑی تو اس میں قرآنی آیات تھیں اور ساتھ ایک عبارت بھی لکھی ہوئی تھی‘ امید ہے کہ آپ مجھے اسکا کامل مفہوم سمجھائیں گے اور یہ بھی فرمائیں گے کہ اسکا کیا حکم ہے یعنی کیا یہ حلال ہے یا حرام؟ عبارت یہ تھی:

”اسے سونے کی انگوٹھی میں نقش کیا جائے‘ عود و عنبر کی خوشبو لگائی جائے اور مکمل طہارت پر پہنا جائے اور ایک ہفتہ تک ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایک نام ۱۳۰۰ بار اس طرح پڑھے کہ ہر ماہ کے پہلے جمعہ کی نماز صبح سے شروع کرے اور جمعرات کو عشاء کی نماز کے بعد ختم کرے‘ اس کے بعد بقدر استطاعت ہر فرض نماز کے بعد دو اسم پڑھے‘ اس سے بہت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوں گے‘ جن کی قیمت کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا‘ آپ بھی ان کے اسرار کو اپنے بیٹے یا کسی بھی دوسرے شخص کے سامنے بیان نہ کیجئے تاکہ انہیں کوئی بندگان الٰہی کو نقصان یا ایذاء پہنچانے کے لئے استعمال نہ کر سکے۔“

جواب سوال میں جو کچھ مذکور ہے اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے اور نہ اسے بطور نقش یا تعویذ استعمال کرنا ہی جائز ہے کیونکہ یہ نقش مجہول ہے‘ ممکن ہے اس میں شرکیہ کلمات بھی ہوں۔ اس میں وقت اور تعداد کا جو تعین کیا گیا ہے یہ بھی غیر شرعی ہے اس میں دو ناموں کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ دو نام کون سے ہیں تو اس طرح کی سب باتیں حرام ہیں‘ ان کے مطابق عمل جائز نہیں‘ جو شخص ایسی باتوں میں مبتلا ہو اسے ان سے فوراً چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے‘ ان اذکار کو ترک کر دینا چاہئے۔ انگوٹھی کے نقش کو مٹا دینا چاہئے اور عود و عنبر کے ساتھ اسے خوشبو لگانا ترک کر دینا چاہئے اور آئندہ کے لئے ان سب باتوں سے توبہ کرنی چاہئے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

شعبدہ بازوں اور مجہول لوگوں سے علاج کرانا جائز نہیں

سوال بعض لوگ اپنے مرگی کے مریض کو بعض عرب اطباء کے پاس لے جاتے ہیں اور یہ طبیب جنوں کو حاضر کرتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب قسم کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ یہ مریض کو بھی کچھ عرصہ کے لئے چھپا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر جن یا جادو کا اثر ہے۔ ان کے علاج سے مریضوں کو بسا اوقات شفاء بھی مل جاتی ہے اور ان کے اس علاج کی اجرت بھی انہیں دی جاتی ہے‘ تو سوال یہ ہے کہ ان سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے تعویذوں کے ساتھ علاج کا کیا حکم ہے جن میں قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں اور انہیں پانی میں حل کر کے مریضوں کو پلایا جاتا ہے؟

جواب مرگی اور جادو کے مریض کا قرآنی آیات اور جائز دواؤں سے علاج جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ معالج کا عقیدہ اچھا ہو اور وہ شرعی امور کا پابند ہو۔ باقی رہا ان لوگوں سے علاج کرانا جو علم غیب کا دعوی کرتے یا جنوں کو حاضر کرتے‘ یا شعبدہ باز اور مجہول الحال ہوں اور ان کے علاج کی کیفیت بھی معلوم نہ ہو تو ان کے پاس جانا‘ ان سے سوال کرنا اور ان سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

”جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح:٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم:١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم:٦٣٩، واحمد في المسند٢/٤٠٨، ٤٧٦)

”جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اس کے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کر دیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔“

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نجومیوں اور کاہنوں سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ کاہنوں اور نجومیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں یا جنوں سے مدد لیتے ہیں یا ان کے اعمال اور تصرفات سے ایسا معلوم ہوتا ہو۔ انہی جیسے لوگوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث وارد ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

«سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ، عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ: هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في النشرة، ح:٣٨٦٨)

”نبی کریم ﷺ سے ”نشرہ“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”یہ شیطانی عمل ہے۔“

علماء نے ”نشرہ“ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد اہل جاہلیت کا جادو کے ذریعہ جادو کو دور کرنا ہے اور اس میں ہر وہ علاج بھی شامل ہے جس میں کاہنوں' نجومیوں' جھوٹے لوگوں اور شعبدہ بازوں سے مدد لی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام بیماریوں اور مرگی وغیرہ کی تمام قسموں کا شرعی طریقوں اور مباح وسائل سے علاج جائز ہے۔ اور انہی وسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مریض پر قرآنی آیات اور شرعی دعائیں پڑھ کر دم کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ...، ح:٢٢٠٠)

”دم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرک نہ ہو“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«عِبَادَاللهِ تَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الادوية المكروهة، ح:٣٨٧٤)

”اللہ کے بندو! علاج کرو لیکن حرام کے ساتھ علاج نہ کرو۔“

آیات کریمہ اور شرعی دعاؤں کے صاف پلیٹ یا صاف کاغذوں پر زعفران سے لکھنے اور دھو کر مریضوں کو پلانے میں کوئی حرج نہیں' بہت سے سلف سے یہ ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد وغیرہ میں لکھا ہے۔ لکھنے والے

کے لئے بھی ضروری ہے کہ خیرو استقامت میں معروف لوگوں میں سے ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

—————— شیخ عبد العزیز بن باز ——————

قرآن کے ساتھ علاج کا حکم

 قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنے اور تعویذ وغیرہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب قرآن مجید کے ساتھ علاج جائز ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

«اِنْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا، حَتَّى نَزَلُوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوْهُمْ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ، فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا لَعَلَّهُمْ أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوْا: يَاأَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ، وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ، وَاللهِ إِنِّي لَأَرْقِيْ، وَلٰكِنِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ حَتَّى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا، فَصَالَحُوْهُمْ عَلَى قَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ، فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ قَالَ: فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِيْ صَالَحُوْهُم عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمُ اقْتَسِمُوْا، فَقَالَ الَّذِيْ رَقٰى: لَا تَفْعَلُوْا حَتَّى نَأْتِيَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِيْ كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا، فَقَدِمُوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَذَكَرُوْا لَهُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ أَصَبْتُمُ اقْتَسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيَ مَعَكُمْ سَهْمًا»(صحيح بخاري، كتاب الاجارة، باب ما يعطى في الرقية على احياء العرب بفاتحة الكتاب، ح:٢٢٧٦، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرة علي الرقية بالقرآن والاذكار، ح:٢٢٠١، وسنن أبي داود رقم:٣٤١٨، واخرجه الترمذي في الجامع رقم:٣٠٦٣، ٢٠٦٤ وابن ماجة في السنن رقم: ٢١٥٦، واحمد في المسند رقم:٣/ ١٠،٤٤)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں تھی حتی کہ وہ ایک عرب قبیلے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ان سے (عربوں کے دستور کے مطابق) مطالبہ کیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں لیکن انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا ادھر اس قبیلے کے سربراہ کو بچھو نے ڈس لیا تو انہوں نے اس کے علاج کے لئے ہر کوشش کر دیکھی لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا تو بعض نے کہا کہ اس آنے والے قافلہ کے لوگوں سے پوچھ لیتے ہیں شاید ان کے پاس کوئی چیز ہو! تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قافلہ والو! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ہر جتن کر دیکھا ہے لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا' کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا ''اللہ کی قسم! میں دم کرتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تم سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو تم نے ہماری مہمان نوازی نہ کی للٰذا میں تو اس وقت تک دم نہ کروں گا جب تک

تم اس کی مزدوری نہ دو گے۔
بکریوں کے ایک ریوڑ پر سمجھوتہ ہو گیا اور یہ شخص گیا اور اس نے اس کے پاس جا کر "الحمد للہ رب العالمین" کو پڑھنا اور اس کے ساتھ اسے دم کرنا شروع کر دیا تو وہ یوں ہو گیا گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو اور پھر بالآخر مکمل صحت یاب ہو گیا تو انہوں نے وہ مزدوری دے دی جس پر سمجھوتہ ہوا تھا۔ اب ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ان بکریوں کو تقسیم کر لیں لیکن جس نے دم کیا تھا اس نے کہا کہ نہیں ابھی تقسیم نہ کرو حتی کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں' یہ سارا واقعہ بیان کریں اور پھر دیکھیں گے کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں۔
یہ سب لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟" پھر فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا ہے' بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور ان میں میرا حصہ بھی رکھو۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنا شرعاً جائز ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کو بطور تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کتاب حصن حصین اور حرزالجوشن وغیرہ

سوال دم اور تعویذ اگر قرآن مجید سے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر میں اپنے ساتھ "حصن حصین" یا کتاب "حرز الجوشن" یا "سبع عقود سلیمانیہ" رکھوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ان کتابوں کا اپنے پاس رکھنا نظر بد اور حسد..... وغیرہ سے بچاتا ہے؟ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں معوذات اور آیۃ الکرسی ہے۔ اگر کتابوں کو ہر وقت ساتھ نہ رکھا جائے تو کیا پھر بھی معوذات اور آیۃ الکرسی کا پڑھنا فائدہ دیتا ہے؟

جواب قرآن مجید اور ایسے اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنا جائز ہے جو شرکیہ نہ ہوں۔ تعویذ لکھنے اور انہیں بطور حرز کے استعمال کرنے کے بارے میں ہم ایک مفصل فتویٰ جاری کر چکے ہیں اسے ملاحظہ فرمائیں۔
کتاب "حصن حصین" "حرزالجوشن" اور "سبعہ عقود" وغیرہ کو بطور حرز استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی کا پڑھنا نیز "قل ھو اللہ احد" اور "معوذتین" کا پڑھنا مفید ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایسی مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں اور جو شخص مسجد میں نبی ﷺ کی قبر سے استدلال کرتا ہے اس کا جواب۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

* بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ "آپ سے سوال ہے کہ اس مسجد میں نماز کا کیا حکم ہے جس میں قبر ہو؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز نہیں

خواہ شہر میں اس کے علاوہ کوئی اور مسجد نہ ہو' ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نسبت گھر میں نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے جب کہ بعض دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز ہے کیونکہ مسجد نبوی میں بھی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبریں موجود ہیں۔ مجھے ان دونوں اقوال کی کوئی دلیل نہیں مل سکی اس لئے حقیقت اور دلیل سمجھنے کے لئے آپ کی خدمت میں یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔ میں سینی گال کے دیہاتی علاقے میں رہتا ہوں اور وہاں صرف ایک ہی مسجد ہے اور اس مسجد میں چار قبریں ہیں' تین قبریں تو مسجد سے باہر قبلہ والی دیوار کے ساتھ ہیں اور ایک قبر بالکل مسجد کے اندر ہے' مجھے اس مسئلہ کا قطعاً علم نہیں۔ براہ کرم آپ مجھے حقیقت اور دلیل سے آگاہ فرمائیں' مجھے چونکہ علم نہیں تھا اس لئے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ کے مطابق آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب اولاً: قبروں پر مسجدیں بنانا جائز نہیں اور نہ کسی ایسی مسجد میں نماز جائز ہے جو کسی قبر یا قبروں پر بنائی گئی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مرض الوفات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا:

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد.. ح:٥٢٩، وسنن نسائي رقم:٧٠٤، واحمد في المسند ٥/ ٦٠٤، وموطا امام مالك، كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم:٨٥)

"یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ آپ ﷺ ان کے فعل سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا' نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن قبل آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللهِ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور... ح:٥٣٢)

"میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات سے اظہار برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار! آگاہ رہو تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے مگر تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے جو قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ مسجدوں پر قبریں بنانے اور ان میں نماز پڑھنے میں غلو فی الدین بھی ہے اور یہ شرک کا ذریعہ بھی ہے' اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "آپ ﷺ ان کے فعل (کام) سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا' نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

ثانیاً: جب کسی ایک یا زیادہ قبروں پر کوئی مسجد بنا لی جائے تو اس کا گرا دینا واجب ہے کیونکہ اسے خلاف شریعت تعمیر کیا گیا ہے' اسے باقی رکھنا اور اس میں نماز پڑھنا گناہ پر اصرار ہے' غلو فی الدین اور جس کی قبر پر مسجد بنائی گئی ہے اس کی تعظیم میں اضافہ ہے اور یہ شرک کا ذریعہ ہے۔ والعیاذ باللہ' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ﴾ (النساء٤/ ١٧١)

"اپنے دین میں غلو نہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ»(احمد في المسند١/ ٣٤٧، والحاكم في المستدرك، ١/ ٤٦٦، وابن ماجة في السنن رقم: ٣٠٢٩)

"غلو سے بچو' تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے تباہ و برباد کیا تھا۔"

مسجد اگر قبر پر نہ بنائی گئی ہو بلکہ بعد میں میت کو مسجد میں دفن کیا گیا ہو تو اس صورت میں مسجد کو نہیں گرایا جائے گا بلکہ میت کو قبر سے نکال کر باہر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا کیونکہ اس کا مسجد میں دفن کیا جانا ایک منکر بات ہے اور اس منکر کے ازالہ کی صرف یہی صورت ہے کہ اسے اس قبر سے نکال کر قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

ثالثاً: مسجد نبوی کو نبی ﷺ نے اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا کی بنیادوں پر تعمیر فرمایا تھا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کو اس مسجد میں دفن نہیں کیا گیا تھا بلکہ آپ کی تدفین تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں عمل میں آئی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں دفن کیا گیا تھا اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی حجرہ میں ہی دفن کیا گیا تھا اور اس وقت حجرہ مسجد نبوی میں شامل نہ تھا بلکہ اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد مسجد میں داخل کیا گیا۔ لہذا اس مسجد میں نماز کی شرعی طور پر نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ مسجد حرام کے بعد اس میں نماز سب سے افضل اور دیگر مسجدوں میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے اس کے برعکس ایسی مسجد جسے کسی قبر یا قبروں پر تعمیر کیا گیا ہو یا اس میں میت کو دفن کیا گیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

رابعاً: فرض نماز گھر میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ آپ کو چاہیے کہ اپنے بعض مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کریں اور کسی ایسی مسجد میں ادا کریں جسے قبر پر نہ بنایا گیا ہو خواہ کھلی جگہ ہی پڑھ لیں اور آپ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ایک مسجد بنائیں تاکہ اس میں باجماعت نماز پنج گانہ ادا کر سکیں' نصوص شریعت کے مطابق عمل کر سکیں اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے باز رہ سکیں۔ واللّٰہ الموفق «وصلى الله وسلم على عبده ورسوله محمد وآله وصحبه»

—— فتویٰ کمیٹی ——

قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو گی

سوال ہم اکثر یہ بات سنتے رہتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی' جب تک اسلام ساری زمین میں نہ پھیل جائے گا اور دوسری طرف ہم یہ بات سنتے ہیں کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی جب زمین میں "لاالہ الا اللہ" کہنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے گا' تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی؟

جواب یہ دونوں قول صحیح ہیں۔ نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل نہ کریں گے' آپ خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑیں گے' مال کی فراوانی ہو جائے گی اور جزیہ ختم ہو جائے گا اور وہ اسلام یا تلوار کے سوا اور کچھ قبول نہ کریں گے۔ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا دیگر تمام دینوں کو ختم کر دے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہو گا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ساری زمین میں دین اسلام پھیل جائے گا اور اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہ رہے گا اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ' عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایک ایسی پاک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن مرد اور عورت کی روح کو قبض کرے گی اور پھر اس کے بعد بدترین قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں دفن ہیں؟

سوال کتاب السیر میں لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم (کعبہ) میں دفن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو پھر اس جگہ نماز کیسے جائز ہو گی؟

جواب یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے' کسی حال میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ((وباللّٰه التوفيق . وصلى اللّٰه على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی حکمت

سوال جب یہ معلوم ہے کہ مُردوں کو مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں اور جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد علي القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المساجد...، ح:٥٣١، وسنن نسائي رقم:٧٠٤، واحمد في المسند٥/ ٢٠٤، وموطا امام مالك كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم:٨٥)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔"
اسی طرح یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے:

«ذَكَرَتَا لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ، كَنِيْسَةً رَأَتَاهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ وَمَا فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ ﷺ: أُوْلَئِكَ إِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُوْلَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب تنبش قبور مشركي... ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١، ٣٨٧٨ ومسلم في الصحيح رقم: ٥٢٨ والنسائي في المجتبى٢/٤١ واحمد في المسند ٦/٥١ وأبو يعلى في المسند رقم:٤٦٢٩، وابن خزيمة في الصحيح رقم:٧٩٠)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گرجا کا ذکر کیا جسے انہوں نے ارض حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں میں اگر کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں یہ تصویریں بھی بناتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہیں۔"
حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلاً، لاَتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً، أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور... ح:٥٣٢، والحاكم في المستدرك٢/ ٥٥٠)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے' جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا' تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیتے تھے' خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ نَهٰى أَنْ تُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح:٩٧٠)

"نبی کریم ﷺ نے قبر کو چونا گچ (پختہ) کرنے' اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔"
یہ احادیث اور اس مفہوم کی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہے اور ایسا کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے' اسی طرح یہ احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر عمارتیں بنانا' قبے تعمیر کرنا اور انہیں چونا گچ کرنا حرام ہے کیونکہ یہ شرک اور غیراللہ کی عبادت کے اسباب میں سے ہے جیسا کہ قدیم و جدید دور کی تاریخ شاہد ہے لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے' قبروں کو مسجد بنانے' ان پر قبے تعمیر کرنے' انہیں چونا گچ کرنے اور ان پر چراغ جلانے سے جو منع فرمایا ہے' اس سے اور

دیگر کاموں سے اجتناب کریں، جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے فریب خوردہ نہ ہوں کیونکہ حق تو مومن کی متاع گم شدہ ہے' وہ جب بھی اسے پاتا ہے لے لیتا ہے۔ اور حق کتاب و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے' لوگوں کے آراء اور اعمال سے نہیں۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ عنہما کی تدفین مسجد میں عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ ان مقدس ہستیوں کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی تھی۔

جب ولید بن عبدالملک کے عہد میں مسجد نبوی میں توسیع ہوئی تو پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا گیا لہٰذا ولید کا یہ عمل مسجد میں دفن کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کو ارض مسجد کی طرف منتقل نہیں کیا گیا بلکہ مسجد میں توسیع کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس حجرہ کو جس میں آپ مدفون تھے مسجد میں داخل کر دیا گیا لہٰذا یہ عمل کسی کے لئے قبروں پر عمارت بنانے کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا یا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا یا مسجدوں میں دفن کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث جو میں نے ابھی ذکر کی ہیں' ان سے ان سب باتوں کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت کے خلاف ولید کا عمل کسی کے لئے حجت نہیں ہے۔
(واللہ ولی التوفیق)

—————— شیخ ابن باز ——————

((کنت سمعه الذی یسمع به و بصره......)) کے معنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ ۔ وَبَعْدُ

* بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش کئے گئے اس استفتاء کے بارے میں علم ہوا' جس میں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ "جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں' جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں' جس سے وہ چلتا ہے؟"

جواب جب مسلمان فرائض کو ادا کرے' پھر تقرب الٰہی کے حصول کے لئے نفل عبادتوں کو بھی بجالانے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور ہر کام میں اس کا معاون بن جاتا ہے' جب سنتا ہے تو سننے میں اسے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور وہ خیر ہی کی بات سنتا ہے' حق ہی کو قبول کرتا ہے اور باطل اس سے دور ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی آنکھ اور دل سے دیکھتا ہے تو اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس میں وہ اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ ہدایت و بصیرت پر ہوتا ہے اور وہ حق کو حق' اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ جب کسی چیز کو پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کے ساتھ پکڑتا ہے اور اس کی یہ پکڑ حق کی حمایت کے لئے ہوتی ہے اور جب وہ چلتا ہے تو اس کی یہ چال اللہ تعالیٰ کی اطاعت' طلب علم یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کے ساتھ عمل اللہ تعالیٰ کی ہدایت و قوت کا رہین منت ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کر جاتا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ مزید راہنمائی ان کلمات سے ملتی ہے جو اس حدیث کے آخر میں آئے ہیں:

«وَلَئِنْ سَأَلَنِيْ لأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَ بِيْ لأُعِيْذَنَّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢)

"اگر میرا بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دے دیتا ہوں اور اگر میرے ساتھ پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دے دیتا ہوں۔"

بعض روایات میں جو یہ الفاظ آتے ہیں:

«فَبِيْ يَسْمَعُ وَبِيْ يُبْصِرُ»(فتح الباري، ١١/ ٤١٨)

"وہ میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔"

تو اس میں حدیث کے ابتدائی حصہ سے جو مراد ہے اس کی وضاحت اور تصریح ہے کہ سائل کون ہے اور مسئول کون' مستعیذ (پناہ مانگنے والا) کون ہے اور معیذ (پناہ دینے والا) کون ہے۔ یہ حدیث قدسی ایک دوسری حدیث قدسی کی نظیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي الخ. . . »(مسند أحمد٢/ ٤٠٤)

"میرے بندے میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔" الخ!

ان دونوں حدیثوں میں آخری حصہ ابتدائی حصہ کی خود ہی شرح کرتا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ خواہشات کے پجاری متشابہ نصوص کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' محکم سے اعراض کرتے ہیں اور اس طرح یہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ ((وباللّٰہ التوفیق - وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

میت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا زیارت قبر کے وقت میت کے لئے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کا کوئی اور حصہ پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا اس کا اسے فائدہ ہوتا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ قبروں کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور مُردوں کے لئے آپ دعائیں فرمایا کرتے تھے جو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سیکھیں' چنانچہ ان دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے:

«اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَلاَحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

"اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے بار بار قبروں کی زیارت فرمائی لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی مُردوں کے لئے سورت فاتحہ یا قرآن کی دیگر آیات کو پڑھا ہو۔ اگر یہ شرعی حکم ہوتا تو آپ ایسا کرتے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسے واضح فرماتے' انہیں ثواب کی رغبت دلاتے اور امت پر رحمت فرماتے اور اس طرح فریضۂ تبلیغ کو بھی ادا فرماتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا آپ ﷺ کی شان یہ ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة٩/ ١٢٨)

"(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں' تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔"

جب آپ ﷺ نے وجود اسباب کے باوجود ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شرعی امر نہیں ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات کو جانتے تھے لہٰذا انہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی اور زیارت قبور کے وقت مُردوں کے لئے دعاء اور ان سے عبرت حاصل کرنے پر اکتفا کیا۔ اور یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے مُردوں کے لئے کبھی قرآن پڑھا ہو' لہٰذا ثابت ہوا کہ مُردوں کے لئے قرآن پڑھنا بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علي صلح، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (بات) مردود ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

کیا ہندومت' بدھ مت اور سکھ مت دین ہیں؟

سوال مؤرخہ ۴ صفر کو جمعہ کی شام ٹیلی وژن سے عالم فطرت کے نام سے ایک پروگرام پیش کیا گیا' یہ پروگرام ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں تھا۔ پروگرام پیش کرنے والے نے اس نشریہ کی ابتداء میں کہا: "ہندوستان کو جو مختلف ادیان کا مذہب کہا جاتا ہے تو یہ بالکل درست ہے کیونکہ وہاں ہم ہندومت' بدھ مت اور سکھ مت..... الخ سب دین پاتے ہیں" آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وضاحت فرمائیں کیا یہ واقعی ادیان ہیں' جنہیں پروگرام پیش کرنے والے نے ادیان قرار دیا؟ کیا یہ ادیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اور رسولوں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں؟

جواب ہر وہ طریقہ جس کے لوگ پیروکار ہوں اور اسے دین سمجھ کر سرانجام دیں' اسے دین کا نام دیا جا سکتا ہے خواہ وہ باطل ہو جیسے بدھ مت' بت پرستی' یہودیت' ہندومت' نصرانیت اور دیگر باطل ادیان۔ اللہ نے سورۃ الکافرون میں فرمایا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾﴾ (الكافرون١٠٩/ ٦)

"تمہارے لیے تمہارا دین ہے' میرے لیے میرا دین"۔

اس آیت میں بتوں کے پجاریوں کے طریقے کو بھی دین کہا ہے' جبکہ دین حق صرف اسلام ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ﴾ (آل عمران٣/ ١٩)

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

اسلام یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے بجائے صرف اور صرف اللہ وحدہ کی عبادت کی جائے' اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی کو ترک کیا جائے اور اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کی جائے اور ہر اس چیز کے ساتھ ایمان لایا جائے' جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے' خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے۔ ادیان باطلہ میں سے کوئی دین بھی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور اسے پسند کیا ہو بلکہ یہ سب بدعی اور غیر منزل ہیں۔ اسلام ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے اگرچہ شریعتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدۃ۵/ ۴۸)

"ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

فوت شدہ حکام کی سلامی کے لئے کھڑا ہونا

سوال جب کوئی حاکم یا سربراہ فوت ہوتا ہے تو حکومتی اداروں کے بعض ارکان مقتول پر غم و حزن کے اظہار کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کسی عرب ملک کا سربراہ فوت ہوتا ہے تو اظہار غم اور سوگ کے لئے بعض اسلامی ملک اپنے بازاروں کو بند کر دیتے اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے جب کہ میت کے لئے نوحہ جائز نہیں اور یہ صورتیں تو نوحہ سے بھی بدتر ہیں؟

جواب آج کل لوگوں میں جو یہ رواج ہے کہ وہ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی یا ان کی روحوں کی تعظیم و تکریم کے لئے خاموشی کے ساتھ کچھ دیر کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں تو یہ منکر اور نو ایجاد بدعی امور میں سے ہے' نبی کریم ﷺ' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح کے دور میں ایسا کوئی رواج نہ تھا' یہ طریقہ آداب توحید اور اللہ کے لئے اخلاص تعظیم کے بھی منافی ہے' اپنے دین سے بعض جاہل مسلمان کفار کی پیروی اور ان کی قبیح عادات کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں' اس طرح کے غلو کا اظہار کفار اپنے زندہ و مردہ سربراہوں اور عظیم لوگوں کے بارے میں کرتے ہیں اور ہمیں نبی کریم ﷺ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اسلام نے فوت شدہ مسلمانوں کے جن حقوق کو بیان کیا ہے' وہ یہ ہیں کہ ان کے لئے دعاء کی جائے' ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے' ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے' ان کی برائیوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے اور بھی بہت سے آداب ہیں جنہیں اسلام نے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے زندہ یا مردہ بھائیوں کے لئے ان آداب کی پابندی کریں۔ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی کے لئے خاموشی کے ساتھ بطور سوگ کھڑا ہو جانا یقیناً ان آداب میں سے نہیں ہے' جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے بلکہ اسلام کے اصول اس طرح کے آداب تعظیم کی نفی کرتے ہیں۔ ((وباللّٰه التوفيق۔ صلى اللّٰه على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

میت کی طرف سے صدقہ کرنا شرعاً جائز ہے

سوال کیا میت کی طرف سے صدقہ کا اجروثواب اسے ملتا ہے؟ کیا میت کی طرف سے صدقہ سے اس کے اعمال حسنہ میں اضافہ ہوتا ہے؟

جواب میت کی طرف سے صدقہ کرنا ان امور میں سے ہے جو شرعاً جائز ہیں' خواہ یہ صدقہ مال کی صورت میں ہو یا دعاء کی صورت میں' امام مسلم نے "صحیح" میں' امام بخاری نے "الادب المفرد" میں اور اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١، واخرجه أبوداود في السنن رقم:٢٨٨٠، والترمذي في الجامع رقم:١٣٧٦، والنسائي في المجتبى٦/ ٢٥١، واحمد في المسند٢/ ٣٧٢ والبخاري في الادب رقم:٣٨)

"جب ابن آدم فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع (ختم) ہو جاتا ہے البتہ تین طرح کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔"

① صدقہ جاریہ ② علم نافع (مفید) اور ③ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو"

یہ حدیث اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو حاصل ہوتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرق نہیں فرمایا کہ صدقہ میت کی طرف سے وصیت کی وجہ سے ہو یا اس کی وصیت کے بغیر ہو لہٰذا یہ حدیث عام ہوگی اور ان دونوں حالتوں کیلئے شامل ہوگی۔ میت کیلئے دعار کے سلسلہ میں صرف اولاد کے ذکر کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ بہت سی صحیح احادیث سے مردوں کیلئے دعار ثابت ہے جیسا کہ ان کی نماز جنازہ میں اور ان کی قبروں کی زیارت کے موقعہ پر دعار کی جاتی ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ میت کا کوئی قریبی عزیز دعار کرے یا کوئی اجنبی دعار کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں کے ساتھ تبرک نہیں

 کیا میت کے لئے دعاء کی وجہ سے قبر کے پاس کھڑا ہونا یا بیٹھنا جائز ہے؟

جواب قبروں کی شرعی زیارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان عبرت و نصیحت حاصل کرے اور موت کو یاد کرے' اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قبروں میں مدفون نیک لوگوں کے ساتھ تبرک حاصل کیا جائے' جب کوئی شخص قبرستان میں آئے تو اسے چاہئے کہ مدفون لوگوں کو سلام کہنے کے لئے یہ دعاء پڑھے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

"اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔"

اگر چاہے تو اس کے علاوہ دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے لیکن وہ مردوں سے دعاء نہ کرے' نہ ان سے دفع نقصان اور حصول منفعت کے لئے فریاد کرے کیونکہ دعاء تو عبادت ہے اور یہ صرف اللہ وحدہ کے لئے ہے' میت کے لئے دعاء میں قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن تبرک یا استراحت کے لئے قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے کی اجازت نہیں کیونکہ قبر نہ مقام استراحت ہے اور نہ رہائش کی جگہ ہے کہ آدمی وہاں بیٹھے۔ میت کی تدفین کے بعد قبر کے پاس دعاء کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرما دے' کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَاسْأَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ح:٣٢٢١ واخرجه الحاكم، ١/١٢٩، والبيهقي، ٤/٥٦)

"اپنے بھائی کی مغفرت (بخشش) کے لئے دعاء کرو اور دعاء کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے' اس وقت اس سے سوال پوچھے جا رہے ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

① زینت کے لئے مجسّموں کا استعمال
② نبی ﷺ کی قسم کھانے کا حکم

سوال ① وہ مجسّمے جو گھروں میں عبادت کے لئے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے رکھے جائیں' ان کا کیا حکم ہے؟

سوال ② بعض لوگ نبی ﷺ اور اولاد نبی کی قسم کھاتے ہیں' ان کا قصد و ارادہ تو نہیں ہوتا لیکن عادتاً وہ اس طرح کی قسم کھاتے ہیں تو کیا اس کا بھی محاسبہ ہو گا؟

جواب ① تصویروں یا حنوط شدہ جانوروں کو گھروں' دفتروں اور مجلسوں میں لٹکانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ ان احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گھروں وغیرہ میں تصویروں کا لٹکانا اور مجسّموں کا رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کا وسیلہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کی مشابہت اور اس کے دشمنوں کے عمل کی پیروی ہے۔ حنوط شدہ جانوروں کو گھروں میں بطور زینت استعمال کرنے میں

مال کو ضائع کرنا' اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور مورتیوں اور مجسموں کے لٹکانے کے دروازہ کو کھولنا ہے اور ہماری مکمل ترین اسلامی شریعت نے ان تمام ذرائع کو بند کر دیا ہے جو شرک یا گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

جواب ② کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کی قسم کھائے۔ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام اور شرک ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے' اسے چاہیئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في أن من حلف بغير الله فقد اشرك، ح:١٥٣٥، واخرجه أبوداود في السنن رقم:٣٢٥١ واحمد في المسند ٢/ ٣٤، ٤٧، ٦٧، ٨٧، ١٢٥، والحاكم في المستدرك ١/ ١٨، ٤/ ٢٩٧)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم سے اجتناب کرے اور ماضی میں اس نے جو غیر اللہ کی قسم کھائی یا دیگر گناہوں کا ارتکاب کیا' ان سے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ کے پاس جو خیر و بھلائی اور اجر جزیل ہے اس کی رغبت اور اس کے غضب و عقاب سے پناہ حاصل کرنے کے لئے حق پر قائم رہے اور حق کی حفاظت کرے۔ وباللہ التوفیق!

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا یہ درست ہے کہ میڈیکل کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رحم میں کیا ہے؟

سوال مجلہ "العربی" کے شمارہ ۲۰۵ صفحہ ۱۵ مجریہ دسمبر ۱۹۷۵ء میں ایک سوال جواب کے نتیجہ میں یہ لکھا ہے کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جنین نر ہے یا مادہ؟ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دین اسلام کا موقف کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو غیب کا علم ہے؟

جواب سب سے پہلے اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی رحم میں حمل کو جس طرح چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اسے اپنی مرضی و مشیئت سے نر یا مادہ' کامل یا ناقص بنا دیتا ہے' اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا قطعاً کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى يُصَوِّرُكُمْ فِى ٱلْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٦﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ٦)

"وہی (اللہ) تو ہے جو (ماں کے) پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے' اس غالب حکمت والے کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿لِّلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾﴾

(الشوریٰ ۴۲/ ۴۹-۵۰)

"(تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے' آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد (بانجھ) رکھتا ہے یقیناً وہی جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے حمل کو رحم میں نر یا مادہ کی صورت میں پیدا فرماتا ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے اسے ناقص یا مکمل اور خوبصورت یا بدصورت پیدا فرماتا ہے' اس میں صرف اور صرف اسی کا تصرف و اختیار ہے' اس کے سوا اس میں کسی اور کی کوئی شراکت نہیں ہے لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ شوہر یا ڈاکٹر یا کوئی فلسفی و حکیم' جنین کی جنس کو متعین کرنے کی طاقت رکھتا ہے' ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ شوہر زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ عورت کے بچے پیدا کرنے کی عمر میں اس سے مباشرت کر کے حمل قرار پا جانے کی امید رکھے' کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق اس کی یہ امید بر آتی ہے اور کبھی یہ امید پوری نہیں ہوتی' امید کے پورا نہ ہونے کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں۔ جن میں سے رحم میں خرابی یا بانجھ پن یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی آزمائش حمل قرار نہ پانے کے چند اہم اسباب ہیں' لیکن اسباب بھی بذات خود مؤثر نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی اللہ کی مرضی و مشیت سے مؤثر بنتے ہیں۔ حمل قرار پانا ایک کونی امر ہے۔ بندے کا اختیار صرف جنسی عمل ہے باقی اس کے نتیجہ میں حمل قرار پانا یا نہ پانا اور حمل قرار پا جانے کی صورت میں اس کی تصریف و تکییف اور تسخیر و تدبیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص بھی اس ضمن میں لوگوں کے حالات' اقوال اور اعمال پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ ان دعوؤں میں مبالغہ اور اقوال و افعال میں کذب و افتراء سے کام لیا گیا ہے اور یہ ان کی جہالت اور جدید علوم میں غلو اور اسباب کے بارے میں حد اعتدال سے تجاوز کی وجہ سے ہے اور جو شخص امور و معاملات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھے تو وہ تمیز کرے گا کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص امور کون سے ہیں اور وہ امور کون سے ہیں جن کو اس نے اپنی مرضی و مشیت اور تدبیر سے مخلوق کے سپرد کر دیا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

انبیاء و مرسلین اور آسمانی کتابوں کی تعداد

سوال انبیاء و مرسلین کی تعداد کتنی ہے؟ کیا ان میں سے بعض کے ساتھ عدم واقفیت کی وجہ سے عدم ایمان کفر شمار ہو گا؟ آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تعداد کتنی ہے؟ کیا کتابوں کی تعداد میں تفاوت ہے؟ اور کیوں؟

 مختلف احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے

تین سو تیرہ رسول ہیں جیسا کہ یہ بھی وارد ہے کہ انبیاء کی تعداد آٹھ ہزار ہے' اس سلسلہ میں احادیث حافظ ابن کثیر کی مشہور کتاب "تفسیر القرآن العظیم" میں سورۂ نساء کی آیت ﴿ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ (اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان نہیں کئے) کی تفسیر میں مذکور ہیں' لیکن یہ احادیث کثرت کے باوجود ضعف سے خالی نہیں ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا ہے ان پر تفصیلی اور جن کا نام نہیں لیا ان پر اجمالی ایمان رکھے' اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں تفریق کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت کی کہ انہوں نے کہا تھا:

﴿ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ (النساء٤/ ١٥٠)

"اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔"

لیکن ہم ہر اس نبی اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں' جسے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی زمانے میں مبعوث فرمایا لیکن بات یہ ہے کہ ان کی شریعت ان کے اہل زمانہ اور ان کی کتاب ان کی امت و قوم کے لئے تھی۔ باقی رہی آسمانی کتابوں کی تعداد تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ان کی تعداد ایک سو چار بیان کی گئی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے لیکن اس بات کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تورات' انجیل' زبور اور صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں' جن کا ہمیں علم نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں یہی کافی ہے کہ ہم ان سب کتابوں کی اجمالی طور پر تصدیق کریں۔ واللہ اعلم!

—— شیخ ابن جبرین ——

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل منعقد کرنا

سوال کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائش کے دن کی مناسبت سے مسجد میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل منعقد کریں مگر دن کو عید کی طرح چھٹی نہ کریں؟ ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کچھ لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور کچھ اسے بدعت غیر حسنہ کہتے ہیں؟

جواب مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ۱۲ ربیع الاول یا کسی اور تاریخ کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل منعقد کریں' اسی طرح کسی بھی دوسرے نبی کی محفل میلاد منعقد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یوم پیدائش منانا دین میں نئی بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم پیدائش نہیں منایا حالانکہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے پروردگار کے طریقوں پر لوگوں کو چلانے والے تھے' نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم پیدائش منانے کا حکم دیا' نہ خلفاء راشدین نے اسے منایا' نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین نے حالانکہ وہ خیر القرون کا دور تھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا ماَ لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح. . .، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . .،

ح:١٧١٨)

''جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔''

''صحیح مسلم'' کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی تعلیقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ، ح:١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

میلاد کی محفلیں منعقد کرنے کا حکم نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا بلکہ یہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے یہ مردود ہے۔ نبی علیہ السلام جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧، سنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح:٤٥)

''بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے زیادہ برے کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا اور امام نسائی نے جید سند کے ساتھ ان زائد الفاظ کو بھی بیان کیا کہ:

«وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»(سنن نسائي، كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

''اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔''

آپ ﷺ کا یوم پیدائش منانے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہتی کہ آپ کی پیدائش سے متعلق واقعات کی تعلیم، نبی علیہ السلام کی سیرت سے متعلق اسباق میں ہوتی رہتی ہے، نیز مساجد و مدارس میں آپ کی اسلام سے قبل اور بعد کی حیات طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لہٰذا میلاد کی ایسی محفلیں منعقد کرنے کی ضرورت ہی نہیں، جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا اور نہ ان کے انعقاد کی کوئی شرعی دلیل ہی موجود ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے اور اس سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے کہ وہ سنت پر اکتفاء کریں اور بدعت سے بچیں۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت جائز نہیں جب کہ تعلیم کی اجرت جائز ہے

سوال ہمارے ہاں مغرب میں بعض حافظ بظاہر مال کمانے کے لئے تلاوت کرتے ہیں، جب بھی ان کے لئے محفل قائم کی جائے تو اس میں شرکت کرتے اور الفاظ پر غور اور احترام تلاوت کے بغیر قرآن مجید پڑھتے ہیں، اس طرح کی محفل میں حاضر ہونے سے ان کا بڑا مقصد اجرت لینا اور لوگوں سے صدقات و خیرات وصول کرنا ہوتا ہے، ان صدقات و خیرات کو جمع کر کے یہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور کسی فقیر و مسکین کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی روشنی میں ان صدقات کا کیا حکم ہے' جسے یہ آپس میں تقسیم کرنے کے لئے جمع کرتے اور اس مقصد کے لئے تلاوت کو استعمال کرتے ہیں؟ میں نے ایک کتاب میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پڑھی تھی کہ "جس نے مال کمانے کے لئے قرآن استعمال کیا تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کی طرح ہو گا۔" یعنی گوشت سے خالی ہو گا' تو کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ نیز یہ فرمائیں کہ اس آیت کریمہ: ﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اولاً: تلاوت قرآن محض عبادت اور ایک ایسا ذریعہ ہے' جس سے بندہ اپنے رب کا تقرب حاصل کرتا ہے اور عبادات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سرانجام دے اور ان کے ثواب کی اللہ تعالیٰ ہی سے امید رکھے' مخلوق سے اس کے صلہ و شکریہ کی امید نہ رکھے' یہی وجہ ہے کہ سلف صالح کا محفلوں اور مجلسوں میں قرآن پڑھ کر اجرت وصول کرنے کا طریقہ نہ تھا' نہ ائمہ دین میں کسی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کا حکم دیا ہو یا اس کی رخصت دی ہو اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی تلاوت قرآن کی اجرت وصول کی ہو' نہ کسی خوشی کے موقعہ پر اور نہ کسی غم کے موقعہ پر' بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی خاطر تلاوت کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے' لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر سوال کر رہا تھا' آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»(جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به... ح:٢٩١٧، ومسند احمد، ٤/ ٤٣٢)

"جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے' عنقریب کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریں گے۔"

باقی رہا قرآن کی تعلیم یا اس کے ساتھ دم کر کے اجرت لینا یا کوئی ایسا عمل جس کا نفع غیر قاری تک بھی پہنچے تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ ایک آدمی نے سورت فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر مریض سے بطور اجرت بکریوں کا ایک ریوڑ لیا تھا اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی کے لئے مہر یہ مقرر کیا کہ اسے جس قدر قرآن یاد ہے وہ عورت کو بھی یاد کرا دے' لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لیتا ہے یا تلاوت کرنے والوں کی ایک جماعت کو اجرت پر بلاتا ہے تو وہ سلف صالح کے اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

ثانیاً: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' مخلوق کے کلام پر اس کی فضیلت اسی طرح ہے' جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے۔ تلاوت قرآن مجید تمام اذکار سے بہترین اور افضل ترین ہے لہٰذا تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ با ادب ہو کر' خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ' احسن انداز میں حسب قدرت معانی پر غور کرتے ہوئے تلاوت کرے'

تلاوت کی بجائے دیگر اذکار کا شغل اختیار نہ کرے' نہ تکلف و تصنع (بناوٹ) سے کام لے اور نہ ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کی مجلس میں حاضر ہوں انہیں چاہئے کہ خاموشی کے ساتھ تلاوت کو سنیں اور معانی پر غور کریں' کوئی لغو کام کریں نہ تلاوت کے وقت دوسروں کے ساتھ باتیں کریں اور نہ قاری اور حاضرین مجلس کو تشویش میں ڈالیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَٱذْكُر رَّبَّكَ فِى نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ ٱلْجَهْرِ مِنَ ٱلْقَوْلِ بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْءَاصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْغَٰفِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٠٤-٢٠٥)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا۔''

ثالثاً: لوگ فکر و فہم کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر مکلف پر فرض ہے کہ وہ دین اور احکام شریعت کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم و وسعت وقت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ خود عمل کر سکے اور دوسروں کی رہنمائی کر سکے۔ سب سے پہلے جسے سمجھنا' جس کی طرف مائل ہونا اور جس کی طرف دل سے متوجہ ہونا ضروری ہے' وہ اللہ کی کتاب ہے' قرآن کے جس مقام کو خود نہ سمجھ سکے' اس کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت (مدد طلب) کرے اور پھر حسب طاقت و قدرت علماء سے مدد لے اور اگر اس کے باوجود کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ مقدور بھر کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص قرآن کو نہ سمجھ سکے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تلاوت کرنا بھی چھوڑ دے' مقدور بھر کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکنا معیوب نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ فِي الْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه، ح:٧٩٨، سنن ابن ماجة، كتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح:٣٧٧٩، مسند احمد ٦/ ٩٨، ١٧٠، ٢٦٦)

''قرآن کا ماہر معزز و نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے' اس میں اٹکتا ہے اور وہ اس پر گراں گزرتا ہے تو اسے دوگنا اجر و ثواب ملتا ہے۔''

رابعاً: فقیر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق صدقہ لے سکتا ہے' صدقہ کرنے والے کے لئے دعائے خیر کرنا مسنون ہے لیکن قرآن کی تلاوت کر کے اجرت لینا یا وعظ و نصیحت کر کے مال وصول کرنا' یا برکت کی امید سے کسی کو مال دینا' یا حصول برکت کے لئے کچھ لوگوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے' ابتدائی تین صدیوں میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خیرالقرون قرار دیا' مسلمانوں میں اس طرح کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔

خامساً: ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٥٧)

''(اے پیغمبر)! کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (کام) کی اجرت نہیں مانگتا''

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو یہ بتا دیں کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دین و شریعت کی جو تبلیغ کرتے ہیں اور انہیں توحید خالص اور دیگر تمام احکام اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس پر ان سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کرتے ہیں اور اجروثواب کی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان اس لئے بھی کروایا تاکہ آپ مشرکوں کے ان اوہام اور ظنون کاذبہ کا ازالہ فرمادیں کہ رسول انہیں اپنی اتباع کی اس لئے دعوت دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ مال کمانا چاہتا ہے یا قوم کی سربراہی چاہتا ہے لہٰذا آپ نے ان کے سامنے یہ واضح فرمادیا کہ آپ انہیں حق کی دعوت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیتے ہیں۔

اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو جو دعوت دی تو اس پر لوگوں سے کسی قسم کی اجرت کا سوال نہیں کیا تھا۔ اس جواب کے پہلے فقرہ میں حدیث عمران بن حصین کے حوالہ سے یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنانا اور قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا منع ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ مانگنے والے کے منہ پر قیامت کے دن گوشت نہ ہو گا تو یہ وعید ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی اضطراری حالت کے بغیر لوگوں سے مانگتا ہے خواہ وہ قرأت قرآن کے حوالہ سے مانگے یا اس کے بغیر مانگے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَزَالُ الْمَسْأَلَةَ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤٠ ومسند احمد ٢/ ١٥، ٨٨)

"سوال تم میں سے کسی ایک کے ساتھ چمٹا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»(صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، ح:١٤٧٤، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح: ١٠٤٠)

"آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، ح:١٠٤١، سنن ابن ماجة، كتاب الزكاة، باب من سأل عن ظهر غنى، ح:١٨٣٨، مسند احمد، ٢/ ٢٣١)

"جو شخص اپنے پاس زیادہ مال جمع کر لینے کی غرض سے' لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے' اب چاہے ان کو کم کر لے یا زیادہ کر لے۔"

جو آدمی لوگوں سے قرآن کے حوالہ سے مانگتا ہے' اگر فقیر ہے تو حدیث عمران کے مصداق ہے اور اگر صاحب دولت

ہے تو وہ ان تمام احادیث کے مصداق ہے۔ سوال میں مذکور حدیث کے الفاظ' ہمارے علم کی حد تک کسی صحیح حدیث میں نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلیے خلافت کی وصیت کی تھی؟

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف سازش کی تھی؟

جواب شیعہ فرقہ کے سوا مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے اور یہ ایک باطل قول ہے' رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے ..... اللہ تعالیٰ ان سے اور دیگر تمام صحابہ کرام سے راضی ہوں ..... لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ میں کوئی نص صریح ثابت ہے' نہ آپ نے اس کے لئے کوئی قطعی وصیت فرمائی ہے ہاں البتہ آپ ﷺ کے کچھ ارشادات سے اس سلسلہ میں راہنمائی ضرور ملتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی نماز میں امامت کریں' جب آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کا ذکر ہوا تو فرمایا:

«يَأْبَى اللهُ وَالْـمُؤْمِنُوْنَ إِلاَّ أَبَا بَكْرٍ»(صحيح بخاري، كتاب الاحكام، باب الاستخلاف، ح:٧٢١٧، ٥٦٦٦، انظر سلسله " الصحيحة ج:٢، ح:٦٩٠)

"اللہ تعالیٰ اور مومن' ابوبکر کے سوا ہر کسی کا انکار کرتے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی' بیعت کرنے والوں میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں یہ کہا کرتے تھے:

«خَيْرُ هٰذِهِ الأُمَّـةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب فضل ابي بكر بعد النبي ﷺ، ح:٣٦٥٥)

"نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔"

نبی کریم ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کی تائید فرماتے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے:

«خَيْرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب. . . ، ح:٣٦٧١)

"نبی ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«لاَ أُوْتَى بِأَحَدٍ يُفَضِّلُنِيْ عَلَيْهِمَا إِلاَّ جَلَدْتُهُ حَدَّ الْـمُفْتَرِيْ»

''اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دے تو میں اسے تہمت کی حد کے مطابق کوڑے لگاؤں گا''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ امت کے سب سے افضل انسان ہیں اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اور نہ یہ کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر ظلم کیا اور ان سے ان کا حق چھین لیا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہوں نے پہلی بیعت کی تاکید کے لئے دوبارہ بیعت کی تاکہ لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکیں کہ وہ جماعت ہی کے ساتھ ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور انہوں نے اپنے بعد خلافت کے فیصلہ کے لئے عشرہ مبشرہ (وہ دس عظیم انسان جن کو زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی تھی) میں سے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنا دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں ان کی زندگی میں کوئی اختلاف کیا تھا نہ ان کی وفات کے بعد اور نہ یہ کہا کہ وہ ان سب سے افضل ہیں۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کبھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتراف تھا' آپ نے جہاد اور شوریٰ کے مسائل میں ان سے پورا پورا تعاون بھی کیا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام مسلمانوں کا بھی اس پر اجماع تھا' جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ لہٰذا اس کے بعد کسی فرد یا کسی جماعت کے لئے خواہ وہ شیعہ ہو یا کوئی اور یہ دعویٰ کرنا جائز نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی ہیں اور ان سے پہلے خلفاء کی خلافت باطل ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا اور ان کا حق چھین لیا کیونکہ یہ بات سب سے زیادہ باطل بات اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوء ظن (براگمان) ہے' جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے پاک رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ یہ کبھی ضلالت پر جمع ہو جائے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ» (جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في اهل الشام، ح:٢١٩٢، سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ح:٦)

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر کامیاب رہے گا۔''

لہٰذا یہ بات محال ہے کہ امت اپنے اشرف ترین دور میں باطل پر جمع ہو جائے کیونکہ شیعہ کے بقول حضرت ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت باطل ہے حالانکہ اس طرح کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جس شخص کو اسلام کے بارے میں ادنیٰ سی بھی بصیرت حاصل ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

—— شیخ ابن باز ——

جس حجرہ میں قبریں ہوں' اس میں نماز جائز نہیں

سوال میں نے ان بعض لوگوں سے جھگڑا کیا جو قبرستان میں نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں جس میں قبر یا قبریں ہوں۔ میں نے صحیح اور صریح احادیث کے ساتھ ان کے شبہات کا رد کیا لیکن انہوں نے میرے جواب میں یہ کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہوئے تو پھر وہ کہاں نماز پڑھتی تھیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی قبر شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے اندر تھی یا باہر؟ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد حرام میں بھی نمازیں پڑھی ہیں حالانکہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سیدہ ہاجر رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء مدفون ہیں' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بعد حجرہ میں نماز پڑھتی رہیں اور مسجد حرام میں حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہیں؟

جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد...، ح:٥٣١)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا، وَلَوْلاَ ذٰلِكَ لأُبْرِزَ قَبْرُهُ وَلٰكِنْ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠، صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد...، ح:٥٢٩، ٥٣١)

"آپ ﷺ کے اس بیان فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کیا جاتا لیکن آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ آپ کی قبر کو مسجد بنایا جائے۔"

ایک روایت میں ہے:

«وَلٰكِنْ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»

"آپ اس بات سے ڈرے کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے۔"

بخاری کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«غَيْرَ أَنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يُتَّخَذَ»(بخاري، الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد...، ح:١٣٣٠)

"میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میری قبر کو مسجد نہ بنا لیا جائے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنا ناجائز اور انہیں بنانا حرام ہے۔ سوال میں

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نمازیں کہاں پڑھا کرتی تھیں؟ اور کیا آپ کی قبر گھر کے اندر تھی یا باہر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ان صحیح احادیث کی راوی ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ عزوجل کی حکمت و مصلحت ہے کہ ان احادیث کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس حجرہ میں قطعاً نمازیں نہ پڑھتی تھیں، جن میں قبریں تھیں کیونکہ اگر وہ اس حجرہ میں نماز پڑھتیں تو ان احادیث کی مخالفت لازم آتی، جنہیں انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ آپ کے شایان شان نہ تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا یا بعض انبیاء مسجد حرام میں مدفون ہیں، تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

رسول اللہ ﷺ کی جنوں سے ملاقات

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کے ساتھ ملاقات فرمائی تھی؟

جواب ہاں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس ملاقات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بتایا، انہیں ان کے آثار بھی دکھائے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیے سورۃ احقاف کی آیت کریمہ:

﴿ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ ٱلْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقُرْءَانَ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٢٩)

"اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں....."

کی تفسیر نیز سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الجن کی تفسیر میں آپ کو اس سوال کا مفصل جواب مل جائے گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ابلیس آج تک ہمارے درمیان زندہ ہے

سوال کیا ابلیس ـــ لَعَنَهُ اللّٰه ـــ اب تک زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ کیا جن بھی اپنے مُردوں کو انسانوں کی طرح دفن کرتے ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے مہلت طلب کی جو اسے دے دی گئی جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے کہ:

﴿ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ ٱلْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ ﴾ (الحجر١٥/ ٣٦-٣٧)

"ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ جب لوگ اٹھائے جائیں، مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔"

چنانچہ وہ اس یوم معلوم تک زندہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہلاکت کا حکم دیا ہے اور وہ دنیا میں سب سے آخر میں مرنے والا ہو گا۔ جن ایسے ارواح ہیں جو جسموں سے بے نیاز ہیں، وہ فوت تو ہوتے ہیں لیکن ان کی تدفین ان کے حسب حال ہوتی ہے، ہمیں ان کی صورتوں کی کیفیت اور ان کی موت و تدفین کی حالت کا علم نہیں ہے کیونکہ ان کا تعلق

جنس بشر سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جادو کی حقیقت

سوال کیا جادو برحق ہے؟

جواب ہاں جادو کی حقیقت ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ جادوگر شیطانوں کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں اور شیاطین ان کے ارادوں کے مطابق ان کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کو ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے جس سے وہ عجیب و غریب کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ

سوال کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ پیش کرے؟ مجھے بعض علماء کا یہ قول معلوم ہوا ہے کہ اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دعاء تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ بعض علماء اس کے خلاف ہیں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب ولی ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس سے ڈرے' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اسے بجالائے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے رک جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (يونس ۱۰/ ۶۲-۶۳)

''سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔''

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کی کئی قسمیں ہیں:

① انسان کسی زندہ ولی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لئے کشادگی رزق' بیماری سے شفاء یا ہدایت و توفیق کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعاء فرمائیں' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعاء فرمائی' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور بارش نازل فرما دی۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دعاء کروائی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعاء کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعاء پر آمین کہی۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے حصول منفعت یا دفع نقصان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔

② اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ سے محبت کے وسیلہ سے دعاء کرے اور

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اس کی قطعی دلیل ہے اور وہ منسوخ بھی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں گے۔

جواب اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے' چنانچہ ایجاد نسل کا مباشرت سے ربط ہے' فصل کے اگنے کا زمین میں بیج بونے اور اسے پانی کے ساتھ سیراب کرنے سے' جلانے کا تعلق آگ سے ہے اور غرق کرنے اور تر کرنے کا پانی سے۔ الغرض اسی طرح دیگر اسباب و مسببات ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۳۰)

"اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ ﴾ (النبا۷۸/ ۱۴۔۱۶)

"اور ہم نے نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور گھنے گھنے باغ"

اور فرمایا:

﴿ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾ ﴾ (قٓ۵۰/ ۹۔۱۱)

"اور آسمانوں سے برکت والا پانی اتارا اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہہ بتہہ ہوتا ہے (یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (قیامت کے روز) نکل پڑنا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ۱۱)

"اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔"

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب اور معنوی و مادی مسببات کو بیان کر کے ان میں ربط کو بیان فرمایا ہے یعنی اسباب کو مسببات کا سبب بنا دیا ہے اور دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے خلق اور قضاء و قدر سے ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معنوی اسباب بھی پیدا فرمائے جب کہ وہ اسباب کے بغیر بھی مسببات کے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اسباب ہی کے ساتھ مسببات کو پیدا کرتا اور وجود میں لاتا ہے اور اس میں مضمر حکمت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿١﴾ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿٢﴾ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ

فَضْلَهُۥ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱-۳)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔ (وہ یہ) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تم کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی (کی داد) دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔"

اپنے نبی ہود علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ وَيَـٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۵۲)

"اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو' وہ تم پر آسمانوں سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔"

اپنے نبی نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿ يَـٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ﴾ (نوح ۷۱/ ۲-۴)

"بھائیو! میں تمہیں کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی کاش تم جانتے ہوتے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی امتوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

﴿ ۞ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ (ابراھیم ۱۴/ ۱۰)

"ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور (فائدہ پہنچانے کے لئے) ایک مدت مقرر تک تم کو مہلت دے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہا جو غزوہ احد میں مارے گئے تھے کہ:

﴿ لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۵۶)

"اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔"

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ فرما دیں کہ:

﴿ لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۵۴)

"اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاھوں کی طرف ضرور

نکل آتے۔"

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قتل نفس اپنے سبب کا مرہون ہے اور ہر مقتول اپنے وقت مقرر کے مطابق فوت ہونے والا ہے' نہ کوئی اپنے مقررہ وقت سے پہلے فوت ہو سکتا ہے اور نہ بغیر سبب کے' اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٥، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعها، ح:٢٥٥٧، واخرجه أبوداود في السنن رقم:١٦٩٣)

"جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اسکے رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی ہو تو وہ صلہ رحمی سے کام لے۔"

اگرچہ صحت کی حفاظت و نگہداشت کا جسمانی صحت اور بیماریوں کے مقابلہ میں خصوصی کردار ہے جیسا کہ سائل نے کہا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و تقدیر کے ساتھ ہے جیسا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ اس حفاظت و نگہداشت کو نتائج کا سبب بنا دیتا ہے جیسا کہ اسباب اور مسببات کی ترتیب اس کی قضا و قدر کے مطابق پہلے سے اس کے علم میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسباب کا مسببات میں دخل ہے' اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سبب بنا دیا ہے اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان پر مسببات کو مرتب کر دے' اس کے یہ معنی نہیں کہ نتائج کے سلسلہ میں اسباب کی اپنی ذاتی اور مستقل تاثیر ہے بلکہ ان میں تاثیر اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسباب کو ان میں ودیعت کئے ہوئے خواص سے محروم کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے جیسا کہ اس نے آگ سے جلانے کے خاصہ کو سلب کر لیا اور اس نے اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا بلکہ دہکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ اسی طرح اس نے پانی سے غرق کر لینے کی صلاحیت کو سلب کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم امن و سلامتی کے ساتھ دریا عبور کر گئی اور جب فرعون اور اس کے ساتھی اسی دریا سے گزرنے لگے تو اس نے پانی کو یہ صلاحیت واپس لوٹا دی اور انہیں غرق کر دیا تو قضا و قدر کے اعتبار سے مسببات اپنے اسباب کے ساتھ مرہون ہیں حتی کہ حفاظت اور عدم حفاظت کے باوجود انسانوں کی عمریں درازی و کمی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہیں لہٰذا سائل کا یہ کہنا کہ حفاظت و نگہداشت کا عمروں کی درازی و کمی سے کوئی تعلق نہیں ہے علی وجہ الاطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ان کا بھی دخل ہے۔ «وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم»

فتویٰ کمیٹی

زندوں اور مردوں کی طرف سے صدقہ اور قرأت قرآن

سوال کیا کسی شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے زندہ والدین کی طرف سے صدقہ کرے؟ کیا وہ ان کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتا ہے؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کیا صدقہ و قرأت کے لئے صرف نیت ہی کافی ہو گی؟

جواب والدین اور دیگر لوگوں کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ اور اس کے لئے دل سے نیت

ہی کافی ہے' اگر زبان سے بھی یہ کہہ دے کہ "اے اللہ! میرے والدین کی طرف سے اس صدقہ کو قبول فرما تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ والدین' قریبی رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعاء اور استغفار بھی مسنون ہے' قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے ایصال ثواب کو اگرچہ بہت سے علماء نے جائز قرار دیا ہے لیکن یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے عدم نصوص کی وجہ سے بہت سے علماء نے اس سے منع بھی کیا ہے لہٰذا کبھی کبھار ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ جبرین ———

تعویذوں اور منتروں کی فروخت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ - وَبَعْدُ

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال آیا جسے وزارت داخلہ کے سیکرٹری کی طرف سے جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے:

(ع - م - ز) نامی ایک شخص نے منطقہ ریاض کے امیر سے اجازت طلب کی ہے کہ اسے بازار میں تعویذوں اور منتروں کے بیچنے کی اجازت دی جائے کیونکہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے نے اس سے امیر کی طرف سے اجازت نامہ طلب کیا ہے اور امیر نے تجویز پیش کی ہے کہ اسے آپ کی طرف سے اجازت نامہ دیا جائے اور رخصت کے طالب سے یہ تسلی کر لی جائے کہ وہ ان قواعد وضوابط کی پابندی کرے گا جو ہم وطنوں کو ناجائز نفع اندوزی سے بچاتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق فرمائیں گے اور کاروبار کے لئے شرائط کو پورا کرنے والے کو اجازت نامہ دینے کے امکانات پر غور فرمائیں گے؟

جواب قبل ازیں بھی یہ فتویٰ صادر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید یا اذکار نبویہ وغیرہ کو کاغذ یا پلیٹ پر لکھنا اور پھر پانی وغیرہ سے مٹا کر مریض کو پلانا تاکہ اسے بیماری سے شفا نصیب ہو منع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے' خلفاء راشدین سے یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ثابت نہیں ہے' ہمارے علم کی حد تک ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا' ہر طرح کی خیر و بھلائی رسول اللہ ﷺ' خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں ہے۔ مذکورہ فتویٰ کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے:

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید' اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ دم کے لئے کوئی ایسا کلمہ اختیار نہ کیا جائے جو شرکیہ ہو یا جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو کیونکہ میں عوف بن مالک سے مروی ہے:

«كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، ح: ٢٢٠٠، واخرجه أبوداود في السنن رقم: ٣٨٨٦)

"ہم زمانۂ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے سامنے اپنے دم پیش کرو' دم میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ شرکیہ نہ ہو"

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف

اس صورت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو وہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَىٰ رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةً مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيْدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»(سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح:٣٥٣١، ومسند أحمد، ٤/ ٤٥٥)

"نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے تو آپ نے فرمایا اسے اتار دے' یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا' اگر اس چھلہ کو پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند احمد، ٤/ ١٥٤، مجمع الزوائد، ٥/ ١٠٣ وأبويعلى في المسند رقم: ١٧٥٩)

"جو شخص تعویذ لٹکائے' اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص سیپی (گھونگا) لٹکائے' اللہ تعالیٰ اس کو آرام نہ دے۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(احمد في المسند، ٤/ ١٥٤ وأبويعلى في المسند، رقم: ١٧٥٩، والحاكم في المستدرك، ٤/ ٤١٧)«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣، ومسند احمد، ٣٨١١)

"جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمائم، ح: ٣٨٨٣، احمد في المسند١/ ٣٨١، وابن ماجة في السنن رقم: ٣٥٧٦)

"جھاڑ پھونک' تعویذ اور اعمال حب شرک ہیں۔"

خواہ اس نے جو لٹکایا ہے وہ قرآنی آیات ہی ہوں۔ صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے تین اسباب ہیں:

① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں' تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔
② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن کے لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔
③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضاء حاجت' استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی کسی سورت یا آیات کا پلیٹ یا کاغذ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے

برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال (مال کمانے) یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا اور نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دواعی اور اسباب بھی موجود تھے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم' اسماء حسنیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار و ادعیہ اور ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں اور جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے' اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرما دے' غم و فکر سے نجات دے دے' علم نافع سے سرفراز فرمائے اور ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر اس شخص کو تعویذوں اور منتروں کی فروخت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے بلکہ اسے ان کے فروخت کرنے سے منع کرنا چاہئے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا؟

سوال کیا ابلیس --- لعنه الله --- فرشتوں میں سے ہے یا کسی دوسری جنس سے؟ اور اگر وہ کسی دوسری جنس سے ہے تو پھر ارشادی باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝٣٠ إِلَّآ إِبْلِيسَ ﴾ (الحجر١٥/ ٣٠-٣١)

"ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا" میں استثناء کی کیا توجیہہ ہو گی؟

جواب واضح رہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک جنس ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً کر گزرتے ہیں۔ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ جنوں میں سے تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ ٱلْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ﴾
(الكهف١٨/ ٥٠)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ (یعنی اس کی نافرمانی کی)۔"

حضرت آدم علیہ السلام کو جو اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ:

﴿ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِى مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ۝٧٦ ﴾ (صٓ٣٨/ ٧٦)

"تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔"

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ الْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ﴾ (صٓ۳۸/ ۷۳-۷۴)

"تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے۔"

میں استثناء منقطع ہے جیسے کہ کوئی یہ کہے جَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا "گدھے کے سوا ساری قوم آئی" بعض اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ ابلیس لعنہ اللہ' جنس ملائکہ سے تھا لیکن اس نے نافرمانی کی اور جب تمرد و عصیان (سرکشی اور نافرمانی) پر اصرار کیا تو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق قرار پایا۔ ((وصلی اللّٰه علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم))

———— فتویٰ کمیٹی ————

نجومی اور کاہن سے سوال پوچھنا جائز نہیں

سوال میرے والد نفسیاتی مریض ہیں' ان کا مرض بہت طول اختیار کر گیا ہے' کئی بار ہم نے انہیں ہسپتال میں بھی داخل کروایا ہے' اب بعض قریبی رشتہ داروں نے یہ کہا کہ ہم اسے فلاں عورت کے پاس لے جائیں کہ وہ اس طرح کی بیماریوں کا علاج جانتی ہے۔ انہوں یہ بھی بتایا کہ ہمیں اس عورت کو صرف مریض کا نام بتانا ہو گا اور وہ یہ بتا دے گی کہ ان کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے' سوال یہ ہے کہ اس عورت کے پاس جانا ہمارے لئے جائز ہے؟

جواب اس عورت اور اس جیسی دیگر عورتوں کے پاس جانا' ان سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عورتیں ان نجومیوں اور کاہنوں سے تعلق رکھتی ہیں جو علم غیب کے مدعی ہیں اور علاج کرنے اور خبریں بتانے میں یہ جنوں سے مدد لیتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

"جو شخص کسی نجومی کے پاس جا کر سوال کرے تو چالیس راتوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔"

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

"جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لہٰذا واجب ہے کہ ان لوگوں کا اور ان کے پاس آنے والوں کا انکار کیا جائے' نہ ان سے کوئی سوال پوچھا جائے' نہ ان کی تصدیق کی جائے بلکہ ان کا معاملہ حکمرانوں تک پہنچانا چاہئے تاکہ انہیں وہ سزا دی جائے جس کے یہ مستحق ہیں کیونکہ انہیں چھوڑنے اور حکام کو ان کے بارے میں مطلع نہ کرنے میں معاشرے کا نقصان ہے اور جاہل لوگوں کے دھوکا کھانے میں معاون بنتا ہے کہ وہ دھوکا و فریب کی وجہ سے ان سے سوال بھی کریں گے اور ان کی تصدیق بھی کریں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر . . . ، ح:٤٩، واخرجه الترمذي في السنن رقم:٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن رقم:٥٠١١)

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھائے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

بلاشک و شبہ حکمرانوں مثلاً امیر شہر یا محکمہ امربالمعروف یا عدالت میں ان کی شکایت زبان سے اس برائی کو روکنے کے مترادف ہو گی اور یہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ وہ نیکی و سلامتی کو اختیار کریں اور ہر برائی سے بچیں۔

——— شیخ ابن باز ———

نبی کی قسم کھانا

سوال بعض لوگ نبی کی قسم کھاتے ہیں اور وہ اس کے عادی بن جاتے ہیں' ان کا عقیدہ تو نہیں ہوتا لیکن محض عادت کی وجہ سے یہ قسم کھا لیتے ہیں' تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ یا مخلوقات میں سے کسی اور کی قسم کھانا منکر عظیم اور محرمات شرکیہ میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہ کے سوا اور کسی کے نام کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس بات پر اجماع ہے کہ غیراللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، ح:١٦٤٦، جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤، مسند احمد ٢/٧)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص قسم کھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَسْكُتْ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤)

"اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

اسی کے بارے میں مزید نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في

كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤، وأبوداود في السنن رقم:٣٢٥١)

"جس شخص نے غیراللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔"

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا»(سنن أبي داود، كتاب الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالامانة، ح:٣٢٥٣)

"جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اس باب میں بہت سی مشہور و معروف احادیث ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ کی قسم کھائیں۔ مذکورہ احادیث کے پیش نظر غیراللہ کی قسم کھانا جائز نہیں' خواہ وہ کوئی بھی ہو' جو شخص اس کا عادی بن چکا ہو اسے اس سے اجتناب کرنا چاہئے' اپنے اہل و عیال اور دوستوں ساتھیوں کو بھی اس سے منع کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر...، ح:٧٨، واخرجه الترمذي في السنن رقم:٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/ ٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن رقم:٥٠١١)

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

غیراللہ کی قسم کھانا شرک اصغر ہے اور اگر قسم کھانے والے کے دل میں یہ بات ہو کہ جس کی قسم کھائی جا رہی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تعظیم یا عبادت کا مستحق ہے تو پھر یہ شرک اکبر ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں پر احسان فرمائے کہ وہ اس سے بچیں' سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور اپنی ناراضی کے اسباب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿ إِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴾

—— شیخ ابن باز ——

تلاوت قرآن کی اجرت کا تقاضا کرنا

سوال بہت سے مسلمان ملکوں میں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ قاریوں سے اجرت پر تلاوت کروائی جاتی ہے' سوال یہ ہے کہ قاری کے لئے قراءت کی اجرت لینا جائز ہے؟ کیا تلاوت کی اجرت دینے والا گناہ گار ہو گا؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت خالص عبادت الٰہی اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تلاوت اور دیگر تمام عبادات کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے سرانجام دے اور اسی سے ثواب کو طلب کرے' مخلوق سے اس کا بدلہ یا صلہ نہ چاہے' یہی وجہ ہے کہ سلف صالح سے مُردوں کے لئے یا محفلوں اور مجلسوں میں لوگوں سے اجرت لے کر قرآن پڑھانا ثابت نہیں ہے' نہ ائمہ دین میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اس کا حکم یا اس کی اجازت دی ہو اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ اس نے تلاوت قرآن کی اجرت لی ہو بلکہ وہ

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور محض اس سے حصول ثواب کے لئے تلاوت کیا کرتے تھے' نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے' لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ سنن ترمذی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگ رہا تھا' انہوں نے "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ»(جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فيسأل الله به . . . ، ح:٢٩١٧، ومسند احمد ٤/ ٤٣٢)

"جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے' کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے۔"

باقی رہا قرآن مجید کی تعلیم' یا دم کرنے یا اس طرح کے کسی ایسے کام کی اجرت جس کا نفع قاری کے علاوہ کسی اور تک بھی پہنچنے والا ہو تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر بکریوں کا ایک ریوڑ بطور اجرت لیا تھا۔ حدیث سہل سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کے لئے شادی میں مہر ہی یہ مقرر کیا تھا کہ اسے جس قدر قرآن کریم یاد ہے وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دے' لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لے یا اجرت پر کچھ لوگوں سے تلاوت کروائے تو وہ سنت اور سلف صالح رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجماع کا مخالف ہے۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

ظہور مہدی

سوال ظہور مہدی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا احادیث سے یہ ثابت ہے؟ امید ہے آپ وضاحت فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب امام مہدی کی آمد کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں' جو متعدد طرق سے وارد اور جنہیں بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت' جس میں چوتھی صدی کے عالم ابوالحسن آجری بھی شامل ہیں' نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مہدی کی آمد کے بارے میں وارد احادیث تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب «لوامع الانوار البهیه» میں اور علامہ شوکانی نے اپنی کتاب "التوضیح فی تواتر احادیث المھدی والدجال والمسیح" میں یہی بات ذکر کی ہے۔ ان کی مشہور علامات بھی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں' جن میں سے سب زیادہ اہم یہ ہے کہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو وہ عدل و انصاف سے بھر دیں گے لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ فلاں بن فلاں ہی مہدی ہے حتی کہ اس میں وہ ساری علامات موجود نہ ہوں جن کا نبی کریم ﷺ نے صحیح احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور جن میں سے اہم ترین علامت جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینا ہے۔ «وصلی اللہ علی

نبینا محمد و آله وصحبه وسلم»

فتویٰ کمیٹی

نبی کریم ﷺ کے ساتھ استغاثہ' آپ کو پکارنا اور آپ پر درود پڑھنا

سوال ① کیا نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ روح عنصری جسم و بدن میں موجود ہو اور آپ کی یہ زندگی دنیوی و حسی زندگی جیسی ہو؟ یا آپ کی زندگی اعلیٰ علیین میں اخروی و برزخی زندگی ہے کہ جس میں انسان مکلف نہیں ہوتا جس طرح آپ نے وفات کے وقت فرمایا بھی تھا کہ «اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِيقِ الْاَعْلٰى» اور اب قبر میں آپ کا جسد منور بلا روح ہے جب کہ روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے اور روح پاک کا جسم اطہر کے ساتھ اتصال روز قیامت کو ہو گا جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ "اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی؟"

جواب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر میں برزخی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی نعمتوں کی صورت میں آپ کے اعمال صالحہ کی جو پوری پوری جزاء عطا فرمائی ہے' اس سے آپ مستفید ہوتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک جسم اطہر میں نہیں ہے جس طرح دنیا میں تھی اور نہ ہی روح کا جسم اطہر سے اس طرح اتصال ہے جس طرح قیامت کے دن ہو گا بلکہ اس وقت آپ ﷺ کی زندگی برزخی زندگی ہے' جو دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کے درمیان کی ایک زندگی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات پا گئے تھے جس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی فوت ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ ٱلْخُلْدَ ۖ أَفَإِيْن مِّتَّ فَهُمُ ٱلْخَـٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾ ﴾ (الأنبياء ٢١/ ٣٤)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا بھلا اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَـٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الرحمن ٥٥/ ٢٦-٢٧)

"جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الزمر ٣٩/ ٣٠)

"(اے پیغمبر!) آپ بھی فوت ہو جائیں گے اور وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔"

مذکورہ بالا اور اس طرح کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فوت کر دیا تھا اور اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا' جنازہ (بصورت درود شریف) پڑھا اور آپ کو روضۂ اطہر میں دفن کر دیا۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو آپ کے ساتھ یہ معاملات نہ کئے جاتے جو فوت شدہ انسانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی وراثت کا مطالبہ کیا کیونکہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ آپ

وفات پا گئے ہیں' یہ اعتقاد رکھنے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی مخالفت نہیں کی ہاں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب ضرور دیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام جمع ہوئے تاکہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کا انتخاب کر لیں' چنانچہ خلیفہ اول کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ صحابہ کرام کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا گویا ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں' اگر آپ کی زندگی اب بھی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو حضرات صحابہ کرام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب نہ کرتے۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں اور اس سے پہلے اور بعد میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن فتنوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان مشکل حالات میں وہ کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف نہیں گئے کہ آپ سے مشورہ کریں یا ان فتنوں اور مشکلات سے نکلنے کا طریقہ معلوم کریں۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو ان حالات میں وہ ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرتے کیونکہ وہ اس بات کے شدید ضرورت مند تھے کہ کوئی انہیں ان مشکل حالات سے نکلنے کی سبیل بتائے یا راہ سمجھائے!

سوال ② کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف کے پاس ہر دعاء اور پکار کو سنتے ہیں یا خاص طور پر صرف درود شریف ہی کو سنتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ»(رواه البيهقي في شعب الايمان، ٢/ ٢١٨، ح: ١٥٨٣)

"جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے میں اسے سنتا ہوں"

نیز فرمایئے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے یا موضوع؟

جواب اصل بات یہ ہے کہ مردے' زندہ انسانوں کی دعاء اور پکار کو نہیں سنتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِى ٱلْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ ﴾ (فاطر ٣٥/ ٢٢)

"اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے۔"

کتاب و سنت صحیحہ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی ہر دعاء اور پکار سنتے ہیں کہ اسے آپ کی خصوصیت تسلیم کر لیا جائے بلکہ آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کے صلوٰۃ و سلام کو آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھے' یا دور پڑھے' دونوں حالتیں برابر ہیں۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ایک "فرجہ" میں آتا ہے اور اس میں داخل ہو کر دعاء کرتا ہے۔ آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے میرے دادا سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَلاَ بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيْمَكُمْ يَبْلُغُنِيْ أَيْنَ كُنْتُمْ»
(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح: ٢٠٤٢، ومسند احمد ٢/ ٣٦٧ واخرجه أبويعلى في المسند رقم: ٤٦٩)

"میری قبر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا

سلام مجھے پہنچ جائے گا۔"

یہ حدیث کہ "جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے' اسے میں سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے اسے پہنچا دیا جاتا ہوں۔" اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت بیان کی ہے کہ

«مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلاَّ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤١)

"جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے بھی ہیں بلکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت جواب دیتے ہوں گے' جب فرشتے آپ ﷺ کو سلام پہنچاتے ہوں گے اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ آپ سلام پڑھنے والے کے سلام کو سنتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ دعاء اور پکار کو بھی سنتے ہیں۔

سوال ③ کیا ہر ضرورت کے لئے نبی کریم ﷺ سے دعاء یا فریاد کرنا اور مصائب و مشکلات کے وقت آپ ﷺ کی ذات گرامی سے قبر شریف کے قریب سے یا دور سے مدد مانگنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے ضرورتوں کے پورا کرنے یا مشکلات کے خاتمہ کے لئے دعاء' فریاد یا مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے خواہ کوئی دعاء اور فریاد قبر شریف کے پاس کرے یا دور سے' مثلاً یوں کہے: "یا رسول اللہ! مجھے شفا عطا فرما دو۔" "یا رسول اللہ! میرے گمشدہ (عزیز) کو واپس لوٹا دو۔" وغیرہ۔

سوال ④ قبر شریف کے پاس درود شریف کے کون سے صیغے افضل ہیں یعنی «اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ» یا «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ...الخ» کیا نبی کریم ﷺ اس آدمی کو دیکھتے ہیں جو آپ کی قبر شریف کے پاس آپ پر درود پڑھتا ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے صحابہ عظام یا اولیاء کرام میں سے کسی کے سلام کا جواب دینے کے لئے کبھی اپنا دست مبارک اپنی قبر شریف سے باہر نکالا تھا؟

جواب (الف) ہمارے علم کی حد تک قبر شریف کے پاس پڑھنے کے لئے صلوٰۃ و سلام کے کوئی مخصوص الفاظ ثابت نہیں ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت یہ پڑھنا بھی جائز ہے کہ «اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!» یہ الفاظ اگرچہ خبر کے ہیں لیکن ان سے معنی طلب و انشاء کے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ درود ابراہیمی «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ...الخ» پڑھ لیا جائے۔

(ب) کتاب و سنت صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ کہ نبی کریم ﷺ قبر شریف کی زیارت کرنے والے کو دیکھتے ہیں' اصل عدم رؤیت ہے الا یہ کہ کتاب و سنت کی کسی دلیل سے ثابت ہو جائے۔

میت کے بارے میں اصل بات یہ ہے' خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی کہ' وہ قبر میں حرکت نہیں کر سکتا کہ ہاتھ کو آگے بڑھائے یا اس طرح کی کوئی بات کرے' یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی سلام کرنے والے کے لئے نبی کریم ﷺ نے اپنا دست

مبارک قبر شریف سے باہر نکالا اور فرمایا کہ (اپنے دائیں ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تاکہ تمہیں یہ سعادت نصیب ہو) تو یہ بات صحیح نہیں' یہ محض وہم و خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

غیر اللہ کی قسم کھانا

سوال غیر اللہ کی قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟

جواب کسی بھی فرشتے یا نبی یا ولی یا مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کی قسم کھانا حرام ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک قافلہ میں دیکھا کہ وہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب قافلہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، ح:١٦٤٦، جامع الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ح:١٥٣٤)

”خبردار! لوگو! آگاہ رہو کہ اللہ عزوجل تمہیں اپنے آباء کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔ پس جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش ہو جائے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللهِ» (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى ح:١٦٤٦)

”جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے۔“

قریش چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے اس لئے فرمایا:

«لاَ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ» (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى ح:١٦٤٦)

”اپنے آباء کی قسمیں نہ کھاؤ۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا اور نہی کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ حرمت پر دلالت کرتی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس کا نام شرک رکھا ہے' چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(مسند احمد، ١/ ٤٧، ٢/ ٣٤)

”جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا اور حسن قرار دیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(أبوداود في السنن، رقم:٣٢٥١، جامع الترمذي، كتاب

النذور والایمان، باب ما جاء في ان من حلف بغير الله، ح: ١٥٣٤)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔"

علماء نے اسے شرک اصغر پر محمول کیا ہے اور اسے "کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ" قرار دیا ہے یعنی یہ وہ کفر اکبر نہیں ہے جس کا ارتکاب کر کے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ "والعیاذ باللہ" لیکن یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے' اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں' اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھاؤں۔" اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللاَّتِ فَلْيَقُلْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَمَنْ قَالَ لأَخِيهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ»(صحيح بخاري، كتاب الايمان النذور، باب لا يحلف باللات والعزى ولا بالطواغيت، ح: ٦٦٥٠، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب من حلف باللات والعزى ...، ح: ١٦٤٧)

"جس نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ لات کی قسم! تو اسے اس کے بعد یہ کہنا چاہئے "لاالہ الا اللہ" اور جس نے اپنے بھائی سے یہ کہہ دیا کہ آئیے جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے۔"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو مسلمان لات کی قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کے بعد "لاالہ الا اللہ" پڑھ لے کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس کمال توحید کے منافی ہے' جسے اختیار کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ غیر اللہ کی قسم کھانے میں غیر اللہ کی تعظیم ہے اور یہ تعظیم یعنی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ بعض احادیث میں جو آباء کی قسم کا ذکر آیا ہے تو اس کا تعلق ممانعت سے قبل' قریش کے اس معمول کے مطابق ہے' جس کے وہ زمانۂ جاہلیت میں عادی تھے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بدعات

سوال: محدثات الامور (بدعات) سے کیا مراد ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ»(مسند أحمد، ٤/ ١٢٦)

"اپنے آپ کو دین میں نئی باتوں سے بچاؤ"

سے مراد ہر وہ نئی بدعت ہے' جسے لوگوں نے دین اسلام میں ایجاد کر لیا ہو' خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات وغیرہ سے کہ یہ کتاب اللہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت سے ثابت نہ ہو مگر لوگوں نے اسے دین بنا لیا ہو اور اس کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہوں کہ یہ حکم شریعت ہے حالانکہ یہ حکم شریعت نہیں بلکہ یہ بدعت اور شریعت میں ممنوع ہوتا ہے مثلاً فوت شدہ صالحین یا غائبین سے دعاء کرانا' قبروں پر مسجدیں بنانا' قبروں کے اردگرد طواف کرنا' اہل قبور سے مدد طلب کرنا اور یہ گمان کرنا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے

خاتمہ کے لئے وسیلہ ہیں' انبیاء و اولیاء کے ایام ولادت پر عرس منانا اور ان ایام میں محفلیں منعقد کرنا اور ان محفلوں میں ایسے کام کرنا جن کو یہ شب ولادت یا یوم ولادت یا ماہ ولادت کی مناسبت سے تقرب کے مخصوص کام قرار دیتے ہیں۔ الغرض اس طرح کی بے شمار بدعات و خرافات ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔ اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بدعات تو شرک ہیں مثلاً مُردوں سے فریاد یا ان کے نام کی نذر نیاز اور بعض صرف بدعت ہیں' شرک نہیں مثلاً قبروں پر عمارتیں یا مسجدیں بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کئے جائیں جو شرک تک پہنچا دینے والے ہوں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

فاسق کے لئے رحم کی دعاء کرنا

سوال میرا ایک رشتے دار فوت ہو گیا جو زندگی میں فاسق و فاجر تھا لیکن وہ نماز پڑھتا تھا' تو کیا وفات کے بعد اس کے لئے رحمہ اللہ کہنا اور دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے شخص کے لئے دعاء کرنا اور رحمہ اللہ کہنا جائز ہے جب تک کہ اس نے دین اسلام کو اپنا دین سمجھا' شہادتین کا اقرار کیا' نمازیں پڑھیں اور دین کے ظاہری شعائر کو بجالاتا رہا تو وہ اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے دعاء کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی دعاء کو قبول کر کے اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

غیر اللہ سے مدد مانگنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال کیا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو غیر اللہ سے مدد مانگتا اور اس طرح کے کلمات زبان سے ادا کرتا ہو کہ "اے غوث! ہماری فریاد سن' اے پیر عبدالقادر جیلانی! ہماری مدد فرما۔"[1] اگر ایسے امام کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو کیا میرے لئے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب مشرکوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور جو غیر اللہ سے فریاد کرتے اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں' غیر اللہ سے استغاثہ خواہ وہ مردہ انسان ہوں یا بت یا جن وغیرہ' یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ

---

① جیسے ہمارے ہاں کئی لوگ یہ کہتے ہیں اور بعض ظالموں نے تو اسے اپنی مسجدوں پر بھی لکھوا رکھا ہے کہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" (اے شیخ عبدالقادر جیلانی! ہمیں بھی اللہ کے لیے کچھ دیجئے!) برصغیر پاک و ہند کے اکثر مشرک لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو "غوث اعظم" کہتے ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے' اسی طرح یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں ؎

امداد کن' امداد کن از رنج و غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

یہ تمام شرکیہ اور کفریہ کلمات ہیں۔ والعیاذ باللہ! (مترجم)

شرک ہے ہاں البتہ کسی حاضراور زندہ انسان سے مدد لی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ:

﴿ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ﴾ (القصص۲۸/ ۱۵)

''جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ(علیہ السلام) کے دشمنوں میں سے تھا' مدد طلب کی۔''

اگر کوئی مسلمان امام نہ ہو جس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر تم مشرک امام سے پہلے یا بعد میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو تو اس طرح پڑھ لو۔ اگر مسلمانوں میں یہ استطاعت ہو کہ مشرک امام کو معزول کر کے کسی مسلمان امام کو متعین کر دیں تو ان کے لئے ایسا کرنا فرض ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی شریعت کو قائم کرنا ہے' بشرطیکہ فتنہ کے بغیر ایسا کرنا ممکن ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (مددگار و معاون) ہیں نیکی اور بھلائی کے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر...، ح: ٤٩ واخرجه الترمذي في السنن رقم:٢١٧٣، واحمد في المسند، ٣/ ٤٩، ٥٢، ٥٣، ٥٤، والنسائي في السنن ح رقم: ٥٠١١)

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکومت نہ کرے۔

سوال وہ حکمران جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں کیا وہ کافر سمجھے جائیں گے اور اگر ہم یہ کہیں کہ نہیں وہ مسلمان ہیں تو پھر اس ارشاد باری تعالیٰ کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۴۴)

''جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

جواب اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے بغیر حکم دینے کی کئی قسمیں ہیں' جن کے اعتقاد و اعمال کے مطابق احکام مختلف ہیں۔ جو شخص بغیر ما انزل اللہ کا حکم دے اور کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے بہتر ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے' اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بجائے وضعی قوانین کو نافذ کرے اور ان وضعی

قوانین کے نفاذ کو جائز قرار دے' خواہ یہ اقرار بھی کرے کہ شرعی قوانین کو نافذ کرنا افضل ہے' تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ اس نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا تھا لیکن جو شخص خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے یا رشوت کے لئے یا اپنے اور محکوم علیہ کے درمیان دشمنی کی وجہ سے یا دیگر اسباب کی وجہ سے بغیرماانزل اللہ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف) حکم دیتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم دے' تو ایسے شخص کو کبیرہ گناہ کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اس کے اس فعل کو کفر اصغر' ظلم اصغر اور فسق اصغر شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طاؤس اور سلف صالح کی ایک جماعت سے یہ بات منقول اور اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے "علیہ السلام" کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں

سوال کتاب ((عقدالدرر فی اخبار المنتظر)) پڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کو بیان کرتے ہوئے مصنف یہ اسلوب اختیار کرتا ہے کہ: "حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..." سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے لئے "علیہ السلام" یا اس کے مشابہ الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حضرت علی کیلئے "علیہ السلام" کے الفاظ کی تخصیص کرنا جائز نہیں بلکہ آپ کے حق میں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال کرنا مشروع ہے یا "رحمہ اللہ" کے الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ بطور خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے "علیہ السلام" یا "کرم اللہ وجہہ" کے الفاظ استعمال کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا افضل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو دیگر خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ ان کے لئے بطور خاص استعمال نہ کئے جائیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جن کے لئے ذبح کرنے والا

سوال اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایسے شہر میں پروان چڑھا جہاں اسے صرف نماز یا زیادہ سے زیادہ ارکان خمسہ کا علم ہو سکا اور وہ ان کے مطابق عمل بھی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کے نام پر ذبح کرتا اور بوقت ضرورت انہیں پکارتا بھی ہے لیکن نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ کیا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے یا نہیں؟ کیا حقیقت حال بیان کرنے سے قبل اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تو مشرک ہے؟

جواب توحید کا علم رکھنے والے جس شخص کو اس کا حال معلوم ہو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے یہ بتائے کہ جن وغیرہ غیراللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے' اس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے بھی جنوں کو پکارنا شرک اکبر ہے اور اس سے بھی انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں

صورتیں عبادت کی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ یہ خالص اللہ ہی کے لئے ہوں' غیر اللہ کو ان میں شریک کرنا شرک اکبر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٥)

"(اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں' کہئے کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ﴾ (یونس١٠/ ١٠٦-١٠٧)

"اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہئے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾﴾ (الکوثر١٠٨/ ٢)

"اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، كتاب الاضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٨٧)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔"

اگر ایسا شخص جنوں کے لئے ذبح کرنے اور ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے انہیں پکارنے پر اصرار کرے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب مشرک ہو گا۔ کتاب و سنت کے دلائل کے بعد اس کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور اس کو شرک اکبر کا مرتکب کافر و مشرک کہا جائے گا۔

فتویٰ کمیٹی

کیا قبر میں میت میں زندگی لوٹ آتی ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

سوال بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ میں نے علماء اسلام سے سنا ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے اور وہ فرشتوں کے سوال کا جواب دیتا ہے اور اگر اس میں

کفر اور دنیا کی زندگی میں اسلام پر عدم استقامت ثابت ہو تو اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ مبادی اسلام کے شناسا ہونے کی حیثیت سے مجھے قرآن کریم سے کوئی ایسی واضح دلیل نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب ہوتا ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے:

﴿ يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ٱرْجِعِىٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَٱدْخُلِى فِى عِبَٰدِى ﴿٢٩﴾ وَٱدْخُلِى جَنَّتِى ﴿٣٠﴾ ﴾
(الفجر ۸۹/ ۲۷-۳۰)

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اس سے راضی۔ وہ تجھ سے راضی' تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔"

میرے ناقص فہم کے مطابق جسم سے نکلنے کے بعد روح اپنے رب کے پاس جا پہنچتی ہے' میں نہیں سمجھتا کہ روح قبر میں اپنے جسم کے ساتھ مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا۟ رَبَّنَآ أَمَتَّنَا ٱثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا ٱثْنَتَيْنِ ﴾ (الغافر ۴۰/ ۱۱)

"وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔"

میں اس آیت سے یہ سمجھتا ہوں کہ دو دفعہ کی موت سے مراد وقت نطفہ اور جسم سے جان کے خروج کے وقت کی موت ہے جس طرح کہ دو دفعہ کی زندگی سے مراد شکم مادر اور بعثت کے وقت کی زندگی ہے۔ اس آیت میں قبر کے سوال و جواب اور عذاب کی طرف اشارہ نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ ﴾ (یٰسٓ ۳۶/ ۵۲)

"وہ (کافر) کہیں گے (اے ہے) ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگایا) اٹھایا۔"

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار (اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہوں گے اور نیند تو عذاب کے منافی ہے' آخر میں امید ہے کہ مجھے اس سوال کا شافی جواب ملے گا جیسا کہ آپ کے جوابات ہمیشہ شافی ہی ہوتے ہیں۔

جواب کمیٹی نے اس کا یہ جواب دیا:

اولاً: احکام شرعیہ کے دلائل جیسے قرآن کریم سے ہوتے ہیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت شدہ سنت سے بھی ہوتے ہیں خواہ وہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے کہ آپ ہمارے پاس جو بھی نصوص کتاب و سنت لے کر آئیں ہم ان کو لے لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۷)

"جو چیز تم کو رسول (ﷺ) دیں لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔"

کیونکہ آپ خواہش نفس سے بات نہیں فرماتے تھے بلکہ وحی الہی کی روشنی میں ہمارے لئے احکام شریعت بیان فرماتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۳-۵)

"اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ (قرآن) تو اللہ کا حکم ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ ان کو بڑی قوتوں والے نے سکھایا۔"

نبی ﷺ جو کچھ بھی لے کر آئے اس کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان اور اس کی محبت کی دلیل ہے اور اس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی محبت فرماتا اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۱)

"(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۲)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے (لوگو!) اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو' اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرادی کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو' یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام و نتیجہ بھی اچھا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرْسَلْنَـٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾ ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

"جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بلاشبہ اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

اس طرح کی قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں' آپ کا اتباع کریں اور جو کچھ آپ سے ثابت ہے اسے لے لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ حجت ہے اور اس سے عقیدہ و عمل کے احکام ثابت ہوتے ہیں' جس طرح آیات قرآن حجت ہیں اور ان سے بھی عربی زبان کے قواعد کے تقاضوں کے مطابق اور عربوں کے اپنی زبان کو سمجھنے کے طریقوں کے مطابق صراحتاً اور استنباطاً احکام ثابت ہوتے ہیں۔

ثانیاً: عقلی طور پر کافروں کے لئے عذاب قبر ممکن ہے' قرآن کریم سے بھی یہ ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (غافر ٤٠/ ٤٥-٤٦)

"اور آل فرعون کو سخت عذاب نے آ گھیرا (یعنی) آتش جہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

یہ آیت کریمہ قبر میں آگ کے عذاب کے اثبات کے لئے واضح دلیل ہے کہ ایک تو اس میں صبح و شام کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کوئی صبح و شام نہ ہوگی اور آیت کریمہ کے آخر میں جو یہ فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (غافر ٤٠/ ٤٦)

"اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت سے قبل انہیں کم تر درجہ کا عذاب ہو رہا ہے اور وہ ہے آگ کے سامنے پیش کیا جانا اور وہ عذاب قبر ہی ہے اور جزاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم و عدل میں فرعون' آل فرعون اور دیگر سب کافر برابر ہیں' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَـٰقُوا۟ يَوْمَهُمُ ٱلَّذِى فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِى عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (الطور ٥٢/ ٤٥-٤٧)

"پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے' سامنے آ جائے جس دن ان کا کوئی داؤ (مکر و فریب) کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کو (کہیں سے) مدد پہنچے گی اور یقیناً ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب (سزا) بھی ہے لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔"

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کو قیامت سے پہلے کمتر عذاب ہوتا ہے۔ یہاں عذاب عام ہے ان کو دنیا میں ہونے والا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو انہیں قبروں میں ہو گا اور قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد پھر انہیں عذاب اکبر ہو گا۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیتے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ چاہو۔" اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے بقیع الغرقد میں اللہ تعالیٰ سے تین بار عذاب قبر سے پناہ مانگی جب کہ ایک صحابی کی میت کے لئے قبر کھودی جا رہی تھی۔ اگر عذاب قبر ثابت نہ ہوتا تو آپ ﷺ خود اس سے اللہ کی پناہ مانگتے نہ صحابہ کرام کو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱلْقَوْلِ ٱلثَّابِتِ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْـَٔاخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ ٱللَّهُ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ ﴾ (ابراھیم ١٤/ ٢٧)

"اللہ تعالیٰ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (مضبوط رکھے گا) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں سوال کے وقت مومن کو ثابت قدم رکھتا اور کافر کو رسوا کر دیتا ہے۔ مومن کو صحیح جواب کی توفیق ملتی اور قبر میں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے' جب کہ کافر ذلیل و خوار ہوتا' جواب میں تردد کا شکار ہوتا اور پھر قبر میں عذاب سے دوچار ہوتا ہے' چنانچہ اسے حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عنقریب بیان کیا جائے گا۔

عذاب قبر کی دلیلوں میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، مَرَّ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ، فَدَعَا بِجَرِيْدَةٍ رَطْبَةٍ فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ وَغَرَزَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، وَقَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب ما جاء في غسل البول، ح:٢١٨، واخرجه الترمذي في السنن، رقم:٧٠ وابن ماجه في السنن، رقم: ٣٤٧، ٣٤٩)

”ان دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی ایسے بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا (جس سے بچنا ان کے لیے محال تھا) ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر و تازہ شاخ منگوائی اور اسے دو حصوں میں کر کے ہر ایک قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا اور فرمایا ہو سکتا ہے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے عقیدہ و عمل کے مطابق نعمت یا عذاب سے دوچار ہوتا ہے' ان متواتر احادیث کی موجودگی میں عذاب قبر کے بارے میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی' عذاب قبر کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا' تمام اہل سنت و جماعت بھی عذاب قبر کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور حدیث وہ بھی ہے جسے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ بیٹھ گئے' قبر کھودی جا رہی تھی اور ہم اس قدر خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»(اخرجه احمد في المسند، ٤/٢٨٧، ٢٩٥)

”میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

پھر فرمایا کہ:

«إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا، وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلاَئِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ، قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَأْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِي ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ، قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلاَ يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلَى مَلَإٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ إِلاَّ قَالُوْا: مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ؟

فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يَنْتَهُوْا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ فَيُفْتَحُ لَهُمْ، فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيْهَا، حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِي عِلِّيِّيْنَ، وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى، قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ، فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الإِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ، قَالَ: وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتَّى أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي وَمَالِيْ وَقَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ، فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلَى سَخَطٍ مِنَ اللهِ وَغَضَبٍ، قَالَ فَتَفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ، فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَجْعَلُوْهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوْحِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ، فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلَى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِيْثُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانَ يُسَمَّى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ﴾ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: اكْتُبُوْا كِتَابَهُ فِي سِجِّيْنٍ، فِي الأَرْضِ السُّفْلَى فَتُطْرَحُ رُوْحُهُ طَرْحًا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ ٱلطَّيْرُ أَوْ تَهْوِى بِهِ ٱلرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝٣١﴾ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْا لَهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ، قَبِيْحُ الثِّيَابِ، مُنْتِنُ الرِّيْحِ، فَيَقُوْلُ: أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ، هٰذَا يَوْمُكَ

الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالشَّرِّ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ، فَيَقُوْلُ: رَبِّ لاَ تُقِمِ السَّاعَةَ»(اخرجه احمد ٤/ ٢٨٧، ٢٩٥)

"مومن بندہ جب آخرت کی طرف آ رہا اور دنیا سے جا رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں' ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں' وہ اس کے پاس آ کر' جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے' بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے پاک روح! آ اللہ کی مغفرت اور رضا مندی کی طرف!" تو وہ روح اس طرح جسم سے باہر آ جاتی ہے' جس طرح مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ آسانی سے باہر آ جاتا ہے۔ ملک الموت (موت کا فرشتہ) اسے پکڑ لیتا ہے لیکن یہ فرشتے اس کے ہاتھ میں لحہ بھر بھی نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے پکڑ لیتے اور جنت کے کفن میں لپیٹ کر جنت کی خوشبو میں بسا دیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے جیسی کہ زمین کی کسی اعلیٰ اور پاکیزہ ترین کستوری کی خوشبو ہو' فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے' اس خوبصورت نام کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے اچھا اور خوبصورت نام ہوتا ہے' حتی کہ اسے لے کر آسمان تک جا پہنچتے ہیں اور آسمان کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے ملائکہ مقربین اگلے آسمان تک الوداع کرنے کے لئے اس کے ساتھ جاتے ہیں حتی کہ اس آسمان تک پہنچ جاتے ہیں' جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں "میرے بندے کے نامہ اعمال کو علیین میں لکھ دو۔" اسے زمین کی طرف لوٹا دو' میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا' زمین میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ پھر زمین ہی سے انہیں نکالوں گا' چنانچہ اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا لیتے ہیں اور وہ اس سے پوچھتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟" یہ جواب دیتا ہے کہ "میرا رب اللہ ہے" فرشتے پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" یہ جواب دیتا ہے "میرا دین اسلام ہے۔" فرشتے پوچھتے ہیں "وہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟" یہ جواب دیتا ہے "وہ اللہ کے رسول ہیں۔" فرشتے پوچھتے ہیں تمہیں کیسے علم ہوا؟ تو یہ کہتا ہے "میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا' اس پر ایمان لایا اور اس کی میں نے تصدیق کی۔" آسمانوں سے ایک منادی (اعلان کرنے والا) یہ اعلان کرتا ہے "میرے بندے نے سچ کہا ہے' اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو۔" جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو" آپ نے فرمایا "اس سے جنت کی پاکیزہ ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آنا شروع ہو جاتی ہیں اور تاحد نظر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے' اس کے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت خوبصورت' جس کا لباس بہت خوبصورت اور جس کی خوشبو بہت پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے تمہیں بشارت ہو اس چیز کی جس سے تم خوش ہو جاؤ' یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' یہ مرد مومن پوچھتا ہے تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ وہ ہے جو خیر لایا ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ یہ کہتا ہے

"اے میرے رب قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کے پاس لوٹ جاؤں۔"
اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کافر آدمی دنیا سے جا رہا اور آخرت کی طرف آ رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے کالے سیاہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں' وہ اس کے پاس تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں' پھر حضرت ملک الموت تشریف لاتے' اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے اور فرماتے ہیں: "اے خبیث روح! آ اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کی طرف' یہ سن کر روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے' ملک الموت اس کے جسم سے روح کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں' جس طرح گیلی روئی سے سیخ کو کھینچ لیا جائے' ملک الموت پکڑ لیتے ہیں تو فرشتے لحہ بھر کے لئے اسے ان کے ہاتھ نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے ایسی انتہائی سخت بدبو خارج ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر روئے زمین پر اور کوئی بدبو نہ ہو گی' فرشتے اسے لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟" فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے' دنیا کے اس کے بدترین ناموں سے اس کا تعارف کرواتے ہیں حتی کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک جا پہنچتے ہیں' دستک دیتے ہیں مگر اس کے لئے آسمان دنیا کے دروازے کو نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ ﴾ (الأعراف ۷/ ۴۰)

"ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔"

اللہ عزوجل اس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین یعنی زمین کی نچلی تہہ میں لکھ دو چنانچہ وہاں سے اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ ٱلطَّيْرُ أَوْ تَهْوِى بِهِ ٱلرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ﴾
(الحج ۲۲/ ۳۱)

"اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا اس کو ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔"

چنانچہ اسکی روح بھی اسکے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے' اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا لیتے اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" تو وہ جواب دیتا ہے: "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" پھر وہ پوچھتے ہیں "یہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟" تو وہ جواب دیتا ہے کہ "ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔" تو آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس کیلئے جہنم کا بستر بچھا دو' جہنم کی طرف اس کا ایک دروازہ کھول دو' تو جہنم کی حرارت اور گرم ہوا اس کے پاس آتی ہے اور اسکی قبر تنگ ہو جاتی ہے حتی کہ اسکی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ اسکے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت برا' جس کا لباس

بہت برا اور جس کی بدبو بہت بری ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ "تمہیں بشارت ہو اس بات کی جو تمہیں بہت بری لگے۔" یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" یہ پوچھتا ہے "تم کون ہو؟" تمہارا چہرہ وہ چہرہ ہے جو برائی لاتا ہے" وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ قیامت قائم نہ کرنا۔"

ثالثاً : عقلی طور پر یہ بات محال بھی نہیں ہے کہ فرشتے قبروں میں مُردوں سے سوال کریں اور مُردے ان کو جواب دیں اور پھر مُردوں کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور کائنات میں اس کے عجائبات کے اعتبار سے یہ کچھ بعید نہیں کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں نعمتوں سے نوازا جائے اور کافروں کو عذاب دیا جائے کہ جو بھی کائنات پر گہری نظر ڈالے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ کائنات میں اسی کی مشیت جاری و نافذ ہے۔ اس کی قدرت جامع اور کامل ہے اس نے مخلوق کو نہایت اعلیٰ تدبیر کے ساتھ مستحکم و استوار کیا اور جس کو پیدا کیا عجیب نرالے انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے نصوص صحیح میں وارد مُردوں سے سوال اور پھر ان کے جواب کے مطابق ان سے رحمت یا عذاب کے مسئلہ پر عقیدہ رکھنا آسان ہو جائے گا۔ ان نصوص سے ثابت ہے کہ دفن کے بعد اللہ تعالیٰ مُردے میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے تاکہ اسے وہ برزخی زندگی حاصل ہو جو دنیوی زندگی اور قیامت کے بعد کی اخروی زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ دو زندگیوں کے درمیان کی یہ زندگی ہی انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ سوال سن سکے اور اس کا جواب دے سکے اور پھر اس میں راحت و نعمت یا عذاب و سزا کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ تدبیر و خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے کمالات ہیں کہ انسانی عقلیں اپنی کوتاہی کی وجہ سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور نہ انہیں محال سمجھتی ہیں بلکہ انہیں ممکن سمجھتی ہیں' اگرچہ ان کے اسباب و علل کے بارے میں حیران' ان کی کنہ و حقیقت کے معلوم کرنے اور ان کے مقصود و مطلوب کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہیں۔ انسان جب کسی چیز سے عاجز آ جائے اور کوئی معاملہ اس سے مخفی رہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز و قاصر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت پر شک نہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا مؤقف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ وَبَعْدُ

بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"یقیناً دین (حق) تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۳)

"یہ سب ایک جیسے نہیں ہیں' ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں....."

اور فرمایا:

﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۲)

"(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں....."

میں چونکہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرتا ہوں اور بعض سے میرے گہرے مراسم بھی ہیں لیکن بسااوقات اس موضوع پر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیا دین اسلام عیسائیوں کا اعتراف کرتا ہے یا نہیں؟ اسلام کا عیسائیوں کے بارے میں کیا مؤقف ہے؟ میرے یہ عیسائی دوست اپنے مؤقف کی تائید میں قرآن کریم کی اس طرح کی آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں' جن کی طرف میں نے سطور بالا میں ابھی اشارہ کیا ہے۔ عیسائی حضرات جن آیات کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان میں سے چند ایک بطور مثال ہیں' اس سے تمام آیات کا حصر مقصود نہیں ہے۔

اپنے فاضل علماء کرام سے امید ہے کہ وہ مجھے کافی و شافی جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ امید ہے کہ جواب مفصل 'مسکت' دلائل و براہین سے مدلل اور اسلوب بیان سہل اور دلنشیں ہو گا۔ کیا ان آیات میں سے کوئی منسوخ تو نہیں؟ کیونکہ عیسائی ہمارے خلاف بات کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان آیات میں تناقض و تعارض ہے! اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ کی قلبی وابستگی نے مجھے یہ سطور لکھنے پر مجبور کیا ہے اس لئے امید ہے کہ جامع جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟

جواب حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام جن شریعتوں کو لے کر آئے ان سب کے اصول ایک ہیں۔ انہی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی اور انہی کے مطابق ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی وصیت فرمائی کہ وہ بعد میں آنے والے نبیوں پر ایمان بھی لائیں اور ان کی تائید وحمایت بھی کریں اور بعد میں آنے والے نبی اپنی امتوں کو یہ وصیت کرتے رہے کہ وہ سابقہ انبیاء کرام کی تصدیق بھی کریں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام' اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کا نام دین اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۱۔۸۵)

"اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں' پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا)؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو اس کے بعد پھر جائیں' وہ بدکردار ہیں۔ کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرماں بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء کو پروردگار کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

اور فرمایا:

﴿ ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَۚ كُلٌّ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّن رُّسُلِهِۦۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۵)

"رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی' ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَقَفَّيۡنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِۖ وَءَاتَيۡنَٰهُ ٱلۡإِنجِيلَ فِيهِ هُدٗى وَنُورٞ وَمُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَهُدٗى وَمَوۡعِظَةٗ لِّلۡمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۴۶)

"اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے اور پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِۖ ﴾ (المائدۃ۵/ ۴۸)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) کی محافظ و نگہبان بھی۔ پس جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرنا"

اور فرمایا:

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ ﴾ (المائدة٥/ ١٥-١٦)

"اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارے رسول (آخرالزماں) آ گئے ہیں' جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے' وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کر بتا دیتے ہیں اور بہت سی باتوں سے درگزر فرماتے ہیں' بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے' جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾ ﴾ (المائدة٥/ ١٩)

"اے اہل کتاب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو (ایک عرصے تک) منقطع رہا تو (اب) تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں جو تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو (اب) تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (الصف٦١/ ٦)

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے' جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر) جب وہ (مبشر رسول) ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ ﴾

(الأنبياء٢١/ ٢٥)

"اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔"

ان مذکورہ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو عام اور خاص دونوں طرح سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں

کہ انبیاء کرام علیہم السلام شریعت کے جو اصول لائے وہ سب ایک تھے مثلاً: صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا' اس کے ساتھ اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں' یوم آخرت اور قضاء وقدر کے ساتھ ایمان لانا اور نماز' زکوٰۃ اور روزے کو بجا لانا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ دعاء کی تھی:

﴿ رَّبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ ﴾ (ابراهيم ١٤/ ٣٧)

"اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے' اے پروردگار! (میں نے یہ اس لیے کیا ہے) تاکہ یہ نماز پڑھیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ ﴾ (ابراهيم ١٤/ ٤٠)

"اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی توفیق بخش۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱذۡكُرۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ إِسۡمَٰعِيلَۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُولٗا نَّبِيّٗا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَأۡمُرُ أَهۡلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرۡضِيّٗا ﴿٥٥﴾ ﴾ (مريم١٩/ ٥٤_٥٥)

"اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ بُيُوتٗا وَٱجۡعَلُواْ بُيُوتَكُمۡ قِبۡلَةٗ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَۗ ﴾ (يونس١٠/ ٨٧)

"اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَنَادَتۡهُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٞ يُصَلِّي فِي ٱلۡمِحۡرَابِ أَنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيَىٰ ﴾ (آل عمران٣/ ٣٩)

"وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ قَالَ إِنِّي عَبۡدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِيَ ٱلۡكِتَٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيّٗا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيۡنَ مَا كُنتُ وَأَوۡصَٰنِي بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمۡتُ حَيّٗا ﴿٣١﴾ ﴾ (مريم١٩/ ٣٠_٣١)

"عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔"

روزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۳)

''مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔''

ہاں البتہ ان تمام شریعتوں کا عبادات کی کیفیات اور فروع کی تفصیلات میں ضرور اختلاف تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدة۵/ ۴۸)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ دِينُهُمْ وَاحِدٌ وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى...، ح:۳۴۴۳، صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، ح:۲۳۶۵)

''انبیاء علاتی بھائی ہیں' جن کا دین ایک اور مائیں مختلف ہیں۔''

تو جو لوگ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں کے اصول کے ساتھ ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کے لئے سعادت و فلاح لکھ دیتا ہے' انہی کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تعریف فرمائی ہے اور انہی کی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنی سنت میں ستائش فرمائی ہے اور جو لوگ انبیاء کرام کی لائی ہوئی شریعتوں کے بعض اصولوں پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں تو انہیں سمجھایا جائے گا کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کر رہے ہیں کیونکہ تمام انبیاء کا دین ایک ہے اور بعض کا دین بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کرنے والوں کا انجام جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے' ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں مذمت فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ﴾ (النساء۴/ ۱۵۰-۱۵۲)

''جو لوگ اللہ سے اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان سے ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں' وہ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب کو مانا) ایسے لوگوں کو وہ

(اللہ) عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب سب حکم میں برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے اور کچھ کی مذمت' تعریف ان کی کی ہے جنہوں نے اس حکم الٰہی کی اطاعت اختیار کی کہ:

﴿ قُولُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡنَا وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِيَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ ﴾

(البقرۃ۲/ ۱۳۶)

"کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیے گئے' ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں' ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب) پر (ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں۔"

اسی طرح ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ وَإِنَّ مِنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ لَمَن يُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُمۡ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِمۡ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشۡتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ثَمَنٗا قَلِيلًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ أَجۡرُهُمۡ عِندَ رَبِّهِمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلۡحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۹)

"اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے' یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

اسی طرح اہل کتاب میں سے بعض عیسائیوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيسِينَ وَرُهۡبَانٗا وَأَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُونَ ﴿٨٢﴾ وَإِذَا سَمِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَى ٱلرَّسُولِ تَرَىٰٓ أَعۡيُنَهُمۡ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ ٱلۡحَقِّۖ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَٱكۡتُبۡنَا مَعَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ ٱلۡحَقِّ وَنَطۡمَعُ أَن يُدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَٰبَهُمُ ٱللَّهُ بِمَا قَالُواْ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۲-۸۵)

"یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے آخری) رسول (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں' اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! (ہم ایمان لے آئے ہیں تو ہمیں بھی (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے' ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک

بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے عوض انہیں (بہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے۔''

یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

﴿ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَأُو۟لَٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۱۳_۱۱۵)

''ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (حکم اللہ پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں (اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں اور وہ جس طرح کی نیکی کریں گے' اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں گروہوں کے ان لوگوں کی مذمت بھی بیان فرمائی ہے جنہوں نے منافقت اختیار کی' بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا' واضح ہونے کے باوجود حق کو چھپایا' کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیا' شریعتوں کے اصول و فروع میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہدوپیمان توڑ دیئے' چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا۟ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ مِنۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا۟ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوٓا۟ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِىَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۷۵_۷۹)

''(مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں' کیا تم سمجھتے نہیں؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں' اللہ کو (سب) معلوم ہے۔ اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں' تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے

(آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں' ان پر افسوس ہے اس لئے (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ ٱثْنَىْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ ٱللَّهُ إِنِّى مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَيْتُمُ ٱلزَّكَوٰةَ وَءَامَنتُم بِرُسُلِى وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ لَعَنَّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ ۙ وَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱصْفَحْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ فَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ ٱللَّهُ بِمَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۱۲۔۱۴)

"اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ (۱۲) سردار مقرر کئے پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں' پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا پس ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی' ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کو معاف کرو اور (ان سے) درگزر کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور پھر اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے معبود ٹھہرا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افتراء پردازیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَٰهِهِمْ ۖ يُضَٰهِـُٔونَ قَوْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ قَٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا

يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۳۰-۳۱)

"اور یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں' پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے' یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے' یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنالیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ پاک ہے ان چیزوں سے جنہیں یہ لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔"

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت کی ہے' جنہوں نے کفر کے ساتھ ساتھ یہ گمان بھی کیا کہ جنت تو صرف انہیں لوگوں کے لئے وقف ہے' ان کے سوا کوئی اور اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کی تکذیب کی اور بیان فرمایا کہ حقیقت میں کون لوگ اہل جنت ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۱۱-۱۱۲)

"اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا بہشت میں ہرگز کوئی نہیں جائے گا' یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں (اے پیغمبران سے) کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو' ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے' جنہوں نے ناحق انبیاء اور صالحین کو قتل کیا اور کہا کہ ہمارے دل پردے میں ہیں' حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھا' حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا' سود اور لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقے سے کھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو کافر قرار دیا ہے اور ان کے باطل گمانوں کی تردید فرمائی اور انہیں ((عَذَابٌ أَلِيمٌ)) کی دھمکی دی۔

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سعادت اور ابدی نعمتوں کی کامرانیوں سے سرفراز ہوں گے اور اسی طرح باقی لوگوں کی مذمت بیان کی ہے اور ان کے ان کرتوتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی ناراضی' لعنت اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا موقف عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ان کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کی تعریف و تنقیص کے اعتبار سے کتاب و سنت کی نصوص میں کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ جن کی اسلام نے تعریف کی ہے ان میں اور جن کی مذمت کی ہے ان میں بہت واضح فرق ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس رسول نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جسے یہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے' جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے' ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر پڑے

ہوئے بوجھ اور طوق (بیڑیاں) اتار پھینکتا ہے اور اس آیت پر یہ عمل کرتے ہیں کہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ﴾ (النساء٤/ ١٣٦)

"مومنو! اللہ پر' اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخرالزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں' سب پر ایمان لاؤ۔"

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ لیا اور وہ اللہ کی تعریف کے مستحق قرار پائے اور یہی لوگ کامیاب ہیں لیکن اس کے برعکس جنھوں نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا یا بعض کے ساتھ ایمان لے آئے اور بعض کے ساتھ کفر کیا' تورات اور انجیل میں تحریف کی' تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ یہ لوگ عذاب الٰہی کے مستحق' جہنمی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں لہٰذا اس میں کوئی تناقض نہیں کہ جو لوگ مدح و ثناء کے مستحق تھے ان کی قدرومنزلت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ان کے حسب مراتب عزت دی گئی اور دیگر لوگوں کی بری سیرت و کردار کی وجہ سے مذمت کی گئی۔ ان کے عقیدہ کی خرابی اور اس میں آئے دن ہونے والی تبدیلی کو بیان کیا اور بتایا کہ ان کے علماء و مشائخ نے ان کے دین میں جو تبدیلی پیدا کر دی تھی' اسے انہوں نے ہدایت و بصیرت کے بغیر قبول کر لیا تو قرآن مجید کی ان نصوص میں نسخ نہیں ہے' کیونکہ ان میں کوئی باہمی تعارض بھی نہیں ہے بلکہ بعض آیات بعض دیگر کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل و وضاحت چاہے' اسے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص آیات قرآنی' صحیح احادیث رسول اور صحیح تاریخی واقعات پر غور کرے گا' عصبیت سے پاک ہو گا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرے گا تو اس کے سامنے حق واضح ہو جائے گا اور اسے راہ راست پر چلنے کی توفیق و ہدایت مل جائے گی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

ان مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں

سوال کیا ایسی مسجدوں میں نماز جائز ہے جن میں قبریں موجود ہوں؟

جواب جن مسجدوں میں قبریں ہوں ان میں نماز نہ پڑھی جائے بلکہ ضروری ہے کہ قبروں کو اکھاڑ کر مدفون لوگوں کی ہڈیوں کو عام قبرستانوں میں دفن کر دیا جائے' دیگر قبروں کی طرح ہر میت کے لئے الگ الگ قبر کھودی جائے اور اس میں اسے دفن کر دیا جائے۔ مسجدوں میں قبروں کا باقی رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کسی ولی کی قبر ہو یا کسی اور شخصیت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کی ہے' چنانچہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ح:١٣٣٠)

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بات فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک گرجا کے بارے میں بتایا کہ اس میں تصویریں اور فلاں فلاں چیزیں تھیں تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(بخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي، ح:٤٢٧، ٤٣٤، ١٣٤١، ومسلم، رقم:٥٢٨، ونسائي ٢/ ٤١، واحمد ٦/ ٥١)

”ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصویریں بناتے' قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق میں سے بدترین لوگ ہوں گے۔“

نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد. . ، ح: ٥٣٢، والحاكم في المستدرك ٢/ ٥٥٠)

”خبردار آگاہ رہو کہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے' تم قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمادیا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی قبر کے پاس نماز پڑھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اسے مسجد بنالیا ہے اور جو کوئی کسی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے عمارت بنائے' اس نے بھی گویا قبر کو مسجد بنا دیا جب کہ فرض یہ ہے کہ قبروں کو مسجدوں سے دور رکھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں ان میں قبریں نہ بنائی جائیں تاکہ ہم اس لعنت سے محفوظ رہ سکیں' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر پڑتی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھے گا جس میں قبریں ہوں گی تو شیطان اس کے لئے میت سے دعاء کرنے یا اس سے مدد طلب کرنے یا اس کے لئے نماز پڑھنے یا اسے سجدہ کرنے جیسے اعمال کو مزین کرے گا' جس کی وجہ سے وہ شرک اکبر میں واقع ہو جائے گا اور پھر چونکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل ہے اور ہمارے لئے یہ واجب ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں اور ان کے برے طریقے اور عمل سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے!

——— شیخ ابن باز ———

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ اور ﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ ﴾ میں تطبیق

سوال آیت کریمہ:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

”یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا اور جو گناہ جس کو چاہے

معاف کر دے"

اور آیت کریمہ:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور پھر سیدھی راہ پر چلے اس کے گناہ میں ضرور بخش دینے والا ہوں"

میں تطبیق کیسے ہو گی' کیا ان میں تعارض نہیں ہے؟

جواب ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شرک پر مرے اور توبہ نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّـٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ ﴾

(المائدۃ۵/ ۷۲)

"جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا' اللہ تعالیٰ نے اس پر بہشت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام۶/ ۸۸)

"اور اگر وہ (یعنی انبیاء علیہم السلام) بھی شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔"

دوسری آیت کریمہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو توبہ کر لیں' اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ:

﴿ ۞ قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۵۳)

"(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ بھی توبہ کرنے والوں کے بارے میں ہے اور توبہ کی توفیق عطا فرمانے والا بھی تو اللہ ہی ہے۔

شیخ ابن باز

قرآن کریم کی محکم و متشابہ آیات

سوال قرآن کریم کی محکم اور متشابہ آیات کون سی ہیں؟ قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم ہی کیوں نہ بنا دیا گیا تاکہ لوگ حق کے سوا اور کوئی تأویل کر ہی نہ سکتے؟

جواب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

① قرآن سارے کا سارا محکم ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿ تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ ٱلْحَكِيمِ ۝ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱)

"یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت و دانش سے لبریز ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ كِتَٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَٰتُهُۥ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں۔"

② دوسری صفت یہ کہ قرآن کریم متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا ﴾ (الزمر ۳۹/ ۲۳)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔"

یہ حکم عام ہے جو سب قرآن کو شامل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن محکم ہے۔ اپنے اخبار' احکام اور الفاظ کے اعتبار سے نہایت مستحکم ہے اور یہاں متشابہ کے معنی یہ ہیں کہ کمال' عمدگی' تصدیق اور ہم آہنگی کے اعتبار سے قرآن کے بعض مقام بعض دیگر سے مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے احکام و اخبار میں قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا قرآن ایک دوسرے مقام کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اس کی سچائی کی شہادت بھی دیتا ہے' جہاں انسان کو بظاہر کوئی تعارض محسوس ہو وہاں تدبر اور غور و فکر سے کام لینا چاہیے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ۝ ﴾ (النساء ٤/ ٨٢)

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

③ قرآن کا تیسرا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ اس کی بعض آیات محکم اور بعض متشابہ ہیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

یہاں محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں کیونکہ اس کے مقابل یہاں الفاظ یہ ہیں ﴿ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ اور ایک لفظ کی تفسیر اس کے بالمقابل استعمال ہونے والے لفظ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے' یہ تفسیر کا ایک اہم قاعدہ ہے جو مفسر کے سامنے رہنا چاہیے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ فَٱنفِرُوا۟ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُوا۟ جَمِيعًا ﴾ اس میں لفظ "ثبات" کے سمجھنے میں انسان کو مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن جب ہم اس کے بالمقابل استعمال ہونے والے الفاظ ﴿ أَوِ ٱنفِرُوا۟ جَمِيعًا ﴾ کو دیکھتے ہیں تو یہ مشکل دور ہو جاتی ہے اور بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ثبات کے معنی متفرق اور الگ الگ کے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق جب ہم اس آیت کریمہ:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

"جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہیں کہ انہیں

عام و خاص سبھی لوگ جانتے ہیں جیسے ﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ جیسی آیات جن کے معنی بالکل ظاہر ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی بعض آیات متشابہات ہیں' جن سے مراد ایسی آیات ہیں جن کے معنی بہت سے لوگوں کے لئے مخفی ہیں کہ ان کے معنی اللہ تعالیٰ اور راسخ فی العلم علماء ہی جانتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

"اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔"

یہاں قراءت کے بارے میں ائمہ سلف کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ وصل کے ساتھ یعنی اسے آگے ملا کر پڑھا جائے۔ بہرحال یہاں دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ سارے قرآن کو محکم کیوں نہ بنایا گیا اور اس کی بعض آیات کو متشابہ کیوں بنایا گیا ہے؟ اس کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ معنی عام کے اعتبار سے قرآن سارے کا سارا محکم ہے جیسا کہ ہم نے جواب کے آغاز میں ذکر کیا حتیٰ کہ اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بھی قرآن محکم ہے اور وہ اس طرح کہ جب ہم متشابہ کا محکم کے ساتھ ملا کر جائزہ لیں گے تو اس کے معنی بھی واضح اور ظاہر ہو جائیں گے اور اس طرح سارا قرآن ہی محکم ہو گا۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ آیات کو متشابہ قرار دیا ہے' جن کے سمجھنے کے لئے تدبر' غور و فکر اور انہیں محکم کی طرف لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص حکمت کے پیش نظر متشابہ بنایا ہے اور وہ حکمت ہے ابتلاء' امتحان اور آزمائش کہ بعض لوگ ان آیات متشابہات کو فتنہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور ان کے حوالہ سے قرآن پر طعن و تشکیک کا الزام ٹھہراتے ہیں حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائے ہوئے احکام شریعت یا اس کی آیات شریعت ..... مثلاً ..... قرآن ..... میں سے کچھ متشابہ ہیں اسی طرح اس کی کونی و قدری آیات میں سے بھی بعض متشابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے امتحان کے لئے بعض اشیاء کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ بندے اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں یا نہیں جیسا کہ اس نے اہل سبت پر ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار پر پابندی عائد کر کے ان کی آزمائش کی تھی اور اس میں بھی ان کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن سطح آب پر بڑی کثرت سے مچھلیاں نمودار ہوتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی دنوں میں نمودار نہیں ہوتی تھیں لیکن وہ لوگ اس آزمائش میں صبر نہ کر سکے اور شکار کے لئے انہوں نے معروف و مشہور حیلہ اختیار کر لیا کہ جمعہ کے دن جال لگا لیا تاکہ اس میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کو ان کا شکار کر لیں لیکن اس حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی' چنانچہ ملاحظہ فرمائیے' آیت کریمہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ۚ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۴)

"مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش کی' حالت احرام میں شکار سہولت کے ساتھ ان کی دسترس میں تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حرام قرار دیئے شکار کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اسی طرح آیات قرآنیہ میں بھی بعض متشابہ اشیاء ہوتی ہیں جن میں بظاہر تعارض اور ایک دوسرے مقام کی تکذیب ہوتی ہے لیکن راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں کہ ان آیات میں تطبیق کی کیا صورت ہے لیکن اہل فتنہ و شر ان آیات کی وجہ سے یہ کہنے لگتے ہیں کہ قرآن مجید میں تعارض اور تناقض ہے:۔

﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ اس میں سے ان آیتوں کی پیروی کرتے ہیں جو باہم مختلف معنوں کی متحمل ہوتی ہیں' وہ لوگ فتنہ کے متلاشی ہوتے ہیں اور ان آیات کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

جنت میں دیدار الٰہی

سوال حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ . . . لاَ تُضَامُوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، ح:٥٥٤، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات رؤية المومنين في الآخرة ربهم سبحانه وتعالى، ح:١٨٣)

"تم قیامت کے دن اپنے رب کا اسی طرح دیدار کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو.... دیدار الٰہی کے سلسلہ میں تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے "

سوال یہ ہے کیا قیامت کے دن دیدار الٰہی حق ہے؟ کیا مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے؟ کیا دیدار الٰہی سب لوگوں کو ہو گا یا صرف مومنوں کو؟ بعض راویان حدیث کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری ثلث میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح و ثابت اور اس بات کی دلیل ہے کہ مومنوں کو یقیناً اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا' جس طرح وہ چاہے گا اور کافر دیدار الٰہی سے محروم ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ﴾ (المطففين۸۳/ ۱۵)

"بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار سے) اوٹ اور حجاب میں ہوں گے۔"

بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مومنوں کو جنت میں دیدار الٰہی کی سعادت میسر ہو گی جیسا کہ قرآن کریم سے

بھی یہ ثابت ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ ﴾ (القيامة٧٥/ ٢٢-٢٣)

"اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے!"

اور فرمایا:

﴿ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المطففين٨٣/ ٢٣)

"اور تختوں پر (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہے ہوں گے۔"

رؤیت باری کی حقیقت کے باوجود اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کیونکہ دار آخرت کو دنیا پر قیاس کیا جا سکتا ہے' نہ غیب کو حاضر پر۔ اور ہمیں چاہئے کہ صرف اپنے علم کے مطابق بات کریں۔

② نزول باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ؟»(صحيح بخاري، كتاب التجهد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ح:١١٤٥ وفي مقام آخر، رقم:٦٣٢١، ٧٤٩٤، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء . . . ، ح:٧٥٨)

"جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا پر نزول فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی دعاء کرنے والا کہ میں اس کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازوں؟ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ کو قبول کر لوں؟"

لیکن یہ نزول امور غیب میں سے ہے' ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ افضل ہے' اس میں نماز' دعاء اور توبہ و استغفار مستحب ہے اور یہ قبولیت کا وقت ہے!

—— شیخ ابن جبرین ——

مخالف اہل سنت کی امامت

سوال کیا کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے جس کا عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کے مخالف ہو۔ مثلاً اشعری وغیرہ کے پیچھے؟

جواب زیادہ درست بات یہ معلوم ہوتی ہے ...... واللہ اعلم ...... کہ جس شخص کو ہم مسلمان سمجھیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی صحیح ہے اور جس کو مسلمان نہ سمجھیں اس کے پیچھے نماز بھی صحیح نہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ گناہ گار کے پیچھے نماز درست نہیں تو یہ قول مرجوح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امراء کے پیچھے نماز ادا کرنے کی رخصت دی ہے اور امراء میں سے اکثریت نافرمانوں کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حجاج کے پیچھے نمازیں پڑھیں حالانکہ وہ بہت بڑا ظالم تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ایسے بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے جس کی بدعت اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے اور ایسے فاسق کے پیچھے بھی جس کا فسق اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے لیکن جب لوگ ایک جگہ جمع ہوں تو بہتر یہ ہے کہ صاحب سنت و جماعت اور کسی افضل آدمی کو امام بنایا جائے۔

—————— شیخ ابن باز ——————

جادوگروں اور شعبدہ باز صوفیوں سے سوال پوچھنا

سوال یمن کے بعض علاقوں میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو سادات (شاہ صاحب) کہلاتے ہیں' یہ لوگ شعبدہ بازی اور کئی ایسے کام کرتے ہیں جو دین کے منافی ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے پیچیدہ اور مشکل امراض کے علاج کی قدرت حاصل ہے اور اس کی دلیل کے طور پر اپنے ہی جسموں میں بسا اوقات خنجر چبھو لیتے ہیں یا اپنی زبانوں کو کاٹ کر بغیر تکلیف کے انہیں دوبارہ جوڑ لیتے ہیں' ان میں سے کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے۔ یہ اپنے لئے تو یہ جائز قرار دیتے ہیں کہ کسی دوسرے خاندان میں شادی کر لیں لیکن کسی دوسرے شخص کو اپنے خاندان میں شادی کی اجازت نہیں دیتے۔ مریضوں کے لئے دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں یا اللہ' یا فلاں ـ ـ ـ ـ یہاں اپنے آباء واجداد میں سے ایک شخص کا نام لیتے ہیں ـ ـ ـ ـ ماضی میں لوگ ان کی بے حد تعظیم کرتے اور انہیں غیر معمولی انسان سمجھتے تھے بلکہ انہیں مقربین بارگاہ الٰہی اور رجال اللہ کے نام سے موسوم کرتے تھے' اب لوگ ان کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں' کچھ تو ان کے مخالف ہیں خاص طور پر نوجوان اور بعض طالب علم ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ بدستور ان سے وابستگی رکھتے ہیں خصوصاً بڑی عمر کے لوگ اور غیر طالب علم ...... آنجناب سے امید ہے کہ اس مسئلہ کی حقیقت کو بیان فرمائیں گے؟

جواب مذکورہ بالا اور اس طرح کے لوگ ان صوفیاء میں سے ہیں جن کے اعمال منکر اور جن کے تصرفات باطل ہیں اور یہ ان نجومیوں میں سے ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ واحمد في المسند، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

"جس نے کسی نجومی کے پاس جا کر کوئی سوال پوچھا تو اس کی چالیس راتوں تک نماز قبول نہ ہو گی۔"

اس لئے کہ یہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کرتے اور جنوں سے خدمت لیتے ہیں اس لئے اس حدیث شریف کے پیش نظر ان لوگوں کے پاس جانا اور ان سے سوال پوچھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ»(سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ١٣٥، وابن ماجة في السنن رقم: ٦٣٩، واحمد في المسند ٢/ ٤٠٨، ٤٧٦)

"جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے۔"

ایک دوسری روایت میں کاہن کے ساتھ نجومی کا لفظ بھی ہے۔ ان کا غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ سے فریاد کرنا یا یہ گمان

کرنا کہ ان کے آباؤ اجداد اس کائنات میں تصرف رکھتے یا مریضوں کو شفاء دیتے یا مرنے اور غائب ہونے کے باوجود دعاء کو سنتے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ کفراور مشرکین کا عمل ہے۔ فرض ہے کہ ان کا انکار کیا جائے' ان کے پاس جایا جائے نہ ان سے سوال پوچھا جائے اور نہ ان کی تصدیق کی جائے کیونکہ ایک طرف ان کے اعمال کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں تو دوسری طرف ان مشرکین کے اعمال ہیں جو غیراللہ کے پجاری ہیں' غیراللہ سے استغاثہ کرتے ہیں' اللہ کو چھوڑ کر جنوں' فوت شدگان اور دیگر غیراللہ سے مدد مانگتے ہیں جن کی طرف یہ اپنے آپ کو منسوب کرتے اور انہیں آباؤاجداد قرار دیتے ہیں یا اسی قسم کے دیگر لوگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ انہیں ولایت و کرامت حاصل ہے۔ یہ تمام اعمال شعبدہ بازوں' کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں' ہماری شریعت مطہرہ ان اعمال سے نہایت سختی سے منع کرتی ہے۔

باقی رہے ان کے یہ تصرفات کہ یہ اپنے ہی جسم میں خنجر پیوست کر لیتے یا اپنی زبان کو کاٹ کر پھر درست کر لیتے ہیں تو یہ صرف فریب کاری اور لوگوں کو دھوکا دینا ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس سحراور جادوگری کی کرشمہ سازی ہے' نصوص کتاب و سنت نے جسے حرام ٹھہرایا اور جس سے بچنے کی ازحد تلقین فرمائی ہے لہٰذا کسی بھی عقل مند کو ان کی شعبدہ بازیوں سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہئے' یہ تو اس طرح کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں فرمائی ہے کہ:

﴿ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ ﴾ (طہ ۲۰/ ٦٦)

''تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔''

تو ان لوگوں نے جادوگری' شعبدہ بازی' کہانت اور اس کے ساتھ ساتھ شرک اکبر یعنی غیراللہ سے استعانت' غیراللہ سے استغاثہ' علم غیب کے دعویٰ اور کائنات میں تصرف کے دعویٰ کو یکجا کر لیا ہے اور یہ تمام شرک اکبر اور صریح کفر کی قسمیں ہیں اور شعبدہ بازی کے وہ اعمال ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ نیز دعویٰ علم غیب ہے حالانکہ بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی شخص علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ (النمل ۲۷/ ٦٥)

''اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں' اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔''

ان کے حالات جاننے والے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ان کا انکار کریں' ان کے سوء تصرف کو بیان کریں اور بتائیں کہ یہ منکر ہے اور ان کے اعمال شرکیہ و کفریہ ہیں نیز یہ شعبدہ بازی' کہانت' نجومیت اور دعوی علم غیب پر مشتمل ہیں اور یہ تمام باتیں ضلالت' گمراہی' کفر اور باطل کی قسمیں ہیں' ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے دور رہنا فرض ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اپنی بچیوں کا دوسروں کو رشتہ نہیں دیتے' جب کہ دوسروں سے رشتہ لے لیتے ہیں تو یہ بھی جہالت و ضلالت کی بات ہے جس کی کوئی وجہ نہیں' جس کی کوئی شرعی اصل نہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ

أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"

یہ لوگ خواہ سادات سے ہوں یا بنی ہاشم سے ہوں' انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی بچیوں کا رشتہ دوسروں کے لئے حرام قرار دیں بلکہ ان کا یہ فعل منکر اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب اسدیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی' فاطمہ بنت قیس قرشیہ رضی اللہ عنہا کی شادی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی' جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنی ہاشم سے نہیں بلکہ بنی عدی میں سے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ان کے اس طرز عمل کو باطل قرار دیتے اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ اپنے اسلاف کے عمل کے بھی مخالف ہیں للذا ضروری ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے انہیں ڈرایا جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنے ان تمام اعمال سے توبہ کریں جن میں انہوں نے شریعت مطہرہ کی مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ان سب کو ہدایت عطا فرمائے!

——— شیخ ابن باز ———

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم

سوال ایک آدمی ایسے لوگوں میں رہ رہا ہے' جو غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے واجب ہے کہ انہیں چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے؟ کیا ان لوگوں کا یہ شرک غلیظ ہے اور ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب جن لوگوں کے درمیان آپ رہ رہے ہوں' اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور وہ مردوں' غائب لوگوں' درختوں' پتھریا ستاروں وغیرہ سے مدد مانگتے ہیں تو یہ لوگ شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں' جس کی وجہ سے یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں' جس طرح کفار سے دوستی جائز نہیں ان سے بھی جائز نہیں' ان کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں' ان میں رہنا سہنا اور اقامت اختیار کرنا بھی جائز نہیں' سوائے اس شخص کے جو دلیل کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید رکھے کہ یہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کے حالات کی دینی اعتبار سے اصلاح ہو جائے گی' اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں میں جا شامل ہونا واجب ہے' جن کے ساتھ یہ اسلام کے اصول و فروع کے مطابق عمل کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا احیاء کر سکے اور اگر ایسے لوگ بھی میسر نہ ہوں تو پھر تمام فرقوں کو چھوڑ دے خواہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ أَقَعَ فِيْهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا

الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب الفتن، كيف الامر إذا لم تكن جماعة، ح: ٧٠٨٤)

"لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے اور میں اس خوف کی وجہ سے شر کے بارے میں سوال کرتا کہ مبادا اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا:"یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے سرفراز فرما دیا تو کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں"

میں نے عرض کیا: "کیا اس شر کے بعد خیر ہو گی؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں لیکن اس میں کچھ کمزوری ہو گی۔"

میں نے عرض کیا: "کمزوری کیا ہو گی؟"

آپ نے فرمایا: "یہ لوگ میری سنت کے بغیر عمل کریں گے اور میری ہدایت کے بغیر ہدایت طلب کریں گے ان کی کچھ باتیں اچھی ہوں گی اور کچھ باتیں بری ہوں گی۔"

میں نے عرض کیا: "کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں' جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہوں گے جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے جہنم رسید کر دیں گے!"

میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیاں بیان فرما دیجئے۔"

آپ نے فرمایا: "وہ لوگ ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری بولی ہی بولتے ہوں گے۔"

میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اگر میں ان حالات کو پا لوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ مل کر رہو۔"

میں نے عرض کیا: "اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟"

آپ نے فرمایا: "پھر سب فرقوں کو چھوڑ دو' خواہ تمہیں درخت کی کھال چبا کر گزارہ کرنا پڑے حتی کہ اسی حالت میں تمہیں موت آ جائے۔" ((وصلى الله على نبينا محمد واله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر

سوال: نبی کریم ﷺ کی قبر اور دیگر اولیاء و صالحین کی قبروں کے لئے سفر کا کیا حکم ہے؟

جواب: علماء کے صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی دوسرے انسان کی قبر کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ، اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح بخاري، كتاب فضل الصلاة في مسجد . . . ، باب مسجد بيت المقدس، ح:١١٩٧، ١٩٩٥، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧)

”تین مسجدوں کے سوا اور کسی کی طرف شد رحال کر کے نہ جایا جائے۔ مسجد حرام' میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔“

جو شخص مدینہ سے دور ہو اور وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر کا ارادہ کر لے تو اس طرح اسے تبعاً رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' شہداء اور اہل بقیع کی قبروں کی زیارت کا موقعہ بھی مل جائے گا۔

اگر مسجد نبوی اور قبر شریف دونوں کی زیارت کی نیت کر لے تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ بسا اوقات جو چیز مستقلاً جائز نہ ہو تو تبعاً جائز ہو جاتی ہے البتہ شد رحال کر کے صرف قبر شریف کی زیارت کی نیت جائز نہیں ہاں البتہ جو شخص قریب ہو اسے شد رحال کی ضرورت نہیں اور نہ اس کا قبر شریف کی طرف جانا سفر کہلائے گا لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شد رحال کے بغیر نبی ﷺ اور صاحبین کی قبروں کی زیارت سنت و قربت ہے' اسی طرح شہداء' اہل بقیع اور ہر جگہ مدفون مسلمانوں کی قبروں کی بغیر شد رحال کے زیارت سنت و قربت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الاٰخِرَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه . . . ، ح:٩٧٦)

”قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔“

اور نبی ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبروں کی زیارت کے وقت پڑھنے کے لئے یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

«اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَلاَحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح:٩٧٥)

”اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔“

——— شیخ ابن باز ———

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں تفضیل

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾(البقرۃ۲/ ۲۵۳) ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾(البقرۃ۲/ ۱۳۶)
میں ہم کس طرح تطبیق دیں گے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۵۳)

"یہ پیغمبر(جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ:

﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (الإسراء۱۷/ ۵۵)

"اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔"

بے شک بعض انبیاء اور رسل بعض دیگر سے افضل ہیں۔ رسل' انبیاء سے افضل ہیں اور اولوالعزم پیغمبر دوسروں سے افضل ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو آیتوں میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو سورۂ احزاب کی یہ آیت ہے کہ:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾
(الأحزاب۳۳/ ۷)

اور دوسری سورۂ شوریٰ کی یہ آیت ہے کہ:

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ﴾ (الشوری۴۲/ ۱۳)

گویا یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ پانچ پیغمبر دیگر تمام سے بلاشبہ افضل ہیں۔

جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے کہ:

﴿ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۵)

"یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایمان کے اعتبار سے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ اس بات پر ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے سچے پیغمبر ہیں لیکن اب واجب الاتباع صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے یعنی ایمان تو تمام پیغمبروں پر ہو کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے

لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت نے تمام سابقہ دینوں اور شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اب سب لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ اب سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ١٥٨)

"اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر' اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں' ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ"

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے سوا سابقہ تمام ادیان اگرچہ منسوخ ہیں لیکن تمام رسولوں پر ایمان لانے اور انہیں حق جاننے کے سوا چارہ کار نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عورت قبروں کی زیارت نہ کرے

سوال: عورت کے لئے قبروں کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے' اس لئے بھی کہ عورتیں فتنہ میں جلد مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں صبر کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان ہے کہ ان کے لئے قبروں کی زیارت کو حرام قرار دے دیا تاکہ نہ خود فتنہ میں مبتلا ہوں اور نہ دوسروں کو فتنہ میں مبتلا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حال کی اصلاح فرمائے! آمین!!

—— شیخ ابن باز ——

عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کیوں حرام ہے؟

سوال: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کی حرمت کا سبب یا علت کیا ہے؟

جواب: اولاً: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ»(سنن ترمذي، كتاب الصلاة باب ما جاء في كراهية ان يتخذ على القبر مسجدا، ح: ٣٢٠، وسنن كبرى بيهقي ٢/ ٧٨)

"اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائے۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اس کی شدید ممانعت ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعزیت کے لئے جب کچھ لوگوں کی زیارت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَاءَ "يعني أَدْنَى الْمَقَابِرِ" مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ. . . الخ»(سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب التعزية، ح:٣١٢٣، والنسائي في المجتبى ٢٧/٣ واحمد في المسند٢/١٦٨، ١٦٩)

"اگر تو ان کے ساتھ مقام کداء (یعنی قبرستان کا قریب ترین مقام) تک بھی جاتی تو جنت کو نہ دیکھ سکتی...."

ثانیاً: اس کی علت اس حدیث میں موجود ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جب کچھ عورتیں جنازے کے ساتھ نکلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَارْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ فَإِنَّكُنَّ تَفْتِنَّ الْحَيَّ وَتُؤْذِيْنَ الْمَيِّتَ»

"تم واپس لوٹ جاؤ' اگر تم جنازے کے ساتھ آئیں تو تمہیں گناہ ہو گا۔ اجر وثواب نہیں ملے گا کیونکہ تم زندہ کو فتنہ میں ڈال دیتی ہو اور مردہ کو تکلیف پہنچاتی ہو۔" گویا آپ نے اس کے دو سبب بیان فرمائے:

① عورتیں زندہ انسانوں کے لئے فتنہ ہیں' عورت سراپا پردہ ہے' اس کا اجنبی مردوں کے سامنے آنا اور نمایاں ہونا فتنے میں مبتلا کرنے اور جرائم کی طرف لے جانے کا باعث ہے۔

② عورتوں میں چونکہ صبر کم ہوتا ہے' ان کا دل نرم ہوتا ہے' یہ آلام و مصائب کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے خدشہ ہے کہ قبروں کے پاس جا کر یہ نوحہ شروع کر دیں' بلند آواز سے سوگ کا اظہار کریں اور میت کے محاسن کو بیان کرنا شروع کر دیں اور یہ سب باتیں شرعاً حرام ہیں۔ ①

شیخ ابن جبرین

آخرت میں کافر کا حساب

سوال مرد مومن کے حساب کا وقت روز قیامت ہے' اگر اس نے اچھے عمل کئے تو اچھا انجام اور اگر برے عمل کئے تو برا انجام ہو گا' لیکن سوال یہ ہے کہ کافر سے حساب کیوں کہ اس سے تو ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ہی نہیں جن پر عمل کرنے کا مومن سے مطالبہ ہے؟

جواب یہ سوال غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کافر سے بھی وہی مطالبہ ہے جو مومن سے ہے لیکن دنیا میں وہ اس کا پابند نہیں ہے' کافر سے اس کے مطالبہ کی دلیل یہ ہے کہ:

---

① عورتوں کا زیارت کے نقطہ نظر سے قبرستان جانے کو علمائے محققین نے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور بے پردگی نہ ہو۔ دوسرے' وہ وہاں جا کر جزع فزع اور اس قسم کی غیر شرعی حرکات کا ارتکاب نہ کریں۔ اس لئے ممانعت کی احادیث یا تو ضعیف ہیں' جسے مذکورہ بالا فتویٰ میں جو تین حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ یہ تینوں سنداً ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (احکام الجنائز و بدعھا' ص:236' ضعیف النسائی' حدیث:1880' و مسند ابویعلیٰ بہ تحقیق حسین سلیم اسد' ج:7' ص:109) یا پھر ان کا تعلق زیارت قبور کی اجازت دینے سے پہلے سے ہے' بعد میں جب زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی تو اس اجازت میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مذکورہ شرط کے ساتھ ⬅

﴿ إِلَّآ أَصۡحَٰبَ ٱلۡيَمِينِ ۝٣٩ فِي جَنَّٰتٖ يَتَسَآءَلُونَ ۝٤٠ عَنِ ٱلۡمُجۡرِمِينَ ۝٤١ مَا سَلَكَكُمۡ فِي سَقَرَ ۝٤٢ قَالُواْ لَمۡ نَكُ مِنَ ٱلۡمُصَلِّينَ ۝٤٣ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ ٱلۡمِسۡكِينَ ۝٤٤ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ ٱلۡخَآئِضِينَ ۝٤٥ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوۡمِ ٱلدِّينِ ۝٤٦ ﴾

(المدثر ٧٤/ ٣٩۔٤٦)

"مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ) کہ وہ باغ ہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (یعنی آگ میں جلنے والے) گناہ گاروں سے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روز جزاء کو جھٹلاتے تھے۔"

اگر نماز نہ پڑھنے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے وہ متاثر نہ ہوتے تو وہ اس کا ذکر کیوں کرتے؟ یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ فروع اسلام کے ترک پر بھی کفار سے مؤاخذہ ہو گا اور جیسے نقلی دلیل سے یہ ثابت ہوا' عقلی دلیل سے بھی ثابت ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ دینی واجبات میں کوتاہی پر اپنے مومن بندے کا مؤاخذہ کرے گا تو اس کوتاہی پر اپنے کافر بندے سے باز پرس کیوں نہ کرے گا؟ بلکہ میں تو یہاں یہ بھی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو کھانے' پینے اور جس جس نعمت سے بھی نوازا اس کا حساب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٞ فِيمَا طَعِمُوٓاْ إِذَا مَا ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّأَحۡسَنُواْۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ۝٩٣ ﴾ (المائدة٥/ ٩٣)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر پرہیز کیا اور نیکو کاری کی اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومنوں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں کچھ گناہ نہیں لیکن کافروں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں گناہ ہو گا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِيٓ أَخۡرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزۡقِۚ قُلۡ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا ﴾

(الأعراف٧/ ٣٢)

"پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں' ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ قُلۡ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا ﴾ (الأعراف٧/ ٣٢)

"کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔"

⟵ شامل ہوں گی۔ اس لئے جن روایات میں ممانعت ہے' بشرط صحت' ان کا تعلق ان عورتوں سے ہو گا جو جزع فزع کرنے والی ہوں گی۔ دوسری عورتوں کے لئے جواز ہو گا' کیونکہ تذکیر بالآخرۃ کی وہ بھی اسی طرح ضرورت مند ہیں جس طرح مرد ہیں۔ (واللہ اعلم)

یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر مومن کو دنیا کی ان چیزوں سے مستفید ہونے کا حق حاصل نہیں ہے یعنی شرعی حق' ہاں البتہ امرکونی کے اعتبار سے حق حاصل ہے' یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا اور اس سے کافر نے بھی فائدہ اٹھایا ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے اس کا حساب لیا جائے گا جو اس نے کھایا اور پہنا تو جیسا کہ یہ نقلی دلیل سے ثابت ہوتا ہے' عقلی دلیل سے بھی یہ ثابت ہے کہ عاصی و کافر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لاتا یہ اس کی نعمتوں کو کیوں استعمال کرتا ہے؟ عقلی طور پر یہ اس بات کا کیسے حق دار ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے' جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کیا ہے؟ یہ بات جب واضح ہو گئی تو اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ کافر سے بھی روز قیامت اس کے عمل کا حساب لیا جائے گا لیکن اس کا حساب مومن کی طرح نہیں ہو گا کیونکہ مومن کا حساب تو بہت آسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مرد مومن سے خلوت میں ملاقات فرمائے گا' اس سے اپنے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور بندہ جب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

«قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه، ح: ٦٠٧٠)

''میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج انہیں معاف کرتا ہوں۔''

اور کافر کا حساب اس طرح ہو گا .... والعیاذ باللہ .... کہ اس سے گناہوں کا اقرار بھی کروایا جائے گا اور سب لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و خوار بھی کیا جائے گا۔

﴿ وَيَقُولُ ٱلْأَشْهَـٰدُ هَـٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ كَذَبُوا۟ عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٨﴾ ﴾ (هود۱۱/ ۱۸)

''گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا' سن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

——— شیخ ابن عثیمین ———

مومن کی آزمائش کے فائدے

سوال اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں پر جو کثرت سے اس کی عبادت بجالاتے ہیں' بیماریوں اور آزمائشوں کا کیوں بوجھ ڈالتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اس زندگی کی آسائشوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں؟

جواب اس سوال کے دو پہلو ہیں:

1. اعتراض کا پہلو اور 2. استرشاد (راہنمائی طلب کرنے) کا پہلو

اگر یہ سوال بطور اعتراض ہے تو یہ سائل کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو ہماری عقلیں نہیں پا سکتیں جیسا کہ روح کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾ (الأسراء۱۷/ ۸۵)

”اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔“

یہ روح جو ہمارے اپنے جسم میں ہے' جو ہمارا مادۂ حیات ہے' ہم اس کو نہیں جانتے۔ تمام دانشور' فلسفی اور متکلم و حکیم اس کی تحدید و کیفیت سے عاجز و درماندہ ہیں' یہ روح جو مخلوقات میں ہمارے سب سے زیادہ قریب ہے' اس کے بارے میں جب ہم صرف یہی جانتے ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہوا ہے' تو دیگر مخلوقات کے بارے میں جو ہمارا علم ہے' وہ کس قدر ہو گا' اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے؟ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم' سب سے عظیم' سب سے جلیل اور سب سے بڑی قدرت والا ہے' ہم پر فرض ہے کہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں' اس کی کونی و قدری قضاء کو سربسر تسلیم کر لیں کیونکہ ہم اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں لہٰذا اس پہلو سے اس سوال کے جواب میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں' ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو بہت علم والا' بہت حکمت والا' بہت قدرت والا اور بے حد و حساب عظمت والا ہے۔

اس سوال کے دوسرے پہلو ---راہنمائی--- کے اعتبار سے اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مومن کی آزمائش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جس آزمائش سے مسلمان کو تکلیف ہو' اس کے دو بڑے فائدے ہیں (ا) ایک تو اس آدمی کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس کا ایمان سچا ہے یا متزلزل ہے؟ صادق الایمان مومن' اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر صبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا طالب ہوتا ہے اور اس سے اس کے لئے آزمائش آسان ہو جاتی ہے۔ ایک عابدہ خاتون کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی انگلی کٹ گئی یا زخمی ہو گئی لیکن اس نے کسی تکلیف یا جزع فزع کا اظہار نہ کیا' جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ ”اس تکلیف پر اجر کی حلاوت نے اس پر صبر کی تلخی کو بھلا دیا۔“ مومن چونکہ اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھتا ہے لہٰذا وہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتا ہے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صابر بندوں کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے' وہ انہیں بغیر حساب کے اجر وثواب سے نوازے گا۔ صبر وہ بلند و بالا مرتبہ ہے جسے صرف صبر کرنے والا ہی حاصل کر سکتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی اس لئے بھی آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ صابرین کے درجہ کو پا لیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو ایمان' تقویٰ اور خشیت کے سب سے عظیم مرتبہ پر فائز تھے' دو آدمیوں جتنا بخار ہوتا اور بوقت نزع بھی آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی اور یہ سب اس لئے تھا کہ آپ کا مرتبہ صبر مکمل ہو جائے کیونکہ آپ تمام صابرین کے سردار اور ان سب سے بڑھ کر صبر کا مظاہرہ فرمانے والے تھے۔ اس سے آپ کے سامنے وہ حکمت واضح ہو جاتی ہے' جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں' فاسقوں' فاجروں اور کافروں کو جو بے پناہ صحت و عافیت اور رزق سے نوازتا ہے' تو یہ اس کی طرف سے استدراج ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«إِنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»(صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، ح: ٥٦٢٩)

”دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

کافروں کو یہ نعمتیں اس لئے ملتی ہیں تاکہ ان کے حصے کی تمام نعمتیں انہیں جلدی سے دنیا ہی میں دے دی جائیں اور روز آخرت ان کے حصہ میں عذاب الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾﴾ (الأحقاف٤٦/ ٢٠)

"اور جس دن کافر آگ کے سامنے کیئے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان میں متمتع ہو چکے ہو' آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ اس کی سزا ہے) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔"

حاصل کلام یہ کہ یہ دنیا کافروں کے لئے ہے لیکن ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے اور جب وہ اس دنیائے آسائش سے آخرت کی طرف منتقل ہوں گے تو وہاں عذاب الٰہی ان کے انتظار میں ہو گا۔ العیاذ باللہ۔ اور یقیناً وہ عذاب انہیں بہت سخت محسوس ہو گا کیونکہ ایک طرف تو اس میں عبرت اور سزا کا پہلو ہو گا تو دوسری طرف دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محرومی کا احساس!

مومن کی دنیا میں آزمائش کا مذکورہ بالا دو فائدوں کے ساتھ ایک تیسرا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن اس دنیا سے بہتر گھر کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی وہ دکھوں اور مصیبتوں کے گھر سے خوشیوں اور مسرتوں کے گہوارے کی طرف جاتا ہے تو اس کی خوشی دوچند ہو جاتی ہے' اس کے آلام و مصائب کا دور ختم ہو جاتا اور ابدی و سرمدی نعمتوں اور کامرانیوں کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قبر کو مسجد سے دور ہٹا دو

سوال ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اپنے خاندان کو وصیت کی کہ اس کی قبر مسجد میں بنائی جائے' چنانچہ وہ فوت ہوا تو اسے مسجد میں قبلہ کے سامنے دفن کیا گیا' اب قبر اور مسجد کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ ہے' امید ہے اس مسئلہ میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اس قبر کو اکھاڑ دینا اور میت کو مسجد سے دور شہر کے قبرستان میں دفن کرنا فرض ہے کیونکہ مسجد میں قبر کی موجودگی شرک کا ذریعہ ہے اور خاص طور پر جب قبر قبلہ کی طرف ہو تو اس کی حرمت اور ذریعہ شرک ہونے میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح صاحب قبر کی عبادت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصول وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب رقم:٥٥، ح:٤٣٧، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، ح: ٥٣٠)

"اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔"

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلاَ تُصَلُّوْا إِلَيْهَا»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس علي القبر والصلاة عليه، ح:٩٧٢، سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبور، ح:٣٢٢٩)

"قبروں پر بیٹھو' نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔"

صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد. . . ، ح:٥٣٢)

"تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے تھے' خبردار تم مسجدوں کو قبریں نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مقام جنت

سوال جب جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ اس کائنات میں کہاں ہے' جسے آسمانوں اور زمین نے بھر رکھا ہے؟

جواب جواب سے قبل یہاں ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ میں مذکور ہے یا جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے' وہ حق ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ امرواقع کے خلاف ہو' امرواقع و محسوس بھی حق ہے' اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہو وہ بھی حق ہے' اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور دونوں حق باتوں میں اس طرح کا کبھی تعارض نہیں ہو سکتا کہ اسے دور ہی نہ کیا جا سکے' چنانچہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنت کا عرض آسمان و زمین کی طرح ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ لاریب! یہ ارشاد باری تعالیٰ حق ہے' ایک یہودی نے بھی نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر جنت آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِذَا جَاءَ اللَّيْلُ فَأَيْنَ يَكُوْنُ النَّهَارُ؟»(مسند احمد، ٤/٧٥، مستدرك حاكم، ١/١١٤)

"جب رات آتی ہے تو پھر دن کہاں ہوتا ہے؟"

پھر سائل کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس کائنات میں صرف آسمان اور زمین ہی ہے' اس کائنات میں آسمان و زمین بھی ہیں اور کرسی و عرش بھی۔ نبی کریم ﷺ نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے' کہ:

«مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة،

باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع، ح:٤٧٦، واخرجه ترمذي في السنن، رقم:٣٤٢١)

"اے اللہ! تیری تعریف آسمانوں کے بقدر' زمین کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بقدر جو تو چاہے۔"

آسمانوں اور زمین کے علاوہ بھی عالم ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ہم صرف اسی قدر جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے' بتا دیا ہے' مثلاً عرش' کرسی اور پھر عرش الٰہی تو تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر مستوی ہے جس طرح کہ اس کے جلال و عظمت کے لائق ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قبر پر لکھنا

سوال کیا قبر پر لوہے کی پلیٹ یا پتھر وغیرہ کی لوح رکھنا اور اس پر آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے؟

جواب میت کی قبر پر لکھنا جائز نہیں خواہ قرآنی آیات ہوں یا کچھ اور ہو' لوہے کی پلیٹ پر لکھنا جائز ہے نہ لکڑی یا پتھر کی تختی یا کسی اور چیز پر کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ:

«نَهٰى أَنْ تُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح:٩٧٠)

"قبر کو پختہ بنایا جائے' اس پر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے۔"

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا کہ:

«وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ»(جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، ح:١٠٥٢)

"قبر پر لکھا جائے۔"

فوت شدگان کے لئے قرآن پڑھنا

سوال کیا میت کے لئے اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کے گھر میں قرآن کریم کے نسخے رکھ دیئے جائیں اور پھر اس کے پڑوسی اور دیگر مسلمان دوست احباب آئیں اور ان میں سے ہر ایک' ایک پارہ تلاوت کرے اور تلاوت کر کے چلا جائے اور اسے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہ دیا جائے اور پھر قرأت سے فراغت کے بعد میت کے لئے دعاء کی جائے اور قرآن پڑھنے کا ثواب اسے پہنچایا جائے' تو کیا تلاوت اور دعاء میت تک پہنچتی ہے؟ اور اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب اس طرح کے عمل بے اصل (بے دلیل) ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انہوں نے اس طرح مردوں کے لئے قرآن پڑھا ہو بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام

الباطلة، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر(دین) کے خلاف ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطحوا على صلح . . . ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح. . .:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧، سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح:٤٥)

"حمد وثنا کے بعد! سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ سب سے بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ بھی ثابت ہیں کہ:

«وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»(سنن نسائي، كتاب الصلاة العيدين كيف الخطبة، ح:١٥٧٩)

"ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔"

فوت شدگان کی طرف سے صدقہ کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا ان کے لئے منفعت بخش ثابت ہوتا ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ صدقہ اور دعاء کا ثواب انہیں ملتا ہے۔ وباللہ التوفیق' واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن باز ———

سالگرہ کی تقریب منانا

سوال ہمارے ملک مصر میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر لیتا ہے تو وہ ایک تقریب کا اہتمام کرتا ہے جسے تقریب سالگرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ شرعی طور پر یہ تقریب منانا ناجائز ہے' تو کیا یہ واقعی ناجائز ہے اور اگر دعوت ملے تو کیا اس طرح کی تقریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب یہ ایک برا رواج اور بدترین بدعت ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا' عیدیں عبادات کی طرح توقیفی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ زمانۂ جاہلیت میں دو عیدیں منایا کرتے تھے' جن میں وہ کھیلا کودا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ان دو عیدوں کی بجائے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کو مقرر کر دیا جو کہ ہمارے لئے شرعی عیدیں ہیں۔ ہماری شریعت میں چونکہ عید میلاد کا کوئی ذکر مذکور نہیں' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف میں سے بھی کسی نے اس کو نہیں

منایا لہٰذا اس طرح کی تقریب کا اہتمام کرنا' اس میں شرکت کرنا' تقریب کا اہتمام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں سالگرہ کی مبارک باد دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح امر منکر (برے کام) کی اعانت اور اس کی تائید و حمایت ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

یہود و نصاریٰ کے کفر کا اثبات اور انہیں کافر نہ کہنے والوں کی تردید

سوال یورپ کی ایک مسجد میں ایک واعظ نے اپنے درس میں یہ بیان کیا کہ یہود و نصاریٰ کو کافر کہنا جائز نہیں' جیسا کہ آپ جانتے ہیں یورپ میں مساجد میں آنے والے مسلمانوں کی علمی استعداد بہت کم ہے' اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے لہٰذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں گے؟

جواب اس آدمی کی یہ بات ضلالت و گمراہی بلکہ کفر ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کو تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کافر قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ وَقَالَتِ ٱلنَّصَـٰرَى ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ ٱللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَٰهِهِمْ ۖ يُضَـٰهِـُٔونَ قَوْلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ قَـٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾﴾ (التوبۃ۹/ ۳۰۔۳۱)

"اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے' یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں' اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ مشرک ہیں' جب کہ کئی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح طور پر کافر قرار دیا ہے۔ مثلاً:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۷)

"جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ ہیں' وہ بے شک کافر ہیں۔"

﴿لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَـٰثَةٍ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۳)

"وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

﴿لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۸)

"جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔"

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ فِى نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ (البينة٩٨/ ٦)

"جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں (پڑیں گے)"

چنانچہ اس موضوع کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں' جو شخص ان یہود و نصاریٰ کے کفر کا انکار کرے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو وہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ کی تکذیب کفر ہے۔ جو شخص یہود و نصاریٰ کے کفر میں شک کرے' اس کے اپنے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ سبحان اللہ! یہ شخص ان کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جب کہ یہ تثلیث کے قائل ہیں اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا ہے' یہ ان کو کافر کیوں قرار نہیں دیتا جب کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں؟ تعجب ہے یہ شخص ایسے لوگوں کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے برے اوصاف بیان کرتے ہیں جو سراسر سب و شتم اور عیب ہیں۔

میں اس شخص کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ یہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھے:

﴿ وَدُّواْ لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (القلم٦٨/ ٩)

"یہ لوگ چاہتے کہ آپ نرمی اختیار کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔"

لیکن کفر کے بارے میں ان سے کوئی نرمی نہ کی جائے اور سب کے سامنے برملا بیان کرنا چاہئے کہ یہ لوگ کافر ہیں' جہنمی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِيْ يَهُوْدِيٌّ وَّلاَ نَصْرَانِيٌّ مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ - اَيْ أُمَّةِ الدَّعْوَةِ - ثُمَّ لاَ يَتَّبِعُ مَا جِئْتُ بِهِ، أَوْ قَالَ لاَ يُؤْمِنُ بِمَا جِئْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا. . .، ح:١٥٣)

"اس ذات اقدس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے بارے میں امت--- یعنی امت دعوت--- میں سے کوئی یہودی اور عیسائی سنے اور پھر وہ اس کی اتباع نہ کرے جو دین لے کر میں آیا ہوں--- تو وہ جہنمی ہو گا۔"

اس بات کے کہنے والے کو چاہئے کہ وہ اس زبردست افتراء پردازی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے' صریحا اعلان کرے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں' جہنمی ہیں اور ان پر فرض ہے کہ اس نبی امی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں' جن کا تذکرہ تورات و انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے' جو انہیں نیکی کا حکم دیتے' برائی سے روکتے' ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال ٹھہراتے اور ناپاک کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس بوجھ اور بیڑیوں کو اتار پھینکتے ہیں جو ان پر پڑی ہوئی ہیں۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائے' آپ کی عزت کی' آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جسے آپ پر اتارا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ وہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت سنائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ قَالُواْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (الصف٦١/ ٦)

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں' (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔"

جب ان کے پاس آ گئے' کون؟ وہ احمد ﷺ جن کی آمد کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت سنائی تھی اور آئے بھی کھلی نشانیوں کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے' اسی سے ہم ان عیسائیوں کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی آمد کی بشارت دی وہ احمد ہیں محمد نہیں ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف محمد ﷺ ہی تشریف لائے ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہی احمد ﷺ ہیں' یہ تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف الہام کیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کا اسم پاک احمد سے ذکر کریں کیونکہ احمد' حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد بیان فرمانے والے ہیں جب کہ احمد کو اسم فاعل سے تفضیل کا صیغہ مان لیا جائے اور اگر اسے اسم مفعول سے تفضیل کا صیغہ مانیں تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ اپنے کامل اوصاف کے باعث تمام مخلوق میں سب سے زیادہ قابل ستائش ہیں گویا آپ حمد کے اکمل صیغہ احمد کے اعتبار سے حامد بھی ہیں اور محمود بھی!

میں تو یہ بھی کہوں گا کہ اگر کوئی شخص یہ گمان کرلے کہ زمین میں اسلام کے سوا کوئی اور بھی دین ہے' جسے اللہ قبول فرمائے گا تو وہ کافر ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔"

نیز فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۳)

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

لہٰذا میں تیسری بار پھر یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہئے اور لوگوں کے سامنے کھل کر اس بات کا اعلان کرنا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں کیونکہ ان پر حجت تمام ہو چکی ہے' اللہ کا پیغام ان تک پہنچ چکا ہے لیکن انہوں نے محض عناد کی وجہ سے کفر کو اختیار کیا ہے۔

یہودیوں کو مغضوب علیہم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اس کی مخالفت کی اور نصاریٰ کو ضآلین اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کا ارادہ تو کیا مگر اس سے بھٹک گئے اور اب ان سب نے حق کو جان اور پہچان تو لیا ہے لیکن دانستہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں' جس کی وجہ سے یہ سب غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ میں ان تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کے ساتھ ایمان لائیں اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کریں کیونکہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی انہیں یہی حکم دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ (الأعراف/٧ ١٥٦_١٥٧)

”اور میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل (یعنی ہر چیز پر چھائی ہوئی) ہے' میں اس (رحمت و بھلائی) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی' جو نبی امی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں اچھے (نیکی کے) کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے (سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں' تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کی' وہی مراد پانے والے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف/٧ ١٥٨)

(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں' ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔“

یہود و نصاریٰ کو چاہئے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر دوگنا اجر وثواب حاصل کرلیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته واهله،ح:٩٧، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا. . .،ح:١٥٤)

”تین آدمیوں کو دوگنا اجروثواب ملتا ہے ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جو اہل کتاب سے ہو اور پہلے وہ اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور پھر حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی ایمان لایا ہو۔“ (الحدیث)

میں یہاں تک لکھ پایا تھا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ”الاقناع“ کے مصنف نے ”باب حکم المرتد“ میں لکھا ہے کہ:

”یا وہ اسے کافر نہ سمجھے جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے جیسے عیسائی ہیں یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے تو وہ بھی کافر ہے۔“

انہوں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

"جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ گرجے اللہ کے گھر ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے اور یہود و نصاریٰ جو کچھ کرتے ہیں' یہ اللہ کی عبادت اور اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے یا اللہ اس سے خوش ہوتا اور اسے پسند کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے گرجے کھولنے اور ان کے دین کی اقامت میں ان کی مدد کی ہے اور ان کا یہ طرز عمل قربت و طاعت الٰہی ہے' تو وہ کافر ہے۔"

انہوں نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے کہ:

"جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اہل ذمہ کی ان کے کنیسوں میں زیارت تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے تو وہ مرتد ہے۔"

ان حوالہ جات سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے' جسے ہم نے اس جواب کے شروع میں ذکر کیا ہے اور اس امر میں قطعاً کوئی اشکال نہیں ہے۔ (واللہ المستعان)

شیخ ابن عثیمین

کراماً کاتبین کی تخلیق میں کیا حکمت ہے؟

سوال اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کراماً کاتبین فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے' جو ہم بولتے اور سنتے ہیں وہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان فرشتوں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس سے ہماری کوئی ظاہری اور باطنی بات پوشیدہ نہیں ہے؟

جواب اس طرح کے امور کی حکمت کبھی ہمیں معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کی حکمت ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾

(الإسراء۱۷/ ۸۵)

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔"

اسی طرح اگر کوئی شخص مثلاً یہ پوچھے کہ اونٹ کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اور گھوڑے کو اس طرح' گدھے کو اس طرح اور آدمی کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ظہر' عصر اور عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعات فرض قرار دینے میں کیا حکمت ہے؟ انہیں آٹھ یا چھ رکعات کیوں مقرر نہیں کر دیا گیا؟ تو ہمیں سچی بات یہ ہے کہ ان کی حکمت کا علم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے کونی اور شرعی امور ایسے ہیں جن کی حکمت ہم سے مخفی ہے۔ اگر اشیاء مخلوقہ یا اشیاء مشروعہ کی حکمت ہمیں معلوم ہو جائے تو یہ زائد فضل' علم اور خیر ہے اور اگر ان کی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو یہ کمی یا نقص کی بات نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمارے ساتھ کراماً کاتبین مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کو ایک نظم کے ساتھ ترتیب دیا اور اس نظم کو نہایت عمدگی و خوبی کے ساتھ مضبوط و مستحکم کیا ہے حتی

کہ انسانوں کے اقوال و افعال کے لکھنے کے لئے اس نے کراماً کاتبین کو مقرر فرما دیا ہے حالانکہ وہ علام الغیوب تو ہمارے کرنے سے بھی پہلے ہمارے اقوال و افعال کو جانتا ہے لیکن یہ سارا نظام اس بات کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال درجہ کی اہمیت دی ہے اور اس نے کائنات کے نظام کو کمال طریقے سے ترتیب دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی معین شخص کو شہید کہنا اور---!

سوال میں نے صحابی جلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پڑھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ

«مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ قَالَ: إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذًا لَقَلِيْلٌ، قَالُوْا: فَمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الشهداء، ح:١٩١٥)

''تم شہداء کن کو سمجھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔'' آپ نے فرمایا ''پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے۔'' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر شہداء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے' جو اللہ کے راستہ میں فوت ہو جائے وہ بھی شہید ہے' جو طاعون سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے' جو پیٹ کی بیماری سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے اور جو پانی میں غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے۔''

تو کیا وہ شخص جو نشہ کی حالت میں ہو اور پانی میں غرق ہو جائے' وہ بھی شہید ہے؟ کیونکہ حدیث میں غرق ہونے والے کو شہید بتایا گیا ہے۔ امید ہے جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اس بات کی طرف توجہ مبذول کرانا پسند کرتا ہوں کہ اس دور میں بہت سے لوگوں کے ہاں شہید کے لفظ کے استعمال کا رواج بہت عام ہو گیا ہے حتیٰ کہ جو شہادت کا اہل نہیں ہوتا اسے بھی لوگ شہید کہنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیونکہ شہید صرف اسے ہی کہنا چاہئے جس کے شہید ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت دینے کی دو قسمیں ہیں:

① آپ کسی معین شخص کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ وہ شہید ہے' جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے' پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ، وَشَهِيْدَانِ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي

ﷺ، باب قول النبي ﷺ لو كنت متخذا خليلا، ح: ٣٦٧٥، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في الخلفاء، ح: ٤٦٥١، ومسند احمد، ٥/ ٣٣١، ٣٣٨)

"احد! ساکن رہو! تم پر اس وقت ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

تو جسے نبی کریم ﷺ شہید قرار دیں' آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع میں ہم بھی اسے شہید کہیں گے۔

② جنہیں نبی کریم ﷺ علی وجہ العموم شہید قرار دیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے کہ وہ شخص جو کہ اللہ کے راستہ میں مقتول ہو وہ شہید ہے؟ جو اللہ کے راستہ میں فوت ہو تو وہ بھی شہید ہے' جو غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے اور اسی طرح کے دیگر شہداء جنہیں شہادت عامہ کے اعتبار سے شہید کہا گیا ہے۔ اس قسم کے اعتبار سے کسی معین شخص کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے' ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کا یہ وصف ہو وہ شہید ہے' لیکن کسی معین شخص کو بطور خاص نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے کیونکہ شہادت وصف اور چیز ہے اور شہادت عین اور ہے' اسی لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں ایک باب کا عنوان ہی اس طرح قائم فرمایا ہے کہ "بَابٌ لَا يُقَالُ فُلَانٌ شَهِيدٌ" .... یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید ہے .... اور انہوں نے نبی' ﷺ کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب رقم: ٧٧، دارالسلام)

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے؟"

نیز یہ کہ:

«وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيْلِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب رقم: ٧٧، دارالسلام)

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کسے زخم لگتا ہے؟"

پھر آپ نے اس عنوان کے تحت وہ مشہور اور طویل حدیث بیان فرمائی ہے جس میں اس آدمی کا قصہ مذکور ہے جو ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ بہت بہادر اور دلیر تھا اور کسی بھی دشمن کو وار کیے بغیر جانے نہ دیتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيْمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يقال فلان شهيد، ح: ٢٨٩٨)

"آدمی اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے جیسا کہ لوگوں کو بظاہر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جہنمی ہوتا ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے۔" سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر حال کبھی باطنی حال کے خلاف بھی ہوتا ہے اور اخروی احکام ظاہر کے نہیں بلکہ باطن کے مطابق ہوں گے۔ امام بخاری نے اس باب کے تحت جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آخر میں اس شخص نے خودکشی کرلی تھی لہٰذا ہم لوگوں کے ظاہر حال کے مطابق ان پر اخروی احکام منطبق نہیں کرسکتے اور نصوص کو ہم عموم پر رکھیں گے لیکن یہ

اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ شخص اس نص کے مصداق ہے یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری فی شرح صحیح البخاری" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے غزوات کے بیان میں کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شخص شہید فوت ہوا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سواری نے اسے گرا دیا ہو لہٰذا تم یہ نہ کہا کرو بلکہ اس طرح کہا کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

«مَنْ مَاتَ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب الشهداء، ح: ١٩١٥، مسند احمد، ٢/ ٥٢٢)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہوا یا قتل ہوا وہ شہید ہے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے' لہٰذا ہم کسی کو نص کے مطابق ہی شہید کہیں گے یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معین شخص کو شہید قرار دیا ہے تو ہم بھی اسے شہید کہیں گے اور اگر آپ نے شہادت کو علی العموم فرمایا ہے تو ہم بھی اسے عموم ہی پر رکھیں گے' لہٰذا سائل کا جو یہ سوال ہے کہ ایک شخص جو نشہ کی حالت میں غرق ہوا تو کیا وہ شہید شمار ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح غرق ہونے والے کسی معین شخص کو ہم شہید نہیں کہہ سکتے خواہ غرق ہوتے وقت اس نے شراب پی تھی یا نہیں پی تھی' وہ نشے میں تھا یا نشے میں نہیں تھا۔

نشہ کی مناسبت سے یہاں یہ ذکر کرنا بھی بے جانہ ہو گا کہ شراب پینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے' ہر عاقل مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے اور اس سے اجتناب کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ترک کر دینے کا حکم دیا ہے' اگر کوئی شخص شراب پیئے حتیٰ کہ اسے نشہ ہو جائے تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے' اگر پھر پیئے تو پھر کوڑے لگائے جائیں گے' اگر پھر پیئے تو تیسری بار کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر چوتھی بار بھی پیئے تو بعض اہل علم کے بقول اسے قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ نہیں اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث منسوخ ہے جس میں قتل کرنے کا حکم ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کوڑے لگنے سے باز آ جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر شراب نوشی اس قدر کثرت سے پھیل جائے کہ بار بار سزا کے باوجود بھی لوگ اس سے باز نہ آئیں تو پھر اس کی سزا قتل ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عید میلاد اور معراج کی محفلیں منعقد کرنا

سوال کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن دعوت و محفل کا انعقاد کرتے اور اس میں مہمانوں کو مدعو کرتے ہیں جو اکٹھے ہو کر قرآن مجید' سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائیں پڑھتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ اسراء و معراج کے موقعہ پر بھی اسی طرح کرتے' صدقہ کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ فعل جائز ہے یا حرام ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یقیناً ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ اس وقت تک ایمان ہی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کسی کو اپنی اولاد' اپنے والدین' اپنی جان اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت نہ ہو' اسی

طرح بلاشک و شبہ آپ کی محبت و تعظیم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت کا اتباع اور آپ کی سنت کی پیروی کی جائے' آپ سے پیش قدمی نہ کی جائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہ کی جائے جو شریعت میں سے نہ ہو کیونکہ کوئی شخص اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کے لئے مقرر نہ کیا ہو تو وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر نعوذباللہ یہ الزام لگاتا ہے کہ آپ نے دین کو ادھورا چھوڑا ہے حالانکہ کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو بدعات سے بچنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(مسند احمد، ٤/ ١٢٦، ١٢٧)

"اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ کیونکہ ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔"

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کی سنت اور آپ کے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کیا جائے۔ لاریب! نبی کریم ﷺ کی تعظیم عبادت ہے لیکن اگر آپ کی تعظیم اس طریقے سے کی جائے جو سنت سے ثابت نہیں تو پھر یہ تعظیم بدعت بن جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو عید کے طور پر منانا' اس دن محفلوں کا انعقاد کرنا' صدقہ کرنا اور دعوتوں کا اہتمام کرنا بلاشک و شبہ بدعت ہے۔ ایک مرد مومن کے شایان شان صرف یہ بات ہے کہ وہ صرف اسی بات پر عمل کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو کیونکہ دین میں جو نئی بات ایجاد کرلی جائے' رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور جس سے آپ نے منع فرما دیا ہے اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں' اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یقیناً اور سب سے بڑھ کر اس کا اہتمام فرماتے۔

عید میلاد کی بدعت تو چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی۔ پہلی تین افضل صدیوں میں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ اگر عید میلاد حق ہوتی تو ابتدائی صدیوں کے مسلمان بھی یقیناً اس کا ہم سے بڑھ کر اہتمام فرماتے۔ اگر آپ حب رسول ﷺ کے دعوے میں سچے ہیں تو آپ کی اتباع کیجئے کیونکہ آپ کی اتباع اور پیروی ہی سراپا خیر و بھلائی ہے لہٰذا مسلمان بھائی! آپ ﷺ کی پیروی کو اختیار کیجئے اور ان بدعات کو ترک کر دیجئے۔

تعجب ہے کہ بعض لوگ اس بدعت کا اس قدر شدید اہتمام کرتے ہیں گویا یہ سب سے بڑا واجب اور فرض ہو لیکن نبی ﷺ سے ثابت شدہ صحیح سنتوں کے بارے میں بے حد سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں لہٰذا اس طرز عمل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ "سمعنا و أطعنا" امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کے آخر دور کی اصلاح بھی صرف اور صرف اسی چیز سے ممکن ہو گی جس سے اس امت کے ابتدائی دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

اسی طرح معراج کے بارے میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا قرون مشہود لھا بالخیر کے مسلمانوں میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے معراج کی مناسبت سے کسی محفل کا انعقاد کیا ہو' اگر اس کا تعلق شریعت سے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرما دیتے بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور باقی امت کو بھی اس کی ضرور دعوت دیتے۔

یہ بھی قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کے دن یا رات کو ہوئی ہو اور نہ یہ ثابت ہے کہ معراج ۲۷ رجب کو ہوا۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ کو نہیں بلکہ ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی طرح معراج کے بارے میں بھی مشہور بات یہ ہے کہ ربیع الاول میں ہوا' قرین قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی

محل نظر ہے' تاہم کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ معراج رجب میں ہوا یا رمضان میں یا ربیع الاول میں؟ گویا معراج اور میلاد کی یہ بدعت کسی بنیاد پر استوار نہیں ہے' نہ شرعی اعتبار سے اور نہ تاریخی طور پر' لہٰذا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ ان محفلوں کے انعقاد سے اجتناب کیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن ہی سے لکھے ہوں

سوال تعویذوں کے لٹکانے' سینے پر رکھنے یا تکیے کے نیچے رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے یہ سوال ان تعویذوں کے بارے میں ہے جو صرف قرآنی آیات پر مشتمل ہوں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ تعویذوں کو استعمال کرنا حرام ہے خواہ وہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ہی پر مشتمل ہوں کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہ ہو وہ لغو اور غیر معتبر شمار ہو گی۔ مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور تعویذ جب نہ شرعاً سبب ہیں اور نہ ان کا سبب ہونا' تجربہ' حس اور واقع سے ثابت ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ہم ان کے سبب ہونے کا اعتقاد کر لیں راجح قول کے مطابق تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن مجید کے الفاظ ہوں یا کوئی اور ہاں البتہ اگر کوئی انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اسے چاہیئے کہ کسی سے دم کروالے جس طرح کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دم کیا کرتے تھے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دم کر دیا کرتے تھے۔ شریعت سے بس دم ہی ثابت ہے۔ (تعویذ نہیں)

——— شیخ ابن عثیمین ———

جنوں کا انسانوں کے ساتھ میل ملاپ

سوال جب ہم جنوں کے بارے میں لکھتے یا گفتگو کرتے ہیں تو کیا وہ ہماری باتیں سنتے ہیں؟ کوئی دعاء یا استعاذہ ہے جو اس موقعہ پر پڑھ لیا جائے؟

جواب ہاں جن انسانوں سے میل ملاپ رکھتے اور ان کی گفتگو کو سنتے ہیں اور جب وہ انسانوں پر تسلط حاصل کر لیں تو ان میں پیوست بھی ہو جاتے ہیں جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ ہاں بہت سی دعائیں یا قرآن مجید کی آیات اور سورتیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے انسان جنوں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً "معوذتین" (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) اور آیت الکرسی وغیرہ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اہل فترت
(دو نبیوں کے درمیان کے زمانہ کے لوگ)

سوال قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے لیکن بعد میں جو نسلیں آئیں جنہیں یہ علم نہ تھا کہ

ان میں تحریف ہو چکی ہے' انہوں نے ان کے مطابق عمل کیا تو روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نسلوں سے کیسے معاملہ ہو گا؟

جواب کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے اپنے قصدو ارادہ سے تحریف کی' بعض سزاؤں کو کالعدم قرار دے دیا اور بعض میں تبدیلی کر دی تو ایسے لوگوں کو تو دوگنا گناہ ہو گا۔ ایک گناہ تحریف کی وجہ سے اور دوسرا اپنے بعد میں آنے والوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ کچھ لوگوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے' ان کے مطابق عمل کیا اور صحیح جاننے کے باوجود تحریف کو برقرار رکھا تو انہیں تحریف شدہ احکام کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے گناہ ہو گا۔ کچھ لوگ جاہل اور ناخواندہ (ان پڑھ) تھے جنہوں نے صحیح کی تحقیق و تلاش کے بغیر ہی ان تحریف شدہ شرعی احکام کے مطابق عمل کیا تو ایسے لوگوں کو بھی کچھ گناہ ہو گا...... اور اگر ان کے سامنے حق کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ کوئی ایسا شخص ہی ہے جس سے وہ پوچھ سکیں تو ان لوگوں کے احکام اہل فترت کے سے ہوں گے' جن کا آخرت میں امتحان ہو گا جس سے مومن مصدق واضح ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اونچی قبر کا گرانا

سوال میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ہمارے ایک قریبی رشتہ دار نے اس کی قبر کو سطح زمین سے اونچا بنا دیا اور اس پر قرآن مجید کی آیات لکھوا دی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیا اس عمارت کو گرانا جائز ہے؟

جواب احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قبر پر عمارت بنائی جائے یا اسے چونا گچ کیا جائے یا اس پر لکھا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ:

«أَنْ لاَ تَدَعْ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح:٩٦٩، سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في تسوية القبر، ح:٣٢١٨، جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبر، ح:١٠٤٩)

"ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

یعنی اونچی قبر کو بھی دیگر قبروں کی طرح ہموار کر دو اور شاید اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اونچی اور نمایاں قبر اپنی طرف توجہ مبذول کروائے گی اور صاحب قبر کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گی۔ جاہل لوگ سمجھیں گے کہ یہ کسی ولی یا نیک بزرگ کی قبر ہے اور اس سے انہیں تعلق خاطر پیدا ہو گا تو وہ قبر کو مسجد بنا کر یہاں نماز پڑھیں گے حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حکم یہ ہے کہ قبر کو صرف ایک بالشت اونچا رکھا جائے اور وہ بھی اس لئے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور اس پر کوئی بیٹھے نہ اسے کوئی اپنے قدموں سے پامال کرے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

سوال ہم طالب علم درس کی ایک مجلس میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ ایک ساتھی نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کی وجہ سے کرتے ہیں اور اس کی دلیل اس نے یہ پیش کی کہ عبادت کے لوازم میں یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے' انہیں ہم بجالائیں اور جن سے انہوں نے منع کیا ہے' ان سے رک جائیں۔ ایسا کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو گی اور اسی عبادت ہی پر جزاء کا انحصار ہو گا اور اسی کی ہم رغبت کرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ یہ سن کر ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کی ذات کے لئے کرتے ہیں' اس نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے' صرف وہی عبادت کا مستحق ہے لہٰذا ہم جنت و جہنم سے بے نیاز ہو کر اس کی عبادت کرتے ہیں' فرض کریں کہ اگر جنت اور جہنم نہ ہو تو کیا اس کی عبادت نہ کی جائے گی؟ الغرض اس طرح اس نے پہلے قول کی زبردست تردید کی اور اسے ایک قول "منکر" قرار دیا۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے؟ کیا آداب علم و تعلم میں سے یہ بھی ہے کہ بغیر دلیل کے قول رد کر دیا جائے یا اپنے مؤقف کے خلاف قول کو کسی دلیل کے بغیر رد کر دیا جائے' اس طرح کے امور و مسائل میں زیادہ بحث مباحثے کا کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں حساب کے وقت ایک آدمی کو حاضر کر کے یہ پوچھے گا کہ تو نے میری عبادت کیوں کی؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ "اے اللہ! میں نے جنت اور اس کی ابدی نعمتوں کے بارے میں سنا تو راتوں کو بیدار رہا' دنوں کو تیری عبادت میں مشغول رہا اور پیاسا رہا کہ جنت میں داخل ہونے کے شوق اور نعیم مقیم اور ثواب عظیم کے حصول کی خواہش تھی۔" اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائے گا۔ "یہ ہے میری جنت جا اس میں داخل ہو جا' تیری ہر تمنا و خواہش کو پورا کر دیا جائے گا۔" اللہ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ "تو نے میری عبادت کیوں کی؟" وہ جواب دے گا کہ "میں نے جہنم اور اس کے عذاب' اس کی عبرت ناک سزاؤں' اس کی زنجیروں اور بیڑیوں (طوقوں) اور اس کے آلام و مصائب کے بارے میں سنا تو میں نے جہنم اور اس کی سزاؤں اور اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے رات کے آرام اور دن کے چین کو تج دیا اور خوب خوب مشقتیں برداشت کیں۔" اللہ تعالیٰ یہ جواب سن کر ارشاد فرمائے گا۔ "میں نے تجھے جہنم سے بچا لیا جا تو جنت میں داخل ہو جا' تیری ہر خواہش پوری ہو گی۔" پھر اللہ تعالیٰ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ "بندے تو نے میری کیوں عبادت کی؟" وہ بندہ عرض کرے گا۔ "اللہ میں نے تیری صفات' تیرے جلال' تیری کبریائی' تیری نعمتوں اور نوازشوں کو پہچان لیا تھا تو میں نے تیری ملاقات کے شوق اور تیری محبت کی خاطر تیری عبادت کی۔ مخلوق پر اپنے فضل و انعام اور کمال صفات اور عظیم جلال کے باعث تو ہی عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔" اللہ رب ذوالجلال فرمائے گا "میں یہ موجود ہوں' تو میرا دیدار کر لے' میں نے تجھے بے پایاں اجر و ثواب سے نوازا اور تیری تمام خواہشوں اور تمناؤں کو پورا کر دیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ جواب دینے میں دونوں حق پر ہیں لیکن وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لئے کرتا

ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' وہ اہل تقویٰ و اہل مغفرت ہے' وہ اپنے بندے کا خالق و منعم حقیقی ہے' وہی فضل و کرم اور ثناء حسن کا مالک ہے' جو اس احساس و ادراک کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرے گا' اسے یقیناً ثواب زیادہ ہو گا۔ (واللہ واسع علیم)

——— شیخ ابن جبرین ———

کسی میت کو مغفور و مرحوم کہنا جائز نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ ۔ اَمَّا بَعْدُ

آج کل اخبارات و جرائد میں فوت شدہ لوگوں کی وفات کے کثرت سے اعلانات اور فوت شدگان کے قریبی رشتہ داروں سے کثرت سے اظہار تعزیت ہونے لگا ہے۔ تعزیت کرتے ہوئے لوگ فوت شدہ آدمی کے لئے مغفور اور مرحوم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہ مثلاً وہ جنتی ہے تو جس شخص کو اسلام کے امور و عقائد کا ذرہ بھر بھی علم ہے' وہ جانتا ہے کہ کسی کا جنتی ہونا یا نہ ہونا اور مغفور و مرحوم ہونا یا نہ ہونا ان امور میں سے ہے' جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے اس کے جس کے لئے قرآن میں نص ہو' کسی دوسرے کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً ابولہب کے بارے میں قرآن میں نص ہے کہ وہ جہنمی ہے یا یہ کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی' اس طرح کسی کو مغفور یا مرحوم کہنا بھی گویا اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ہے لہٰذا ان کے بجائے یہ الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ "غفر اللہ لہ" (اللہ اسے معاف فرما دے) یا "رحمہ اللہ" (اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرمائے) یا اس طرح کے الفاظ جو میت کے لئے دعاء پر مشتمل ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— شیخ ابن باز ———

عوام الناس کی زبانوں پر بعض مشہور کلمات

سوال ہم نے بعض کلمات عوام کی زبان سے سنے ہیں اور خدشہ ہے کہ کہیں ان میں شرک سرایت نہ کر گیا ہو۔ یہ کلمات اس طرح کے ہیں کہ ((مَا صَدَّقْتُ عَلَى اللّٰهِ)) میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کرتا----- یا ((اَللّٰهُ لَا يَقُوْلُهُ)) اللہ تعالیٰ ایسا نہ کہے---- وغیرہ' تو اس طرح کے کلمات استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب اس طرح کے کلمات قصد و ارادہ کے بغیر عوام الناس کی زبانوں پر آ جاتے ہیں اور وہ اس طرح کے کلمات استعمال کرنے سے کسی حرام بات کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ چھوٹے بچے' بڑوں سے اس طرح کے کلمات سیکھ لیتے ہیں لیکن ان کلمات کے معانی ضرور قابل اعتراض ہیں لہٰذا انہیں بالکل استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی نفی ہے جب کہ مومن اللہ تعالیٰ کی بھی تصدیق کرتا ہے اور ان تمام باتوں کی بھی جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے لہٰذا اس کے بجائے یوں کہنا چاہئے کہ اگر "اس طرح ہو گیا یا وہ آ گیا تو میں سچا نہیں ہوں گا" اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس چیز کے حصول میں میں جھوٹا ہو سکتا ہوں تاآنکہ وہ حاصل ہو جائے۔ اسی طرح دوسرے جملہ میں گویا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی

کو پابند کرتا ہے کہ وہ اس طرح نہ کہے گویا کہ وہ وقوع کی نفی مراد لیتے ہیں' یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وقوع پذیر نہ کرے یا وہ اس طرح وجود میں نہ آئے۔ اس لیے یہ کہنا کہ "لاَ قَدَّرَ اللّٰهُ" (اللہ ایسا نہ کرے) اس میں بھی خطرناکی کا پہلو ہے۔ اگر اس کی جگہ وہ اللہ سے دعاء کرے کہ وہ اس کو واقع کرے اور نہ اسے پیدا کرے' تو زیادہ محتاط اور محفوظ بات ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میت پر نماز وغیرہ کا صدقہ کرنا

سوال کیا میت پر نماز' روزے اور قرآن کا صدقہ کرنا صحیح ہے؟

جواب ہاں یہ صحیح ہے کہ انسان میت کے لئے نماز' روزہ' خیرات' قرأت قرآن اور ذکر وغیرہ کا صدقہ کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اگر وہ کافر ہو تو پھر کسی چیز کا تبرع کرنا بھی جائز نہیں مثلاً اگر کوئی بے نماز انسان فوت ہو جائے تو اس کے گھر والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے لئے استغفار کریں یا اس کے لئے کسی بھی نیک عمل کا تبرع کریں' لیکن یاد رہے کہ اس طرح کے اعمال صالحہ کا تبرع کرنا کوئی مستحب امر نہیں ہے بس یوں کہہ سکتے ہیں کہ جائز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ اس کے لئے دعاء کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ»(صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح:١٦٣١، سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الصدقة عن الميت، ح:٢٨٨٠، والترمذي في الجامع، رقم:١٣٧٦، والنسائي في المجتبى، ٦/ ٢٥١ والبخاري في الادب، رقم:٣٨ واحمد في المسند، ٢/ ٣٧٢)

"جب کوئی ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو تین طرح کے (اعمال کے) سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دین میں سطحیت نہیں ہے

سوال اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو یہ کہتا ہے کہ داڑھی منڈانا یا تنگ لباس پہننا معمولی باتیں ہیں' ان کا دین کے اصول سے کوئی تعلق نہیں ہے یا ایسی باتیں کرنے والوں سے وہ ہنسی مذاق کرتا ہے؟

جواب یہ کلام خطرناک اور منکر عظیم ہے' دین میں کوئی سطحیت نہیں ہے بلکہ دین تو عقل' صلاح اور اصلاح پر مبنی ہے' دین کے مسائل اصول و فروع میں تقسیم ہیں۔ داڑھی اور کپڑوں کا مسئلہ دین کے فروعی مسائل میں سے ہے اصول میں سے نہیں ہے لیکن دین کی کسی بھی بات کو سطحیت سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ خدشہ ہے کہ جو شخص ازراہ تنقص و استہزاء ایسی بات کہتا ہے' وہ کہیں مرتد ہی نہ ہو جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

(التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے‘ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کو کٹوایا جائے اور تمام امور میں آپ کی اطاعت اور آپ کے امرونہی کی تعظیم واجب ہے۔ امام ابو محمد بن حزم نے ذکر فرمایا ہے کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ داڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کٹوانا فرض ہے اور بلاشک و شبہ سعادت‘ نجات‘ عزت‘ کرامت اور اچھی عاقبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں ہے اور ہلاکت‘ نقصان اور برا انجام اس بات میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی جائے۔ کپڑے کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

”تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا‘ وہ (تہبند سے ڈھانپا ہوا حصہ) جہنم میں ہو گا۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمَنَّانُ فِيمَا أَعْطَى، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحِلْفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار . . . ح:١٠٦، وأبوداود في السنن، رقم:٤٠٨٧)

”قیامت کے دن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا‘ نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ ① اپنے تہبند کو نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان جتانے والا اور ③ جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، ح:٥٧١٣)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جو تکبر و فخر کی وجہ سے اپنا کپڑا (ٹخنے سے نیچے) لٹکائے۔“

اس لئے ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھے خواہ وہ قمیص ہو یا تہبند‘ شلوار ہو یا پاجامہ اور ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے‘ افضل یہ ہے کہ کپڑا نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہو‘ اگر کپڑے کو ازراہ تکبر و فخر لٹکایا تو گناہ بہت زیادہ ہو گا اور اگر کپڑا محض غفلت و سستی کی وجہ سے لٹک گیا تو یہ بھی امر منکر ہے‘ اس سے بھی آدمی گناہ گار ہو گا لیکن متکبر کی نسبت اسے گناہ کم ہو گا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کپڑے کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانا وسیلۂ تکبر ضرور ہے اگرچہ آدمی گمان یہی کرے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا اور پھر حدیث میں وعید عام ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تساہل سے ہرگز کام نہیں لینا چاہئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا:

«إِنَّ إِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ إِلاَّ أَنْ أَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ إِنَّكَ لَسْتَ

مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خُيَلَاءَ»(سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب ما جاء في اسبال الازار، ح:٤٠٨٥)

"کوشش کے باوجود میرا تہبند (ٹخنے سے) نیچے لٹک جاتا ہے" اور نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ازراہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کا حال صدیق اکبر جیسا ہو یعنی جس کا کپڑا بغیر تکبر کے لٹک گیا ہو اور اس کے باوجود وہ کوشش کرتا ہو کہ اپنے کپڑے کو اونچا رکھے اور جو شخص قصدوارادہ سے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچا رکھے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں ہے کپڑوں (شلوار' پینٹ' پاجامہ اور تہبند وغیرہ کو ٹخنوں) سے نیچے لٹکانے میں مذکورہ بالا وعید کے ساتھ ساتھ اسراف بھی ہے اور کپڑوں کے نجاست سے آلودہ ہونے کا اندیشہ بھی نیز عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے لہٰذا مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے۔ ((واللہ ولی التوفیق' والھادی الی سواء السبیل))

——— شیخ ابن باز ———

رزق اللہ کے ذمہ ہے

سوال میں نے ان لوگوں سے سنا ہے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے کہ رزق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صحیح اسلام کے راستہ پر چلے تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھائے گا اور اس کے پاس رزق ایسی ایسی جگہ سے آئے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی' لیکن سوال یہ ہے کہ پھر انسان بعض علاقوں میں بھوک اور قحط سالی کی وجہ سے مرتے کیوں ہیں؟ کیا ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ نہیں اٹھایا' یا یہ ذمہ اطاعت کے ساتھ مشروط ہے؟

جواب بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لئے رزق کا ذمہ اٹھایا ہے اور اسی نے اسباب مہیا فرمائے ہیں لیکن وہ اپنے بندوں--- خواہ مومن ہوں--- کی آزمائش بھی کرتا رہتا ہے تاکہ یہ ظاہر کر دے کہ ان میں کون صبر کرنے والے ہیں اور کون بے صبرے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے اسباب رزق کو آسان بنا کر مہیا فرما دیا ہے اور اس نے انسان کو صنعت و حرفت' کمائی کے طور طریقے اور طلب رزق کے انداز بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت و ملکہ کو استعمال نہ کرے تو وہ کوتاہی کا مرتکب ہے اور اس کے بارے میں خدشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھوک' افلاس اور تکلیف کو مسلط کر دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی کبھی گناہوں' کفر اور ترک واجبات کی وجہ سے بھی مختلف علاقوں پر قحط مسلط کر دیتا ہے اور پھر جانور وغیرہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟

سوال ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سوال یہ ہے کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟ یا پھر اس کے بارے میں ہم کیا کہیں؟

جواب اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اپنے عدل کے ساتھ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے کونی و تقدیری ارادے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی' اس میں کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت بھی داخل ہے' جو اللہ چاہے صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے' وہ نہیں ہوتا' اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی قدرت و اختیار عطا کیا ہے' جس کے ساتھ وہ اعمال خیر و شر کو اختیار کر سکتے ہیں اور اعمال خیر بجا لانے والے کو ثواب اور اعمال شر اختیار کرنے والے کو عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا یہ فضل و کرم فرمایا ہے کہ انہیں ہدایت سے نوازا اور محض اپنے فضل و کرم سے ان کے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف متوجہ کر دیا' کافروں کو اس نے ذلیل و رسوا کیا اور اپنے عدل و حکمت سے ان کے نفسوں' ان کی خواہشوں اور ان کے دشمنوں کو چھوڑ دیا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کفر اللہ تعالیٰ کے کونی ارادہ اور بندے کی اپنی اس قدرت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے' اسے حاصل شدہ اختیار و استطاعت ہی کی وجہ سے سزا ملے گی اگرچہ اس کے اختیار و استطاعت سے پہلے اللہ خالق و مالک کی قدرت و ارادہ مقدم ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ڈاکٹروں سے علاج کی بابت اسلام کا موقف

سوال ڈاکٹروں سے علاج کرانے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ:

«مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً»(صحيح بخاري، كتاب الطب، باب ما انزل الله داء إلا انزل له شفاء، ح:٥٦٧٨)

"اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کی شفا بھی اتاری ہے۔"

جس نے اسے جان لیا' اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا' اس نے نہ جانا۔ ڈاکٹروں نے ان دواؤں کے تجربے کئے اور ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے' جنہیں علماء فن نے لکھا تھا طب' علم کے بہت سے فنون میں سے ایک فن ہے' عہد نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی ہر دور میں اس فن کے کچھ لوگ متخصص (Specialist) رہے ہیں' جنھوں نے دواؤں کی ترکیب اور ہر دوا کے خواص اور کیفیت استعمال کو خوب جان لیا اور ساتھ ہی اعتقاد یہ رکھا کہ یہ اسباب شفاء ہیں' مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے لہٰذا فن طب کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کے ساتھ علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سائل کو چاہئے کہ وہ مزید معلومات کے لئے کتاب "الطب النبوی" حافظ ابن قیم رحمہ اللہ' "الطب النبوی' علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور "الآداب الشرعیۃ" ابن مفلح کی اور کتاب تسہیل المنافع" وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تین مسجدوں کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف شد رحال کا حکم

سوال ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجد معاذ بن جبل" ہے اور وہ "مسجد الجند" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر

سال ماہ رجب کے ایک جمعہ کو بہت سے مرد اور عورتیں اس مسجد کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ کیا یہ عمل مسنون ہے؟ اور آپ کی اس سلسلہ میں اے فضیلۃ الشیخ! کیا نصیحت ہے؟

جواب اولاً تو یہ عمل غیر مسنون ہے کیونکہ یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو انہوں نے وہاں کوئی مسجد بنوائی ہو' جب یہ ثابت نہیں تو پھر اس مسجد کو حضرت معاذ کی مسجد کہنا دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اور ہر وہ دعویٰ جو بلا دلیل ہو وہ غیر مقبول ہے۔

ثانیاً: اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں کوئی مسجد بنوائی تھی تو اس مسجد کی طرف شد رحال (مکمل تیاری) کر کے جانا شرعی حکم نہیں ہے بلکہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شد رحال کر کے جانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الأَقْصَى»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة في المسجد، باب مسجد بيت المقدس، ح:١١٩٧، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧)

"تین مسجدوں یعنی (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی اور (۳) مسجد اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف شد رحال نہ کیا جائے۔"

ثالثاً: اس عمل کی ماہ رجب میں تخصیص بھی بدعت ہے کیونکہ ماہ رجب میں نماز یا روزے کی کسی خاص عبادت کا قطعاً کوئی حکم نہیں ہے بلکہ رجب کا حکم بھی وہی ہے جو دیگر حرمت والے مہینوں کا ہے۔ یاد رہے حرمت والے مہینے رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم ہیں' انہی مہینوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ ٱلشُّهُورِ عِندَ ٱللَّهِ ٱثۡنَا عَشَرَ شَهۡرٗا فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِ يَوۡمَ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ مِنۡهَآ أَرۡبَعَةٌ حُرُمٞۚ ﴾ (التوبة٩/ ٣٦)

"اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں (یعنی) اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں۔"

لیکن یہ ثابت نہیں کہ رجب میں نماز یا روزے وغیرہ کی کسی خاص عبادت کا حکم ہو' لہذا نبی کریم ﷺ سے ثبوت کے بغیر اگر کوئی انسان اس مہینے کو کسی عبادت کے لئے مخصوص کرتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق بدعتی ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(مسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

"میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنے آپ کو (دین میں) نئے نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب مسجد کی طرف جانے والے بھائیوں کی خدمت میں میری نصیحت یہ

ہے کہ وہ اس کام سے باز آ جائیں اور اس میں اپنی جانوں کو ہلکان کریں نہ اپنے مالوں کو کھپائیں' جو اللہ تعالیٰ سے انہیں دور کرنے کا سبب ہے۔ اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی ہمتوں اور توانائیوں کو ان کاموں کے سرانجام دینے میں صرف کریں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ایک مرد مومن کے لئے بس کتاب و سنت ہی کافی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

احکام شریعت پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے

سوال ایک شخص یہ کہتا ہے کہ بعض احکام شریعت نظرثانی کے محتاج ہیں اور ضرورت ہے کہ ان میں مناسب تبدیلی کر دی جائے کیونکہ وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر وہ میراث کا ایک اصول بیان کرتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ آدمی کو دو عورتوں کے برابر حصہ دیا جائے۔ اس طرح کے شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب وہ احکام شریعت جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنی کتاب کریم یا اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی بیان فرمایا مثلاً احکام میراث' نماز پنجگانہ' زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے واضح فرما دیا ہے' اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ کسی کو ان پر اعتراض کرنے اور ان کو بدلنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ شریعت کے یہ محکم احکام جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے' آپ کے بعد قیامت تک یہ اسی طرح رہیں گے۔ انہی محکم احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے واضح طور پر بیان فرمایا اور تمام علماء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے لہٰذا اعتقادوایمان کے ساتھ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ اس حکم الٰہی کی بجائے کوئی اور حکم زیادہ موزوں ہے تو وہ کافر ہے اور جو شخص حکم الٰہی کی مخالفت کو جائز قرار دے وہ بھی کافر ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ' رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت پر معترض ہے۔ اگر یہ معترض مسلمان ہے تو حاکم وقت پر فرض ہے کہ اس سے توبہ کروائے اگر وہ شخص توبہ کرلے تو بہتر وگرنہ کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کرنا واجب ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧، وأبوداود، رقم: ٤٣٥١، وابن ماجه في السنن، رقم: ٢٥٣٥، ومسند احمد ١/ ٢٨٢)

"جو شخص اپنے دین کو بدل لے تو اسے قتل کر دو۔"

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ وہ سب کو گمراہ کن فتنوں اور شریعت مطہرہ کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

سعادت و شقاوت کے معنی

سوال میں اس سعادت و شقاوت کے معنی کو واضح طور پر معلوم کرنا چاہتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھ دیتا ہے' جب وہ ابھی شکم مادر ہی میں ہوتا ہے نیز اس میں اور درج ذیل آیات میں کس طرح تطبیق ہو گی:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ ﴾ (الليل٩٢/ ٥۔١٠)

جواب وہ سعادت اور شقاوت جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھتا ہے جب وہ شکم مادر میں ہوتا ہے' اسے تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل بھی لکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ:

«فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى حِيْنَ خَلَقَ الْقَلَمَ قَالَ لَهُ: اُكْتُبْ قَالَ: رَبِّ وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ فَجَرٰى فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(سنن ابي داود، كتاب السنة، باب في القدر، ح:٤٧٠٠، وسنن الترمذي، كتاب القدر، ح:٢١٥٥)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے کہا لکھ! قلم نے عرض کیا: "اے میرے رب میں کیا لکھوں؟" "اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ دے تو قلم نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔"

قلم نے جو کچھ لکھا اس میں انسانوں کی سعادت و شقاوت (کا بیان) بھی ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ ﴾ (الليل٩٢/ ٥۔١٠)

"تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔"

کیونکہ بندے کا یہ فعل سعادت یا شقاوت کا سبب بنتا ہے' بندے پر فرض ہے کہ اسے ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے یعنی اس کے حکم کی اطاعت بجالائے' نہی سے اجتناب کرے' خیر کی تصدیق کرے' بخل و استغناء اور اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب سے باز رہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی جنت یا جہنم میں جگہ کو لکھ رکھا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا اس تحریر پر توکل کرتے ہوئے ہم عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟" تو آپ ﷺ فرمایا:

«اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»(صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب فسنيسره للعسرى، ح:٤٩٤٩)

"عمل کرو! ہر ایک کے لئے اسے آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت فرمائی۔

جب انسان کو توفیق ملے' وہ سلامتی کی روش کو اختیار کرے' امر کو بجالائے' نہی کو ترک کر دے' جس کی تصدیق فرض ہے' اس کی تصدیق کرے تو اسے آسانی کی توفیق میسر آجائے گی اور یہ اس بات کی دلیل اور عنوان ہو گی کہ وہ اہل سعادت میں سے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اہل سعادت کو اہل سعادت کے سے عملوں کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شقی ہے۔۔ والعیاذ باللہ ۔۔۔ کیونکہ اس کے لئے اہل شقاوت کے عمل کو آسان بنا دیا گیا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عذاب قبر

سوال: کیا عذاب قبر صرف روح کے ساتھ خاص ہے یا جسم کو بھی ہوتا ہے؟

جواب: عذاب قبر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا۟ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوٓا۟ أَنفُسَكُمُ ۖ ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ ٱلْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ ءَايَٰتِهِۦ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾﴾

(الأنعام٦/ ٩٣)

"اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے ان کی طرف (عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں (اور کہہ رہے ہوں) کہ نکالو اپنی جانیں' آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی' اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔"

نیز فرمایا:

﴿ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٦﴾﴾ (المؤمن٤٠/ ٤٦)

"آتش جہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہو گی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔"

وہ احادیث بے شمار ہیں جن میں عذاب قبر کا ذکر ہے انہی میں سے ایک وہ مشہور حدیث بھی ہے جسے ہر خاص و عام جانتا اور نمازی نماز پڑھتے ہوئے یہ دعاء کرتا ہے۔

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء قبل السلام، ح:٨٣٢، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، ح:٥٨٩)

"اے اللہ! میں عذاب جہنم سے' عذاب قبر سے' زندگی و موت کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

عذاب قبر اصل میں تو روح پر ہوتا ہے لیکن کبھی جسم پر بھی ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب دفن کے بعد آدمی سے اس کے رب' دین اور نبی کے بارے میں سوال ہوتے ہیں' اس وقت اس کے جسم میں روح کو لوٹا دیا جاتا ہے لیکن روح کی جسم میں یہ واپسی برزخی ہوتی ہے اور اس کا جسم کے ساتھ اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جس طرح دنیوی زندگی میں ہوتا ہے۔ روح کی جسم میں اس واپسی کے بعد میت سے اس کے رب' اس کے دین اور اس کے نبی کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کافر یا منافق اس کا جواب یہ دیتا ہے:

«هَاهْ هَاهْ لاَ أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ فَيُضْرَبُ بِمِرْزَبَةٍ مِنْ حَدِيْدٍ فَيَصِيْحُ

صَيْحَةً يَسْمَعُهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ الإِنْسَانُ وَلَوْ سَمِعَهَا الإِنْسَانُ لَصَعِقَ » صحيح البخاري، كتاب الجنائز ح ١٣٣٨، ١٣٨٠

"ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں میں نے لوگوں کو ایک بات کرتے ہوئے سنا تو میں بھی اسی طرح کہتا رہا۔ اس کے بعد اسے لوہے کے ایک گرز کے ساتھ مارا جاتا ہے کہ وہ چیخ چیخ اٹھتا ہے اس کی اس چیخ و پکار کو انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز سنتی ہے' اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

علم غیب کا دعویٰ کرنے والا کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے

سوال جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے اس کا کیا حکم ہے؟ غیب کی وہ کون سی قسمیں ہیں جنہیں جاننے کا انسان کو شوق ہوتا ہے؟

جواب جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے وہ کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے کیونکہ علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٩)

"اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

غیب سے مراد مستقبل کے واقعات' موت اور عمر وغیرہ کا علم ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نفسیاتی بیماریوں کا تعویذوں سے علاج نہیں کرنا چاہئے

نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کیا تعویذ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت آئی ہے ہاں البتہ قرآن مجید' دعاؤں اور اذکار ماثورہ (احادیث میں مذکور وظائف) کے ساتھ دم کرنا جائز ہے' نیز نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کثرت ذکر' اعمال صالحہ' شیطان سے استعاذہ اور گناہوں اور گناہ گاروں سے دوری اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تمام امور موجب راحت ہوں گے اور ان سے طمانیت و حیات سعیدہ حاصل ہو گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

امانت کے ساتھ قسم کھانا

سوال کیا اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز ہے؟ اور اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو شطرنج اور چوسر (اور کیرم بورڈ اور لڈو وغیرہ) کھیلتا ہے؟

امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا»(سنن أبي داود، كتاب الإيمان، باب كراهية الحلف بالامانة، ح: ٣٢٥٣)

"جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

شطرنج کھیلنا حرام ہے جیسا کہ علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے' اسی طرح چوسر اور لڈو (اور کیرم بورڈ وغیرہ) بھی ایسے کھیل ہیں جو مسلمان کو اللہ کے ذکر سے روکتے اور اس کا وقت ضائع کرتے ہیں جب کہ عقل مند آدمی اپنے وقت کو اس طرح کے فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتا۔

شیخ ابن جبرین

شیطانی خیالات کا علاج

سوال بسا اوقات میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے کہیں بے دین ہی نہ ہو جاؤں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس طرح کے خیالات کی وجہ سے گناہ ہو گا؟

جواب یہ خیالات اور افکار پریشان اس شیطان کی طرف سے ہیں' جو لوگوں کے دلوں میں اس لئے وسوسے ڈالتا ہے تا کہ مسلمان کو حیران و پریشان کر دے۔ جب تم اس طرح کے خیالات محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو اور غیبی امور کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو' امور صفات و کائنات کے بارے میں بھی سوچنا ترک کر دو تاکہ یقین کمزور نہ ہو۔

شیخ ابن جبرین

فرشتوں کا گھروں میں داخل ہونا

کیا یہ صحیح ہے کہ فرشتے اس کمرے میں داخل نہیں ہوتے جس کی دیواروں پر تصویریں لٹکائی گئی ہوں؟

جواب حدیث صحیح میں آیا ہے کہ:

«إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ»(بخاري، بدء الخلق، باب إذا قال احدكم آمين والملائكة في السماء، ح: ٣٢٢٤، ومسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة . . . ، ح: ٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔"

بعض روایات میں آیا ہے:

«إِلَّا رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب من كره العقود علي الصور، ح: ٥٩٥٨)

"الّا یہ کہ کپڑے پر نقش و نگار ہوں۔"

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ وَقَدْ سَتَرَتْ فُرْجَةً فِي بَيْتِهَا بِسَتْرٍ فِيهِ صُوْرَةٌ فَغَضِبَ وَلَمْ يَدْخُلْ حَتّٰى نَزَعَتْهُ وَشَقَّتْ مِنْهُ وِسَادَةً أَوْ وِسَادَتَيْنِ مَنْبُوْذَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، ح: ٥٩٥٤)

نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ انہوں نے گھر میں ایک سوراخ پر ایک ایسا پردہ لٹکا رکھا ہے جس میں تصویر ہے تو آپ اس سے ناراض ہو گئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اتار دیا اور اسے پھاڑ کر اس سے ایک یا دو تکیے بنا دیئے۔"

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر تصویر کی بے حرمتی ہوتی ہو' پاؤں تلے پامال ہوتی ہو اور اس کے اوپر بیٹھا جاتا ہو تو پھر جائز ہے اور جس کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے کہ تصویر کو باقاعدہ دیوار پر آویزاں کیا گیا ہو۔ تصویر میں قباحت کے کئی پہلو ہیں' اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مشابہت ہے' جن کی تصویریں ہوں ان کی تعظیم اور ان کے بارے میں غلو کا پہلو ہے یا پھر اس سے مصوروں کی تعظیم و مدح لازم آتی ہے اور مصور ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کی دلیل

سوال حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدد فرمائی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر بہت سے دلائل قائم فرمائے اور ایسے ایسے معجزات سے ان کی مدد فرمائی جس سے انسانیت دنگ رہ گئی' قوموں نے اپنے انبیاء کو ان کی صداقت اور ان کے جذبہ' ہمدردی و خیر خواہی سے بھی پہچانا کہ ان کے اخلاق حسنہ' ان کے اعمال صالحہ' ان کی زبانیں راست باز' اور وہ امانت و دیانت کے پیکر تھے اور چہروں کی بشاشت و طلاقت اس پر مستزاد! اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ نبوت و رسالت کا مستحق کون تھا؟ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بہترین تھے اور تمہارا رب جو چاہتا پیدا فرماتا اور منتخب کرتا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے اسے تاریخ' تفسیر' سیرت النبی ﷺ' معجزات اور دلائل نبوت کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو حضرات علماء کرام نے تصنیف فرمائی ہیں۔ انہوں نے ان کتابوں میں تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اور ان پر لعنت کا حکم

سوال مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت و الجماعت کا کیا موقف ہے؟ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اہل سنت مشاجرات صحابہ کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا جس کا اجتہاد درست تھا اسے دو گنا ثواب ملے گا اور جس کا درست نہ تھا اسے بھی اجتہاد کرنے کا ثواب ضرور ملے گا اور اس کی غلطی معاف ہو گی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے کتاب و سنت کے صفحات لبریز ہیں لہذا ہم ان سب کو عادل سمجھتے اور سب کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ ہم ان رافضیوں سے اظہار برائت کرتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دشنام دیتے یا ان پر لعنت کرتے ہیں۔ جو شخص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر بھی طعن کرے یا لعنت کو جائز سمجھے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

شیخ ابن جبرین

رسول اور نبی میں فرق

سوال کیا رسول اور نبی میں کوئی فرق ہے؟

جواب ہاں! فرق ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی تو کی ہو لیکن اس کی تبلیغ کا اسے حکم نہ دیا ہو بلکہ وحی صرف اس لئے نازل کی ہو تاکہ وہ خود عمل کرے' اس پر تبلیغ کی پابندی نہیں ہوتی۔ اور رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی نازل کی ہو اور اسے حکم ہو کہ وہ اس کے مطابق خود بھی عمل کرے اور اس کی تبلیغ بھی کرے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی تعداد رسولوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے اور بعض کا ذکر نہیں فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ﴾ (المؤمن ٤٠/ ٧٨)

"اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے اور کسی پیغمبر کا مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔"

اس آیت کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس قدر بھی انبیاء علیہم السلام مذکور ہیں وہ سب رسول ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جادو کا جادو سے توڑ

سوال میرے ایک دوست کی بیوی پر جادو ہو گیا اور کسی بھی دواء سے اسے فائدہ نہ ہوا تو ہمیں ایک آدمی نے ایک ایسے شخص کا پتہ بتایا جو جادو کا علاج جادو سے کرتا ہے تو کیا اس شخص کو گناہ ہو گا جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے تو جادو سے کام لیتا ہے مگر اس سے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا؟ اور کیا اپنی بیوی کے علاج کے لئے اس جادوگر کے پاس جانے کی وجہ سے میرے دوست کو گناہ ہو گا؟

جواب سب سے پہلے میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جادو اکبر محرمات میں سے ہے بلکہ اگر جادوگر اپنے جادو کے سلسلہ میں شیطانی احوال سے مدد لیتا ہو یا جادو اسے شرک تک پہنچاتا ہو تو پھر یہ کفر بھی ہے۔ جادو کا سیکھنا بھی کفر ہے لہٰذا اس سے دور رہنا اور اس سے بچنا فرض ہے تاکہ انسان کفر میں مبتلا ہو کر ملت اسلامیہ ہی سے خارج نہ ہو جائے۔ مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہو) سے سحر دور کرنے کے دو طریقے ہیں (ا) مباح دعاؤں اور قرآنی آیات سے اسے دور کیا جائے یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ مسحور کو ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ پڑھ کر دم کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جادو کا جادو سے علاج کیا جائے' اس مسئلہ میں سلف و خلف

میں اختلاف رہا ہے۔ بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ اس سے مسحور سے شر کا ازالہ ہو جاتا ہے اور بعض نے جادو سے علاج کی اجازت نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ شیطان کا عمل ہے اور عمل شیطان جادو ہی ہوتا ہے۔" مباح دعاؤں کے ساتھ علاج میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص جادو میں مبتلا ہو جائے اسے صبر کرنا چاہئے اور قرآن مجید اور مباح دعاؤں کو کثرت سے پڑھنا چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دے۔

جادو کی تصدیق کی دو قسمیں ہیں:

① یہ ماننا کہ اس کی تاثیر ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ ایک امر واقع ہے۔

② یہ کہ اس کا اقرار کرے اور اسی پر اظہار رضامندی کرے' یہ حرام اور ناجائز ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اہل فترت کا انجام

سوال جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات [1] کے بعد سے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل تک کا زمانہ پایا ہے ان کا انجام کیا ہو گا؟ کیا انہیں اہل فترت شمار کیا جائے گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اہل فترت کی دو قسمیں ہیں:

① جن پر حجت قائم ہو گئی اور (انہوں نے) حق کو پہچان بھی لیا لیکن اپنے آباء و اجداد کی پیروی کی تو ایسے لوگوں کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور یہ جہنم رسید ہوں گے۔

② لیکن جن لوگوں پر حجت قائم نہ ہو سکی تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' ہمیں ان کے انجام کا علم نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔

اور جس کے بارے میں دلیل صحیح سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جہنمی ہے تو وہ بلا شبہ جہنم رسید ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عزو شرف اور کعبہ کی قسم کھانا

سوال کیا عزو شرف اور کعبہ کی قسم کھانا جائز ہے؟

جواب غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں بلکہ یہ شرک ہے کیونکہ کسی چیز کی قسم کھانے کے معنی اس کی تعظیم کے ہیں اور مخلوق کی تعظیم جائز نہیں۔ شروع اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبہ کی قسم کھایا کرتے تھے تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے رب کعبہ کی قسم کھایا کرو۔ عزو شرف اور حسب و نسب یا باپ دادا وغیرہ کی قسم کھانا غیر اللہ کی قسم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی کی آہٹ سے بھی زیادہ مخفی طریقے سے اس امت میں

---

① قرآن اور حدیث کے قطعی نصوص و دلائل کے مطابق ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا لہٰذا ان کے لیے یہاں وفات کی بجائے "رفع سماء" کے الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ حیات مسیح کے مسئلہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمایئے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہرۂ آفاق کتاب "شہادۃ القرآن"

شرک سرایت کر جائے گا مثلاً تم کسی خاتون سے یہ کہو کہ تمہاری زندگی کی قسم یا یہ کہو کہ میری زندگی کی قسم' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زندگی کی قسم کو بھی شرک قرار دیا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عید میلاد منانے کا حکم

سوال میلاد کی عیدوں کا منانے کا کیا حکم ہے؟

جواب میلاد کی عیدوں کے منانے کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں بدعت ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح...:١٧١٨)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی ''صحیح'' میں تعلیقاً مگر جزم اور یقین کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح:١٧١٨)

''جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔''

اور یہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم میلاد نہیں منایا' نہ کبھی اس کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کبھی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم میلاد نہیں منایا حالانکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا سب سے زیادہ علم بھی تھا اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ محبت بھی تھی' وہ آپ کی اتباع اور پیروی کے بھی شدید حریص تھے لہٰذا اگر عید میلادالنبی منانے کا شریعت میں کوئی حکم ہوتا تو وہ یقیناً اسے بڑھ چڑھ کر مناتے' اسی طرح ابتدائی فضیلت والی صدیوں میں علماء کرام میں سے کسی نے بھی اسے منایا نہ منانے کا حکم دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلادالنبی کا اس شریعت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں' جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میلاد کو منایا ہوتا تو ہم بھی اسے ضرور ضرور مناتے اور لوگوں کو اس کے منانے کی دعوت بھی دیتے کیونکہ بحمداللہ! ہم آپ کی سنت کے اتباع اور آپ کے امرونہی کی تعظیم کے شدید حریص ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں بھائیوں کیلئے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق پر ثابت قدم رکھے اور ہر اس کام سے محفوظ رکھے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ «إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ»

——— شیخ ابن باز ———

کفار کے ساتھ معاملہ

غیر مسلموں کی خدمت میں شراب پیش کر کے ان کی عزت افزائی کرنا

سوال کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی عزت افزائی کے لئے ان کی خدمت میں ایسا کھانا پینا پیش کرے جو دین اسلام میں حرام ہو؟

جواب اسلام روا داری' آسانی اور سہولت کا دین ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ عدل و اکرام اور دیگر اسلامی آداب کا دین بھی ہے لیکن جس شخص کی عزت افزائی کی جا رہی ہو اگر وہ کافر ہو تو عزت افزائی کرنے والے کے مقصد کے مختلف ہونے سے اور جس سے وہ اس کی عزت افزائی کرنا چاہتا ہے' اس کے مختلف ہونے سے حکم بھی مختلف ہو گا' اگر عزت افزائی کا (کوئی) شرعی مقصد ہے' مثلاً: وہ کافر کے ساتھ مراسم پیدا کر کے اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہے تاکہ اسے کفروضلالت سے بچالے تو یہ ایک پاکیزہ مقصد ہے۔

شریعت کے مقررہ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وسائل کا حکم ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے' اگر مقصد واجب ہو تو وہ وسیلہ بھی واجب ہو جاتا ہے اور اگر مقصد حرام ہو تو وسیلہ بھی حرام ہو گا۔ اگر کافر کی عزت افزائی کا مقصد شرعی نہ ہو اور ترک عزت کا کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اس کی عزت کرنا جائز ہے لیکن اس کی خدمت میں حرام کھانا پینا مثلاً خنزیر کا گوشت یا شراب پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ اس عزت افزائی میں اس کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کے حق کو اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم قرار دینا ہے جب کہ ایک مسلمان پر فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے۔ اجنبی ممالک میں اپنے دین پر عمل کرنے کے بہت اچھے اثرات و نتائج ظاہر ہوتے ہیں' اس طرح مسلمان قول و عمل کے اعتبار سے دین کا داعی بن جاتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کافروں کے ساتھ تجارت

سوال کیا کافر کے ساتھ تجارت جائز ہے خصوصاً جب کہ ہمیں ان کی مصنوعات کی ضرورت بھی ہو؟

جواب ان شاء اللہ بوقت ضرورت کفار کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں' جس طرح کہ ہم عصر حاضر میں کافر حکومتوں کے ساتھ معاملہ کر کے ان کی مصنوعات مثلاً گاڑیاں' لباس' سامان آرائش و زیبائش' گھریلو استعمال کی اشیاء اور برتن وغیرہ خریدتے ہیں اور یہ ضرورت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ضروری قواعدوضوابط' شرائط' قیمت کی ادائیگی' سامان کو وصول کرنے یا بھیجنے وغیرہ پر اتفاق کر لیں اور ان تمام امور کو طے کر لیں جن کی ایک خریدار کو ضرورت ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کافروں کے ساتھ مصافحہ اور سلام کا حکم

سوال کیا کافروں کے ساتھ مصافحہ کرنا اور انہیں پہلے سلام کرنا جائز ہے؟ اگر وہ ہمیں سلام کہیں تو ہم ان کو کیسے جواب دیں؟

جواب کفار و مشرکین' یہود و نصاریٰ' بت پرست اور دہریے سب نجس (پلید) ہیں' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے لہٰذا ان کا اکرام' احترام' مجالس میں عزت افزائی' ان کے احترام میں کھڑا ہونا اور انہیں پہلے سلام کرنا یا صبح بخیر اور شب بخیر وغیرہ کہنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح:٢١٦٧، سنن أبي داود، كتاب الادب، باب في السلام على اهل الذمة، ح:٥٢٠٥ وجامع الترمذي حديث:٢٧٠٠)

"یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب انہیں راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راستہ کی طرف مجبور کر دو۔"

اور اگر وہ ہمیں سلام کریں تو ہمیں جواب میں صرف یہ کہنا چاہئے "وعلیکم" (تم پر بھی) کافروں کے ساتھ مصافحہ' معانقہ اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

غیر اللہ سے استغاثہ کرنے والے کے پیچھے نماز اور دوستی کا حکم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد!

بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک شخص کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ:

سوال ایک شخص ایسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے' جو غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا ان سے قطع تعلق کرنا واجب ہے؟ کیا ان کا شرک غلیظ ہے؟ کیا ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جن لوگوں کے ساتھ آپ رہ رہے ہیں' اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے یعنی مُردوں سے یا زندہ مگر غائب لوگوں سے یا درختوں' پتھروں اور ستاروں وغیرہ سے فریاد کرتے ہیں' تو وہ ایسے شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں' جو انہیں ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے' ایسے لوگوں سے دوستی جائز نہیں' جس طرح کہ کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے' نہ ان کے پیچھے نماز جائز ہے' نہ ان سے معاشرت جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا جائز ہے' ہاں البتہ اس شخص کے لئے جائز ہے جو دلیل وبرہان کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید

رکھے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرلیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کی دینی اصلاح ہو جائے گی' بصورت دیگر واجب یہ ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لے اور دوسرے لوگوں سے مل جائے اور ان کے ساتھ اسلام کے اصول وفروع اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے احیاء کے لئے تعاون کرے اور اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوں تو یہ تمام فرقوں سے الگ تھلگ ہو جائے خواہ سختی ہی کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ خَشْيَةَ أَنْ أَقَعَ فِيْهِ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَبَعْدَ هٰذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ إِلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ح:٣٦٠٦، ٧٠٧٤)

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے مگر میں آپ سے شر کے بارے میں پوچھتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں' میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے نواز دیا تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہو گا؟'' فرمایا: ''ہاں!'' میں نے عرض کیا: ''کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہو گا؟ فرمایا: ہاں! لیکن اس میں کچھ کدورت ہو گی۔'' میں نے عرض کیا: ''کدورت سے کیا مراد ہے؟'' فرمایا: ''میری سنت چھوڑ کر اوروں کے طور طریق پر چلیں گے' میری ہدایت سے ہٹ کر دوسروں کی چال اختیار کر لیں گے' کچھ باتیں ان کی اچھی پاؤ گے کچھ بری۔'' میں نے عرض کیا: ''کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟'' فرمایا: ''ہاں! ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے' جو شخص ان کی بات پر لبیک کہے گا' یہ اسے جہنم رسید کر دیں گے۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیاں بیان فرما دیں؟'' فرمایا: ''یہ لوگ ہمیں سے ہوں گے اور ہماری بولیاں بولتے ہوں گے۔'' میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگر میں اس طرح کے حالات دیکھوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟'' فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ ہو جانا۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر اس وقت کوئی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟'' تو آپ نے فرمایا: ''پھر ان تمام فرقوں کو چھوڑ دینا خواہ ایسا کرنے میں یہ حال ہو جائے کہ درخت کی جڑ چبا کر وقت کاٹنا پڑے' پھر بھی ان سے الگ رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔'' وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کے ساتھ معاملہ

سوال جو آدمی اصحاب ثلاثہ (ابوبکر صدیق' عمر فاروق اور عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہم) کو گالی دے' اس کے ساتھ معاملہ کس طرح ہونا چاہئے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے بہترین افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَٱلسَّـٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَـٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَـٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾﴾ (التوبة٩/ ١٠٠)

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے' یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ لَّقَدْ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَـٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾﴾ (الفتح٤٨/ ١٨)

"(اے پیغمبر!) جب مومن درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے تو یقینی طور پر اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسکین (تسلی) نازل فرمائی اور (جرأت ایمانی کے بدلے) انہیں جلد فتح عنایت کی۔"

اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سابقین میں سرفہرست ہیں اور ان میں شامل ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ بیعت لی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے حق میں شہادت اور آپ پر اعتماد کا اظہار تھا' اس طرح آپ کی بیعت دوسروں کی نسبت زیادہ قوی تھی۔ دیگر بہت سی احادیث میں بھی اجمال اور تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب موجود ہیں اور ان کے ساتھ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت دی گئی اور انہیں گالی دینے سے منع کیا گیا ہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ»(صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ، لو كنت متخذا . . .، ح: ٣١٧٣، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة رضي الله عنهم، ح: ٢٥٤٠، ٢٥٤١)

"میرے صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) کو گالی نہ دینا۔ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مدیا نصف مد[1] (کے ثواب کو بھی) نہیں پا سکتا۔"

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً اصحاب ثلاثہ حضرات ابوبکرو عمرو عثمان رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرے تو اس سے اس کے بارے میں یقیناً باز پرس ہو گی کیونکہ اس نے کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے اور وہ اس مغفرت سے یقیناً محروم ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ان کی اتباع کریں گے' ان کے لئے مغفرت کی دعاء کریں گے اور یہ دعاء کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں کسی بھی مومن کے لئے کینہ و حسد پیدا نہ کرے۔ اصحاب ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو سمجھایا جائے' حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے آگاہ کیا جائے' ان کے درجات سے اسے مطلع کیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلام میں انہیں کس قدر عظمت و استقامت حاصل ہے۔ اگر اس کے بعد وہ شخص توبہ کر لے تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے اور اگر وہ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرے تو بقدر امکان سیاست شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے گستاخی سے باز رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص ہاتھ یا زبان سے اسے باز نہ رکھ سکے تو وہ دل ہی میں اسے برا سمجھے اور جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلم خادمہ کو ملازم رکھنا

سوال میں نے گھر میں اپنی بیوی کی مدد کے لئے ایک خادمہ بلانے کے لئے بیرون ملک خط لکھا تو مجھے جواب آیا کہ یہاں سے کوئی مسلمان خادمہ ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ میں کسی غیر مسلم خادمہ کو بلا لوں؟

جواب جزیرۃ العرب میں کسی بھی غیر مسلم خادم یا خادمہ' ڈرائیور یا کسی بھی کارکن کو بلانا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہیں اور وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ تمام مشرکوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

کافر مردوں اور عورتوں کے یہاں بلانے میں خطرہ ہے کہ اس سے یہاں مسلمانوں کے عقائد' اخلاق اور ان کی اولاد کی تربیت پر برا اثر پڑے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور شرک و فساد کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان غیر مسلم خادموں سے اجتناب کریں۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

کیا کافر پڑوسی کو قربانی کے گوشت کا تحفہ دیا جا سکتا ہے؟

سوال کیا قربانی کے گوشت میں کافر پڑوسی کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟

---

[1] مد ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک اور تہائی رطل ہے' جب کہ ایک رطل بارہ اوقیہ یا چالیس تولے کے برابر ہوتا ہے۔

جواب مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کافر پڑوسی کی دلجوئی اور اس کی تالیف قلب کے لئے اسے قربانی کے گوشت کا تحفہ دے' حق پڑوس کا بھی یہ تقاضا ہے اور شرعاً اس کی ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں' اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے مطابق بھی یہ جائز قرار پاتا ہے کہ:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/٨)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا' اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس مسئلہ میں پہلے بھی حسب ذیل فتوی جاری ہو چکا ہے کہ:

''ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم کسی کافر ذمی اور قیدی کو قربانی کا گوشت کھلائیں۔ فقر' قرابت' پڑوس یا تالیف قلب کے لئے کسی بھی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے کیونکہ قربانی کے جانور کو ذبح یا نحر کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے تقرب کے حصول کے لئے ہے اور اس کے گوشت کے بارے میں افضل یہ ہے کہ ایک ثلث خود کھائے' ایک ثلث رشتہ داروں' پڑوسیوں اور دوستوں کو تحفہ دے اور ایک ثلث فقیروں میں صدقہ کر دے' اس میں اگر کمی بیشی ہو جائے یا کسی ایک قسم میں ہی سارا گوشت صرف کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں' اس میں کافی گنجائش ہے البتہ کسی حربی کافر کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے بجائے اس کی کمزوری و ذلت اور رسوائی مقصود ہے۔''

حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے پیش نظر دیگر نفل صدقات کیلئے بھی یہی حکم ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨-٩)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔''

نبی ﷺ نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی مشرک ماں کے ساتھ مالی طور پر صلہ رحمی کر سکتی ہیں۔

— فتویٰ کمیٹی —

کافر کو سلام کہنا

ان دنوں جب ہم مشرق و مغرب کے مختلف ممالک میں جاتے ہیں' جن کے باشندوں کی غالب اکثریت مختلف

مذاہب سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی ہے' وہ ہمیں جہاں بھی ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ»(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح:٢١٦٧)

"یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو اور جب راستہ میں انہیں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کر دو۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاستئذان، باب كيف الرد على اهل الذمة بالسلام، ح:٦٢٥٨، وصحيح مسلم، رقم: ٢١٦٣)

"جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو انہیں جواب میں صرف یہ کہو "وعلیکم"

اہل کتاب سے مراد اگرچہ یہود و نصاری ہیں لیکن بقیہ کفار کا حکم بھی اس مسئلہ میں یہی ہے کیونکہ ان میں اور دیگر کافروں میں فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کافر کو مطلقاً پہلے سلام نہ کہا جائے اور اگر وہ سلام کہے تو واجب ہے کہ جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اور اس کے بعد یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ بچوں کا کیا حال ہے؟ جیسا کہ بعض اہل علم مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے' خصوصاً جب کہ اسلامی مصلحت کا یہ تقاضا بھی ہو مثلاً اسے اسلام کی رغبت دینا' اسلام سے اسے مانوس کرنا تا کہ وہ دعوت اسلام قبول کر لے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل١٦/ ١٢٥)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ وَلَا تُجَٰدِلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٤٦)

"اور اہل کتاب سے جھگڑا (بحث مباحثہ) نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو' ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں......"

——— شیخ ابن باز ———

ذمی کے ساتھ معاملہ کا مثالی طریقہ

سوال ذمی کے ساتھ معاملہ کے لئے مثالی طریقہ کیا ہے؟ کیا ہم اس سے عام معاملہ ہی کریں گے یا اس کی کوئی خاص نوعیت ہو گی؟

جواب ذمی کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ذمہ کی وفا کی جائے جیسا کہ ان آیات و احادیث سے ثابت ہے جن میں ایفاء عہد' حسن سلوک اور عادلانہ معاملہ کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا' اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

ذمی سے بات اچھے انداز سے کی جائے' عموماً احسان کیا جائے الایہ کہ شریعت نے اس سے منع کر دیا ہو مثلاً یہ کہ اسے پہلے سلام نہ کیا جائے' مسلمان خاتون سے اس کی شادی نہ کی جائے' کسی مسلمان کی وراثت سے اسے حصہ نہ دیا جائے اور اسی طرح کے دیگر امور جن کی ممانعت کے بارے میں نص وارد ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "احکام اہل الذمۃ" اور اہل علم کی دیگر کتب۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیرون ملک غیر مسلم خاندانوں کے ساتھ سکونت

سوال ایک سائل یہ سوال کرتا ہے کہ جو شخص تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جائے کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ زیادہ بہتر انداز میں زبان سیکھنے کے لئے کسی غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کر لے؟

جواب غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کفار کے اخلاق اور ان کی عورتوں کی وجہ سے طالب علم کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ طالب علم کی رہائش اسباب فتنہ سے دور ہو لیکن یہ سب کچھ اس قول کی بنیاد پر ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کفار ممالک میں سفر کر کے جانا طلبہ کے لئے جائز ہو لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کے ملک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا بھی جائز نہیں الایہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو اور طالب علم صاحب علم و بصیرت ہو اور اسباب فتنہ سے دور رہنے والا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«لَاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْ مُشْرِكٍ عَمَلاً بَعْدَمَا أَسْلَمَ حَتَّى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ»(سنن نسائي، كتاب الزكاة، باب من سأل بوجه الله عزوجل، ح:٢٥٦٩، وسنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب المرتد عن دينه، ح:٢٥٣٦)

"مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو قبول نہیں کرتا حتی کہ وہ مشرکوں سے الگ ہو جائے۔"

اس حدیث کو امام نسائی نے بسند جید روایت کیا ہے اور امام ابوداود' نسائی اور ترمذی نے بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل من اعتصم بالسجود، ح:٢٦٤٥، وسنن ترمذي، كتاب السير، باب ما جاء في كراهية المقام بين اظهر المشركين، ح:١٦٠٤)

"میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ للذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اہل شرک کے ملکوں میں سفر سے اجتناب کرے الا یہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو۔ مسافر صاحب علم و بصیرت ہو اور اس کا مقصود دعوت الی اللہ ہو تو پھر یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں خیر عظیم کا پہلو ہے کہ آدمی مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے' انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی تعلیم دے' تو ایسا شخص محسن ہو گا اور علم و بصیرت کے باعث خطرات سے دور بھی رہے گا۔ (واللہ المستعان)

——— شیخ ابن باز ———

کافروں کے ملکوں کی طرف سفر کا حکم

سوال بعض ادارے اخبارات میں اعلان کر کے مسلمان نوجوانوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات مغربی ممالک میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان بھی اچھی طرح سیکھ سکیں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے کے لئے' ہم اس موضوع سے متعلق فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ذیل میں نقل کرتے ہیں:

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَاَتْبَاعِهِ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ - أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بے پایاں نعمتوں سے نوازا' بے شمار منفرد خصوصیات سے سرفراز فرمایا اور اسے بہترین امت بنا دیا ہے' جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا (میدان میں لایا گیا) ہے' جو نیکی کا حکم دیتی' برائی سے منع کرتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں میں سے عظیم ترین نعمت اسلام ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے شریعت اور دستور حیات کے طور پر پسند فرمایا اور اس کے ساتھ اس نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اتمام اور اپنے دین کی تکمیل فرما دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

لیکن اس نعمت کبریٰ کی وجہ سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے حسد کرنے لگے' ان کے دل کینے اور غصے سے بھر گئے اور اس دین اور دین والوں سے عداوت و دشمنی کرنے لگے اور یہ خواہش کرنے لگے اے کاش! وہ مسلمانوں کو اس نعمت سے محروم کر دیں جیسا کہ ان کے دلوں میں آنے والے خیالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ﴾ (النساء٤/ ٨٩)

"وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۸)

"مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی (غیر مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری بربادی (اور فتنہ گری کرنے) میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے' ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا۟ لَكُمْ أَعْدَآءً وَيَبْسُطُوٓا۟ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِٱلسُّوٓءِ وَوَدُّوا۟ لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (الممتحنة ۶۰/ ۲)

اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا رسانی کے لئے تم پر ہاتھ بھی چلائیں اور زبانیں (بھی) اور یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ يُقَـٰتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ ٱسْتَطَـٰعُوا۟ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۷)

"اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ طاقت رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔"

ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور اس کے لئے وہ مخفی اور ظاہر ہر قسم کے اسباب و وسائل اختیار کرتے ہیں' انہی وسائل میں سے یہ بھی ہے جو مختلف یورپین ادارے اخبارات میں اعلانات کے ذریعہ مسلمان نوجوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات یورپ اور امریکہ کے مختلف علاقوں میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان میں اچھی طرح مہارت حاصل کرلیں اور پھر اس طرح وہ آنے والے لوگوں کے تمام اوقات کا باقاعدہ ایک پروگرام مرتب کر لیتے ہیں۔ یہ پروگرام کچھ اس طرح کے نکات پر مشتمل ہوتا ہے:

① کسی انگریز کافر خاندان میں طالب علم کے قیام کا بندوبست حالانکہ اس میں بہت سے قابل اعتراض پہلو ہیں۔

② جس شہر میں قیام ہو وہاں موسیقی' ڈرامہ اور تھیٹر وغیرہ کی محفلوں میں شرکت۔ اور رقص میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی۔

③ ڈانس اور رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت۔

④ انگریز لڑکیوں کے ساتھ ڈسکو ڈانس کی محفلوں میں شرکت۔

⑤ ایک انگریزی شہر میں لہو و لعب کے پروگرامز کی جو فہرست جاری کی گئی تو اس میں حسب ذیل تفریحی انتظامات تھے: (شبینہ محفلیں' ڈسکو ڈانس' کلاسیکل موسیقی' ماڈرن موسیقی' سینما ہال اور ڈرامہ ہال کے پروگرام' روایتی انگلش

ہوٹل وغیرہ)

انگریزی اداروں کے مسلمان نوجوانوں کو اس طرح کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دینے سے جو اغراض و مقاصد ہیں وہ بہت خطرناک ہیں اور ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

① اس سے مسلمان نوجوانوں کو جادۂ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کرنا مقصود ہے۔

② نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کرنا اور اسباب و وسائل مہیا کر کے انہیں اخلاقی بے راہ روی اور انارکی میں مبتلا کرنا ہے۔

③ مسلمانوں کے عقیدے میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔

④ مسلمان نوجوانوں کو مغربی تہذیب پر فریفتہ کرنا اور اس کا دلدادہ بنانا ہے۔

⑤ اسے مغرب کے بدترین اخلاق و عادات کا عادی بنانا ہے۔

⑥ دین اور دینی آداب و احکام سے دور ہٹانا ہے۔

⑦ مسلمان نوجوانوں کی اس انداز سے تربیت کرنا کہ ان پروگراموں سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے ملکوں کو جائیں تو مغرب' اس کے افکار و نظریات اور اس کے طرز بود و باش کے مبلغ اور داعی بن کر جائیں۔

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے اغراض و مقاصد ان دشمنان اسلام کے پیش نظر ہوتے ہیں' جن کے حصول کے لئے یہ اپنے تمام وسائل اور بے شمار ظاہری و مخفی اسالیب و ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ مسلمان ملکوں کے نوجوانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کے لئے یہ لوگ اپنے ان دعوتی اداروں کے عربی نام بھی رکھ لیتے ہیں تاکہ بڑی عیاری اور ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کر سکیں۔ اس لئے میں اپنے اس ملک کے مسلمان بھائیوں کو خصوصاً اور دیگر تمام عالم اسلام کے مسلمان بھائیوں کو عموماً تلقین کرتا ہوں کہ وہ ان اداروں کے دام فریب میں نہ پھنسیں۔ ان سے حد درجہ محتاط رہیں' ان کی کسی دعوت کو قبول نہ کریں کیونکہ ان کے یہ سارے پروگرام ایک میٹھا زہر ہیں۔ یہ دشمنان اسلام کی دسیسہ کاریاں ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتنوں میں مبتلا کر کے' ان کے دین و عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے انہیں بے دین بنا دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

﴿ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۲۰)

"اور آپ سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لیں۔"

میں امور طلبہ کے منتظمین کو بھی بطور خاص یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کریں اور انہیں اس قسم کے بیرونی سفر کی قطعاً اجازت نہ دیں کیونکہ اس میں ان کے دین' اخلاق اور ملک کی خرابی کے کئی پہلو ہیں جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے۔ یہ حضرات بچوں کی راہنمائی کریں کہ وہ اپنے ہی شہروں کے تفریحی مقامات پر جو کہ بحمد للہ بہت ہیں موسم گرما کی تعطیلات بسر کرنے کا پروگرام بنائیں' اس سے مطلوب و مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور ہمارے نوجوان ان خطرات' مشکلات' صعوبات اور برے نتائج و اثرات سے بھی محفوظ رہیں گے' جو اجنبی ممالک میں جانے سے پیش آتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعاء ہے کہ وہ ہمارے ملک' دیگر تمام اسلامی ممالک اور ہمارے تمام نوجوانوں کو ہر بری اور ناپسندیدہ

بات سے بچائے، دشمنوں کے مکروفریب سے انہیں محفوظ رکھے، ان کے مکروفریب کو ناکام و نامراد بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ توفیق بخشے کہ وہ اس قسم کے جھوٹے پروپیگنڈے اور خطرناک اعلانات پر پابندی لگائیں نیز انہیں توفیق بخشے کہ وہ انسانوں، اپنے علاقوں اور شہروں کی بہتری کے کام کر سکیں، اللہ تعالیٰ ہی کارساز و قادر ہے۔

وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

—— شیخ ابن باز ——

یہود و نصاریٰ کے تہواروں کی تعظیم جائز نہیں

سوال گھانا میں بعض مسلمان یہود و نصاریٰ کے تہواروں کی تو بہت تعظیم کرتے ہیں مگر اپنے تہواروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب یہود و نصاریٰ کی کسی عید کا وقت آتا ہے تو اس کی مناسبت سے اسلامی مدارس میں تعطیل کر دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کی عید کے وقت وہ مدارس میں تعطیل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر وہ یہود و نصاریٰ کی عیدوں کو منائیں گے تو اس طرح وہ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔ شیخ محترم! آپ یہ وضاحت فرما دیں کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی اسلامی شعائر کا اظہار کیا جائے اور ترک اظہار رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ»(سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح٤٦٠٧، وسنن ترمذي، رقم:٢٦٧٦ وابن ماجه، رقم:٤٢، ومسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

"تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔"

مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں کی عیدوں میں شرکت کرے، ان کی عیدوں کے موقعہ پر فرحت و مسرت کا اظہار کرے اور اپنے دینی اور دنیوی کاموں کو روک دے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت ہے جو کہ حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم»(سنن أبي داود كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ح:٤٠٣١، ومسند احمد، ح: ٢/ ٥٠، ٩٢)

"جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔"

ہم نصیحت کرتے ہیں کہ آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" کا مطالعہ کریں، وہ اس موضوع سے متعلق بے حد مفید کتاب ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

میت کی وفات کے چالیس روز بعد محفل منعقد کرنا

 عیسائیوں اور یہودیوں کی تقلید میں یہاں امریکہ میں مسلمانوں میں بھی یہ رواج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ میت کی

وفات کے چالیس دن بعد ایک دینی محفل منعقد کرتے ہیں۔ کیا چالیسویں کی اس محفل کا انعقاد اسلامی شریعت کے مطابق ہے؟ کیا اس کے جواز کی کوئی دلیل ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں' نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ سلف صالح سے کہ میت کی وفات کے وقت' یا ایک ہفتہ بعد' یا چالیس دن بعد یا ایک سال بعد کسی محفل کا اہتمام کیا جائے۔ بلکہ یہ بدعت اور ایک بدترین عادت ہے۔ یہ قدیم مصریوں اور دیگر کافروں میں ایک رواج تھا للذا جو مسلمان اس قسم کی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں انہیں سمجھانا چاہئے اور اس کی حقیقت بتانا چاہئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں' دین میں بدعات سے اجتناب کریں اور کافروں کی مشابہت سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتَّى يُعْبَدَ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذِّلُّ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(مسند احمد، ۲/ ۵۰)

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے' حتیٰ کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کی انی کے نیچے رکھ دیا گیا ہے' ذلت و رسوائی اس شخص کا مقدر ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔"

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ»(مستدرك حاكم، كتاب الفتن والملاحم، ح:٨٤٠٤ واصله في الصحيحين، اخرجه البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، ح:٣٤٥٦)

تم بالشت بہ بالشت اور قدم بقدم پہلے لوگوں کے طریقوں کو اختیار کرو گے (یعنی جس طرح بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی سانڈے کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔"

—— شیخ ابن باز ——

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ کا معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ "ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو۔" کے کیا معنی ہیں؟ ان کے ساتھ دوستی کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کے پاس جانا' بات چیت اور گفتگو کرنا اور ان کے ساتھ ہنسنا بھی دوستی ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہودیوں اور ان جیسے دیگر کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے ان کے ساتھ دوستی' محبت' اخوت اور نصرت جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ انہیں دلی دوست بنالیا جائے خواہ یہ مسلمانوں سے برسرپیکار نہ بھی ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا

ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

"جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ' بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾﴾ (آل عمران٣/ ١١٨)

"مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا' یہ لوگ تمہاری بربادی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو سکے) تمہیں تکلیف پہنچے ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔"

اسی طرح اس مفہوم کی کتاب و سنت میں اور بھی بہت سے نصوص ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے منع نہیں کیا کہ وہ غیر حربی کافروں کے ساتھ نیکی کریں' یا مباح منافع کا ان کے ساتھ تبادلہ کریں یا ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں یا ان کے تحفوں کو قبول کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨-٩)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا' اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تمہیں دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے تمہارے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلم کارکنوں کو اسلامی ممالک خصوصاً جزیرۃ العرب میں بلانا

 کیا غیر مسلم کارکنوں کو بلانا جائز ہے؟

جواب اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے' یہود ونصاریٰ کے جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بھی آپ نے حکم دیا اور فرمایا کہ:

«لأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لاَ أَدَعَ إِلاَّ مُسْلِمًا»(صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب اخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، ح:١٧٦٧، وأبوداود، كتاب الامارة، باب في اخراج اليهود من جزيرة العرب، ح:٣٠٣٠، ترمذي، رقم:١٦٠٦، ١٦٠٧)

''میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا حتی کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہ جائیں گے۔''

احادیث اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ جزیرۃ العرب میں صرف مسلمان ہی رہیں کیونکہ عیسائیوں اور دیگر کفار کے جزیرۃ العرب میں موجود ہونے کے بہت سے خطرات ہیں۔ اسی جزیرہ سے اسلام کا آغاز ہوا اور یہاں سے اسلام اطراف و اکناف عالم میں پھیل گیا اور پھر بالآخر اسلام یہیں لوٹ آئے گا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان سمٹ کر مدینہ کی طرف اس طرح آ جائے گا جس طرح سانپ سمٹ کر اپنی بل کی طرف آ جاتا ہے۔ غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب میں بلانے کے بہت زیادہ خطرات ہیں اور نہ بھی ہوں تو کیا یہ خطرہ کم ہے کہ انہیں بلانے والا ان سے الفت و محبت کا اظہار کرے گا' ان کی طرف مائل ہو گا' ممکن ہے اس کے دل میں بھی ان کی محبت رچ بس جائے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَـٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

''جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔''

اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس کے سامنے حق و باطل میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ انہیں اپنا بھائی سمجھنے لگ جائے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر کہے کہ یہ ہمارے انسانی بھائی ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اخوت ایمانی اخوت ہے' دین کا اختلاف ہو تو پھر کوئی اخوت نہیں حتی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا:

﴿رَبِّ إِنَّ ٱبْنِى مِنْ أَهْلِى وَإِنَّ وَعْدَكَ ٱلْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ ٱلْحَـٰكِمِينَ ﴿٤٥﴾﴾ (هود١١/ ٤٥)

''میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُۥ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ﴾ (هود١١/ ٤٦)

''وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی مومن اور کافر کے درمیان ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر دیا ہے حتی کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح بخاري، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم، ... ح:٦٧٦٤، صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم، ... ح:١٦١٤، أبوداود، كتاب الفرائض، رقم:٢٩٠٩، والترمذي، كتاب الفرائض، رقم:٢١٠٧)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

جب صورت حال یہ ہے تو پھر غیر مسلموں سے میل جول رکھنا' انہیں اپنے ملکوں میں بلانا' انہیں اپنے کاموں میں شریک کرنا' ان کے ساتھ کھانا پینا اور ان کے پاس آنا جانا مسلمانوں کے دلوں سے غیرت کو ختم کر دے گا حتی کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرنے لگیں گے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُواْ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١)

"مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں۔"

شیخ ابن عثیمین

اہل و عیال کے ساتھ سکونت کا حکم جب کہ وہ نماز نہ پڑھتے ہوں

سوال جب آدمی اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دے لیکن وہ اس کی بات نہ سنیں تو کیا وہ ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے اور مل جل کر رہے یا گھر سے نکل جائے؟

جواب اگر یہ اہل و عیال بالکل نماز نہ پڑھیں تو وہ کافر ہیں' دائرہ اسلام سے خارج ہیں' ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ اس آدمی پر واجب ہے کہ وہ انہیں دعوت دیتا رہے' الحاح و زاری کے ساتھ اور بار بار دعوت دیتا رہے شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ تارک نماز کافر ہے۔ والعیاذ باللہ! کتاب و سنت کے دلائل' اقوال صحابہ اور صحیح نقطہ نظر کے مطابق یہی بات صحیح ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔

فتویٰ کمیٹی

غیر مسلموں سے میل جول سے دینی غیرت ختم ہو جاتی ہے

سوال میں اردن کے ایک ایسے گھر میں مقیم ہوں' جس کے رہنے والوں کی اکثریت عیسائی بھائیوں پر مشتمل ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھاتے پیتے ہیں۔ تو کیا میری نماز باطل ہے؟ اور میری اقامت ان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

جواب آپ کے اس سوال کے جواب سے پہلے میں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں اور امید ہے کہ یہ بات آپ کی زبان پر قصدوارادہ کے بغیر آئی ہو گی اور وہ یہ کہ آپ نے کہا ہے کہ "میں عیسائی بھائیوں کے ساتھ

رہتا ہوں۔" تو بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کبھی بھی اخوت کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ اخوت تو ایمانی اخوت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اگر اختلاف دین کی وجہ سے قرابت نسب ختم ہو سکتی ہے' تو اختلاف دین اور عدم قرابت کی وجہ سے اخوت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ جب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا "میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔" تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ "وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔

مومن اور کافر کے درمیان کبھی بھی اخوت نہیں ہو سکتی بلکہ مومن پر فرض یہ ہے کہ وہ کسی بھی کافر کو دوست نہ بنائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُواْ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ ﴾ (الممتحنۃ۶۰/ ۱)

"مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے' منکر ہیں۔"

اللہ کے دشمن کون ہیں؟ اللہ کے دشمن کافر ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۹۸)

"جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵۱)

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہو گا بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی کافر کو خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی' مجوسی ہو یا ملحد کبھی بھی اپنا بھائی قرار دے۔ اے بھائی! آئندہ کسی غیر مسلم کو بھائی کہنے سے اجتناب کیجئے۔

اب اپنے سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے جو یہ ہے کہ آپ کو غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ غیر مسلموں سے میل جول آپ کے دل سے دینی غیرت کو نکال دے گا اور ممکن ہے کہ ان کی محبت و مودت آپ کے دل میں پیدا ہو جائے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ:

﴿ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓاْ

ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

''جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں' تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے' خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا' ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش' یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

عید الام منانے کا حکم

سوال ہمارے ہاں ہر سال ۲۱ مارچ کو عید الام کے نام سے ایک خاص عید منائی جاتی ہے' جس میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا یہ عید منانا اور اس موقعہ پر تحائف پیش کرنا حلال ہے یا حرام ہے؟

جواب شرعی عیدوں کے سوا باقی تمام عیدیں ایجاد بندہ اور بدعت ہیں اور عہد سلف صالح میں یہ عیدیں معروف نہ تھیں۔ بسااوقات ان عیدوں کی ایجاد کا سہرا غیر مسلموں کے سر بھی ہوتا ہے تو اس طرح ان میں بدعت کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ شرعی عیدیں اہل اسلام میں معروف ہیں اور وہ عید الفطر' عید الاضحیٰ اور ہفتہ وار عید ------- جمعۃ المبارک ------- ہیں۔ ان تین کے سوا اسلام میں اور کوئی عید نہیں ہے اور جو ایجاد کرلی گئی ہیں' وہ مردود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی رو سے باطل ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح...:١٧١٨)

''جو کوئی ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

لہٰذا سائل نے جس عید کا ذکر کیا اور جسے عید الام کے نام سے موسوم کیا' اس میں عید کے شعائر' خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار اور تحائف کا تبادلہ وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دین ہی کو باعث عزت و فخر سمجھے اور اس دین قیم کے سلسلہ میں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے' انہی حدود کی پابندی کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین فرما دی ہیں یعنی دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے اور نہ ہر کس و ناکس کے پیچھے بے سوچے سمجھے اندھا دھند چل پڑے۔ مسلمان کی شخصیت اور اس کی زندگی شریعت الٰہی کے تابع ہونی چاہئے تاکہ وہ لوگوں کے پیچھے چلنے والا نہ ہو بلکہ لوگ اس

کے پیچھے چلنے کے لئے مجبور ہوں' وہ لوگوں کو اپنے لئے نمونہ نہ سمجھے بلکہ لوگ اسے اپنا آئیڈیل قرار دیں کیونکہ بحمد اللہ ہماری شریعت ہر اعتبار سے کامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا ﴾ (المائدة٥/ ٣)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔''

کیا ماں کا صرف یہی حق ہے کہ سال میں ایک مرتبہ اس کے نام کی عید منائی جائے اور بس! نہیں بلکہ ماں کا اس کی اولاد پر حق اس سے بہت زیادہ ہے۔ ماں کا یہ حق ہے کہ اولاد اس کی خدمت ہر وقت اور ہر جگہ بجا لائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں --- بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو --- کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کام کے افتتاح کے وقت فیتہ کاٹنا

سوال بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے مختلف منصوبوں اور سکیموں کی افتتاحی تقریبات میں فیتے کاٹتے ہیں' بعض مسلمان فیتہ کاٹنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کام میں برکت کی دعاء بھی کرتے ہیں' کیا یہ مسلمانوں کا کوئی قدیمی رواج ہے یا یہ محض غیروں کی تقلید ہے؟ کیا اسلامی عہد میں اسلامی سکیموں کے افتتاح کے موقعہ پر اس طرح فیتے کاٹنے کا کوئی رواج تھا؟

جواب اس عادت و رواج کی مجھے کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ سابقہ زمانوں میں مسلمانوں میں اس کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہ محض غیر مسلم ملکوں کی اندھی تقلید ہے۔ اسلام نے کام شروع کرنے سے قبل جو طریقہ تعلیم فرمایا ہے' وہ یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے' خیروبرکت کے حصول اور اللہ تعالیٰ سے منصوبہ و سکیم کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کی دعا کر لی جائے اور پھر محنت' توجہ اور خلوص سے کام کرنا چاہئے۔ قریب و بعید کے ساتھ یکساں سلوک کرے' ملاوٹ' ظلم اور دھوکے سے بچے' امانت میں خیانت نہ کرے اور کام کاج میں اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھے۔ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے اور عبادات کو ادا کرکے' تقرب الٰہی کے حصول کو اختیار کرکے اور محرمات کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی ادا کرے' تو اس سے امید ہے کہ منصوبے اور سکیمیں کامیابی سے ہمکنار ہوں گی اللہ تعالیٰ کاروبار میں برکت پیدا فرمائے گا' لوگوں میں بھی اس کی شہرت ہوگی اور وہ اس سے معاملہ کرنے کے خواہش مند ہوں گے اور اسے نفع اور خیروبرکت حاصل ہوگی۔ (واللہ الموفق)

—— شیخ ابن جبرین ——

غیر مسلموں کو صدقہ دینا

سوال کیا غیر مسلموں کو صدقہ دینا جائز ہے؟

جواب کافروں کو زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں اور نفل صدقہ دینا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کفر پر ان کی اعانت ہے اور فرمان

باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)
"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"
لیکن اس طرح اگر غیر مسلم کے مسلمان ہونے کی امید ہو تو پھر اسے صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح اگر کافر کے بھوک سے مرنے کا ڈر ہو تو پھر بھی اس کی جان بچانے کے لئے اس پر صدقہ کرنا جائز ہے تا کہ اسے اسلام کی خوبیوں کا بھی پتہ چل جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

غیر مسلم خادمہ کے ساتھ میل جول

سوال ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا گھر کی خواتین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے میل جول رکھیں اور مل جل کر کھا پی لیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مسلم خواتین کے لئے غیر مسلم عورت سے پردہ کرنا فرض نہیں ہے لیکن یہ فرض ہے کہ اس سے اس طرح معاملہ نہ کریں جس طرح ایک مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق اپنے دل میں بغض رکھیں:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ﴾ (الممتحنة ۶۰/ ۴)

"(اے اہل ایمان!) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق (بیزار) ہیں اور تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔"

اگر یہ غیر مسلم خادمہ اسلام قبول نہ کرے تو گھر والوں کو چاہئے کہ اسے اس کے ملک میں واپس بھیج دیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس جزیرۃ العرب میں کوئی یہودی' عیسائی یا کوئی غیر مسلم' خواہ وہ مرد ہو یا عورت رہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ انہیں جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور ویسے بھی ان کے بجائے الحمدللہ مسلمان مرد اور عورتیں ہی کافی ہیں' ہمیں ان کی ضرورت ہی نہیں۔ مسلمانوں میں ان کا وجود خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا جزیرۃ العرب کے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ یہاں خدمت اور کام کاج کے لئے صرف مسلمانوں ہی کو بلائیں تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل ہو سکے اور اخلاق و عقائد کی اس خرابی سے بچا جا سکے' جو ان کی موجودگی کی وجہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے بے نیاز کر دے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ((إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ))

—— شیخ ابن باز ——

کافر کی نجاست معنوی ہے

سوال ہم کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہیں جو بے دین ہیں' آگ اور گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ناپاک اور نجس قرار دیا ہے' تو سوال یہ ہے کہ ان کی نجاست کی ماہیت کیا ہے؟ کیا ہم ان سے دور رہیں' مصافحہ بھی نہ کریں اور جب وہ ناپاک ہیں تو پھر ان کے ساتھ مل کر کام کس طرح کریں؟ جن چیزوں کو وہ ہاتھ لگاتے ہیں کیا وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؟ یاد رہے کہ یہ لوگ تجارتی مراکز میں کام کرتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا میل جول ہے۔ امید ہے اس مسئلہ میں آپ مستفید فرمائیں گے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٞ ﴾ (التوبة۹/ ۲۸)

"مشرک تو پلید ہیں۔"

اور منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَأَعۡرِضُواْ عَنۡهُمۡۖ إِنَّهُمۡ رِجۡسٞۖ ﴾ (التوبة۹/ ۹۵)

"سو ان کی طرف التفات نہ کرنا یہ ناپاک ہیں۔"

لیکن ان کی یہ نجاست معنوی نجاست ہے اور اس سے مراد ان کا ضرر' شر اور فساد ہے' اگر ان کے جسم صاف ہوں تو انہیں حسی طور پر نجس قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا ان کے پہنے ہوئے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ پاک ہوں الا یہ کہ وہ کپڑے جو شرم گاہوں کے قریب استعمال ہوتے ہوں اور یہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتے ہوں اور خصوصاً وہ لوگ جن کا ختنہ بھی نہ ہوا ہو تو ان کے کپڑے استعمال کرنا جائز نہ ہو گا' اسی طرح اگر وہ کسی نجاست میں ملوث ہوں مثلاً خنزیر کے پکانے یا شراب وغیرہ بنانے میں تو پھر یہ نجس ہوں گے لیکن ان سے مصافحہ کرنے اور ان کی بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ چیزیں پاک ہیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی بنی ہوئی چیزوں اور ان کے بنے ہوئے کپڑے کو استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ اشیاء میں اصل تو طہارت اور پاکیزگی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی شادی کے بارے میں شبہات کا ازالہ ......

سوال حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا کیا قصہ ہے' جن سے بعد میں نبی ﷺ نے شادی کر لی تھی؟ شادی کیسے ہوئی اور پھر کیوں ختم ہو گئی؟ بعض عرب ملکوں میں ہم نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ کو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عشق ہو گیا تھا اور اس سلسلہ میں میں نے جو باتیں سنی ہیں' میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں انہیں لکھوں لہٰذا براہ کرم صحیح صورت حال پر روشنی ڈالیں؟

جواب زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی' رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا:

﴿ ٱدۡعُوهُمۡ لِأٓبَآئِهِمۡ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵)

''مومنو! لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔''

تو اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے انہیں زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا اور حضرت زینب سے مراد زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ ہیں' ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا قصہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے یہ شادی کروائی تھی کیونکہ زید آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے' آپ نے زید کی شادی کی بات کی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے اس سے بہتر ہوں لیکن اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمۡرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلۡخِيَرَةُ مِنۡ أَمۡرِهِمۡۗ وَمَن يَعۡصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلَٰلٗا مُّبِينٗا ۝٣٦ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔''

تو اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے احترام میں حضرت زینب نے زید سے شادی کو منظور کر لیا اور ایک سال کے قریب حضرت زید کے ساتھ رہیں' پھر ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے' حضرت زید نے رسول اللہ کی خدمت میں ان کی شکایت کی کیونکہ زید اگر نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ تھے تو زینب آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں' زید نے طلاق دینے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن نبی ﷺ نے حکم دیا کہ طلاق نہ دو بلکہ صبر کرو حالانکہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کے حبالۂ عقد میں آ جائیں گی لیکن آپ کو خدشہ محسوس ہوا کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے کیونکہ اس طرح کی شادی زمانۂ جاہلیت میں ممنوع تھی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَأَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ أَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ وَتُخۡفِي فِي نَفۡسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبۡدِيهِ وَتَخۡشَى ٱلنَّاسَ وَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخۡشَىٰهُۖ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۷)

''اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے' جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا

اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کہ آپ اپنے جی میں اس بات کو چھپا رہے تھے' جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے اور پھر زینب سے آپ کی شادی ہو گی تاکہ آپ حکم الٰہی کے سامنے سر اطاعت جھکاتے ہوئے' اس کی حکمت و مصلحت کے مطابق زینب سے شادی کر لیں لیکن آپ لوگوں کی باتوں اور الزام تراشیوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں لہٰذا آپ لوگوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر اس بات کا کھلم کھلا اعلان فرما دیجئے جو زید اور زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کی بابت بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے۔

حضرت زید نے جب طلاق دے دی اور عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے حضرت زینب کو شادی کا پیغام بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ولی اور گواہوں کے بغیر اپنے پیغمبر کی حضرت زینب سے شادی کر دی' بلاشبہ نبی ﷺ تمام مومنوں کے ولی ہیں بلکہ ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ٱلنَّبِىُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"پیغمبر نبی ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

زمانۂ جاہلیت میں جو لے پالک بنانے کی عادت تھی اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا اور مسلمانوں کے لئے یہ حلال قرار دے دیا کہ وہ اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے ساتھ ان کے طلاق دینے یا ان کے فوت ہو جانے کی صورت میں شادی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت فرمانے اور ان سے حرج کو دور کرنے کے لئے یہ حکم دیا۔

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کو پس پردہ سے دیکھا تو اس سے ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی' آپ کو ان سے عشق ہو گیا' حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے آپ پر نبی کریم ﷺ کو ترجیح دی اور زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تاکہ نبی کریم ﷺ ان سے نکاح کر لیں تو یہ باتیں کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں' ویسے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان اس سے بہت اونچی' ان کے نفس عفیف' ان کے اخلاق کریمانہ اور ان کا مقام و مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اور پھر نبی کریم ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد زینب کا رشتہ حضرت زید کے لئے طلب کیا تھا' اگر آپ کے دل میں حضرت زینب کے بارے میں ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ شروع ہی میں یہ رشتہ زید کی بجائے اپنے لئے طلب فرما لیتے خصوصاً جبکہ شروع میں حضرت زینب نے اس سے انکار بھی کر دیا تھا اور آپ اس وقت راضی ہوئیں جب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانۂ جاہلیت کی عادات کو ختم کرنے کے لئے ایک تدبیر اور فیصلہ تھا اور لوگوں کے لئے اس میں تخفیف اور رحمت کا پہلو تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِىٓ أَزْوَٰجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ مَّا كَانَ عَلَى ٱلنَّبِىِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ ٱللَّهُ لَهُۥ ۖ سُنَّةَ ٱللَّهِ فِى ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾ ٱلَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَٰلَٰتِ ٱللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُۥ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا ٱللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٧-٤٠)

"پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی طلاق دے دیں) اور اللہ تعالیٰ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔ نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ جو انبیاء کرام پہلے گزر چکے ہیں ان کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ان لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات (جوں کے توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا تو فرض ہے

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایک بار درود بھیجنا فرض ہے اور باقی مستحب ہو گا' اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں؟

جواب یقیناً نبی ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا فرض ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے کہ:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٦)

"مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔"

اصول یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور جب آیت کریمہ سے تکرار کا وجوب ثابت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ زندگی بھر میں کم از کم ایک بار درود پڑھنا تو فرض ہے اور بار بار پڑھنا مستحب ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں درود کی ترغیب دی گئی ہے ہاں البتہ ان مقامات میں درود شریف پڑھنا واجب ہو گا جہاں درود پڑھنا احادیث میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کو پکارنا اور آپ سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے

سوال کیا نبی کریم ﷺ کو کسی حاجت کے لئے پکارنا یا آلام و مصائب میں آپ سے مدد مانگنا' آپ کی قبر شریف کے قریب یا دور سے پکارنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو پکارنا آپ سے فریاد کرنا اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے ازالہ کے لئے آپ سے مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے' جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس سے آپ کو پکارے یا دور سے مثلاً یوں کہے کہ: "یا رسول اللہ مجھے شفا عطاء فرما دیجئے۔" یا میرے غائب کو

واپس لوٹا دیجئے وغیرہ تو یہ شرک ہے۔

فتویٰ کمیٹی

نبی کریم ﷺ پر سلام کے وقت کھڑا ہونا

 کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کو نبی کریم ﷺ پر سلام کے موقعہ پر کھڑا ہونے سے منع کیا کرتے تھے؟

جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کے وقت کھڑا ہونے کی مطلقاً عادت نہ تھی' وہ آپ کی قبر کی زیارت کے وقت کھڑا ہوتے نہ کسی دوسرے وقت اور نہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب بھی مسجد نبوی میں آئیں تو کھڑے ہو کر سلام بھی پڑھیں ہاں البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ جب سفر سے واپس آتے تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس آتے اور سلام پڑھتے۔

((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ کی ذات گرامی پر سلام

 جب سلام بدعت حسنہ ہے تو کیا لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کرنے سے منع کرنا چاہیئے؟

جواب نہیں! رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بدعت حسنہ نہیں ہے' جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے بلکہ یہ حکم شریعت ہے جیسا کہ ادلۂ شرعیہ سے یہ ثابت ہے لہٰذا لوگوں کو صلوٰۃ و سلام سے منع نہیں کرنا چاہیئے الا یہ کہ کسی ایسے طریقے سے پڑھا جائے جو سلف صالح' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عہد میں معروف نہ ہو مثلاً جیسا کہ مؤذن اذان کے بعد جہری آواز میں پڑھے یا کچھ لوگ مخصوص اوقات میں جمع ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں تو یہ سلف صالح سے ثابت نہیں ہے تو اس انداز سے پڑھنا بدعت ہو گا جب کہ مطلق صلوٰۃ وسلام پڑھنا حکم شریعت ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی ﷺ نور من نور اللہ تھے؟

 کیا حضرت محمد ﷺ کا نور اللہ کے نور میں سے تھا یا کسی اور نور سے تھا؟

جواب نبی کریم ﷺ کو جو نور حاصل تھا اس سے مراد نور رسالت و ہدایت ہے' اس نور سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کی آنکھوں کو چاہا ہدایت سے سرفراز فرما دیا اور بے شک نور رسالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآيِٕ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِىَ بِإِذْنِهِۦ مَا يَشَآءُ إِنَّهُۥ عَلِىٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِى مَا ٱلْكِتَٰبُ وَلَا ٱلْإِيمَٰنُ

وَلَٰكِن جَعَلْنَٰهُ نُورًا نَّهْدِى بِهِۦ مَن نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِىٓ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَٰطِ ٱللَّهِ ٱلَّذِى لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِلَى ٱللَّهِ تَصِيرُ ٱلْأُمُورُ ﴿٥٣﴾ (الشوری۴۲/ ۵۱۔۵۳)

’’اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے۔ بے شک وہ عالی مرتبہ (اور) حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے‘ آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ!) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو! سب کام اللہ کی طرف لوٹیں گے اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کو یہ نور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے‘ آپ نے اس کا اکتساب خاتم الاولیاء سے نہیں کیا جیسا کہ بعض ملحد لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔

باقی رہا آپ کا جسم مبارک تو وہ خون‘ گوشت اور ہڈیوں ہی سے بنا ہوا تھا‘ قانون فطرت کے مطابق اپنے ماں باپ کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی‘ ولادت باسعادت سے قبل آپ کی تخلیق نہیں ہوئی اور جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا‘ یا جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرہ کے نور سے ایک مٹھی پکڑی اور فرمایا یہ مٹھی بھر نور محمد ﷺ ہیں‘ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی کی طرف دیکھا تو اس سے قطرے گرنے لگ گئے اور اس ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی پیدا فرمایا یا تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی سے پیدا کیا تو یہ روایات نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے ’’مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ؒ جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶ اور بعد کے صفحات۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے ہیں؟

سوال کیا نبی کریم ﷺ حاضر وناظر ہیں یعنی علم غیب جانتے ہیں کہ آپ کے نزدیک حاضر وغائب یکساں ہوں؟

جواب امور غیب کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں‘ انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِى ظُلُمَٰتِ ٱلْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾ ﴾ (الأنعام۶/ ۵۹)

’’اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں‘ جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔‘‘

اور فرمایا:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (النمل ٢٧/ ٦٥)

''اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔''

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے' غیب کی جس بات پر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ ﴾ (الجن ٧٢/ ٢٦-٢٧)

''(وہی) غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا' ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾ ﴾ (الأحقاف ٤٦/ ٩)

''کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو صاف صاف (کھلم کھلا) ڈرانا ہے۔''

بطریق ام العلاء ایک طویل حدیث میں ہے کہ:

«لَمَّا تُوُفِّيَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ أَدْرَجْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، شَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَمَا يُدْرِيْكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟ فَقُلْتُ لاَ أَدْرِيْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ مِنْ رَبِّهِ، وَإِنِّيْ لأَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ، وَاللهِ مَا أَدْرِيْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لاَ أُزَكِّيْ بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا»(صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا ادرج في اكفانه، ح: ١٢٤٣، ٢٦٨٧، ٣٩٢٩، ٧٠٠٣)

''جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ہم نے انہیں کفن پہنا دیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت) اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے' میری آپ کے بارے میں گواہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت بخشی ہے؟ میں نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر نثار' مجھے تو معلوم نہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان کے پاس ان کے رب کی طرف سے یقین آیا اور مجھے ان کے بارے میں خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! مجھے بھی یہ معلوم نہیں کہ میرے

ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" میں نے عرض کیا: "واللہ! اس کے بعد میں کبھی بھی کسی کو پاک قرار نہ دوں گی۔"

ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَا أَدْرِيْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِهِ »(صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب العين الجارية في المنام، ح: ٧٠١٨

"مجھے نہیں معلوم کہ اسکے ساتھ کیا سلوک ہو گا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔"

اور بہت سی احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انجام سے مطلع فرما کر انہیں جنت کی بشارت بھی سنا دی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث میں ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی علیہ السلام سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ»(صحيح بخاري كتاب الايمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الايمان... ح:٥٠، صحيح مسلم، كتاب الايمان، ح :٨)

"اس کے بارے میں سائل کو مسئول سے زیادہ علم نہیں ہے"

پھر آپ نے جبریل علیہ السلام کو قیامت کی چند نشانیوں کے بارے میں ضرور بتلایا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو بس اتنا علم غیب تھا جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا' اسی کے بارے میں آپ نے بوقت ضرورت بتایا' غیب کے باقی امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتایا' ان کے بارے میں آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس تشریف لاتے ہیں؟

سوال کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس خود بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں یا آپ کی صورت دکھائی جاتی ہے؟

جواب نبی ﷺ کی تشریف آوری ان غیبی امور میں سے ہے جو توقیفی ہیں' ان کا علم صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتائے لہٰذا کسی نص شرعی کے بغیر ان امور میں غور و خوض کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کسی بھی آیت یا حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ خود بنفس نفیس یا آپ کی صورت میت کے پاس تشریف لاتی ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ثابت ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپ کے پاس جمع ہو کر یہ درخواست کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں یا قیامت کے دن سے متعلق اس طرح کی دیگر باتیں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور جو آپکے خصائص میں سے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بشیر و نذیر' داعی الی اللہ اور سراج

منیر بنا کر مبعوث فرمایا نیز آپ کو ہدایت' رحمت' دین حق اور اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کی سعادت بنا کر مبعوث فرمایا جو آپ پر ایمان لائے' آپ سے محبت کرے اور آپ کے نقش راہ کی پیروی کرے۔ آپ نے پیغام رسالت کو پہنچا دیا' امانت کو ادا فرما دیا' امت کی خیرخواہی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین' احسن اور اکمل جزا سے سرفراز فرمائے!

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت' آپ کے امر کی فرمانبرداری اور آپ کے نہی سے اجتناب' اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے اور آپ کی رسالت کا یہی مقصود ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت کا تقاضا ہے کہ آپ سے محبت کی جائے' آپ کی اتباع کی جائے' ہر مناسبت اور آپ کے ذکر خیر کے موقعہ پر آپ کی ذات گرامی پر درود بھیجا جائے کہ اس طرح آپ ﷺ کا کچھ حق بھی ادا ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف مبعوث فرما کر ہم پر جو احسان عظیم فرمایا' اس کا کچھ شکر بھی ادا ہو جائے گا۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے نیز اس کے فرشتوں کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝٥٦ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۵۶)

''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔''

درود شریف پڑھنے سے بے حد اجر و ثواب ملتا ہے' دعاء کی قبولیت کی امید ہو جاتی ہے' درود شریف پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے اور نبی ﷺ کی محبت میں دوام' اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔ درود شریف پڑھنے سے بندے کو ہدایت اور اس کے دل کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جو انسان بکثرت درود شریف پڑھے گا اور آپ کا کثرت سے ذکر کرے گا' اس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت کو غلبہ حاصل ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کے دل میں آپ کے ارشادات کے بارے میں کوئی تعارض اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے گا۔

بہت سی احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درود شریف پڑھنے کی بہت ترغیب دلائی ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة علي النبي ﷺ بعد التشهد، ح:٤٠٨، اخرجه احمد في المسند، ٢/ ٣٧٢، والنسائي في السنن، ح:١٢٩٧)

''جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوْا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلاَ تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢، ومسند أحمد، ٢/ ٣٦٧)

''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا

خواہ تم کہیں بھی ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»(جامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب رغم أنف رجل ذكرت عنده... ح:٣٥٤٥، ومسند احمد٢/ ٢٥٤)

"اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

شریعت کا حکم ہے کہ نبی ﷺ پر تشہد میں' خطبوں میں' دعاؤں میں' استغفار میں' اذان کے بعد' مسجد میں داخل ہوتے وقت' مسجد سے نکلتے وقت' آپ کے ذکر خیر کے وقت اور دیگر مواقع پر درود شریف پڑھا جائے۔ جب کسی کتاب' تصنیف' رسالہ یا مقالہ میں آپ ﷺ کا اسم گرامی آئے تو اس کے ساتھ درود شریف لکھنے کی بے حد تاکید ہے جیسا کہ سابقہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے اور پھر درود شریف کے الفاظ پورے لکھنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد مکمل درود ہے' قارئین کو بھی چاہئے کہ وہ جب بھی آپ ﷺ کا کسی کتاب یا رسالہ میں اسم پاک پڑھیں تو درود شریف بھی پڑھیں۔ درود شریف لکھتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ لکھنے چاہئیں اور صرف کلمہ (ص) یا (صلعم) یا اس طرح کے دیگر رموز پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ بعض اہل قلم اور مصنفین کی یہ عادت ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد: «صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا» کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ص) یا (صلعم) لکھنے سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے میں جو افضلیت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ مرموز انداز میں درود لکھنے کو بسا اوقات قارئین سمجھ بھی نہیں سکتے' اسی لئے اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" جو "مقدمہ ابن الصلاح" کے نام سے معروف ہے' کے نوع نمبر ۲۵ میں جو کتابت حدیث اور کیفیت ضبط کتابت کے بارے میں ہے۔ لکھا ہے کہ:

> "رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر کے موقعہ پر آپ کی ذات گرامی پر نہایت التزام کے ساتھ درود شریف لکھا جائے اور آپ ﷺ کے اسم گرامی کے بار بار آنے کی وجہ سے بار بار درود شریف لکھنے سے اکتانا نہیں چاہئے' یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہے جسے حدیث کے طالب علم اور لکھنے والے فوراً حاصل کر لیتے ہیں۔ جو شخص درود شریف لکھنے میں غفلت کرے گا وہ ایک عظیم ترین سعادت سے محروم ہو جائے گا۔ کثرت سے درود شریف لکھنے والوں کے لئے ہم نے بڑے اچھے اچھے خواب دیکھے ہیں۔ آدمی جب درود شریف کے الفاظ لکھتا ہے تو یہ ایک دعاء ہے' جسے وہ کتاب یا رسالہ میں ثبت کر رہا ہوتا ہے' یہ کلام نہیں جسے وہ روایت کر رہا ہو لہٰذا اگر اصل کتاب میں' جس سے وہ نقل کر رہا ہو درود شریف کے الفاظ مکمل نہ بھی لکھے ہوں تو اسے چاہئے کہ ان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ درود شریف کے الفاظ مکمل لکھے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے لئے بھی ثناء کے الفاظ "عزوجل' تبارک و تعالیٰ" اور اسی طرح کے دیگر الفاظ بھی مکمل لکھے ...... حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام کے لکھنے میں دو نقصوں سے اجتناب کرنا چاہئے ایک تو صوری نقص یعنی صلوٰۃ و سلام کے مکمل الفاظ نہ لکھے بلکہ دو حرفوں کے ساتھ محض اشارہ پر اکتفاء کرے اور دوسرا

معنوی نقص اور وہ یہ کہ صرف صلوٰۃ لکھے اور سلام نہ لکھے۔ حمزہ کنانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حدیث لکھتے ہوئے جہاں نبی ﷺ کا اسم گرامی آتا تو صرف "صلی اللہ علیہ" لکھتا اور "وسلم" نہ لکھتا تو خواب میں مجھے نبی ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا بات ہے تم مجھ پر پورا درود کیوں نہیں بھیجتے؟" فرماتے ہیں اس کے بعد پھر میں نے ایسا کبھی نہ کیا بلکہ پورا درود شریف لکھا یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم۔" حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک تو یہ مکروہ ہے کہ صرف "علیہ السلام" پر اکتفاء کیا جائے۔" واللہ اعلم۔ یہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث للعراقی" میں فرماتے ہیں کہ "اے کاتب اس بات سے اجتناب کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے لئے رمزواشارہ سے کام لو اور دو حرفوں پر اکتفا کرو تو اس طرح یا تو صوری طور پر نقص ہو گا یا معنوی طور پر، جس طرح کسائی اور جاہل ابناء عجم کی اکثریت کا معمول ہے اور عام طلبہ بھی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (ص) یا (صم) یا (صلعم) لکھ دیتے ہیں۔ تو اس طرح نقص کتابت کی وجہ سے اجر بھی کم ملے گا اور یہ خلاف اولیٰ بھی ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" میں لکھا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں شریعت نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے وہاں صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے جیسا کہ "شرح مسلم وغیرہ" میں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ((صلوا علیہ وسلموا تسلیما ......)) ایک یا دو حرف کے ساتھ رمزواشارہ پر اکتفاء بھی مکروہ ہے مثلاً یوں لکھا جائے "صلعم" بلکہ صلوٰۃ و سلام کو مکمل لکھنا چاہیئے۔

ہر مسلمان، قاری اور کاتب کو میری وصیت یہ ہے کہ وہ اس بات کو حاصل کرے جو افضل ہو، اس کی جستجو کرے جس میں اجروثواب زیادہ ہو اور اس سے دور رہے جس سے اس کا عمل باطل یا ناقص ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ((انہ جواد کریم)) ((و صلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ))

—— شیخ ابن باز ——

رسول اللہ ﷺ اور تعدد ازواج

سوال رسول اللہ ﷺ کے متعدد عورتوں سے شادی کرنے میں کیا حکمت تھی؟

جواب اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ ہے، اس نے اپنی حکمت کے تحت سابقہ شریعتوں میں بھی اور ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں بھی مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ تعدد ازواج نبی ﷺ ہی کا خاصہ نہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک بار اس امید سے آپ ایک رات میں ان سب کے پاس گئے کہ ان میں سے ہر ایک ایک بچے کو جنم دے گی جو بڑے ہو کر اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے۔

تعدد ازواج شریعت میں کوئی نئی بات ہے نہ یہ عقل و فطرت کے تقاضا کے خلاف ہے بلکہ یہ عین حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اعداد و شمار سے ثابت ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور بسا اوقات مرد میں

اس قدر قوت و طاقت ہوتی ہے' جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرے تاکہ وہ حرام کے بجائے حلال طریقے سے اپنی خواہش نفس کو پورا کر سکے۔ بسا اوقات عورت کو حیض و نفاس جیسے امراض کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مرد اپنی جنسی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتا اب دو ہی صورتیں باقی ہوتی ہیں یا تو اس کے پاس دوسری بیوی ہو یا وہ حرام کاری کا ارتکاب کرے' شریعت اس صورت میں تعدد ازواج ہی کی حمایت کر سکتی ہے تو تعدد ازواج جب عقلی' فطری اور شرعی طور پر جائز ہے' سابقہ انبیاء کرام کا عمل بھی اس کے مطابق ہے اور کبھی اس کی شدید ضرورت و حاجت بھی پیش آ جاتی ہے تو پھر اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اگر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہیں!

آنحضرت ﷺ کی ان تعدد ازواج کے بارے میں علماء نے اور بھی کئی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طرح اپنے اور بعض قبائل کے درمیان تعلقات کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتے تھے تاکہ ان مضبوط روابط کی وجہ سے اسلام کو تقویت حاصل ہو' اس سے اسلام کی نشرواشاعت میں مدد ملے کیونکہ رشتہء مصاہرت سے اخوت' محبت اور الفت کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ آپ ﷺ بعض بیوہ خواتین کو سہارا اور ان کے فوت شدہ شوہروں کا نعم البدل مہیا کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی دلجوئی کی جا سکے اور ان کے مصائب کو کم کیا جا سکے' اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لئے یہ سنت قائم کی کہ وہ ان خواتین سے احسان کا سلوک کرتے ہوئے انہیں اپنے حبالہء عقد میں لے لیں جن کے شوہر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے ہوں۔ تیسری مصلحت نسل انسانی میں اضافہ اور امت کی تعداد کو بڑھانا مقصود تھا تاکہ آنے والی نسل دین کی نصرت اور نشرواشاعت کے پرچم کو تھام سکے۔

نبی ﷺ کے تعدد ازواج کے پس پردہ محض جذبہء شہوت کارفرما نہ تھا' اس کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی بھی دوسری کنواری یا چھوٹی عمر کی خاتون سے شادی نہیں کی بلکہ دیگر تمام ازواج مطہرات شوہر دیدہ تھیں' اگر تعدد ازواج سے آپ ﷺ کا مقصود محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ یقیناً کنواری خواتین سے شادیاں فرماتے خصوصاً ہجرت کے بعد جب کہ آپ ﷺ کو بہت سی فتوحات حاصل ہو گئی تھیں' اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی' مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ اور انہیں بہت شوکت و قوت حاصل ہو گئی تھی اور ہر قبیلہ آپ ﷺ سے رشتہء مصاہرت کا خواہش مند بھی تھا اور وہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اس میں ضرور شادی کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ آپ ﷺ نے بلند ترین مقاصد اور اعلیٰ ترین اغراض کے پیش نظر شادیاں کیں جیسا کہ ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز اگر آپ ﷺ کا مقصد محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ ﷺ یہ شادیاں شباب (جوانی) و قوت کے دور میں کرتے حالانکہ اس دور میں آپ ﷺ کے پاس ایک ہی زوجہ کریمہ یعنی خدیجہ بنت خویلد تھیں جو آپ ﷺ سے عمر میں بھی بڑی تھیں اور اگر یہ بات ہوتی تو آپ ﷺ ازواج مطہرات سے عدل و انصاف کا معاملہ بھی نہ فرماتے کیونکہ وہ حسن و جمال کے اعتبار سے ایک دوسری سے مختلف تھیں لیکن آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے' وہ ازواج مطہرات کے مابین کمال درجے کا عدل و انصاف ہے جو آپ ﷺ کے کمال عفت' امانت' عہد شباب و کبرسن ہر حال میں کمال حفاظت و صیانت' پاک دامنی اور بلندی اخلاق پر دلالت کناں ہے اور اس بات کا بین ثبوت کہ آپ ﷺ نے تمام حالات میں حد درجہ استقامت کا ثبوت دیا جس کے آپ ﷺ کے دشمن بھی قائل تھے۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

نبی ﷺ کی محبت صرف ایک ہی رات کے لئے تو نہیں ہونی چاہیے

سوال میلاد النبی منانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم تفصیل سے جواب دیجئے' آج کل اس موضوع پر بہت گفتگو ہو رہی ہے

جواب یہ قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی اپنا یوم میلاد منایا ہو یا کسی اور کا یوم میلاد منایا ہو اور بہترین طریقہ تو حضرت محمد ﷺ ہی کا طریقہ ہے' جب آپ ﷺ نے اس رات کو نہیں منایا تو معلوم ہوا کہ اس رات کی دوسری راتوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر اسے کوئی فضیلت حاصل بھی ہے تو یہ صرف اس رات کی فضیلت ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی نہ کہ بعد میں آنے والے سالوں کی ہر اس رات کو فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرما دی ہے اور نبی ﷺ نے مکمل دین کو امت تک پہنچا دیا ہے' اگر اس رات کے منانے کا کوئی شرعی حکم ہوتا یا سنت ہوتا اور آپ ﷺ نے اسے بیان نہ فرمایا' اس رات کو خود منایا' نہ منانے کا حکم دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدانخواستہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دین ناقص تھا اور جس بات کا امت تک پہنچانا آپ ﷺ پر فرض تھا' آپ نے اسے امت سے چھپایا۔ دوسری طرف صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ح:٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، ح. . . :١٧١٨)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

بلاشک و شبہ اس رات کو منانا ایک ایسا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد شروع ہوا ہے' یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات کو نبی ﷺ نے منایا' نہ خلفاء راشدین نے اور نہ بعد کے ائمہ دین نے اس رات کو منایا۔ اس رات کو منانے کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں بعض رافضیوں نے کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد زمانۂ جاہلیت کی بعض عادتوں کا احیاء تھا' مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا' اس دور کے بہت سے لوگوں نے اس رات کو منانا شروع کر دیا اگرچہ جمہور اس کے خلاف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ یہ محبت سارے سال میں صرف ایک رات کے لیے نہ ہو بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو اور آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے' آپ کے نقش قدم پر چلا جائے' جو شخص ایسا کرے گا وہ آپ کی امت اور آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہو گا اور جو شخص عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جو آپ ﷺ نے مقرر نہ فرمایا ہو تو اس نے آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کی مخالفت کی اور دین میں ایسا اضافہ کیا جو اس میں سے نہیں ہے۔ میلاد رات' نزول وحی کی رات' معراج کی رات' ہجرت کی رات اور غزوۂ بدر کی رات سے افضل تو نہیں ہے' ان سب راتوں میں مسلمانوں کو نفع و خیر حاصل ہوا تھا اور یہ کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ اس نے ان میں سے کسی رات کو کبھی منایا ہو' یا اسے بیداری و شب زندہ داری کے لئے مخصوص کیا ہو' حالانکہ وہ اس امت کے سلف تھے' اچھا نمونہ تھے' وہ لوگ اچھا نمونہ نہیں ہیں جو اپنے ان اسلاف کے طریقہ کی مخالفت کریں۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

ازواج مطہرات میں سب سے افضل

سوال نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے افضل کون ہیں؟

جواب نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو خصوصی امتیاز و فضیلت حاصل ہے' وہ سب امہات المومنین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ان میں اسلام میں سبقت کے اعتبار سے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا افضل ہیں جب کہ علم و فہم اور مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب سے افضل حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ باقی ازواج مطہرات کو بھی شرف و فضیلت حاصل ہے' جس کا انکار صرف رافضی وغیرہ ہی کرتے ہیں۔ ہم رافضیوں اور ان کے پیروکاروں کے عقائد سے اظہار برائت کرتے ہیں۔ ہم سائل کو مشورہ دیں گے کہ وہ عقیدہ واسطیہ کی شروح مثلاً: ((الکواشف الجلیة' والاسئلة والا جوبة الاصولیة' التنبیهات السنیة' اور الروضة الندیة)) اور عقائد کی دیگر کتب مثلاً "معارج القبول" وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود کے بجائے "صلعم" کے ساتھ اشارہ کرنا

سوال کیا نبی ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے بجائے حرف "ص" یا "صلعم" کے ساتھ اشارہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ان حروف کے ساتھ اشارہ کرنا غلط ہے' اگرچہ متأخرین کی کتابوں میں اس کا بکثرت استعمال ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ مکمل طور پر لکھے جائیں تاکہ قاری بھی اسے پڑھ سکے اور کاتب بھی لکھنے کا اجروثواب حاصل کر سکے اور قاری بھی ثواب حاصل کر سکے' رمزکی صورت میں قاری یا تو اسے پڑھے گا ہی نہیں یا رمز ہی کے ساتھ پڑھے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

بحوث العلمیة والافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک سائل کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں سوالات موصول ہوئے جن کے کمیٹی نے جوابات دیئے' یہ سوالات وجوابات حسب ذیل ہیں:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ اور اب وہ کہاں ہیں؟

سوال کیا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ زندہ یا مردہ ہیں تو اس وقت کہاں ہیں؟ کتاب و سنت سے اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں اور اب تک فوت نہیں ہوئے' یہودیوں نے آپ کو قتل کیا نہ پھانسی دی

بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بدن و روح سمیت آسمانوں پر زندہ اٹھالیا تھا اور اب وہ آسمانوں ہی میں ہیں' اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے' جو یہودیوں کی افتراء پردازیوں کے جواب میں ہے کہ:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٥٥-١٥٨)

"(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے سو چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لاتا اور ان کے انکار کرنے اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھالیا تھا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمت اور ان کی عزت افزائی تھی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ایک نشانی بن جائیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا وجود اول سے آخر تک سراپا آیات الٰہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ﴾ "بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا" میں "اضراب" کا تقاضا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدن بمعہ روح کے اوپر اٹھالیا تاکہ یہودیوں کے اس گمان کی تردید ہو سکے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا اور قتل کیا ہے کیونکہ قتل و صلب تو اصل میں بدن ہی کے لئے ہوتا ہے اور اگر صرف روح ہی کو اٹھایا گیا ہوتا تو یہ ان کے دعویٰ قتل وصلب کے منافی نہ ہوتا۔ محض روح کے رفع سے یہودیوں کے بہتان کی تردید نہ ہو سکتی تھی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جسم و روح دونوں سے تعبیر ہیں' ان میں سے کسی ایک پر بغیر قرینہ کے حضرت عیسیٰ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے اور پھر روح و بدن سمیت اٹھانا ہی اللہ تعالیٰ کے کمال عزت' حکمت و تکریم اور نصرت و تائید کا تقاضا ہے جیسا کہ اس آیت کے اختتام پر ان الفاظ ﴿ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴾ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا وہ آخری زمانہ میں نازل ہوں گے' لوگوں کے درمیان فیصلے کریں گے اور

رسول اللہ ﷺ کے دین کی پیروی کریں گے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں ہرگز نازل نہیں ہوں گے اور نہ لوگوں میں فیصلے کریں گے تو ہم اس کی تردید کس طرح کریں؟

جواب ہاں! اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے اور اس سلسلہ میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور صرف اسلام ہی قبول کریں گے اور ان کے نزول کے بعد وفات سے پہلے تمام اہل کتاب یہود ونصاریٰ ایمان لے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾
(النساء٤/ ١٥٩)

"اور اہل کتاب سب کے سب مسیح پر اس کی موت سے پہلے ضرور ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام اہل کتاب یہود ونصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ آخر زمانہ میں حاکم و عادل اور داعی اسلام کی حیثیت سے نازل ہوں گے' جیسا کہ اس کا ذکر اس حدیث میں آئے گا جو آپ کے نزول پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کے یہی متعین معنی ہیں' یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے موقف اور یہودیوں کے ان کے ساتھ طرز عمل کے سلسلہ میں ہے' نیز اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح نجات دی اور ان کے دشمنوں کے مکر و فریب کو کس طرح دور کر دیا لہٰذا آیت کریمہ:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾
(النساء٤/ ١٥٩)

میں دونوں مجرور ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے' بہت سی صحیح اور متعدد سندوں سے مروی اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور وہ آخر زمانے میں حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور مسیح دجال کو قتل کریں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور آخر زمانہ میں نزول کی بکثرت سندوں سے مروی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث ہیں جو ابو ہریرہ' ابن مسعود' عثمان بن ابی العاص' ابوامامہ' نواس بن سمعان' عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان میں آپ کے نزول اور نزول کی جگہ کا ذکر ہے۔ الخ

انہی احادیث میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ»(صحيح بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب نزول عيسى ابن مريم عليهما السلام، ح:٣٤٤٨، وصحيح مسلم، كتاب الايمان،

باب نزول عیسی ابن مریم حاکما بشریعة...، ح:١٥٥، واخرجه الترمذي في السنن، ح:٢٢٣٣، و احمد في المسند، ٢/٥٣٨)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' جو صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کر دیں گے' جزیہ ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔"

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھ لو:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ﴾ (النساء٤/١٥٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسى بن مريم حاكما بشريعة...، ح:١٥٥)

"تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَيَقُوْلُ أَمِيْرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ: لاَ إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكما بشريعة ...، ح:١٥٦)

"میری امت کا ایک گروہ حق پر لڑتا' قیامت کے دن تک غالب رہے گا' آپ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آئیے ہمیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض' بعض پر امیر ہیں یہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا ہے۔"

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ آخر زمانے میں نازل ہوں گے' ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے اور بلاشک و شبہ ان کے نزول کے زمانہ میں جو امام نماز پڑھائے گا' وہ امت محمدیہ کا فرد ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی نئی شریعت کو لے کر نازل نہیں ہوں گے' اول و آخر حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے' کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا

سوال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان کے بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حقیقتاً آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے تو دیگر انبیاء علیہم السلام کے بجائے خاص طور پر حضرت

عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟

جواب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع ہے' اس نے ہر چیز کا قوت و غلبہ کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے' اس کی حکمت بالغہ' اس کا ارادہ نافذہ اور اس کی قدرت کاملہ ہے۔ اس نے اپنے جن بندوں کو چاہا انبیاء و رسل کے طور پر منتخب کر کے بشیرونذیر بنا کر مبعوث فرما دیا۔ بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی اور اپنے فضل و رحمت سے ہر ایک کو نمایاں امتیازات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہ السلام کو خلت سے نوازا۔ ہر نبی کو ان کے زمانے کے مناسب حال آیات و معجزات عطا کئے تا کہ ان کی امت کے سامنے حجت تمام ہو جائے' ان سب امور میں اس کی حکمت و عدل کار فرما ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا' وہ عزیز و حکیم اور لطیف و خبیر ہے۔

ہر انفرادی فضیلت موجب افضلیت نہیں ہے' حضرت عیسیٰ کو جو زندہ آسمانوں پر اٹھانے کی خصوصیت سے نوازا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و حکمت کے مطابق ہے' اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے آپ تمام رسولوں سے افضل ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نوح علیہ السلام سے بھی آگے بڑھ گئے کیونکہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کو جن خصوصیات و امتیازات سے نوازا گیا' ان کی وجہ سے وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ ان فضیلتوں کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت پر ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے' وہ جو کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے بازپرس نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کا علم بھی کمال اور اس کی حکمت بھی کمال ہے اور پھر ان فضیلتوں سے عمل و عقیدہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ ان مسائل پر غور کرنے والا بسا اوقات حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے' ریب و تشکیک کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ مرد مومن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ احکام الٰہی کے سامنے سراطاعت خم کر دیتا ہے اور عقیدہ و عمل سے متعلق امور میں کوشش کرتا ہے' حضرات انبیاء و مرسلین کا یہی منہج ہے اور خلفاء راشدین اور امت کے ہدایت یافتہ اسلاف کا یہی طریق ہے۔

آپ کا نام مسیح کیوں؟

سوال حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نام مسیح کیوں پڑا ہے؟

جواب حضرت عیسیٰ بن مریم کا نام مسیح اس لئے ہے کہ آپ جب بیماری میں مبتلا کسی مریض کے جسم پر مسح کرتے یعنی ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتا تھا۔ بعض سلف نے کہا کہ اس کی وجہ تسمیہ دعوت دین کے لئے زمین میں کثرت سے سیروسیاحت ہے۔ ان دونوں قولوں کے مطابق مسیح بمعنی ماسح ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسیح القدمین تھے۔ یعنی آپ کے قدم پورے زمین پر لگتے تھے (ہمارے قدموں کی طرح) ان میں ایسا حصہ نہیں تھا جو کہ زمین پر نہیں لگتا۔ ایک قول اس نام کے متعلق یہ ہے کہ آپ کو برکت سے نوازا گیا اور یہ نام "مسح بالبرکۃ" کے محاورہ سے مشتق ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو گناہ سے پاک کر کے بنا دینے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ ان معنوں کے اعتبار سے مسیح بمعنی ممسوح ہے لیکن پہلا سبب سب سے زیادہ واضح ہے' واللہ اعلم! بہرحال اس مسئلہ سے عقیدہ و عمل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال ان سوالات کے ساتھ کچھ ایسی نصوص بھی ہیں جن سے قادیانی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور تدفین پر استدلال کرتے ہیں۔ امید ہے آپ ان نصوص کی وضاحت بھی فرمائیں گے اور یہ بھی کہ ہم ان کا کیا جواب دیں؟

پہلی آیت

﴿ مَّا ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ وَأُمُّهُۥ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ ٱلطَّعَامَ ۗ ٱنظُرْ ﴾ (المائدة۵/ ۷۵)

"مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (مریم اللہ کی) ولی (اور سچی فرماں بردار) تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔"

جواب اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے کہا تھا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المائدة۵/ ۷۲)

"مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح' اللہ ہیں۔"

نیز جنہوں نے یہ کہا تھا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ﴾ (المائدة۵/ ۷۳)

"کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

تو اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام رب یا الٰہ نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا تھا' وہ بھی انہی رسولوں کے مانند ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' ان کی اجل محدود ہے۔ لیکن اس آیت نے یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ فوت کب ہوں گے؟ ہاں البتہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے جو ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں' یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا اور وہ عنقریب حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' آخر زمانہ میں نزول اور لوگوں میں حکومت کرنے کے بعد پھر وفات پائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام دونوں کھانا کھایا کرتے تھے' جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں الٰہ نہیں تھے کیونکہ انہیں تو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت تھی' جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی فرد' صمد اور غنی مطلق ہے' اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے' چنانچہ اس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المائدة۵/ ۷۲)

"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔"

نیز یہ ذکر ہے کہ:

﴿ لَّقَدْ كَفَرَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ ثَالِثُ ثَلَٰثَةٍ ﴾ (المائدة۵/ ۷۳)

"وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔"

اور اس کے بعد کی آیات میں دین میں غلو سے منع کیا گیا ہے' غیر اللہ کی عبادت کا انکار کیا گیا ہے' جو شخص ایسا کرے یا دیکھ کر سکوت اختیار کرے اور اس سے منع نہ کرے اس پر لعنت کی گئی ہے نیز اس کی وضاحت سورہ الانعام کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿ قُلْ أَغَيْرَ ٱللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۴)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی (اور) کو مددگار بناؤں کہ (وہی) تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔"

دوسری آیت

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِى ٱلْأَسْوَاقِ ﴾

(الفرقان ۲۵/ ۲۰)

"اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں' سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔"

اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے' جنہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا تھا اور کہا کہ رسول تو فرشتوں میں سے ہوتا ہے' انسانوں میں سے نہیں' تو اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسولوں کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ انہیں انسانوں ہی میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجل کی تحدید کو بیان نہیں کیا گیا جب کہ دیگر آیات و احادیث نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا پھر آپ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور پھر وفات پائیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

تیسری آیت

﴿ وَمَا جَعَلْنَٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَمَا كَانُوا۟ خَٰلِدِينَ ۝٨ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۸)

"اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔"

جواب یہ آیت اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و سولی کی سازش کی تو وہ فوت ہو گئے بلکہ اس آیت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں' ایسے جسم نہ تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ دیگر انسانوں کی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی کھانا کھایا کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے۔ اہل سنت کا اسی پر ایمان ہے کہ دیگر رسولوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک دن فوت ہوں گے لیکن کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام موت کا جام اس وقت نوش فرمائیں گے جب وہ آخر زمانے میں حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے' صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

چوتھی آیت

﴿ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبْدِيلًا ۝٦٢ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۶۲)

"اور تم اللہ کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔"

جواب یہ جملہ اگرچہ عام ہے مگر ان آیات و معجزات نے اسے خاص کر دیا' جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ہاتھوں ظہور کروایا اور جو ان کی قوموں کے لئے ان کی نبوت کی دلیل تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک راستے بن جانا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے برص و جذام کے مریضوں کو صحت یاب اور مردوں کو زندہ کرنا اور دیگر معجزات جو بکثرت ہیں اور مشہور و معروف ہیں' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھانا اور صدیوں

تک انہیں زندہ باقی رکھنا اور آخر زمانے میں انہیں نازل کرنا بھی انہیں خوارق عادات میں سے ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو عطا فرمائیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

پانچویں آیت

﴿ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ ﴾ (الزخرف۴۳/ ۵۹)

"وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کیلئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔"

جواب اس آیت کریمہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت سے نوازا' وہ رب یا الٰہ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی ایک نشانی ہیں' خیر و بھلائی کے سلسلہ میں ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہیں' جس کی پیروی کی جائے اور جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ آیت پہلی آیت ہی کے مانند ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کی کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ اس کا بیان اور اس کی تحدید ہمیں دیگر نصوص کتاب و سنت سے ملتی ہے جیسا کہ قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے۔

چھٹی آیت

﴿ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ ٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۷)

"(ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ' عیسیٰ بن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں' سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟"

جواب اس آیت کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ "جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں' وہ بے شک کافر ہیں" تو گویا ﴿ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ﴾ کہہ کہ ان لوگوں کی تردید کی جا رہی ہے' جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ تو اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کی طرح اس کے دو ضعیف بندے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ انہیں' ان کی والدہ کو اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح سب کو یکجا ہلاک نہیں کیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت سے ہر ایک کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے اور یہ بھی اس کی حکمت و مصلحت ہی سے ہوا کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا اور اب تک زندہ رکھا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے' لوگوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فوت کرے گا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

ساتویں آیت

﴿ وَجَعَلْنَا ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥٓ ءَايَةً وَءَاوَيْنَٰهُمَآ إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵۰)

"اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں آب رواں (کا چشمہ) تھا' پناہ دی تھی۔"

جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے ولادت ہوئی بلکہ ان کی یہ ولادت کونی سنت ہی کے خلاف تھی' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اور بھی بہت سے معجزات سے سرفراز فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک ایسی اونچی جگہ جو سرسبزوشاداب تھی' رہنے کے لائق بھی تھی اور جہاں صاف وشفاف پانی بھی تھا' پناہ دی تھی' اس سے فلسطین کا بیت المقدس کا علاقہ مراد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر نعمت و رحمت تھی اور جیسا کہ عرض کیا یہ ربوہ یا مقام بلند فلسطین کا ایک علاقہ تھا اس سے مراد پاکستان کا شہر نہیں ہے' یہ واقعہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت سے پانچ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے کا ہے نہ کہ آپ کی ہجرت کے بارہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد کا' تو جو شخص ربوہ سے مراد پاکستان (کے قادیانیوں) کا شہر مراد لے یا تاویل کرتے ہوئے کہے کہ ابن مریم سے مراد مرزا غلام احمد ہے تو وہ اس آیت میں تحریف کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے اور تاریخی حقائق کا انکار کرتا ہے۔

آٹھویں آیت

﴿ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ﴾ (آل عمران ۳/ ۵۵)

''اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔''

جواب قادیانیوں نے اس آیت سے جو یہ استدلال کیا ہے کہ ماضی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے' تو یہ سلف سے منقول اس آیت کی تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے لینا' آسمان پر زندہ اٹھانا اور کافروں سے نجات دینا ہے۔ اسی تفسیر ہی سے اس آیت اور کتاب و سنت کے ان تمام صحیح نصوص میں تطبیق کی صورت ممکن ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا ہے' وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور ان کے نزول کے موقع پر تمام اہل کتاب اور دیگر سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں جو توفی بمعنی وفات منقول ہے تو اس روایت کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ منقطع ہے۔ آپ سے اسے روایت کرنے والے علی بن ابی طلحہ ہیں' جنہوں نے آپ کو دیکھا نہ ان کا آپ سے سماع ثابت ہے' اسی طرح وہب بن منبہ یمانی سے توفی کی تفسیر جو وفات سے منقول ہے تو اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے اسے محمد بن اسحاق نے وہب سے' ایک ایسے شخص کے واسطہ سے روایت کیا ہے جو غیر متہم ہے لیکن ایک تو ابن اسحاق نے اس روایت کو عنعنہ سے بیان کیا ہے اور وہ مدلس ہے لہٰذا اس کی معنعن روایت قبول نہیں اور دوسرے یہ راوی جسے غیر متہم کہا گیا یہ مجہول ہے' پھر اس تفسیر کو اگر درست مان بھی لیا جائے تو اس کے معنی زیادہ سے زیادہ یہ ہوں گے کہ تَوَفِّيْ کے معنی میں ایک یہ بھی احتمال ہے کیونکہ توفی کے یہاں کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین سے جسم و روح کے ساتھ پکڑ لیا اور پھر انہیں اپنی طرف زندہ اٹھا لیا۔ دوسرے اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر کے انہیں اوپر اٹھایا اور پھر رفع کے بعد اور آخر زمانہ میں نزول کے بعد انہیں فوت کرے گا کیونکہ واؤ ترتیب کی متقاضی نہیں ہوتی' یہ صرف دو امروں کو جمع کرنے کی متقاضی ہوتی ہے۔

اصول یہ ہے کہ جب ایک آیت کے معنی کے بارے میں اقوال مختلف ہوں تو اس قول کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے جو دیگر ظاہر دلائل سے ہم آہنگ ہوتا کہ تمام دلائل میں تطبیق پیدا ہو جائے اور متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیا جائے' چنانچہ راسخ فی العلم علماء کا یہی معمول ہوتا ہے ہاں البتہ کج روی اختیار کرنے والوں کی راہ دوسری ہوتی ہے کہ وہ فتنہ و تاویل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

نویں آیت

﴿ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۱۷)

"اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا' جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا۔"

جواب اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل از رفع سماء یا بعداز رفع اور آخر زمانہ میں نزول سے قبل پر استدلال توفی کی موت سے تفسیر پر مبنی ہے جیسا کہ قبل ازیں آٹھویں آیت پر کلام کرتے ہوئے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور سلف کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہے اور اسی تفسیر کو اختیار کرنے ہی سے کتاب و سنت کے تمام صحیح دلائل میں تطبیق ممکن ہے۔

دسویں آیت

﴿ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۱)

"اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔"

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں جو کلام کیا تھا اس میں ایک یہ جملہ بھی تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں' اس میں نہ تو ان کی زندگی کی تحدید ہے اور نہ ان کی وفات کے وقت کا بیان ہے۔ اس کا ذکر تو ان آیات میں ہے جو قبل ازیں بیان کی جاچکی ہیں اور اصول یہ ہے کہ مجمل نصوص کو مفصل پر محمول کیا جاتا ہے' بعض کو بعض سے الگ نہیں کیا جاتا اور نہ محض متشابہ آیات ہی کو لے کر اس طرح کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آیات محکمات کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ سب آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بعض آیات بعض دیگر کی وضاحت اور تصدیق کرتی ہیں۔

گیارہویں آیت

﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۳)

"اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے۔"

جواب یہ آیت بھی پہلی آیت ہی کی طرح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام حالات میں انہیں امن و سلامتی حاصل رہے گی' اس میں نہ تو ان کی مدت حیات کو بیان کیا گیا ہے اور نہ ان کے وقت وفات کا ذکر ہے۔ مدت حیات اور وقت وفات کے لئے ان دیگر نصوص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جن میں اس کا ذکر ہے جیسا کہ قبل ازیں اس کا

بیان ہو چکا ہے۔

بارہویں آیت

﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ﴾

(النحل ١٦/ ٢٠_٢١)

''اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو (دوسروں کی طرح) بنایا گیا ہے (وہ) لاشیں ہیں بے جان!''

جواب اس آیت میں تو ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے' جنہوں نے غیر اللہ یعنی ملائکہ حضرت عزیر' حضرت عیسیٰ' لات' عزیٰ' منات وغیرہ کی عبادت کی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے حتیٰ کہ مکھی تک بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو خود مخلوق ہیں' مربوب ہیں' ایک دن فوت ہونے والے ہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں اور پھر آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر فوت ہوں گے۔

تیرہویں آیت

﴿ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ ﴾

(البقرة ٢/ ١٣٦)

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف نازل کئے گئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ وحدہ) کے فرماں بردار ہیں۔''

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان لانا چاہئے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر نازل کردہ صحیفوں اور کتابوں پر وجوب ایمان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں درحقیقت یہود ونصاریٰ کی تردید ہے' جو یہ کہتے تھے کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ ہدایت پاجاؤ گے' جیسا کہ اجمالی طور پر اس آیت کریمہ میں بھی ان کی تردید ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا:

﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ١٣٥)

''(اے پیغمبر ان سے) کہہ دیجئے (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم اختیار کئے ہوئے ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں موت و حیات کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں ہے کیونکہ سیاق آیت سے ایسی کوئی راہنمائی نہیں ملتی بلکہ اگر راہنمائی ملتی ہے تو وہ جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم السلام

نے بھی ایسی کوئی دعوت نہیں دی تھی لہٰذا اس کے یہ معنی بیان کرنا آیت کے سیاق کے خلاف اس کی معنوی تحریف ہو گی۔ اگر بالفرض ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ کو اگر عموم پر محمول کر لیا جائے کہ جنس موت و حیات کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام میں کوئی فرق نہ ہو تو یہ بات امرواقع اور حقیقت کے خلاف ہو گی کیونکہ موت و حیات کی صفات' انواع واقسام' زمان و مکان اور عمر کی درازی و کمی کے اعتبار سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں بہت فرق تھا' اسی فرق ہی میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو بہت طول دے دیا گیا' زندگی بسر کرنے کے لئے جگہ بھی بدل دی گئی اور اس طویل ترین زندگی کے بعد وہ وفات پائیں گے اور جیسا کہ دیگر بہت سے امور میں وہ اپنے انبیاء بھائیوں سے مختلف ہیں' اس موت و حیات کے مسئلہ میں بھی ان سے مختلف ہیں جیسا کہ سابقہ نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

چودھویں آیت

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ﴾

(البقرۃ۲/ ۱۴۱)

"یہ جماعت گزر چکی' ان کے لیے وہ جو انہوں نے کیا (یعنی ان کے اعمال ان کے کام آئیں گے) اور تمہارے لیے وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہو گی۔"

جواب اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے اپنے عمل کی جزا دی جائے گی۔ کسی دوسرے کے عمل کے بارے میں اس سے پرسش ہو گی نہ کسی دوسرے سے اس کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ دوسری آیت میں اس طرح فرمایا:

﴿ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ ﴾ (الطور۵۲/ ۲۱)

"ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (الأنعام۶/ ۱۶۴)

"اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

لہٰذا ہر شخص کو خیر کے کمانے اور شر سے بچنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اسے یہ نہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو کسی غیر سے متعلق کر کے اس پر فخر کرے یا اس کی قرابت یا صلہ رحمی یا دنیا میں اس کی تعظیم کرنے کی وجہ سے یہ امید کر بیٹھے کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے نجات پا لے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امت ماضیہ کے عموم میں داخل ہیں لیکن کتاب و سنت کے دلائل سے ان کی یہ تخصیص ثابت ہو چکی ہے کہ انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا' وہ اب تک زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور یہ اسلامی شریعت کا مشہور و معروف اصول ہے کہ نصوص خاصہ کی روشنی میں نصوص عامہ کی تخصیص کر دی جاتی ہے' چنانچہ ان نصوص خاصہ میں سے ایک نص یہ بھی ہے۔

پندرہویں آیت

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ ﴾ (النساء۴/ ۱۵۷۔۱۵۸)

"اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

نیز ایک دوسری نص یہ ہے کہ:

﴿ وَإِن مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِۦ قَبْلَ مَوْتِهِۦ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ ﴾

(النساء٤/ ١٥٩)

"اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان (اہل کتاب) پر گواہ ہوں گے۔"

جواب ان دونوں آیتوں کے بارے میں پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی آیت پر کلام کے ضمن میں گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔ مختصر یہ کہ قادیانیوں نے اپنے اس گمان کے اثبات کے لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں، مختلف قرآنی آیات سے جو استدلال کیا ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے:

① آیات عموم کی حامل ہیں، جنہیں دیگر آیات و احادیث نے خاص کر دیا ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور وہ اب تک زندہ ہیں حتیٰ کہ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور قرآنی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے لیکن قادیانیوں نے تخصیص آیات کی بجائے عموم ہی کو لیا ہے اور یہ اسلامی اصول و قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

② قادیانیوں کا استدلال ان مجمل آیات سے ہے جن کی ان دیگر نصوص نے تفصیل بیان کر دی ہے کہ اس تفصیل کو اخذ کرنا فرض ہے لیکن قادیانیوں نے اپنے زعم باطل کی تائیدوحمایت کے لئے مجمل آیات ہی کا سہارا لیا اور محکم کو ترک کر دیا جن سے ان مجمل آیات کی تفسیر و توضیح ہوتی تھی۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نفاق ہو ان کی یہی روش ہوتی ہے کہ وہ نصوص کتاب و سنت میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور متشابہ نصوص کی تاویل اپنی خواہشات کے مطابق کریں۔

③ کچھ کلمات کی تفسیر میں انہوں نے ایسے آثار پر اعتماد کیا ہے، جن کی سلف کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں آٹھویں آیت:

﴿ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ ﴾ (آل عمران٣/ ٥٥)

کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ لوگ ان آثار سے بہت خوش ہیں کہ یہ ان کی خواہشوں کے مطابق ہیں۔ عامۃ المسلمین کو انہوں نے فریب دینے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے ان آثار کی سندوں کی طرف یا تو جہالت کی وجہ سے یا پھر دھوکہ و فریب اور اپنے باطل عقائد کی ترویج و اشاعت کی وجہ سے دیکھا ہی نہیں اور یہ سب کچھ ان کی کج روی اور فتنہ گری کی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ مُّحْكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٧﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ٧)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد

اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔"

((واللّٰہ الموفق للصواب' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

ممبر: عبداللہ بن قعود' عبداللہ بن غدیان' نائب چیئرمین کمیٹی: عبدالرزاق عفیفی' چیئرمین: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔

فرقے اور مذاہب

صیہونی تحریک کی طرف انتساب کے بارے میں شرعی فتویٰ (فقہی کونسل کی قرارداد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنِ اھْتَدٰی بِھُدَاہ ۔ أَمَّا بَعْدُ

فقہی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۱۰ شعبان ۱۳۹۸ ہجری بمطابق ۱۹۷۸ء کو ماسونی (صیہونی) تحریک اور اس کی طرف منسوب ہونے والوں کا جائزہ لیا کہ اس کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

کونسل کے ارکان نے اس خطرناک تنظیم کا مکمل جائزہ لیا اور قدیم و جدید دور میں اس کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مطالعہ کیا' اس تحریک کے ارکان' قائدین اور اس سے وابستہ لوگوں نے اس سے متعلق جو دستاویزات' کتب' مقالات اور مجلات وغیرہ طبع کئے' ان کا بھی خوب دقت نظر سے مطالعہ کیا' اس مطالعہ سے کونسل کے سامنے اس تحریک کی جو ناقابل تردید صورت واضح ہوئی وہ حسب ذیل ہے:

① ماسونی ایک خفیہ تحریک ہے' جو زمان و مکان کے حالات کے مطابق کبھی تو ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی زیر زمین چلی جاتی ہے لیکن اس کے حقیقی مبادیات جس پر یہ تنظیم استوار ہے' وہ تمام حالات میں ہی مخفی ہیں حتی کہ سوائے ان خواص الخواص کے وہ اس تنظیم کے ارکان سے بھی مخفی رکھے جاتے ہیں' جو مختلف تجربوں کے بعد اونچے عہدوں پر فائز کئے جاتے ہیں۔

② یہ تنظیم ناواقف لوگوں کو دھوکا وفریب میں مبتلا کرنے کے لئے روئے زمین میں پھیلے ہوئے اپنے بعض ارکان کا بعض کے ساتھ جس ظاہری اساس پر رابطہ استوار کرتی ہے' وہ بزعم خود انسانی اخوت کی اساس ہے' جس کی بنیاد پر تمام لوگ عقائد' فرقوں اور مذہبوں کی تمیز کے بغیر اس تنظیم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نوٹ: حیات مسیح کے مسئلہ کی تفصیل کے لئے مطالعہ فرمایئے' حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی نہایت علمی و تحقیقی اور شاہکار کتاب ((شھادۃ القرآن باعلی النداء بان المسیح رفع حیا الی السماء))

③ یہ تنظیم جن لوگوں کو اپنے مقاصد کی خاطر اپنے ساتھ ملانا ضروری سمجھتی ہے' انہیں ذاتی منفعت کے نام پر دھوکا دے کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور دعویٰ یہ کرتی ہے کہ ہر ماسونی بھائی دنیا بھر کے ہر دوسرے ماسونی بھائی کی مدد کے لئے ہر وقت تیار ہے جو کہ اس کی تمام ضرورتوں' مقاصد اور مشکلات میں مدد کرے گا' سیاسی اغراض و مقاصد میں بھی اس کی بھرپور تائیدوحمایت کرے گا' اگر کسی مشکل میں مبتلا ہو تو اس مشکل سے نکلنے کے لئے اس کا پورا پورا ساتھ دے گا' الغرض ہر حال میں وہ اس کا ساتھ دے گا خواہ یہ حق پر ہو یا باطل پر' خواہ یہ ظالم ہو یا مظلوم' اگرچہ بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ صرف حق پر ہونے کی صورت میں مدد کرتے ہیں' باطل پر ہونے کی صورت میں مدد نہیں کرتے لیکن یہ تو ان کا وہ بڑا جال ہے' جس میں وہ دنیا کے بڑے بڑے معاشرتی مراکز سے لوگوں کو شکار کرتے (پھنسا لیتے) ہیں اور ان سے خاطر خواہ مالی عطیات بھی وصول کرتے ہیں۔

④ جب کوئی نیا ممبر اس تنظیم میں داخل ہوتا ہے تو دہشت گردی کے مخصوص اسرار و رموز پر مبنی تصویروں سے مزین ایک تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے' جس سے اس نئے ممبر کو یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس تحریک کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی تو اسے بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے نیز اسے یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ اس تک احکام حسب مراتب درجہ بدرجہ تحریک سے وابستہ لوگوں کی طرف سے پہنچیں گے۔

⑤ سادہ لوح ارکان کو اپنی دینی عبادات کے ادا کرنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ تنظیم ان کے مناصب اور ذمے داریوں سے اپنے مخصوص مفادات کی حد تک فائدہ اٹھاتی ہے' تاہم ملاحدہ یا جو الحاد کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں' ان کے مراتب میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے لیکن پہلے وہ ان کو تجربات اور بار بار کے ان امتحانات سے گزارتی ہے جو کہ تنظیم ان کی استعداد کے مطابق اپنے اہداف و مقاصد اور خطرناک منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے لیتی ہے۔

⑥ اس تحریک کے سیاسی اغراض و مقاصد ہیں' دنیا میں جو بھی بڑے بڑے سیاسی و فوجی انقلابات اور خطرناک تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں' ان کے پس پردہ اس تحریک کا ظاہر یا مخفی ہاتھ کار فرما ہے۔

⑦ اپنی اصلی اور تنظیمی بنیاد کے اعتبار سے یہ ایک یہودی تحریک ہے' یہ یہودیوں ہی کا ایک بین الاقوامی اور بہت بڑا مخفی ادارہ ہے' اس کی تمام سرگرمیاں صیہونیت ہی کی مظہر ہیں۔

⑧ اپنے حقیقی اور خفیہ اغراض و مقاصد کے اعتبار سے یہ تنظیم دنیا بھر کے تمام ادیان کے خلاف ہے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہے' جب کہ اس کا خاص ہدف اسلام ہے۔ فرزندان اسلام کے دلوں سے اسلام کی محبت و عقیدت کو نکال دینا اس کا اولین ٹارگٹ ہے۔

⑨ اس تحریک کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرے جو مالی' سیاسی' معاشرتی' علمی یا کسی بھی دوسری حیثیت سے بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہوں تاکہ ان لوگوں کے اثرورسوخ سے یہ فائدہ اٹھا سکے۔ جن لوگوں کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہ ہو انہیں اپنے ساتھ شامل کرنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی مکمل خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے بادشاہوں' سربراہوں اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیتوں کو اپنے ساتھ ملائے۔

⑩ اس تحریک کی کئی شاخیں ہیں' لوگوں کو دھوکا دینے یا لوگوں کی نظریں ہٹانے کے لئے انہیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اس سے اس تحریک کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ ماسونی تحریک زیر عتاب آجائے تو اس کے

دیگر دفاتر اور برانچیں جو اور اور ناموں سے موسوم ہیں' وہ بدستور سرگرم عمل رہیں' چنانچہ ان میں سے لائنز آرگنائزیشن' روٹری کلب اور لیونز وغیرہ کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے اغراض و مقاصد بے حد خبیث اور اسلام کے قواعد و تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔

ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ماسونی تحریک کا بین الاقوامی یہودی صیہونی تحریک سے بے حد گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق عرب ممالک کے تمام حکمرانوں اور سربراہوں کی کوششوں کو اس نے کامیابی سے سبوتاژ کیا اور اس مسئلہ سے متعلق صرف اس بات کی تائیدوحمایت کی جو بین الاقوامی یہودی و صیہونی تحریک کے مفاد میں تھی۔

ان حالات اور بہت سی دیگر تفصیلی معلومات کی بنیاد پر جو ہمیں ماسونی تحریک کی سرگرمیوں' خطرات' خبیث دجل و فریب اور خطرناک اغراض و مقاصد کے بارے میں موصول ہوئی ہیں' فقہی کونسل ماسونی (Freemasonic) تحریک کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تحریک شمار کرتی ہے۔ جو شخص اس تحریک کی حقیقت اور اس کے اغراض و مقاصد کو جانتے ہوئے اس میں داخل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج کافر اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ (واللّٰہ ولی التوفیق)

چیئرمین: عبداللہ بن حمید' سربراہ سپریم کورٹ (سعودی عرب)' وائس چیئرمین: محمد علی الحرکان' سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی' ارکان: ① عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز' ڈائریکٹر جنرل ادارات بحوث علمیہ وافتاء و دعوۃ وارشاد' سعودی عرب ② محمد محمود الصواف۔

وہابی دعوت سلفی دعوت ہے اور ان افتراء پردازیوں میں کوئی صداقت نہیں

سوال یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ امام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پیروکاروں نے جب جزیرۃ العرب پر قبضہ کیا اور مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی میں واقع روضہ شریف میں اپنے گھوڑے باندھ دیئے تھے' کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جھوٹ اور حق کی مخالفت ہے۔ مشہور بات یہ ہے کہ امام محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں سلفی دعوت کی نشرواشاعت کا کام کیا۔ اس توحید کی حقیقت کو بیان کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا اور جس شرک اکبر میں اکثر لوگ مبتلا ہو چکے تھے اس کی انہوں نے تردید کی مثلاً رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے استغاثہ' آپ سے مدد طلب کرنا' بقیع میں مدفون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' اہل بیت اور اولیاء سے استغاثہ' نبی ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء احد سے استغاثہ کی انہوں نے تردید کی اور لوگوں کو اسلام کی حقیقت بتائی اور اس وقت حجاز وغیرہ میں جن بدعات و خرافات کا دور دورہ تھا' ان کی انہوں نے مذمت کی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہوں نے قبر شریف یا روضہ کی توہین کی یا یہ کہتا ہے کہ انہوں نے معاذاللہ نبی کریم ﷺ کی توہین کی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ میں سے کسی کی شان میں گستاخی کی تو وہ جھوٹ بولتا' افتراء پردازی کرتا' خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات کرتا ہے۔ کتب تاریخ ان دلائل سے بھری پڑی ہیں جو ہماری بات کی شہادت دیتی اور افتراء پردازوں کے جھوٹ کو طشت ازبام کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین میں تفقہ اور ثابت قدمی عطاء فرمائے کہ ہم اس سے ملاقات کے دن تک اس

کے دین سے وابستہ رہیں۔ مجھے اور آپ کو لغزشوں سے محفوظ رکھے' وہی کارساز و قادر ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے تمام علماء اور تمام داعیان ہدایت کو معاف فرمائے' ہمیں اور آپ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے' ہم سب کو حق کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ انه ولي ذلك والقادر عليه والله الموفق!

——— شیخ ابن باز ———

بدھ مت

سوال کیا بدھ مت کی بھی کوئی کتاب ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق بدھ مت کے ماننے والوں کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بت پرستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی یہودیت' یا عیسائیت یا مجوسیت کو اختیار کر لے تو اس کے لئے اس دین کا حکم ہو گا جس کو اس نے اختیار کر لیا ہو۔ ((والله الموفق!))

——— شیخ ابن باز ———

شیعہ مذہب کی تقلید

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات و معاملات کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کے لئے ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرے لیکن مذہب شیعہ امامیہ اور شیعہ زیدیہ ان چاروں مذاہب میں سے نہیں ہیں' تو آپ کی خدمت میں گزارش ہے کیا آپ اس رائے سے علی الاطلاق اتفاق کرتے ہیں کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید تو کی جائے لیکن مذہب شیعہ امامیہ و اثنا عشریہ کی تقلید نہ کی جائے؟

جواب ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اگر وہ خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے اور اگر وہ خود احکام اخذ نہیں کر سکتا تو جب اسے دین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اہل علم سے پوچھ لے اور کوشش کرے کہ جو زیادہ بڑا عالم ہو اس سے بالمشافہ یا خط و کتابت کے ذریعہ استفسار کرے۔

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مذہب شیعہ امامیہ یا شیعہ زیدیہ یا ان جیسے دیگر مبتدعین (اہل بدعت) مثلاً خوارج' معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کی تقلید کرے' البتہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف انتساب میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ تعصب سے کام نہ لے اور اس مذہب کی وجہ سے دلیل کی مخالفت نہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وہابی نبی ﷺ کی شفاعت کے منکر نہیں ہیں

سوال کیا وہابی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے منکر ہیں؟

ہر اس عقل مند انسان سے یہ بات مخفی نہ ہو گی' جس نے امام شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی

سیرتوں کا مطالعہ کیا ہو گا کہ وہ اس قول سے بری ہیں کیونکہ حضرت الامام رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں خصوصاً "کتاب التوحید" اور "کشف الشبہات" میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر نہیں بلکہ وہ دیگر انبیاء' ملائکہ اور مومنوں کی شفاعت کو بھی مانتے ہیں' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا ہے' کتاب و سنت کے دلائل کے پیش نظر سلف صالح کا بھی یہی مسلک تھا اس سے یہ واضح ہوا کہ شیخ اور ان کے پیروکاروں کے حوالہ سے جو یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں' یہ سب سے بڑی باطل اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والی بات ہے اور داعیان دین پر سراسر ایک جھوٹا الزام۔ ہاں البتہ شیخ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ فوت شدگان وغیرہ سے شفاعت طلب کی جائے۔ ہم اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے عافیت و سلامتی چاہتے ہیں جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔ ((واللہ الموفق!))

——— شیخ ابن باز ———

کیا بیٹا غیر اللہ کی عطاء ہے؟

سوال کیا بیٹا مرشد عطاء کرتا ہے؟ کیا مرشد رزق میں کمی بیشی کرتا ہے؟ جو شخص یہ اعتقاد رکھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے بیٹا دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رزق میں کمی بیشی کر سکتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اس کا شرک زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے شرک سے بھی بڑا ہے کیونکہ عربوں وغیرہ سے جب زمانۂ جاہلیت میں یہ پوچھا جاتا تھا کہ انہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ یہ سب کام اللہ کرتا ہے۔ وہ اپنے معبودان باطلہ کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۳۱)

"(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ "اللہ" تو پھر پوچھیے کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِى مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى مَنْ هُوَ كَٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳)

"اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں' تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں' اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ اس

شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَمَّنْ هَٰذَا ٱلَّذِى يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُۥ ﴾ (الملك٦٧/ ٢١)

"بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟"

سنت سے یہ ثابت ہے کہ دینا یا نہ دینا یہ صرف اللہ وحدہ کا اختیار ہے جیسا کہ حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" کے ((باب الذکر بعدالصلاۃ)) میں بیان کیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے کاتب وراد بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح بخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاة، ح:٦٣٣٠، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته، ح:٥٩٣)

"اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے کوئی اس کا ساتھی نہیں' اسی کا سارا ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطاء فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔"

امام مسلم نے بھی اپنی "صحیح" میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اولاد تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطاء فرماتا ہے لیکن اس بندے کے اپنے اللہ سے دعاء کرنے کی وجہ سے اس کی اولاد کے رزق میں وسعت عطاء فرما دیتا ہے' جس طرح سورۂ ابراہیم سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ سورۂ مریم و انبیاء میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَجَلِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح بخاري، كتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٥، وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٧)

"جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اسے صلہ رحمی سے کام لینا چاہئے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

طریقہ شاذلیہ

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے کہ فرقہ شاذلیہ سے وابستہ لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی زکوٰۃ ادا

کرتے ہیں۔ اپنے مرشد جسے یہ ''سیدنا'' کہہ کر پکارتے ہیں' کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ رب کے قائم مقام ہے۔ وہی آخرت کے دن ان کا کفیل ہو گا' اس نے ان کے دنیا کے ہر عمل کو معاف کردیا ہے۔ یہ لوگ ہر ہفتہ' سوموار اور جمعہ کی رات جمع ہوتے ہیں' میرا باپ مجھے اس فرقہ کے ساتھ وابستگی پر مجبور کرتا ہے اور جب میں روزہ رکھوں یا نماز پڑھوں تو وہ ناراض ہوتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ہمارے سید نے ہمارے لئے سب کچھ معاف کر دیا ہے' اس نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا ہے یعنی ہم یقینی طور پر جنتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کی یہ بات یقینی طور پر غلط ہے کیونکہ وہ ہمارے جیسا انسان ہی ہے۔ لہٰذا میری راہنمائی فرمایئے کہ میں کیا کروں؟ میں جانتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے' حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ میں اسلام کے ارکان خمسہ کی بھی پابندی کرتا ہوں لیکن اگر میں اپنے باپ کی اطاعت کروں تو اپنے رب کے احکام کا مخالف ٹھہروں گا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ (الأسراء١٧/ ٢٣)

''ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا''

اور اگر میں اپنے باپ کی اطاعت نہ کروں تو مجھ سے ہمیشہ ناراض رہے گا اور مجھ سے جھگڑتا رہے گا کہ میں اس طریقے کو کیوں اختیار نہیں کرتا۔ دوسری طرف میری حالت یہ ہے کہ میں اپنے لئے کچھ نہیں کما سکتا' میری والدہ کے سوا خاندان میں کوئی اور میری مدد بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں کہ میں اپنے رب کو کس طرح راضی کروں اور اپنے باپ کی ناراضی سے کس طرح بچوں جو نماز روزے یا صحیح الفاظ کے مطابق دین اسلام ہی کا مخالف ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا کہ:

اگر امر واقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ تمہارا والد اور اس کے ساتھ اس طریقہ میں شامل لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں اور اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ان کا سید یا شیخ رب کے قائم مقام ہے' جو ان کے لئے جنت کا ضامن ہے اور وہ ان کے تمام برے اعمال کو معاف کر دے گا تو وہ کافر ہیں۔ اگر تمہارا باپ تمہیں ان میں شامل ہونے کا حکم دے اور نماز روزے کی پابندی سے منع کرے تو اس کی بات بالکل نہ مانو کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی اطاعت کیجئے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیجئے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کے مطابق دنیا کے کاموں میں ان کے ساتھ شریک رہئے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِى ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَٱتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىَّ ۚ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ ﴾

(لقمان٣١/ ١٤-١٥)

''اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اسے) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے' جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ

ماننا' ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے' اس کے راستے پر چلنا پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو' میں سب سے تم کو آگاہ کر دوں گا۔"

آپ سچے مومن لوگوں کے ساتھ رہ کر ان عقائد کو اختیار کیجئے جن کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے جن کی وضاحت فرمائی ہے' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیجئے' اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو تکلیف آئے اسے برداشت کیجئے' اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے راستہ پر چلئے کہ یہی راستہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔ فرقہ شاذلیہ کے لوگوں کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ڈر ہے کہ یہ لوگ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے روزی کمانے کا کوئی ذریعہ پیدا فرما دے گا' جس سے آپ زندگی بسر کر سکیں کیونکہ رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' آپ کے والد کے ہاتھ میں ہے نہ کسی اور انسان کے ہاتھ میں!

——— فتویٰ کمیٹی ———

صوفیاء کے طریقے' خرق عادت واقعات اور شیطانی حالات

سوال ہمارے ہاں درویشوں کا ایک طریقہ مروج ہے۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک ایسا آدمی ان کے ساتھ ہے' جس نے صاحب طریقہ سے پانی پیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے پیٹ پر خنجر' تلوار' لاٹھی یا بندوق وغیرہ جس آلہ سے بھی مارا جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا حالانکہ یہ بالکل ان پڑھ آدمی ہے' اسے سمجھ بوجھ بھی نہیں اور نہ ہی یہ لوگوں کے سامنے دسیسہ کاریوں یا شعبدہ بازیوں وغیرہ کا اظہار کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نماز' روزہ اور دیگر فرائض جو مقرر فرمائے ہیں' یہ شخص انہیں بھی ادا نہیں کرتا۔ امید ہے آپ بیان فرمائیں گے کہ اسلام کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟ مار برداشت کرنے کا کیا راز ہے؟ امید ہے کہ آپ جواب سے مطلع فرمائیں گے کیونکہ یہ فرقہ ہمارے ملک اور بہت سے عربی اور اسلامی ملکوں میں موجود ہے۔

جواب نص اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت کو ختم فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٤٠)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں میں سے آخری (خاتم النبیین) ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ کی بہت سی متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سب مسلمانوں کا بھی آپ کی ختم نبوت پر اجماع ہے۔ اولیاء کی دو قسمیں ہیں:

① اولیاء الرحمٰن ② اولیاء الشیطان۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی دوست ہیں اور شیطان کے بھی دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟

يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾﴾ (یونس۱۰/ ٦٢-٦٤)

"سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے' ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾﴾ (البقرة۲/ ۲۵۷)

"اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ہیں وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں' وہ (شیطان) ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

حدیث صحیح میں ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور کئی دیگر محدثین نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ أَوْ فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب من ترجى له السلامة من الفتن، ح:٣٩٨٩)

"جو کوئی میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس شخص کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ شیطان کے بھی دوست ہوتے ہیں' چنانچہ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾﴾ (النحل۱٦/ ۹۸-۱۰۰)

"اور جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کریں جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا ہے۔ اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾﴾

(النساء٤/ ١١٩)

"اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً قَالُوا۟ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا۟ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلضَّلَٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٧۔٣٠)

"ہم نے شیطان کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد (بزرگوں) کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ ان سے کہو' اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ اے نبی کہہ دو کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نماز کے وقت سیدھا (قبلہ کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اسی کو پکارو' اس نے جس طرح تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا ہے اور سمجھتے (یہ) ہیں کہ ہدایت یاب ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِنَّ ٱلشَّيَٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَٰدِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ﴾

(الأنعام٦/ ١٢١)

"اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔"

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ يَٰٓأَبَتِ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ ﴾ (مریم١٩/ ٤٥)

"ابا جی! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ يُخْرِجُونَ ٱلرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَٰدًا فِى سَبِيلِى وَٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِى ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَأَنَا۠ أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴿١﴾ إِن

يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١-٥)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو' ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ اُن کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ زبان سے تمہیں تکلیف دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی اور نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ”ہم تم سے اور تمہارے اُن معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں' ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔“ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست کروں گا' اور اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے۔ (اور ابراہیم اور اصحاب ابراہیم کی دعا یہ تھی کہ) اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے' اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں سے درگزر فرما' بیشک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔“

ان آیات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص شیطان کے دوستوں میں سے ہے اور مذکورہ اعمال شیطانی احوال ہیں' جن کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دے کر ان کی آنکھوں کو فریب دیا گیا ہے' ان کاموں کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف شیطانوں کے ذریعہ لوگوں کی آنکھوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں سورۂ اعراف میں فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ١١٦)

”جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں

اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔"

اور سورۂ طہٰ میں فرمایا:

﴿قَالُوا يَٰمُوسَىٰٓ إِمَّآ أَن تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ أَلْقُوا۟ ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾﴾ (طه۲۰/ ۶۵۔۶۶)

"(جادوگر) بولے کہ موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو (جب انھوں نے چیزیں ڈالیں) تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔" ((وصلی الله علی نبینا محمد و آله و صحبه و سلم))

فتویٰ کمیٹی

نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے

سوال بعض صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرض نماز سے افضل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ تو کیا واقعی صوفیہ کے بقول ذکر الٰہی نماز سے افضل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾﴾ (الأحزاب۳۳/ ۴۱۔۴۲)

"اے اہل ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی (تسبیح و تقدیس) بیان کرتے رہو۔"

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ذکر الٰہی سے اطمینان و سکون قلب حاصل ہوتا ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾﴾ (الرعد۱۳/ ۲۸)

"اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فِي السَّبْعَةِ الَّذِينَ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، البكاء من خشية الله عزوجل، ح:٦٤٧٩، ١٤٢٣، ٦٦٠، وجامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ح:٢٣٩١)

"جس شخص نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان سات قسم کے لوگوں میں شامل فرمائے گا جنہیں اس دن اپنے سایہ تلے جگہ عطاء فرمائے گا جب اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا"

آپ ﷺ نے مثال دے کر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی سی اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی سی ہے۔ ذکر الٰہی دلوں کی زندگی اور اطمینان اور نفسوں کی پاکیزگی اور طہارت ہے اور اس کا اللہ کے ہاں اجرو ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

بے شک نماز افضل اذکار تلاوت قرآن' تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو بندوں

کے کلام پر اسی طرح فضیلت ہے' جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے' سب سے افضل ذکر جو رسول اللہ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا وہ کلمہ لاالہ الا اللہ ہے' اس کے ساتھ ساتھ نماز رکوع و سجود پر مشتمل ہے اور بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے' جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نماز سے باہر ذکر کو نماز پر فضیلت دینا کسی چیز کی اپنے نفس پر فضیلت کے مترادف ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ چیز پر فضیلت کے مترادف ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ﴾

(العنكبوت٢٩/ ٤٥)

"اور نماز کے پابند رہئے۔ یقیناً نماز بے حیائی کی باتوں اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا (اچھا کام) ہے۔"

معنی یہ ہے کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں اس طرح ادا کرنا' جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے بیان فرمایا ہے' یقیناً ایک مسلمان اور اس کے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے برائیوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا جب تم اس کا ذکر کر رہے ہوتے ہو تو یہ بھی قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بہت افضل عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرة٢/ ١٥٢)

"تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی بات کو اختیار کیا ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین سے منقول ارشادات کی بنیاد پر ابن جریر کی تائید کی ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شاذلیہ وغیرہ صوفیوں کے طریقوں کی طرف نسبت

سوال شیخ عبدالقادر جیلانی یا ابوالحسن شاذلی کے سلسلوں میں داخل ہونے اور ان کی طرف نسبت میں کوئی حرج ہے؟ کیا یہ سنت ہے یا بدعت؟

جواب امام ابوداؤد اور دیگر اصحاب سنن نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

«صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا، فَقَالَ: أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(سنن ابي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة،

ح:٤٦٠٧، وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦، وسنن ابن ماجه، ح:٤٢، ومسند احمد،٤/١٢٦، ١٢٧)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد ہماری طرف توجہ فرمائی اور بہت مؤثر وعظ ارشاد فرمایا' جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو الوداع کہنے والے کا وعظ ہے تو آپ ہمیں کیا وصیت فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی امیر ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا یقیناً وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (اختلاف سے بچنے کے لئے) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا' اسے مضبوطی سے تھام لینا اسی سے وابستہ رہنا اور اپنے آپ کو بدعات سے بچانا' (دین میں ایجاد کی گئی) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے!؟"

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت میں بہت زیادہ اختلاف رونما ہو گا' لوگ مختلف طریقے اور انداز اختیار کر لیں گے' ان میں بدعات و محدثات کی کثرت ہو گی تو ان حالات میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت یہ فرمائی کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے دامن سے وابستگی اختیار کر کے اسے مضبوطی سے تھام لیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تفرقہ بازی' انتشار و خلفشار اور بدعات و محدثات سے اجتناب کرنے کی بھی تلقین فرمائی کیونکہ بدعات انسان کو گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور لے جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو وہی وصیت فرمائی جو حسب ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وصیت فرمائی ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۟ ﴾ (آل عمران٣/ ١٠٣)

"اور تم سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِى مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥٣)

"بلاشبہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دیگر راستوں پر نہ چلنا کیونکہ تم (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔"

ہم تمہیں وہی وصیت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔ ہم اہلسنّت کے ساتھ وابستگی کی وصیت کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں' جسے ان تصوف کے سلسلے والوں نے ایجاد کیا ہے' جس میں بدعی اوراد' غیر مشروعہ اذکار اور شرکیہ دعائیں ہیں یا شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں مثلاً غیراللہ سے استغاثہ' مفرد اسماء کے ساتھ اس کا ذکر اور کلمہ آہ کے ساتھ اس کا ذکر حالانکہ آہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح دعاء میں مشائخ کے ساتھ توسل اور مشائخ کے بارے میں یہ اعتقاد کہ وہ دلوں کے حالات سے آگاہ ہیں' دلوں کے مخفی بھید جانتے ہیں نیز ان کا اجتماعی طور پر ایک ہی آواز میں حلقوں میں ترنم کے ساتھ لہک لہک کر ذکر کرنا وغیرہ یہ وہ باتیں ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

صوفیاء کی مخصوص اصطلاح "صاحب وقت"

سوال تصوف کی طرف منسوب لوگوں کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ "ہمارا مرشد صاحب وقت ہے" وہ تصرف کر سکتا ہے۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب "ہمارا مرشد صاحب وقت ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے ہاتھ میں مخلوق کے امور ہیں' وہ ان کے امور میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں' ان کی مشکلات کو ختم کر سکتے ہیں' ان کی مصیبتوں اور بلاؤں کو دور کر سکتے ہیں اور ان کے بزعم وہ ان کی طرف اچھائیوں اور بھلائیوں کو پہنچا سکتے ہیں۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور تدبیر امور خلق میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے' اس کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں' اسے مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز کرنا درست نہیں۔ صریح کفر واضح شرک اور زمانہ جاہلیت کے شرک سے بھی بدتر شرک کے ارتکاب کی وجہ سے ایسے لوگوں کو نماز کا امام بنانا بھی جائز نہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمُ ٱلْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ ٱلْحَقِّ إِلَّا ٱلضَّلَٰلُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۳۱-۳۲)

"(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے؟ اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ! تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ یہی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا ولی کسی دوسرے انسان کی مدد کر سکتا ہے؟

سوال کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ولی کسی ایسے انسان کی مدد کرے جو اس سے دور ہو مثلاً ایک آدمی ہندوستان میں ہے اور ولی سعودیہ میں رہ رہا ہے تو کیا اس سعودی ولی کے لئے سعودیہ میں رہتے ہوئے کسی ہندوستان کے آدمی کی ہندوستان میں مدد کرنا ممکن ہے؟

جواب ولی اور غیر ولی زندہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ عادی اسباب کے اندر رہتے ہوئے ان لوگوں کی مدد کرے جو اس سے مدد طلب کریں مثلاً یہ کہ وہ ان کے لئے مال خرچ کر سکتا ہے' حکمرانوں کے پاس سفارش کر سکتا ہے یا ان اسباب و وسائل کو اختیار کرتے ہوئے جو انسانی مقدور میں ہوں اور ان کا استعمال معروف و معمول ہو وہ کسی ناپسندیدہ چیز سے انہیں بچا بھی سکتا ہے۔

ایسے غیر عادی اسباب جو انسانی طاقت سے بالا ہوں جیسے کہ اس مثال میں سائل نے ذکر کیا ہے' یہ بندوں کی دسترس سے باہر ہیں اور یہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے' کونی سنن صرف اسی کے تصرف میں ہیں' ان میں سے جن کے مطابق وہ چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جن کے مطابق وہ نہیں چاہتا عمل نہیں کرتا۔ اسی کی دعوت

حق ہے' صرف اسی کی ذات ملجا و ماویٰ ہے۔ صرف وہی مدد کر سکتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ اکیلا ہی ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اس کی حکمت و رحمت وسیع ہے۔ وہ جو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ وہ جو فیصلہ فرمائے' اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَآئِهِمْ غَافِلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٥-٦)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ (قیامت کے دن) جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝ ﴾ (فاطر٣٥/ ١٤)

''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہ دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورۂ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اس کی جناب میں یہ عرض کریں:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ﴾ (الفاتحة١/ ٥)

''(اے پروردگار!) ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

نبیؐ نے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ ہی سے سوال کریں اور صرف اسی سے مدد مانگیں' چنانچہ آپؐ کا ارشاد یہ ہے کہ:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»(جامع الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث حنظلة. . .، ح:٢٥١٦)

''جب تم سوال کرو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرو اور جب تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگو۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

کمیونزم کی طرف انتساب کا حکم

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ ـ وَبَعْدُ

فقہی کونسل نے جن اہم امور کا مطالعہ کیا ان میں سے کمیونزم اور سوشلزم کا موضوع بھی ہے اور فکری یورش کی وجہ سے وہ مشکلات بھی جن سے اس وقت عالم اسلام دوچار ہے' حکومتوں کی سطح پر بھی اور افراد کی سطح پر بھی اور پھر اس خطرناک فکری یورش کے خطرات سے ناواقفیت کی وجہ سے حکومتوں اور قوموں کو جن مشکلات کا سامنا ہے' کونسل نے انہیں بھی پیش نظر رکھا ہے۔

فقہی کونسل کی یہ رائے ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے اکثر ممالک افکار و عقائد کے خلا کا شکار ہیں اور دوسری طرف ان درآمد شدہ افکار و عقائد کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ یہ اسلامی معاشروں میں پھیل سکیں' مسلمانوں کے عقائد میں خلل پیدا کر سکیں' اخلاق و کردار میں گراوٹ پیدا کر سکیں' انسانی اقدار کو ملیامیٹ کر سکیں اور معاشرے میں خیر و بھلائی کی تمام بنیادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ اب یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دنیا کے تمام بڑے ممالک اپنے نظام اور افکار کے اختلاف کے باوجود اس نکتہ پر سب متفق ہیں کہ ہر اس ملک کا نظام درہم برہم کر دیا جائے جس کی اسلام کی طرف نسبت ہے۔ اسلام دشمنی' اس کی اشاعت کے خوف اور مسلمانوں کی بیداری کے ڈر نے ان سب کو اختلاف کے باوجود ایک نکتہ پر متفق و متحد کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کو خراب کر دیا جائے!

عقائد کے میدان میں یہ ممالک ہر اس شخص کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں' جو کیمونزم کو اختیار کر لے اور پھر کیمونزم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ان کے ریڈیو' ٹیلی وژن' اخبارات' خوشنما پروپیگنڈے اور اجرتی مصنفین شب و روز مصروف ہیں اور پھر بڑے خوشنما لیبل لگا کر یہ اس الحاد کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ کبھی اسے آزادی کا نام دیتے ہیں اور کبھی ترقی کا' کبھی اسے جمہوریت کہتے ہیں اور کبھی کچھ اور' اس کے خلاف تمام اصلاحات' اخلاق و کردار کی حفاظت کی کوشش اور بلند پایہ اسلامی تعلیمات اور آداب و اخلاق کو یہ رجعیت' پسماندگی اور دقیانوسیت وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں' اسی طرح اخلاق کے میدان میں یہ اباحیت اور مرد و زن کے بے محابا اختلاط کے داعی ہیں اور اسے بھی یہ ترقی اور آزادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ انہیں فکری' مادی اور سیاسی طور پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں۔ جب یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں گے تو پھر ان کے لئے خیر و بھلائی کے تمام سرچشموں کو بند کر دینا آسانی سے ممکن ہو گا اور پھر یہ جس طرح چاہیں تصرف کر سکیں گے یعنی اس فکری' عقائدی اور سیاسی کشمکش میں یہ اپنے دوستوں کی مال' اسلحہ اور پروپیگنڈہ کے ذریعہ خوب مدد کرتے ہیں تاکہ انہیں معاشرے میں نہ صرف اثر و رسوخ حاصل ہو بلکہ وہ اقتدار پر بھی قبضہ کر لیں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد یہ لوگ جو قتل و غارت کا بازار گرم کرتے' مخالفین کو جلا وطن کرتے' آزادیوں کو سلب کرتے اور ہر اس شخص کو جس میں دین اور اخلاق کی ادنیٰ سی بھی رمق ہو' اسے جس طرح جیل کی کال کوٹھڑیوں میں پھینک دیتے ہیں' اس کے بارے میں مت پوچھئے!

جن اسلامی ممالک نے اپنی دینی و اخلاقی قدروں سے اپنے تحفظ کا اہتمام نہ کیا' کیمونزم کی اس یلغار نے انہیں آسانی سے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اپنے علمی و دینی اختصاص کی وجہ سے فقہی کونسل کا چونکہ یہ فرض ہے کہ وہ اس فکری' عقائدی اور سیاسی یورش کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرے' جو ابلاغ اور فوج کے اسباب و وسائل کے ذریعہ پھیلائے جا رہے ہیں' اس لئے اسلامی فقہی کونسل کے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

کونسل عالم اسلام کے تمام ممالک اور اقوام کی اس جانب توجہ مبذول کروائے کہ کیمونزم اسلام کے منافی ہے۔ کیمونزم کو اختیار کرنا اس دین کا انکار کرنا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے' یہ انسانی و اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کرنا ہے' انسانی معاشروں کو کھوکھلا کرنا ہے اور اس کے برعکس اسلامی و محمدی شریعت ہی آخری آسمانی دین ہے' جسے اللہ حکیم و حمید نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لانے کے لئے نازل فرمایا ہے۔ یہ دین سیاسی' معاشرتی' ثقافتی اور معاشی ہر اعتبار سے ایک مکمل نظام حیات ہے۔ ان تمام خرابیوں سے نجات کے لئے' جنہوں نے

مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے' ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کو انتشار و خلفشار سے بدل دیا ہے' یہ دین ہی مفید و مؤثر اور کارآمد ثابت ہو سکتا ہے' خصوصاً وہ معاشرے جنھوں نے اسلام کو پہچانا لیکن پھر اسے پس پشت ڈال دیا' ان میں تمام تر خرابی کی جڑ یہی کیمونزم ہے۔ کیمونزم اور سوشلزم کی اس سخت معاندانہ اور خطرناک یلغار کا سب سے بڑا ہدف اسلام' اس کے مبادئ و تعلیمات' اس کے اخلاق و آداب اور اس کے دامن سے وابستہ ممالک تھے' اس لئے کونسل اسلامی ملکوں اور معاشروں کو یہ نصیحت کرتی ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل کو بروئے کار لا کر اس زبردست خطرے کا مقابلہ کریں' جس کی چند حسب ذیل صورتیں بھی ممکن ہیں:

① انتہائی سرعت کے ساتھ اس نصاب تعلیم اور طرز تعلیم پر نظرثانی کی جائے جسے حال ہی میں اسلامی ملکوں میں رائج کیا گیا ہے' کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نصاب تعلیم میں الحادی' سوشلسٹ اور زہر آلود افکار شامل کئے جا چکے ہیں جو اسلامی ملکوں کے لئے ایک طرح سے اعلان جنگ ہیں اور یہ نصاب کیمونزم کے ماہر اساتذہ و مصنفین سے تیار کروایا گیا ہے۔

② اسلامی ملکوں کو چاہئے کہ وہ حد درجہ کوشش کر کے اولین فرصت میں اپنے تمام اداروں کے نظام کا جائزہ لیں خصوصاً ذرائع ابلاغ' معاشیات' داخلی و خارجی تجارت اور مقامی اداروں کے نظام کا ازسرنو جائزہ لیں تاکہ ان کی تہذیب و تطہیر کی جا سکے اور انہیں اسلام کی صحیح بنیادوں پر ازسرنو استوار کیا جا سکے کیونکہ یہ اسلامی بنیادیں ہی مسلمان ملکوں اور قوموں کو تحفظ فراہم کر کے انہیں حسد و بغض کا شکار ہونے سے محفوظ رکھ سکتی ہیں اور مسلمانوں میں ازسرنو اخوت' باہمی تعاون اور اخلاص کی روح پھونک سکتی ہیں۔

③ اسلامی ملکوں اور قوموں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ تخصص کے ایسے مدارس و مکاتب قائم کریں' جن سے ایسے مخلص اور پرجوش داعی تیار ہوں جو اس یلغار کی تمام صورتوں کا مقابلہ کرنے کی استعداد رکھتے ہوں اور جو شخص اجنبی یورش کی حقیقت اور اس کے خطرناک اغراض و مقاصد کو معلوم کرنا چاہے' یہ داعی اپنے گہرے مطالعہ اور ٹھوس معلومات کی بدولت اسے مطمئن کر سکیں اور دوسری طرف انہیں اسلام اور اس کے قیمتی خزانوں کے بارے میں بھی بھرپور معلومات حاصل ہوں' ایسے مدارس اور اس طرح کے دعاۃ و مبلغین جس ملک میں جس قدر زیادہ ہوں گے' اسی قدر یہ امید بھی زیادہ ہو گی کہ وہ ان مغربی اور ملحدانہ افکار و نظریات کا آسانی سے خاتمہ کر سکیں گے اور امید ہے کہ اس طرح علم و عمل کے ہتھیاروں سے مسلح' واقعی طور پر منظم ایک ایسی جماعت ان تمام تحریکوں کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی' جو مسلمانوں کے دلوں میں اخلاق و کردار کی اس باقی ماندہ دولت کو بچانے کی کوشش کرے گی جس کا یہ ملحدانہ تحریکیں خاتمہ کر دینا چاہتی ہیں۔

کونسل تمام علماء اسلام سے خواہ ان کا تعلق کسی بھی جگہ یا کسی بھی تنظیم سے ہو' یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ ان خطرناک اور ملحدانہ افکار و نظریات کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' جو مسلمانوں کے دین و شریعت اور عقائد و اخلاق کو بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور ان کے ملکوں کو بھی۔ لہٰذا علماء اسلام پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اشتراکیت اور کیمونزم کی حقیقت کو واضح کریں اور بتائیں کہ یہ دونوں اسلام کے خلاف جنگ ہیں۔

بہائیت کی طرف انتساب کا حکم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنِ اھْتَدٰی بِھُدَاہُ ۔وبَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے فرقہ بہائیہ کا جائزہ لیا جو گزشتہ صدی کے نصف آخر میں بلاد فارس (ایران) میں ظاہر ہوا اور آج اسلامی و غیر اسلامی ملکوں میں اس سے وابستہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

اس فرقہ کے بارے میں علماء و مصنفین اور اس فرقہ کی حقیقت سے آگاہ لوگوں نے جو اس کی نشات' دعوت' کتابوں اور اس فرقہ کے بانی مرزا حسین علی مازندرانی--- جو ۲۰ محرم ۱۲۳۳ ہجری بمطابق ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا--- اس کے پیروکاروں کے کردار و اخلاق' اس کے خلیفہ ولی عہد عباس آفندی مسمی عبدالبھاء اور اس فرقہ کی دینی تنظیموں کے بارے میں جو لکھا ہے' اس کا جائزہ لیا ہے۔

بہت سے قابل اعتماد مصادر و ماخذ کے مطالعہ کے بعد' جن میں سے کچھ کتابیں' خود بہائی مصنفین کے قلم سے ہیں' کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ:

بہائیت ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے جو بابیت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور خود بابیت بھی ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے' جسے علی محمد--- جو یکم محرم ۱۲۳۵ ہجری بمطابق اکتوبر ۱۸۱۹ء کو شیراز میں پیدا ہوا--- نے ایجاد کیا تھا۔ ابتداء میں یہ شخص صوفی و فلسفی تھا اور طریقہ شیخیہ سے وابستہ تھا' جس کا بانی اس کا گمراہ شیخ کاظم رشتی خلیفہ تھا جو کہ احمد زین الدین احسائی کے نام سے مشہور تھا۔ طریقہ شیخیہ کے اس گمراہ بانی کا خیال یہ تھا کہ اس کا جسم ملائکہ کی طرح نورانی ہے' اس طرح اور بھی بہت سے باطل ہفوات و خرافات کو اس شخص نے اختیار کر رکھا تھا۔

علی محمد پہلے اپنے شیخ کے ان اقوال کا قائل تھا لیکن پھر یہ اس سے الگ ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ایک نئے روپ میں ظاہر ہوا اور دعویٰ کرنے لگا کہ میں وہ علی بن ابی طالب ہوں جس کے بارہ میں رسول (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ:

«أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا»(جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب أنا دارالحكمة وعلي بابها، ح: ۳۷۲۳)

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

اس طرح اس نے اپنے آپ کو ''باب'' کہلانا شروع کر دیا' پھر اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر کے لئے باب ہے اور پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا' پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اعلیٰ کہنا شروع کر دیا۔ جب مرزا حسین علی مازندرانی مسمی بالبھاء نے اپنی دعوت کو شروع کیا تو باب نے بھی اس کی دعوت کو قبول کر لیا لیکن جب اس کے کفر اور فتنہ کی وجہ سے باب کو قتل کر دیا گیا تو مرزا حسین علی نے اعلان کیا کہ باب نے اس کے حق میں یہ وصیت کی ہے کہ بابیوں کا سربراہ بھی یہی ہے' اس طرح از خود ہی یہ بابیوں کا بھی سربراہ بن گیا اور اپنے آپ کو اس نے بھاء الدین کے نام سے موسوم کر لیا تھا۔

پھر اس نے ایک اور زقند لگائی اور یہ اعلان کیا کہ سابقہ تمام دین اس کے ظہور کے پیش خیمہ کے طور پر دنیا میں آئے

تھے اور اس کے دین کے سوا دیگر تمام دین ناقص ہیں' یہ خود اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہے' اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا یہ سرچشمہ ہے' اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی ہے' رب العالمین سے مراد بھی یہی ہے' جس طرح اسلام کی آمد سے سابقہ تمام دین منسوخ ہو گئے اسی طرح بہائیت کی آمد سے اسلام بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

باب اور اس کے پیروکاروں نے قرآن عظیم کی آیات کی جو تاویلیں کیں وہ حد درجہ عجیب و غریب اور ان کی باطنیت کی مظہر تھیں' یہ تاویلیں انہوں نے اس لئے کیں تاکہ قرآنی آیات کو اپنی خبیث دعوت کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا تھا کہ آسمانی شریعتوں کے احکام بدل دینے کا اسے اختیار حاصل ہے اور پھر اس نے عبادتوں کی بھی نئی نئی صورتیں ایجاد کیں جن کے مطابق اس کے پیروکار عمل کرتے تھے۔

ثابت شدہ نصوص کی شہادت کی روشنی میں کونسل کے سامنے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بہائیوں کا عقیدہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس عقیدہ کا قیام انسانی بت پرستی کی بنیاد پر ہے کہ اس عقیدہ میں بہاء کی الوہیت کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے اور یہ دعویٰ بھی کہ اسے اسلامی شریعت کے احکام تبدیل کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ بہائیت کے ان افکار و آراء کی بنیاد پر کونسل نے بالاتفاق رائے یہ قرار دیا کہ بہائیت اور بابیت دائرہ اسلام سے خارج ہیں بلکہ یہ اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہیں' ان کے پیروکار کھلم کھلا کافر ہیں' ان کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

کونسل تمام مسلمانوں کو یہ تلقین کرتی ہے کہ وہ اس مجرم اور کافر گروہ کی دسیسہ کاریوں سے بچیں' اس کا مقابلہ کریں' اپنے آپ کو اس کے شر سے بچائیں کیونکہ یہ بات اب کوئی راز نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعماری حکومتیں اس تحریک کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ واللہ الموفق!

قادیانیت کی طرف انتساب کا حکم

فقہی کونسل نے قادیانی گروہ کا بھی جائزہ لیا ہے جو کہ گزشتہ صدی (انیسویں صدی عیسوی) میں پیدا ہوا اور جو اپنے آپ کو احمدیہ جماعت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس گروہ کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۷۶ء) تھا' جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ نبی ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے' وہ مسیح موعود ہے۔ مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ نبوت پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ پر ختم نہیں ہوئی (جیسا کہ قرآن عظیم اور سنت مطہرہ کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے) بلکہ نبوت کا سلسلہ اب تک جاری ہے' وہ خود نبی ہے اور اس پر دس ہزار سے زیادہ آیات بذریعہ وحی نازل ہو چکی ہیں' جو اس کی تکذیب کرے وہ کافر ہے' مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ قادیان کا حج کریں کیونکہ یہ شہر مکہ اور مدینہ کی طرح مقدس ہے' اسی شہر کا قرآن مجید میں نام مسجد اقصیٰ ہے۔ یہ ساری باتیں مرزا کی کتاب "براہین احمدیہ" اور اس کے رسالہ "التبلیغ" میں موجود ہیں۔

کونسل نے مرزا کے خلیفہ مرزا بشیر الدین بن غلام احمد قادیانی کے اقوال کا بھی جائزہ لیا' چنانچہ اس کی کتاب "آئینہ صداقت" میں ہے کہ ہر وہ مسلمان جو مسیح (یعنی اس کے والد مرزا غلام احمد) کی بیعت نہ کرے' خواہ وہ ان کے بارے میں سنے یا نہ سنے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کتاب مذکور ص ۳۵) اسی طرح اس نے اپنے اخبار "الفضل" میں اپنے والد مرزا غلام احمد کے حوالے سے لکھا کہ ہم ہر چیز میں حتیٰ کہ اللہ' رسول' قرآن' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے بارے میں

مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں' ان میں سے ہر چیز کے بارے میں ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل' مجریہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)۔

اسی اخبار کی تیسری جلد میں بھی لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد ہی نبی کریم محمد ﷺ ہیں' قرآن مجید میں جو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ:

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾ (الصف ۶۱/ ۶)

"اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے' جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں۔"

تو اس کا مصداق بھی مرزا غلام احمد قادیانی ہے (کتاب انذار خلافت ص:۲۱) کونسل نے ثقہ مسلمان علماء و مصنفین کی ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے' جو انہوں نے قادیانی و احمدی فرقہ کی تردید میں لکھیں اور جن میں انہوں نے ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ فرقہ بالکل قطعی طور پر خارج از اسلام ہے۔

اسی وجہ سے پاکستان کے شمالی علاقوں (آزاد کشمیر) کی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں باتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی کہ قادیانی فرقہ غیر مسلم اقلیت ہے اور پھر اس کے بعد پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی باتفاق رائے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

ان قادیانی عقائد کے ساتھ ساتھ جو مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں سے ثابت ہیں' ہم اس کے ان خطوط کی طرف بھی توجہ مبذول کروائیں گے' جو اس نے ہندوستان کی اس دور کی انگریزی حکومت کو لکھے' جس سے اسے مالی امداد بھی ملتی تھی اور جہاد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں مرزا کو انگریزی حکومت کی تائید وحمایت بھی حاصل تھی۔ مرزا جہاد کا اس لئے منکر تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے بجائے وہ اس وقت کی استعماری انگریزی حکومت کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں اخلاص پیدا کر سکے۔ مرزا سمجھتا تھا کہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کے ہوتے ہوئے انگریزوں کے لئے اخلاص پیدا کرنا ناممکن ہے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنی کتاب "شہادۃ القرآن" ص ۷ طبع ششم میں لکھتا ہے کہ "میرا ایمان ہے کہ جیسے جیسے میرے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی' جہاد پر ایمان لانے والوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی کیونکہ میرے مسیح اور مہدی ہونے پر ایمان لانے کا معنی ہی جہاد کا انکار ہے۔" ملاحظہ فرمایئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا رسالہ "قادیانیت" ص ۲۵ طبع رابطہ عالم اسلامی!

قادیانیت کے بارے میں نہایت ثقہ اور قابل اعتماد لٹریچر کے مطالعہ کے بعد اور قادیانیوں کے عقائد' بانی قادیانیت کے حالات' قادیانیت کے اغراض و مقاصد اور اہداف کے مطالعہ کے بعد کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ قادیانی معتقدات' صحیح اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہیں۔ قادیانیوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد سے دور ہٹا کر گمراہ کر دیں' اس لئے کونسل نے باتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ قادیانی یا احمدی جماعت بلاشک و شبہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ قادیانی کافر اور مرتد ہیں' ان کا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا دھوکہ و فریب ہے' لہٰذا اسلامی فقہی کونسل یہ اعلان کرتی ہے کہ تمام مسلمانوں پر' ان کی حکومتوں' علماء' مصنفین' مفکرین اور دعاۃ و مبلغین پر یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کے ہر کونے اور گوشے میں اس گمراہ فرقے اور اس سے وابستہ لوگوں کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

((وباللہ التوفیق!))

دستخط: چیئرمین عبداللہ بن حمید چیف جسٹس سپریم کورٹ سعودی عرب۔

دستخط: وائس چیئرمین محمد علی الحرکانی' سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

دستخط ارکان: عبدالعزیز عبداللہ بن باز' ڈائریکٹر ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوۃ و ارشاد۔ سعودی عرب' مصطفیٰ الزرقاء' محمد محمود صواف' محمد بن عبداللہ سبیل' محمد رشید (دستخط کرنے سے پہلے سفر پر روانہ ہو گئے) ابوبکرجومی' صالح بن عثیمین' محمد رشید قبانی' عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔

نظریہ ارتقاء اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے

سوال مغربی انداز کے کالجوں میں ہمیں ہر جگہ نظریہ ارتقاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے' کتابوں اور مجلات میں بھی اس نظریہ کا یوں اظہار کیا جاتا ہے گویا اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ میں سائنس کالج شعبہ بیالوجی کا طالب علم ہوں۔

میں اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات' احادیث شریفہ اور آپ کی آراء چاہتا ہوں تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو؟

جواب بلا شک و شبہ نظریہ ارتقاء دہریوں اور ان کے پیروکاروں مثلاً غالی فلسفیوں اور ماہرین طبعیات وغیرہ کا عقیدہ ہے اور یہ ایک غلط نظریہ ہے جس کی بنیاد کسی دلیل کے بغیر محض ظن و تخمین پر ہے' اسی طرح یہ لوگ عالم کو قدیم مانتے اور مبدأ و معاد اور حشر کا انکار کرتے ہیں اور بلا شک یہ کفر صریح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان کی تکذیب ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں اس کی صراحت فرمائی ہے' اس میں بروبحر میں موجود تمام مخلوقات داخل ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مخلوقات کو اسی طرح پیدا فرمایا اور انہیں اپنی قدرت اور کمال ربوبیت کی نشانیاں بنا دیا' چنانچہ فرمایا:

﴿ فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱٦٤)

''اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلائے۔''

اور فرمایا:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ (ھود۱۱/ ٦)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے' وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی!''

یعنی ان کی جگہوں اور عمروں کو بھی جانتا ہے اور فرمایا:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ﴾ (الأنعام٦/ ۳۸)

''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے' ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَأَلْقَىٰ فِي ٱلْأَرْضِ رَوَٰسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ (لقمان۳۱/ ۱۰)

"اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ اس نے ان تمام جانوروں کو پانی سے پیدا فرمایا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِۦ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰٓ أَرْبَعٍ ﴾ (النور۲٤/ ٤٥)

"اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔"

یہ بطور مثال ہے وگرنہ کئی جانوروں کی چھ یا اس سے زیادہ ٹانگیں بھی ہیں' سب کو چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے' اس لئے اس نے خلق و رزق اور کبر و صغر کے اعتبار سے فرق رکھا اور پھر ہر چیز کو اس نے پیدا فرما کر اس پر راہ عمل کو بھی کھول دیا ہے تاکہ اس کی حیات اور نوع کی بقا کا اہتمام بھی ہو۔ ان میں سے ہر ہر مخلوق میں توالد و تناسل' نشوونما' اپنی اپنی اولاد پر شفقت کا جذبہ اور اپنے رزق کی پہچان کا شعور بھی ہو اور تمام مخلوقات کو یہ سب باتیں طبعی طور پر کسی کے تعلیم دینے کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان مخلوقات میں سب سے اشرف و افضل انسان ہے کہ ساری کائنات کو اسی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس عقل و ادراک کے ساتھ یہ غور و فکر سے کام لے سکے' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے نمایاں اور ممتاز کر دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِيٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُۥ وَبَدَأَ خَلْقَ ٱلْإِنسَٰنِ مِن طِينٍ ۝٧ ﴾ (السجدة۳۲/ ۷)

"جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔"

ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق و ملکیت ہیں۔ اس نے کائنات کی ہر چیز کو ہمارے لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ ہم اس سے نفع حاصل کریں اور عبرت بھی! (واللہ الموفق)

—— شیخ ابن جبرین ——

قومیت کی دعوت جاہلیت کی دعوت ہے

سوال قومیت کی دعوت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اس دعوت کے معنی یہ ہیں کہ نسل اور زبان کی طرف انتساب کو دین کی طرف انتساب سے مقدم سمجھا جائے' قومیت کی داعی جماعتیں اگرچہ دعویٰ یہ کرتی ہیں کہ وہ دین کی دشمن نہیں ہیں لیکن یہ قومیت کو دین سے مقدم ضرور سمجھتی ہیں۔ آپ کی اس دعویٰ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ دعوت جاہلیت ہے' اس کی طرف انتساب اور اس دعوت کے دینے والوں کی حوصلہ افزائی جائز نہیں بلکہ اسے ختم کرنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی شریعت تو دنیا میں آئی ہی اس لئے ہے کہ اس جاہلانہ دعوت کے خلاف جنگ کرے' اس سے نفرت دلائے' اس کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کی تردید کرے' جس سے طالب کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو عربی کو لغت' ادب اور اخلاق کے اعتبار سے زندہ رکھ سکتا ہے لہٰذا دین اسلام کی مخالفت کے معنی ہی عربی زبان و ادب اور اخلاق کے حقیقی خاتمہ کے ہیں۔ دعاۃ و مبلغین پر فرض ہے کہ وہ اسلامی دعوت کے نمایاں

کرنے میں بھی اسی طرح تن' من' دھن کی بازی لگا دیں' جس طرح استعماری طاقتیں اسے ختم کرنے میں اپنا پورا زور صرف کر رہی ہیں۔

دین اسلام کی روشنی میں بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ عربی یا کسی بھی دوسری قومیت کی طرف دعوت ایک باطل دعوت ہے' ایک زبردست غلطی' ایک بہت بڑی برائی' ایک بدترین جہالت اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خوفناک سازش ہے۔ اس کے وجوہ و اسباب ہم نے اپنی کتاب ((نقد القومية العربية على ضوء الاسلام والواقع)) --- "اسلام اور امر واقع کی روشنی میں عربی قومیت پر تنقید" --- میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شیخ ابن باز

صوفیہ کے پیچھے نماز کا حکم

سوال صوفیہ کون لوگ ہیں؟ کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب صوفیہ اصل میں وہ زاہد لوگ ہیں جو تقشف (مفلسی اور درویشی) کی وجہ سے بھیڑ بکریوں کی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے تھے' بعد میں ان میں بدعات' رقص و سرود اور امرد لڑکوں کی صحبت وغیرہ جیسی خرابیاں پیدا ہو گئیں' علاوہ ازیں ان میں تصور شیخ اور وحدت الوجود جیسے غلط عقائد پیدا ہو گئے لہٰذا غالی صوفیوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنا درست نہیں عام صوفیوں کی اقتداء میں نماز درست ہے۔

شیخ ابن جبرین

کمیونسٹ مرتد ہیں

سوال کمیونزم کا نظریہ وجود باری تعالیٰ کے انکار پر مبنی ہے۔ یہ نظریہ مادی حیات کا نظریہ ہے یعنی تمام مخلوقات طبعی طور پر ازخود پیدا ہوئی ہیں' تو کیا عالم اسلام کے وہ نوجوان جنہوں نے کمیونزم کے افکار و نظریات کو اختیار کر لیا ہے' خاص طور پر وہ جنہوں نے ان افکار و نظریات کو عقیدہ کی حیثیت سے اختیار کر لیا ہے' وہ مرتد ہیں؟

جواب میرے سامنے یہ سوال بظاہر اس طرح ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کیا سورج سورج ہے؟ کیا رات رات ہے؟ کیا دن دن ہے؟ کیونکہ منکر خالق کے بارے میں کسے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہے؟ سابقہ ملحدوں میں سے کوئی خالق کا منکر نہیں تھا' یہ انکار اس آخری دور کے ملحدوں نے کیا ہے۔ خالق کائنات کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے' جب کہ اس کے وجود کے دلائل و براہین آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ نمایاں اور روشن ہیں' دن کے ہوتے ہوئے دن کو ثابت کرنے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ایسے انسان کو کوئی اور بات کس طرح ذہن نشین کرائی جا سکتی ہے۔ الحمد للہ! خالق کے وجود کے دلائل فطرت' عقل' مشاہدہ اور حس ہر طرح سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تو کوئی ہٹ دھرم انسان ہی انکار کر سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکار کرنے والوں کے دلوں میں بھی اس کے وجود کے بارے میں' اطمینان ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں' جس نے خالق کا انکار کر کے خود ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا' ذکر کیا ہے کہ:

﴿ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ﴾ (النمل ٢٧/ ١٤)

"اور انہوں نے ظلم (بے انصافی) اور غرور سے ان کا انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا:

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ (الاسراء ١٧/ ١٠٢)

"یقینی طور پر تو یہ خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں۔"

جو لوگ خالق کا انکار کرتے ہیں' حقیقت میں وہ اپنے ہی نفسوں کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو خود پیدا نہیں کیا' ان کی ماؤں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا' ان کے باپوں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا' چوتھا اور کوئی انسان بھی نہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہو تو اب صرف اللہ رب العالمین ہی کی ہستی رہ جاتی ہے' جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے' جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ ٱلْخَٰلِقُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (الطور ٥٢/ ٣٥)

"کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔"

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے' انہوں نے جب اس آیت کریمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تو بیان کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ میں یہ آیت سن کر اڑنے لگتا کہ یہ خالق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کی قاطع اور ظاہر دلیل تھی۔

اللہ تعالیٰ کے منکروں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو سوائے اس کے ان کے پاس اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے' کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں نے اپنے آپ کو خود تو پیدا نہیں کیا۔ اور ہر موجود کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی موجد واجب الوجود بھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مثلاً یہ عظیم الشان محل جو انواع و اقسام کے برقی قمقموں سے جگمگا رہا ہے' یہ خود بخود بن گیا ہے تو لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل انسان ہے کیونکہ محل خود بخود نہیں بن سکتا۔ اگر ایک محل خود بخود نہیں بن سکتا تو یہ آسمان و زمین' یہ افلاک اور ستارے اور سیارے جو مربوط و مستحکم نظام میں منسلک ہیں اور اپنی تخلیق کے لمحہ سے لے کر اس وقت تک اسی طرح باقی رہیں گے' جب اللہ تعالیٰ اس نظام کو ختم کرنے کا حکم دے دے گا' تو یہ کس طرح خود بخود پیدا ہو سکتے ہیں میری رائے میں تو یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی دلیل کے لانے کی بھی ضرورت نہیں ہے' لہٰذا بلاشک و شبہ وہ شخص فاتر العقل ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ وہ بے دین ہے' کافر ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

یہ حکم ان لوگوں پر بھی صادق آتا ہے جنہوں نے دائرہ اسلام میں زندگی بسر کرتے ہوئے کمیونزم کی تقلید کی کیونکہ اسلام تو اس کا زبردست طریقے سے انکار کرتا ہے۔ اس فکر اور اس سوچ کا باطل ہونا کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے اور اگر کسی سے مخفی ہے بھی تو وہ معذور نہیں ہے کیونکہ اس حقیقت کو جاننے والے ہر جگہ موجود ہیں بلکہ یہ لوگ اگر خود اپنی ہی فطرت کی طرف رجوع کریں تو انہیں یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اس مذہب اور فکر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

فقہی مذاہب سے وابستگی

سوال کیا اہل سنت و الجماعت کے نزدیک قابل اعتماد مذاہب صرف چار ہیں؟ کسی ایک معین مذہب کے ساتھ وابستگی کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہے؟

جواب یہ مذاہب صدر اول میں مدون ہوئے' ان کے ائمہ کے اقوال و اختیارات مشہور ہیں' کچھ لوگوں نے ان کی پیروی اس لئے کی کہ ان کے سامنے ان کی صحت ظاہر ہو گئی تھی لیکن بعد میں ان مذاہب کے کچھ ایسے پیروکار پیدا ہوئے جنہوں نے تعصب سے کام لیا اور اپنے مذاہب کی تائید وحمایت میں بہت تشدد کیا۔ صحیح احادیث تک کو رد کر دیا۔ پہلے لوگ تو معذور تھے لیکن بعد میں آنے والے جن کے سامنے حق واضح ہو گیا ان کو ہم معذور قرار نہیں دے سکتے للذا کسی ایک معین مذہب کی پابندی لازم نہیں ہے بلکہ جب کسی امام کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا فرض ہے اس طرح محض خواہش نفس کی پیروی یا محض رخصتوں کے حصول کے لئے ایک مذہب کی بجائے دوسرے کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

شیخ ابن جبرین

باب دوم
کتاب
العلم
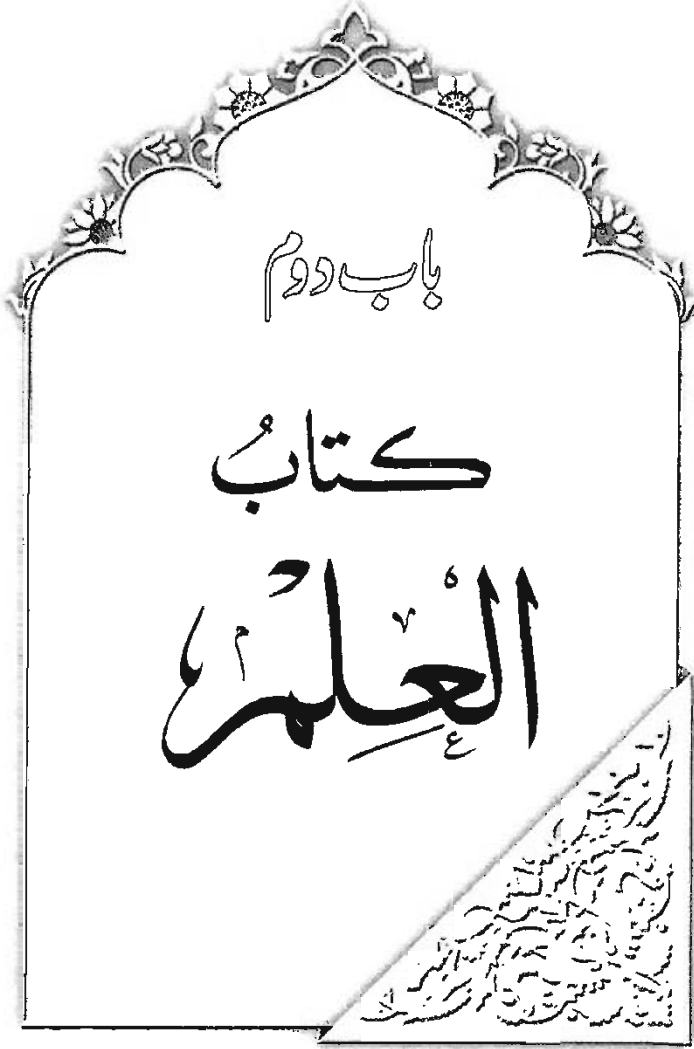
میں کتابیں جمع تو کرتا ہوں لیکن پڑھتا نہیں

سوال الحمدللہ میرے پاس بہت سی مفید کتب اور مراجع ہیں لیکن میں سب کو نہیں پڑھتا بلکہ ان میں سے بعض منتخب کتابوں کو پڑھتا ہوں' تو سوال یہ ہے کیا گھر میں کتابیں جمع کر کے رکھنے کی صورت میں گناہ تو نہ ہو گا' ہاں یہ بھی ہے کہ بعض لوگ مجھ سے وقتاً فوقتاً کتابیں مستعار لے جاتے ہیں اور استفادہ کر کے انہیں واپس کر دیتے ہیں؟

جواب ایک مسلمان کے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مفید کتابوں کو جمع کر لے' اپنی لائبریری میں حفاظت سے رکھے' خود بھی مراجعت اور استفادہ کرے اور ملاقات کے لئے آنے والے اہل علم کی خدمت میں بھی پیش کرے تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اگر بہت سی کتابوں کو آدمی خود نہ بھی پڑھ سکے تو کوئی حرج نہیں' قابل اعتماد آدمیوں کو استفادہ کے لئے کتابیں مستعار دینا نیکی کا کام اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ یہ تحصیل علم کے لئے اعانت ہے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور نبی ﷺ کے فرمان کے مصداق ہے کہ:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، وعلی الذکر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

میں استانی ہوں' کیا طالبات کے سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟

سوال میں ایک استانی ہوں' انٹرمیڈیٹ کالج سے میں نے اسلامک سٹڈیز میں سند فراغت حاصل کی ہے' کچھ فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے' طالبات مجھ سے سوال کرتی ہیں تو کیا اپنی معلومات کے مطابق بطریق قیاس واجتہاد--- حلال و حرام کے احکام میں مداخلت کئے بغیر--- میں ان کے سوالوں کے جواب دے سکتی ہوں؟

جواب کتابوں کی طرف مراجعت اور اجتہاد کرنے کے بعد وہ جواب دو جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ صحیح ہے اور اس طرح سوالوں کے جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب کسی جواب کے بارے میں شک ہو اور واضح نہ ہو کہ صحیح جواب کیا ہے تو کہہ دو کہ اس کا جواب مجھے معلوم نہیں اور طالبات سے یہ وعدہ کر لو کہ تحقیق کر کے اس کا جواب بتاؤں گی پھر کتابوں کا مطالعہ کرو یا اہل علم سے اس کا جواب پوچھ لو تاکہ معلوم ہو جائے کہ صحیح جواب کیا ہے۔

شیخ ابن باز

اجتہاد و افتاء

سوال کیا اسلامی احکام کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا ہے یا مجتہد کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں؟ کیا واضح دلیل کی معرفت کے بغیر محض اپنی رائے سے فتویٰ دینا ہر انسان کے لئے جائز ہے؟ اور اس حدیث کا کیا درجہ ہے جس کے الفاظ یا مفہوم یہ ہے کہ:

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»(سنن الدارمي، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة، ح: ۱۵۷)

"تم میں سے جو فتویٰ کے بارے میں زیادہ جرأت سے کام لیتا ہے' وہ جہنم کی آگ کے بارے میں بھی زیادہ دلیر ہے؟"

جواب احکام شرعیہ کی معرفت کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہے' جو اس کا اہل ہو بایں طور کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کر رہا ہو اس کے بارے میں اسے آیات اور احادیث کا علم ہو' ان کے فہم اور ان سے مطلوبہ استدلال کی اسے قدرت حاصل ہو' جن احادیث سے استدلال کر رہا ہو' صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے درجے کا علم ہو' زیر بحث مسائل میں اجماع کے مقامات کا علم ہو تاکہ وہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف موقف اختیار نہ کر سکے' عربی زبان کی بھی اتنی پہچان ضرور ہو' جس سے اس کے لئے نصوص کے مفہوم کا سمجھنا ممکن ہو تاکہ وہ استدلال و استنباط کر سکے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دین کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کرے یا لوگوں کو علم کے بغیر فتویٰ دے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ شرعی دلیل سے راہنمائی حاصل کرے' پھر اہل علم کے اقوال سے استفادہ کرے اور دیکھے ان کے سامنے کون سے دلائل ہیں اور ان کے استنباط و استدلال کا کیا طریقہ ہے' پھر جس پر اسے قناعت حاصل ہو جائے اور جسے وہ بطور دین کے اپنے لئے پسند کر لے' اس کے مطابق گفتگو بھی کر سکتا ہے اور فتویٰ بھی دے سکتا ہے۔

حدیث:

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»(سنن الدارمي، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة، ح: ۱۵۷)

کو حافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے اپنی "سنن" میں عبیداللہ بن ابی جعفر مصری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فتویٰ کے بارے میں خبر دینے میں کوئی حرج نہیں

سوال طلبہ ایک ایسے استاد سے فتویٰ پوچھتے ہیں' جس کے پاس مناسب علم تو ہے لیکن وہ فتویٰ دینے کا اہل نہیں ہے ہاں البتہ اس طرح کے سوال کا اس نے بعض ثقہ علماء سے جواب ضرور سن رکھا ہوتا ہے' تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ

وہ طلبہ کو یہ فتویٰ دے یا ضروری ہے کہ جواب کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کیا جائے؟

جواب جب کسی ایسے شخص سے سوال کیا جائے جس کے پاس فتویٰ دینے کی اہلیت نہ ہو اور اسے معتبر علماء کا فتویٰ یاد ہو تو اس فتویٰ کے بتانے میں کوئی حرج نہیں لیکن جواب کو اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اس کا یہ فتویٰ دیتے ہوئے سنا ہے جب کہ اسے وہ فتویٰ بغیر شک و شبہ کے یاد ہو۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

شرعی علم کا حاصل کرنا

سوال اگر کوئی شخص ایسے علوم کی تحصیل میں مصروفیت کے باعث' جن کا شرعی علم سے کوئی تعلق نہیں ہے یا کسی اور کام میں مصروفیت کے سبب' شرعی علم حاصل نہ کر سکے تو کیا اس کا عذر قابل قبول ہو گا؟

جواب شرعی علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے' اگر کچھ ایسے لوگ علم حاصل کر رہے ہوں جو معاشرہ کی ضرورت کے لئے کافی ہوں تو پھر باقی لوگوں کے لئے اسے حاصل کرنا سنت ہو گا۔ کبھی شرعی علم کا حاصل کرنا انسان کے لئے واجب یعنی فرض عین بھی ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سلسلہ میں انسان کے لئے یہ سیکھنا واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کس طرح کرے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مشغول ہے اور وہ شرعی علم حاصل نہیں کر سکتا تو وہ معذور ہے بشرطیکہ اس قدر علم ضرور حاصل کر لے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکے بہرحال مقدور بھر شرعی علم ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مذاہب اربعہ

سوال میری اب تک مذاہب اربعہ میں سے کسی سے وابستگی نہیں ہے۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک مذہب کو اپنے لئے پسند کر لوں؟

جواب ائمہ اربعہ کے مذاہب اصول یعنی عقیدہ میں متفق ہیں ہاں البتہ فقہی مسائل کے فروع سے متعلق ان کے اجتہادات مختلف ہیں اور یہ اختلاف فہم' مصالح اور اطلاع میں اختلاف کے سبب ہے اور اس کے باوجود وہ اجتہاد کی وجہ سے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ جس کا اجتہاد درست ہو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جس کا اجتہاد درست نہ ہو اسے بھی ایک اجر ضرور ملتا ہے اور حسن ارادہ کی وجہ سے اس کی غلطی معاف ہوتی ہے۔ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی جائز ہے جب تک کہ اس کی غلطی ظاہر نہ ہو' اسی طرح ہر مذہب کے راجح قول کے مطابق عمل کرنا بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

علمی مجلس میں سلام کہنا

جب کوئی شخص کالج کے لیکچر یا کسی علمی مجلس میں دیر سے اس وقت پہنچے جب استاد نے لیکچر شروع کر دیا ہو تو پھر

افضل کیا ہے سلام کہے یا سلام نہ کہے اور مجلس میں بیٹھ جائے؟

جواب سلام کہنے سے اگر درس منقطع ہوتا یا حاضرین مجلس تشویش محسوس کرتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ سلام نہ کہے اور اگر سلام کہنے سے اس طرح کی کوئی بات رونما نہ ہوتی ہو تو مجلس میں آنے والے ہر شخص کے لئے سلام کہنا سنت ہے لہٰذا اسے سلام کہنا چاہئے اور اگر حاضرین میں سے کوئی ایک شخص بھی سلام کا جواب دے دے تو یہ کافی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

فتویٰ دینے میں توقف کرنا

سوال ایک عالم کے لئے فتویٰ سے توقف کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

جواب ایک عالم جب فتویٰ دینے کا اہل ہو اور اسکے پاس علم بھی ہو تو وہ فتویٰ دینے سے توقف یا تو دلائل کے تعارض کی وجہ سے کرے گا یا اس وجہ سے کہ اسکے نزدیک مستفتی (فتویٰ طلب کرنے والا) غیر سنجیدہ ہو گا کیونکہ بعض مستفتی حق معلوم کرنے کیلئے فتویٰ طلب نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصود کھیل تماشا اور یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ عالم اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ دوسرا کیا اور تیسرا اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ لہٰذا ایسی صورت حال میں ایک عالم توقف کرتا یا جواب دینے سے اعراض کرتا ہے' جب کہ اسے یہ علم یا ظن غالب ہو کہ یہ شخص کھیل تماشا کر رہا ہے' یہ محض لوگوں کا جائزہ لینا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ بعض اقوال کا سہارا لے کر بعض کو رد کر دے اور یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس صورت میں وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں عالم یہ کہتا ہے اور فلاں یہ (ہم کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں لہٰذا نتیجۃً وہ کوئی بات بھی نہیں مانتا) یہ صورت بھی ان اسباب میں سے ہے' جن کی وجہ سے ایک مفتی فتویٰ دینے میں توقف سے کام لیتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علم کے بغیر فتویٰ دینا

سوال کچھ لوگ علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دیتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل بہت خطرناک اور کبیرہ گناہ ہے۔ علم کے بغیر بات کو اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۳)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو' ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

یہ حکم سب کو شامل ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں یا اس کی صفات کے بارے میں یا اس کے افعال کے بارے میں یا اس کے شرعی احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا منع ہے۔ کسی شخص کے لئے بھی اس وقت تک کسی چیز کے

بارے میں فتویٰ دینا جائز نہیں' جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کا حکم کیا ہے اور اس کے لئے اس کے پاس اس ملکہ کا ہونا بھی ضروری ہے' جس سے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے نصوص کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھ سکے' جب اس میں یہ ملکہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ مفتی در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا اور نبی ﷺ کے ارشادات کو آگے پہنچاتا ہے لہٰذا اگر وہ کوئی بات علم کے بغیر کہتا ہے یا نظر و اجتہاد اور دلائل پر غور کی روشنی میں حاصل ہونے والے ظن غالب کے بغیر کہتا ہے' تو اس نے علم کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بات منسوب کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا لہٰذا اسے سزا کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٤)

"تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے تاکہ ازراہ بے دانشی لوگوں کو گمراہ کرے کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا

سوال بہت سے فقہی مسائل میں علماء اسلام میں اختلاف ہے۔ علماء اسلام سے میری مراد ائمہ اربعہ ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا کسی ایک مذہب سے وابستہ شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کے قول کو جو اس کے مناسب حال ہو اختیار کرے مثلاً میرا تعلق ایک ایسے مذہب سے ہے جس میں زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے جب کہ میں نے بہت سے دیگر علماء سے یہ سنا ہے کہ ان میں بھی زکوٰۃ ہے' خلاصہ یہ کہ کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مذہب سے وابستہ ہوتے ہوئے کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کی رائے کو اختیار کرلے جب کہ اسے فقہی مسائل کا خاطر خواہ علم ہو؟

جواب بے شک ایک مسلمان کا مقصود و مطلوب حق ہے۔ وہ جب بھی حق کو پاتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ائمہ اربعہ نے کسی کو بھی اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ ہر چیز میں ان کی تقلید کرے' انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ ان کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ترجیح قول کون سا ہے اور دوسروں کو انہوں نے حکم یہ دیا ہے کہ اگر دوسروں کے قول میں انہیں حق مل جائے تو اسے لے لیں لہٰذا کوئی شخص بھی کسی ایک امام کے قول کا پابند نہیں ہے کہ وہ ہر چیز میں اس کی تقلید کرے' اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ تخفیف یا خواہش نفس کی پیروی میں رخصتوں یا علماء کی لغزشوں یا ان کی غلطیوں کو ڈھونڈتا پھرے۔ اکثر ائمہ جو زیورات میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں' انہوں نے اسے استعمال کی اشیاء پر قیاس کیا یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول آثار سے استدلال کیا ہے جب کہ صحیح اور مرفوع احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے' جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے لہٰذا یہ دلیل قیاس اور آثار کی نسبت قابل ترجیح ہے یہی وجہ ہے کہ علماء محققین نے اسے اختیار کیا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ارض فدک کا قصہ

سوال میرے ہاتھ میں ((فدک فی التاریخ)) "فدک تاریخ کے آئینہ میں" نامی ایک کتاب آئی' جس کا مؤلف دونوں خلیفوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دیتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب رافضیوں ((لَعَنَهُمُ اللّٰهُ)) کا عقیدہ ہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح نبی کریم ﷺ کا مال بھی آپ کے وارثوں میں تقسیم ہونا چاہئے تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ازراہ ظلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وراثت سے محروم کیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی' جب کہ مدینہ کے قریب فدک نامی رقبہ نبی ﷺ کی ملکیت تھا لیکن حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس میں تصرف کیا اور اسے اپنی ملکیت میں لے لیا یا اسے انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس کتاب کا مصنف خبیث عقیدے کا مالک ایک رافضی ہے' اس سے اور اس کے کذب و بہتان سے ہٹ کر دور رہنا واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے تو خود ارشاد فرمایا تھا کہ:

«لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري، كتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة على اهله. . . ، ح:٥٣٥٨، وصحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، ح:١٧٥٧ واخرجه أبوداود، كتاب الخراج والامارة، ح:٢٩٦٣، والترمذي في السنن، ح:١٦١٠)

"ہمارا مال وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ تو صدقہ ہوتا ہے۔"

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس زمین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رسول اللہ ﷺ اپنی حیات پاک میں کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ روافض عقل سے کام نہیں لیتے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن

سوال میں نے کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن ص ۱۸۵ جلد دوم میں یہ پڑھا ہے کہ بادشاہ سیف ایک علاقے میں گیا جہاں اس نے ایک آدمی کو پایا اور جب اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام خضر بتایا۔ خضر نے بادشاہ سیف کو ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ دکھایا' جس کا نام سفید جزیرہ تھا اور وہ وہیں قیام کئے ہوئے تھا کیونکہ اس میں بہت سے عجائبات تھے' مثلاً یہ کہ وہاں ہر رات آسمان کا ایک دروازہ کھلتا تھا جس سے اللہ کے فرشتے نازل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین میں تصرف کرتے تھے۔ خضر نے بادشاہ کو بتایا کہ اس جزیرے کے پیچھے نور ہے اور اس نور کے پیچھے تاریکی ہے جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے بعد ایک پہاڑ ہے جس کا نام "قنر" ہے اور وہ حلقہ کی طرح گول ہے اور پوری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور آسمان اس پر سواری کئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پہاڑ کے پیچھے ایک ایسی مخلوق ہے جو نہ انسان ہے اور نہ جن...... سوال یہ ہے کہ کیا یہ باتیں سچی اور صحیح ہیں؟

جواب یہ داستان بے اصل ہے' اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کی تائید کرنا اور اسے اسلامی عقائد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت خضر کے حوالہ سے جو حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں' وہ بے بنیاد ہیں کیونکہ

حضرت خضر کا بھی دیگر بندگان الٰہی کی طرح انتقال ہو چکا ہے' اگر وہ موجود ہوتے تو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو انس و جن سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب خرافات اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہے جو کہ بالکل بے اصل ہیں۔ اس کا مصنف بھی ایک گمنام آدمی ہے یا وہ "حاطب لیل" (رات کو ایندھن اکٹھا کرنے والا) ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اسے بلا تحقیق نقل کر دیتا ہے یا لوگوں کو مشغول رکھنے کے لئے اپنے تخیل سے عجائبات دنیا کے بارے میں باتیں وضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوقات کے بارے میں اس کے احاطہ کی وسعت میں کوئی شک نہیں لیکن ان خرافات و ہفوات کا کوئی سرپاؤں نہیں لہٰذا یہ اس قابل ہیں کہ انہیں مٹا دیا جائے اور تلف کر دیا جائے۔

شیخ ابن جبرین

جس کا کوئی استاد نہیں اس کا استاد شیطان ہے

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے کہ جس کا کوئی استاد نہیں' اس کا استاد شیطان ہے؟

جواب: بے شک علم' حاملین علم ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ علماء صالحین ہیں۔ جو ان سے علم حاصل کرے گا وہ بہت فائدہ اٹھائے گا' نص کو سمجھ لے گا' علم و عمل کو پہچان لے گا اور جو شخص محض کتابوں کے مطالعہ پر اکتفاء کرے' اس سے بہت سی چیزیں مخفی رہ جائیں گی اور بعض کو وہ صحیح طور پر نہ سمجھ سکے گا لیکن یہ قول مجھے کسی مرفوع یا موقوف حدیث میں نظر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ علماء میں سے کسی نے یہ بات اس لئے کی ہو تا کہ لوگ علماء کے حلقوں میں شرکت کریں اور اہل علم کی مجلسوں سے دور نہ رہیں۔ (واللہ الموفق)

شیخ ابن جبرین

جمعہ کے دن حدیث بیان کرنا

سوال: کیا جمعہ کے دن عصر کے وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے؟ راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب: جمعہ کے دن عصر کے وقت' مغرب کے وقت اور ہر وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے' حدیث بیان کرنا' وعظ و نصیحت کرنا سننے والوں کے لئے علم' نصیحت اور فائدہ کے حصول کا موجب ہے۔ اس میں حاضر ہونے کے لئے کسی کو پابند نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے مکروہ سمجھنے کی کوئی دلیل ہے' ہاں البتہ لوگوں نے یہ عادت اپنالی ہے کہ وہ جمعہ کے دن کام کرتے ہیں نہ درس و تدریس' ویسے اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جبرین

امتحانات میں دھوکا دینا بھی حرام ہے

سوال: میں اپنی پڑھائی میں بہت کند ذہن ہوں' مجھے پڑھائی میں سمجھ بھی بہت کم آتی ہے' جس کی وجہ سے میں امتحانات

میں دھوکا (نقل وغیرہ) سے کام لیتا ہوں' امید ہے اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ خوب خوب محنت سے کام لیں' بار بار پڑھیں اپنے اسباق کو یاد کرنے' سمجھنے اور استاد سے استفادہ کی بھرپور کوشش کریں' اپنے ہم درس ساتھیوں سے بھی مدد لیں اور بار بار سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کریں' اس سے فائدہ حاصل ہو گا اور معانی و مطالب کی سمجھ بھی آئے گی۔ نقل وغیرہ کا سلسلہ بالکل ترک کر دیں کیونکہ یہ حرام بھی ہے اور امت کے خاص و عام افراد کے لئے اس میں دھوکا بھی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سنن فطرت

داڑھی کو کالا کرنا

سوال جو شخص داڑھی کو کالے سیاہ رنگ سے رنگے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ داڑھی کو منڈانے اور کالا کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو مہندی اور وسمہ وغیرہ سے رنگنے کی شرعی طور پر اجازت ہے لیکن کالے رنگ کی اجازت نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے اسی طرح ثابت ہے' چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«جِيْءَ بِأَبِيْ قُحَافَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَكَأَنَّ رَأْسَهُ ثَغَامَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِذْهَبُوْا بِهِ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ فَتُغَيِّرَ بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب ...، ح:۲۱۰۲، وسنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في الخضاب، ح:٤٢٠٤، وسنن نسائي، كتاب الزينة، ح:٥٠٧٩)

فتح مکہ کے دن "ابو قحافہ" (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد) کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کا سر ثغامہ① کی مانند تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی کسی خاتون کے پاس لے جاؤ جو ان کے بالوں کو کسی چیز سے رنگ دے لیکن انہیں سیاہ رنگ سے بچانا۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر میں کسی بوڑھے آدمی کو ان کے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دیتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی وجہ سے ابو قحافہ کے پاس خود چل کر جاتا۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے' ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ کے پھولوں کی مانند سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ هٰذَا الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ»(سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في

① ثغامہ' ایک قسم کا سفید پھولوں والا پودا ہے۔

الخضاب، ح:٤٢٠٥، وجامع الترمذي، كتاب اللباس، باب ما جاء في الخضاب، ح:١٧٥٣، وسنن نسائي، كتاب الزينة، ح:٥٠٨٤، ٥٠٨٥، واللفظ له)

"سب سے بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کو رنگو وہ مہندی اور وسمہ ہے۔"

داڑھی کو منڈانا اور کالے رنگ سے رنگنا دونوں ممنوع ہیں لیکن منڈانا' کالے رنگ سے رنگنے کی نسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مونچھوں کو منڈوانا

سوال امید ہے کہ آپ کچھ ایسی احادیث کی طرف راہنمائی فرمائیں گے' جن سے معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص داڑھی منڈائے وہ فاسق ہے" نیز یہ فرمائیے کیا یہ جائز ہے کہ مونچھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے اور منڈانے والا فاسق ہے کیونکہ وہ ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جن میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے' اس سے پہلے بھی بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی نے اس سے ملتے جلتے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیا تھا جو کہ حسب ذیل ہے:

"داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَوَفِّرُوْا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوْا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوْا اللُّحٰى وَخَالِفُوا الْـمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھوں کو کتراؤ' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی منڈانے پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے' جو منڈائے اسے نصیحت کرنا اور داڑھی منڈانے سے منع کرنا واجب ہے' اگر ایسا کوئی شخص قیادت یا کسی دینی مرکز میں ہو تو اسے اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ سمجھانا ضروری ہے۔

مونچھوں کو منڈوانا رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے' اس سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ کترانا اور ترشوانا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

رخساروں سے بالوں کو منڈانا

سوال داڑھی منڈانے' رخساروں کے بالوں کے منڈانے اور داڑھی اور مونچھوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈانا جائز نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے کہ:

«قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ»(مسند احمد، ۲/ ۲۲۹)

"مونچھیں کتراؤ' داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔"

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ۲٦۰)

"مونچھیں کتراؤ' داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخساروں اور ٹھوڑی پر ہوں جیسا کہ صاحب لسان و قاموس نے واضح کیا' لہٰذا رخساروں اور ٹھوڑی کے بالوں کو منڈانا یا کٹوانا نہیں چاہئے بلکہ واجب ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے

سوال کیا داڑھی منڈانا بھی اس آیت:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء٤/ ۱۱۹)

"اور یہ بھی کہتا رہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔"

میں داخل ہے؟

جواب ہاں داڑھی منڈانا بھی اس عموم میں داخل ہے' جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ داڑھی منڈانا بھی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے اور نبی کریم ﷺ کا بھی حکم ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کو کترایا جائے۔((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی منڈانے والے کا حکم

سوال اسلامی نقطہ نگاہ سے مونچھوں کی کیا صورت ہونی چاہئے؟ ہم نے بعض فاضل علماء سے یہ سنا ہے کہ یہ بھی بدعت اور بالوں کا مثلہ ہے کہ مونچھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے۔ جب کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہونٹ کے زائد بال لینے کی نسبت یہ افضل ہے کہ ساری مونچھیں منڈوا دی جائیں' تو سوال یہ ہے کہ ان میں کون سی صورت افضل اور راجح ہے؟

جواب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَوَفِّرُوْا اللِّحٰی وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب تقليم

الاظفار، ح:۵۸۹۲، وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۵۹)

''مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الأَظَافِرِ وَنَتْفِ الإِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لاَ نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۵۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے وقت کا تعین فرما دیا کہ مونچھیں کاٹنے' ناخن تراشنے' زیر بغل بال صاف کرنے اور زیر ناف بال صاف کرنے پر چالیس سے زیادہ دن نہیں گزرنے چاہئیں۔''

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«جُزُّوْا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوْا اللِّحٰى وَخَالِفُوا الْـمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:۲۶۰)

''مونچھیں کٹواؤ' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

ترمذی نے بروایت زید بن ارقم بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا»(جامع الترمذي، كتاب الادب، باب ما جاء في قص الشارب، ح:۲۷۶۱)

''جو شخص اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

ابن عبدالبر نے حسن بن صالح سے انہوں نے سماک بن حرب سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے۔ اور بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے (محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے)۔

ان احادیث میں یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک ہے ''احفاء'' جس کے معنی خوب اچھی طرح مونڈنا ہیں اور دوسرا ہے ''قص'' جس کے معنی قینچی وغیرہ سے کاٹنے کے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں شرعاً دونوں طرح اختیار ہے لہٰذا ہماری رائے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ مونچھوں کو خوب اچھی طرح مونڈنا مثلہ یا بدعت ہے کیونکہ ایسا کہنا مذکورہ نص کے خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مونچھوں کو کاٹنا اور داڑھیوں کو بڑھانا

سوال مختلف احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ((قصوا الشارب واعفوا اللحی)) اسی طرح ((قص الشارب' قلم الاظافر' نتف الا بط)) اور ((حلق العانة)) کے الفاظ بھی آئے ہیں' سوال یہ ہے کہ کیا حلق اور قص ایک دوسرے سے مختلف معنی رکھتے ہیں؟ یہ سوال بھی ہے کہ کچھ لوگ مونچھ کے ان بالوں کو تو کاٹ دیتے ہیں جو اوپر کے ہونٹ کے ساتھ ملے ہوتے

ہیں لیکن باقی مونچھ کو نہیں کاٹتے' بعض لوگ آدھی مونچھ کاٹ دیتے ہیں اور آدھی نہیں کاٹتے تو کیا ((اوینهک الشارب)) کے یہی معنی ہیں؟ امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے کہ مونچھوں کے کاٹنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے جب کہ داڑھی کے بارے میں تو یہ بات معروف ہے کہ اسے بالکل چھوڑ دینا چاہئے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحٰى خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ»(مسند احمد، ۲/ ۲۲۹)

"مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو"

اس حدیث کی صحت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ۲٦۰)

"مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

بعض روایات میں ((أحْفُوا الشَّوَارِبَ)) کے الفاظ بھی ہیں اور احفاء کے معنی ہوتے ہیں خوب اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ مونڈ دینا لہٰذا جو شخص مونچھ کے بالوں کو کتر دے حتی کہ اوپر کا ہونٹ ظاہر ہو جائے یا خوب اچھی طرح سارے بال مونڈ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ احادیث سے دونوں طرح ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مرد کے لئے کمر' پنڈلیوں اور رانوں کے بالوں کا صاف کرنا

سوال کیا مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ زیر ناف اور بغل کے بالوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ پیٹھ' پنڈلیوں اور رانوں وغیرہ کے بالوں کو بھی صاف کر دے جب کہ اس کا مقصود عورتوں یا کافر اہل کتاب وغیرہ سے مشابہت نہ ہو؟

جواب جسم کے مذکورہ بالا بالوں کو صاف کرنا جائز ہے کہ اس سے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بشرطیکہ عورتوں یا کافروں سے مشابہت اختیار کرنا مقصود نہ ہو کیونکہ اصل جواز ہے اور مسلمان کے لئے کسی چیز کو دلیل کے بغیر حرام قرار دینا جائز نہیں اور مذکورہ امر کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا اس سے سکوت فرمانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ مونچھیں کاٹی جائیں' ناخن تراشے جائیں' بغلوں اور زیر ناف بالوں کی صفائی کی جائے' مردوں کے لئے آپ ﷺ نے سر منڈانے کی بھی اجازت دی۔ نامصہ اور متنمصہ [1] پر آپ لعنت نے فرمائی اور ہمیں داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ باقی بالوں سے سکوت فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سکوت فرمالیں وہ قابل معافی ہے' اسے حرام قرار دینا جائز نہیں کیونکہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ نامصہ سے مراد وہ عورت ہے جو ابرو کے بال چن چن کر ابرو کو باریک کر دے۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی چہرے سے بال چننا ہیں اور المتنمصہ سے مراد وہ عورت ہے جس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے۔ "مختصر الترغیب والترھیب" حافظ ابن حجر' ترجمہ محمد خالد سیف۔ ص ۳۹۸۔

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلاَ تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلاَ تَعْتَدُوْهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلاَ تَنْتَهِكُوْهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلاَ تَبْحَثُوْا عَنْهَا»(اخرجه الدارقطني في سننه، ص:٥٠٢ وكذا البيقهي ١٠/١٢-١٣ ، ورجاله ثقات ولكنه منقطع بين محكول وأبي ثعلبة وقال العلامة المحدث ناصر الدين الالباني هذا حديث ضعيف لا يصح كما أورد في كتابه إرواء الغليل)

''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو' کچھ حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو' کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر سکوت فرمایا ہے ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔''

امام نووی رحمہ اللہ کے بقول اس حدیث کو دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس مذکورہ حدیث اور اس کے ہم معنی احادیث و آثار کی بنیاد پر اہل علم کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ ان احادیث و آثار میں سے بعض کو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں حدیث ابی ثعلبہ کی شرح میں بیان فرمایا ہے' جو انہیں معلوم کرنا چاہے' وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ (واللہ اعلم)

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کا مذاق اڑانا

سوال داڑھی نبی کریم ﷺ سے ثابت صحیح سنتوں میں سے ایک سنت ہے' کچھ لوگ اسے منڈوا دیتے ہیں کچھ کترا دیتے ہیں' کچھ اس کا انکار کرتے ہیں اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے رکھنے والے کو ثواب ہو گا اور نہ رکھنے والے کو عذاب نہ ہو گا۔ کچھ بے وقوف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر داڑھی میں خیروبرکت ہوتی تو بال زیر ناف نہ اگتے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کہنے والوں کا برا کرے .... تو ان میں سے ہر ایک کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نبی کریم ﷺ کی کسی سنت کا انکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے کہ داڑھی بڑھانا اور رکھنا سنت ہے اور اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے' چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى وَخَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ»(مسند احمد، ٢/ ٢٢٩)

''مونچھیں کترو' داڑھیوں کو چھوڑ دو اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔''

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى وَخَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

''مونچھوں کو کترو' داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

یہ دو حدیثیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ داڑھی رکھنا اور بڑھانا واجب ہے اور

اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے' رکھنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور نہ رکھنے والے کو گناہ نہ ہو گا تو وہ یقیناً غلط کہتا اور صحیح احادیث کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ امر وجوب اور نہی تحریم کے لئے ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دلیل کے بغیر احادیث صحیحہ کے ظاہر مفہوم کی مخالفت کرے' اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر ان احادیث کے ظاہر کو بدل دیا جائے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا» (جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، ح: ٢٧٦٢)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے طول و عرض کی طرف سے بالوں کا کاٹ دیا کرتے تھے''

تو یہ حدیث باطل ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی متہم بالکذب ہے۔ جو شخص داڑھی کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے زیر ناف بالوں سے تشبیہ دے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے جو اسلام سے مرتد ہونے کا موجب ہے کیونکہ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کا مذاق اڑانا کفر و ارتداد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَـٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ ﴾

(التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

''کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

فتویٰ کمیٹی

رخساروں کے بالوں کو مونڈنا اور بحالت روزہ حجامت بنوانا

سوال کیا آدمی کے لئے یہ جائز ہے کہ رخساروں کے بالوں کو تو مونڈ دے مگر داڑھی کو چھوڑ دے؟ کیا روزے کی حالت میں سر یا زیر ناف بالوں کو صاف کرنا جائز ہے جب کہ اس سے خون نکل آتا ہو؟

جواب رخساروں کے بالوں کو مونڈنا جائز نہیں کیونکہ یہ داڑھی میں شامل ہیں سر کے بالوں کو مونڈنا اور زیر ناف بالوں کو صاف کرنا رمضان اور غیر رمضان میں جائز ہے خواہ اس سے خون نکل آتا ہو۔ یاد رہے زیر ناف بالوں کی صفائی تو سنن فطرت میں سے ہے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مسواک اور دانتوں کا خون

سوال بعض نمازی اقامت صلوٰۃ کے وقت مسواک کرتے ہیں' جس سے منہ کی بو پھیلتی ہے اور بعض اوقات خون بھی نکل آتا ہے تو کیا یہ اس حدیث کے مطابق عمل ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

«لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ» (صحيح بخاري، كتاب الجمعة،

باب السواك يوم الجمعة، ح:٨٨٧، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك، ح:٢٣)

"اگر امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دے دیتا؟"

جواب اس عمل کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خالص سنت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔ جو لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ بات بھی درست نہیں کہ اس سے ناگوار بو پھیلتی ہے بلکہ مسواک تو منہ کو صاف کرتی اور منہ کو بو سے پاک کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، الترغيب في السواك ح:٥)

"مسواک منہ کو پاک کرنے اور رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔"

مسواک کرنے سے اگر مسوڑھوں سے کچھ خون نکل آئے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مسجد میں یا نماز کے وقت مسواک کرنا چھوڑ دیا جائے' کیونکہ ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو مسواک کرنے کی عادت ہو اور وہ ہمیشہ مسواک کرے تو اس سے خون آنا بند ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بالوں کو چھوٹا اور لمبا کرنا

سوال میں نے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر کے کچھ بالوں کو منڈوا دیا اور کچھ کو چھوڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس سے منع کر دیا اور فرمایا کہ "سارے سر کو مونڈ دو یا سارے کو چھوڑ دو۔" تو سوال یہ ہے کہ کیا بالوں کو کاٹنا حرام ہے؟ نیز ﴿ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ﴾ کا کیا مفہوم ہے؟

جواب سر کے بالوں کو کاٹنا یا مونڈنا حرام نہیں ہے بلکہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور افضل یہ ہے کہ آدمی عادت کے مطابق عمل کرے بشرطیکہ ہم یہ بات صحیح تسلیم کریں کہ بالوں کا مسئلہ عادت کے تابع ہے سنت کے تابع نہیں۔ سوال میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سر کے کچھ حصے کو مونڈ رکھا تھا اور کچھ کو چھوڑ رکھا تھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ سارے سر کو مونڈ لے یا سارے کو چھوڑ دے لہٰذا اگر سر کے بالوں کو مونڈ دیا جائے یا کترا دیا جائے یا تحلیق و تقصیر کے بغیر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو اس میں اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ:

﴿ لَتَدْخُلُنَّ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ﴾ (الفتح٤٨/ ٢٧)

"اللہ نے چاہا تو تم ہر صورت مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن و امان سے داخل ہو گے۔"

اس لئے کہ عمرہ کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر کو منڈوائے یا اپنے بال کتروائے ہاں البتہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ کتروانے کی نسبت بالوں کو منڈوانا افضل ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مردوں کے لئے سرمہ کا استعمال

 بغیر ضرورت کے مردوں کے لئے اپنی آنکھوں میں سرمہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب سرمہ کی دو قسمیں ہیں:

① وہ جو تقویت بصر' آنکھ کے پردہ کو جلا بخشنے اور آنکھ کی نظافت و طہارت کے لئے استعمال کیا جائے اور اس میں جمال کا پہلو نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان مقاصد کے لئے سرمہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے خصوصاً جب کہ وہ اصلی اثمد ہوتا۔

② وہ جو محض زینت و جمال کے لئے استعمال ہو تو یہ عورتوں کے لئے ہے کیونکہ عورت سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے زیب و زینت کا اظہار کرے۔ مردوں کے لئے اس کے استعمال کا کیا حکم ہے' مجھے یہ معلوم نہیں؟

——— شیخ ابن عثیمین ———

داڑھی کو کالا کرنا

 داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنے اور ایسا کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب سفید بالوں کو خواہ وہ سر میں ہوں یا داڑھی میں' کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' کالے کے علاوہ دیگر رنگوں مثلاً سرخ اور پیلے سے رنگنا جائز ہے' مہندی اور وسمہ ملا کر بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ، وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة. . . .، ح:٢١٠٢، وسنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في الخضاب، ح:٤٢٠٤)

"ان سفید بالوں کے رنگ کو بدل دو اور انہیں (حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو) سیاہی کے استعمال سے بچاؤ۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لاَ يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ»(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، ح:٢١٠٣)

"یہود و نصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

ابروؤں کے بالوں کو چھوٹا کرنا

سوال اگر ابروؤں کے بال بہت گھنے ہوں تو کیا عورتوں سے مشابہت یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی کے ارادہ کے بغیر ہی انہیں کترانا جائز ہے؟

 میری رائے میں ان بالوں کو چننا یا کترنا یا کاٹنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمال و زینت اور آنکھ کی

حمایت و صیانت (حفاظت) کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ مرد یا عورت اگر ان بالوں کو زائل کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی بات ہے چونکہ ایسا اکثر عورتیں کرتی ہیں' اس لئے ان پر اس کی وجہ سے حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

شرعی داڑھی کے حدود اور داڑھی منڈانے کا حکم

سوال امید ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں گے کہ داڑھی منڈانے یا اس کے کچھ بال کترانے کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ فرمایئے کہ شرعی داڑھی کے حدود کیا ہیں؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

"داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ"

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت کو چھوڑ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقہ کو اختیار کرنا ہے۔

داڑھی کی حد کے بارے میں گزارش ہے کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ وہ تمام بال جو چہرے' رخساروں' کلوں اور ٹھوڑی پر ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں اور ان میں سے کسی حصہ کے بالوں کو لینا معصیت میں شامل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات أعفُوااللِّحٰی' اَرْخُوااللِّحٰی' وَفِّرُوااللِّحٰی' اور اَوْفُوا اللِّحٰی کا تقاضا ہے کہ داڑھی کے کسی حصہ کے بالوں کو لینا بھی جائز نہیں ہے لیکن معاصی میں بھی چونکہ تفاوت ہوتا ہے لہٰذا داڑھی منڈانا' کترانے کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ نمایاں اور بڑی مخالفت ہے۔

— شیخ ابن عثیمین —

داڑھی منڈانا

سوال داڑھی منڈانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰى»

"مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ"

آپ ﷺ نے مونچھیں کترانے اور داڑھی بڑھانے کو دس سنن فطرت میں سے بھی شمار فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی داڑھی مبارک بھی گھنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۹٤)

"بھائی میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے۔"

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو کلوں اور ٹھوڑی پر اگیں' کلے نچلے دانتوں کے اگنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور جس مقام پر دونوں کلے مل جاتے ہیں اسے ٹھوڑی کہتے ہیں۔ داڑھی بڑھانے کا حکم چونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے' اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لائے اور اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ مکمل فرماں برداری کی جائے۔ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے وہ نبی ﷺ کے ارشادات اعفوااللحی' اوفوااللحی' وفرواللحی اور اوفوا اللحی کی نافرمانی کرتا ہے جو شخص داڑھی منڈائے یا کترائے اس کی اطاعت رسول میں خلل ہے اور وہ معصیت میں مبتلا ہے لہٰذا اسے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کرنی چاہئے اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن جبرین ——

داڑھی منڈانا اور مونچھیں کترانا

سوال میں نے سنا ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ' تو جو شخص مونچھیں رکھتا اور داڑھی منڈاتا ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰى»

"مونچھیں کٹواؤ' داڑھیاں بڑھاؤ"

مونچھوں کو لمبا کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ اس میں تکلیف بھی ہے اور ایذاء بھی جب کہ داڑھی باعث جمال و زینت ہے اس لئے اسے منڈانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ داڑھیوں کو بڑھایا جائے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں اور آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی فرماں برداری کرے اور آپ ﷺ کی اطاعت بجا لائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

باب سوم
کتاب
الطّهارة
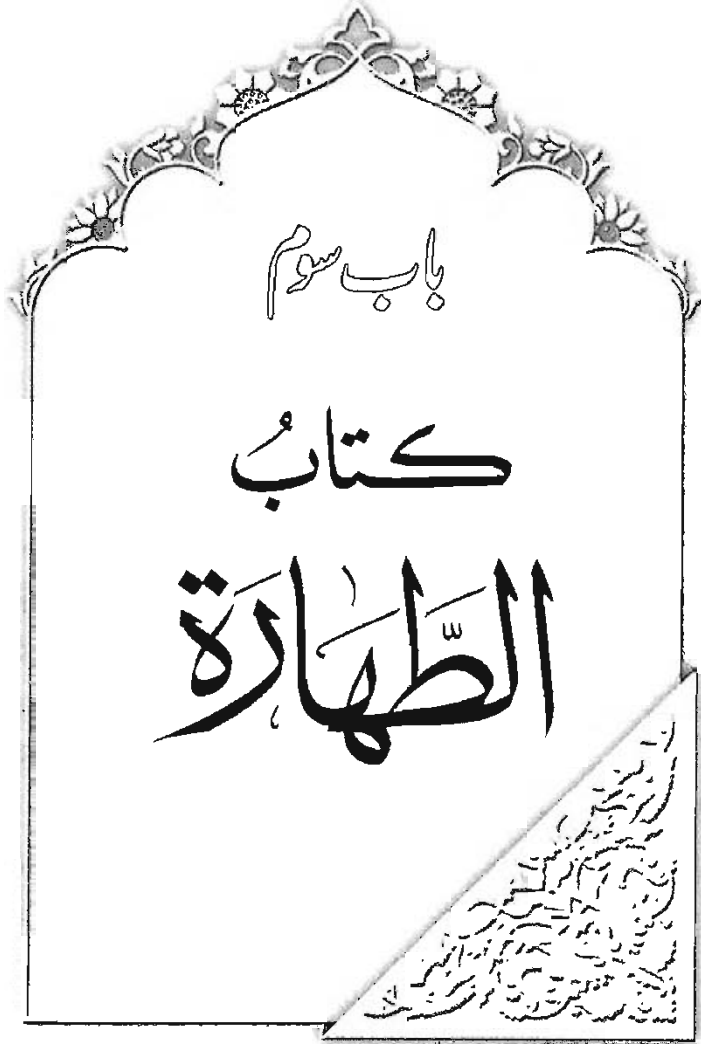
مریض کی طہارت کے احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ ۔ وبَعْدُ

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہر نماز کے لئے طہارت کا حکم دیا ہے لہٰذا ناپاکی کو دور کرنا اور نجاست کا ازالہ کرنا' خواہ وہ بدن میں ہو یا کپڑے میں ہو یا اس جگہ میں ہو جہاں نماز پڑھنی ہو' نماز کی شرائط میں سے ہے لہٰذا جب مسلمان نماز کا ارادہ کرے تو اس کے لئے واجب ہے کہ چھوٹی ناپاکی کی صورت میں وضوء کرے اور بڑی ناپاکی کی صورت میں غسل کرے اور بول و براز کی صورت میں ضروری ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا جائے یا ڈھیلوں کو استعمال کر لیا جائے تاکہ طہارت و نظافت مکمل طور پر حاصل ہو جائے۔ طہارت و نظافت سے متعلق بعض احکام کا ذکر حسب ذیل ہے:

دونوں راستوں سے نکلنے والی ہر چیز مثلاً بول و براز کی وجہ سے پانی سے استنجاء واجب ہے۔ نیند یا محض ہوا خارج ہونے کی وجہ سے استنجاء نہیں ہے بلکہ صرف وضوء کرنا ہو گا کیونکہ استنجاء کا حکم تو ازالہ' نجاست کے لئے ہے اور نیند و خروج ہوا کی صورت میں نجاست نہیں ہے۔

ڈھیلے پتھروں کے ہوں یا جو چیز پتھروں کے قائم مقام ہو سکتی ہو' ڈھیلوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین ہوں اور پاک ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستتار في الخلاء، ح: ٣٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، ح: ٣٣٧)

"جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَإِنَّهَا تُجْزِىءُ عَنْهُ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالاحجار، ح: ٤٠)

"تم میں سے کوئی جب قضاء حاجت کے لئے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے یہ اس کے لئے کافی ہوں گے۔"

نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ڈھیلے تین سے کم ہوں لید' ہڈی اور کھانے کی کسی چیز کو اور ہر اس چیز کو جو قابل احترام ہو بطور ڈھیلا استعمال کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پتھروں کو بطور ڈھیلا استعمال کیا جائے یا جو چیزیں ان سے مشابہت

رکھیں' مثلاً ٹشو پیپرز وغیرہ اور پھر ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کیا جائے کیونکہ پتھر عین نجاست کو زائل کرتے ہیں اور پانی محل نجاست کو پاک کرتا ہے لہٰذا اس سے خوب خوب صفائی ہو جاتی ہے۔ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ پانی کے ساتھ استنجاء کرے یا پتھروں وغیرہ کے ساتھ صفائی کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«يَدْخُلُ الْخَلاَءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلاَمٌ نَحْوِيْ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب حمل العنزة مع الماء في الاستنجاء، ح:١٥٢، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالماء، ح:٢٧١)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خلا میں داخل ہوتے تو میں یا میرے جیسا کوئی اور لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھالیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجاء فرماتے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عورتوں کی ایک جماعت سے فرمایا:

«مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَسْتَطِيْبُوْا بِالْمَاءِ فَإِنِّيْ أَسْتَحْيِيْهِمْ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، كَانَ يَفْعَلُهُ»
(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الاستنجاء بالماء، ح:١٩)

"اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پانی کے ساتھ طہارت کریں' میں ان سے بات کرنے میں حیا محسوس کرتی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔"

اگر آدمی دونوں میں سے ایک پر اکتفاء کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ پانی پر اکتفاء کرے کیونکہ پانی مقام کو بھی پاک کرتا ہے اور عین نجاست کو بھی زائل کرتا ہے' اس سے نظافت بھی خوب ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلوں پر اکتفاء کرے تو پھر تین ڈھیلے استعمال کرے' اگر مقام صاف ہو جائے تو بہتر ورنہ چار اور پانچ استعمال کرے حتی کہ مقام پاک صاف ہو جائے لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی طاق تعداد میں استعمال کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستتار في الخلاء، ح:٣٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، ح:٣٣٧)

"جو ڈھیلے استعمال کرے' اسے طاق استعمال کرنے چاہئیں"

ڈھیلہ دائیں ہاتھ سے استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ:

«نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِيَمِيْنِهِ لاَ يُمْسِكْ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَهُوَ يَبُوْلُ وَلاَ يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلاَءِ بِيَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح:١٥٣ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح:٢٦٧)

"ہم میں سے کوئی دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے' پیشاب کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اپنے آلۂ تناسل کو نہ پکڑو اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرو۔"

اگر بایاں ہاتھ کٹا ہو یا اس میں کوئی بیماری ہو تو پھر اس طرح کی حالت میں بوقت ضرورت دایاں ہاتھ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسلامی شریعت کی بنیاد چونکہ آسانی اور سہولت پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذر میں مبتلا لوگوں کے لئے عبادات کے ادا کرنے میں حسب عذر تخفیف کر دی ہے تاکہ وہ کسی حرج اور مشقت کے بغیر اپنی عبادات ادا کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج۲۲/ ۷۸)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) پر تنگی نہیں کی۔"

اور فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۵)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔"

اور فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن۶۴/ ۱۶)

"سو جہاں تک ہو سکے، تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:۷۲۸۸، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:۱۳۳۷)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجا لاؤ۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: "دین آسان ہے۔"

مریض کو جب پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کی استطاعت نہ ہو یعنی حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرنے سے عاجز ہو یا اس سے مرض میں اضافہ کا خوف ہو یا بیماری کے درست ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے یعنی دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر ایک بار مارے اور اپنی انگلیوں کے اندر کے حصے کو اپنے چہرہ پر پھیرے اور ہتھیلیوں کو دونوں بازوؤں پر پھیرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدة۵/ ۶)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔"

جو شخص پانی کے استعمال سے عاجز ہو اس کا حکم وہی ہے، جو اس شخص کا ہے جس کے پاس پانی ہی نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى»(صحيح بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ح:۱)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

مریض کے حالات مختلف ہوتے ہیں مثلاً:

① مرض معمولی ہو اور پانی کے استعمال سے ہلاکت' بیماری میں اضافہ' شفایابی میں تاخیر اور درد میں نمایاں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ ہو جیسے سر درد یا داڑھ میں درد وغیرہ ہو یا مریض کے لئے گرم پانی کا استعمال ممکن ہو اور اس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو اس کے لئے تیمم جائز نہیں کیونکہ تیمم کا جواز نفی ضرر کے لئے ہے اور یہاں کوئی ضرر ہے ہی نہیں اور پانی بھی اس کے پاس موجود ہے لہٰذا اس کے لئے پانی کا استعمال واجب ہے۔

② اگر مرض ایسا ہو کہ پانی کے استعمال سے ہلاکت' یا کسی عضو کے ناکارہ ہونے یا اس سے کسی ایسے مرض کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو' جس سے جان کو خطرہ لاحق ہو یا کوئی عضو ناکارہ ہونے یا اس کی افادیت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے مریض کے لئے تیمم جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔"

③ اگر مرض ایسا ہے کہ آدمی چل پھر نہیں سکتا اور اس کے پاس کوئی اور انسان بھی نہیں جو اسے پانی مہیا کر سکے تو اس کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔

④ جس شخص کے جسم پر زخم ہوں یا پھوڑے پھنسیاں ہوں یا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو یا مرض ایسا ہو کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو اور وہ جنبی ہو جائے تو اس کے لئے سابقہ دلائل کی بنیاد پر تیمم کرنا جائز ہے اور اگر اس کے لئے جسم کے صحیح حصے کا دھونا ممکن ہو تو اسے دھونا واجب ہو گا اور باقی حصے کا تیمم کرلے۔

⑤ اگر مریض کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی نہ ہو' مٹی بھی نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو مٹی یا پانی لا کر دے سکے تو وہ حسب حال اسی طرح نماز پڑھ لے' نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

⑥ سلسل البول کا وہ مریض جو علاج معالجہ سے بھی صحیح نہ ہو سکتا ہو تو اسے وقت ہونے کے بعد ہر نماز کے لئے وضوء کرنا چاہئے اور جسم کے اس حصہ کو دھولینا چاہئے جہاں پیشاب لگا ہو۔ اگر مشقت نہ ہو تو نماز کے لئے الگ پاک کپڑے استعمال کرے ورنہ اس کے لئے معافی ہے اور وہ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج٢٢/ ٧٨)

"اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

نیز فرمایا:

﴿ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے' سختی نہیں چاہتا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب . الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

سلسل البول کے مریض کو احتیاط کرنی چاہئے کہ پیشاب اس کے کپڑوں' جسم اور نماز کی جگہ کو نہ لگے۔ یاد رہے تیمم بھی ہر اس چیز سے باطل ہو جاتا ہے جس سے وضوء باطل ہوتا ہے نیز پانی کے استعمال کی قدرت کے حاصل ہونے یا معدوم ہونے کی صورت میں پانی کے مل جانے سے بھی تیمم باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

مریض کس طرح طہارت حاصل کرے؟

① مریض کے لئے بھی واجب ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرے' حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرے۔

② اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کرلے۔

③ تیمم کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کو ایک بار پاک زمین پر مارے اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سارے چہرہ کا مسح کرے اور پھر ایک دوسرے ہاتھ کے ساتھ دونوں ہاتھوں پر مسح کرے۔

④ اگر کوئی مریض از خود طہارت حاصل نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا انسان اسے وضوء یا تیمم کرا دے۔

⑤ اگر بعض اعضاء طہارت میں زخم ہو تو اسے پانی سے دھولے' اگر پانی سے دھونے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو زخم پر مسح کرلے یعنی ہاتھ کو پانی سے تر کر کے زخم پر پھیر لے اور اگر اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کرلے۔

⑥ اگر جسم کا کوئی عضو ٹوٹا ہو اور اس پر پٹی یا پلستر لگا ہو' تو اسے دھونے کی بجائے پانی سے مسح کرلے' اس صورت میں تیمم کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ مسح دھونے کے قائم مقام ہے۔

⑦ تیمم دیوار کے ساتھ جائز ہے اور ہر اس پاک چیز کے ساتھ بھی جس پر غبار ہو' اگر دیوار پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جس کا جنس زمین سے تعلق نہ ہو مثلاً پینٹ وغیرہ تو اس سے تیمم نہ کرے الا یہ کہ دیوار پر غبار موجود ہو۔

⑧ جب زمین سے یا دیوار سے یا کسی ایسی چیز سے تیمم نہ کرے جس پر غبار ہو تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کسی برتن یا رومال وغیرہ میں مٹی رکھ کر اس سے تیمم کرلے۔

⑨ جب آدمی ایک نماز کے لئے تیمم کرلے اور دوسری نماز کے وقت تک وہ بحالت طہارت رہے تو وہ پہلے تیمم ہی سے نماز پڑھ لے' دوسری نماز کے لئے اسے دوبارہ تیمم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ابھی تک طہارت پر قائم ہے اور ایسی کوئی بات واقع نہیں ہوئی جو اس کی طہارت کو ختم کر دے۔

⑩ مریض کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے جسم کو نجاستوں سے پاک رکھے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ اپنے حسب حال نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہوگی' اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

⑪ مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک کپڑوں میں نماز پڑھے' اگر کپڑے ناپاک ہو جائیں تو انہیں دھونا یا ان کی بجائے پاک کپڑے پہننا واجب ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہو گی' اسے نماز دوہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔

⑫ مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک جگہ پر نماز پڑھے' اگر اس کی جگہ ناپاک ہو تو اسے دھونا واجب ہے' یا وہ کسی دوسری پاک جگہ منتقل ہو جائے یا اس پر کوئی پاک چیز بچھا دے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھ لے' نماز صحیح ہو گی' اسے دوہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔

⑬ مریض کے لئے یہ جائز نہیں کہ طہارت سے عاجزی کی وجہ سے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے بلکہ مقدور بھر طہارت حاصل کر کے نماز کو بروقت ادا کرے خواہ اس کے جسم' کپڑے یا جگہ پر نجاست ہو جس کے ازالہ سے وہ عاجز ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خشک نجاست نقصان دہ نہیں ہے

سوال کیا خشک پیشاب کپڑوں کو ناپاک نہیں کرتا یعنی مثلاً بچے نے زمین پر پیشاب کیا' اسے دھویا نہ گیا اور وہ زمین خشک ہو گئی اور پھر کوئی شخص آ کر اس خشک پیشاب پر بیٹھ گیا تو اس سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

جواب خشک نجاست کے لمس سے جسم یا خشک کپڑے کو نقصان نہیں پہنچتا' اسی طرح خشک حمام میں خشک ننگے پاؤں داخل ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نجاست تر ہونے کی صورت میں پھیلتی ہے!

——— شیخ ابن جبرین ———

زخموں کی صفائی کے لئے اس خوشبو کا استعمال جس میں الکحل کی آمیزش ہو

سوال کیا زخموں وغیرہ کی صفائی کیلئے ان عطریات و خوشبویات کا ظاہری استعمال جائز ہے جن میں الکحل کی آمیزش ہو؟

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

اولاً: کیا شراب ناپاک ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ شراب حسی طور پر نجس ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کرنا واجب ہے جب کہ بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے کہ نجاست کا حسی ہونا ایک شرعی حکم ہے' جسے ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا جب کسی شرعی دلیل سے شراب کا ناپاک ہونا ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ پاک ہے' کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل تو خود کتاب اللہ کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَـٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَـٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جواء اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے

بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔"

اور رجس بمعنی نجس ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجزاس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردار' خنزیر کا گوشت اور دم مسفوح رجس یعنی نجس ہیں' رجس کے یہاں نجس ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے مردہ جانوروں کی کھالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "پانی انہیں پاک کر دیتا ہے" ((يُطَهِّرُهَا)) "یعنی اسے پاک کر دیتا ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پہلے ناپاک تھیں جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معلوم ہے لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہاں رجس سے مراد رجس عملی ہے رجس حسی نہیں اور اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں:

﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

"(یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔"

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جواء' بت اور پانسے حسی طور پر نجس نہیں ہیں اور آیت میں چار چیزوں کے بارے میں خبر ہے اور وہ ہیں ① شراب ② جواء ③ بت اور ④ پانسے تو جب خبران چاروں کے متعلق ہے تو حکم بھی ان سب کے متعلق مساوی ہو گا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے' ان کے پاس ایک دوسری دلیل سنت سے یہ بھی ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو نبی ﷺ نے شراب کے برتنوں کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حرمت کے حکم کے نازل ہونے کے بعد شراب کو بازاروں میں بہا دیا۔ اگر شراب نجس ہوتی تو وہ اسے بازاروں میں نہ بہاتے کیونکہ اس سے بازاروں میں چلنے والوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ تھا۔

ثانیاً:جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے اور میرے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے' تو معلوم ہوا کہ الکحل بھی حسی طور پر نجس نہیں ہے بلکہ اس کی نجاست معنوی ہے کیونکہ جس الکحل سے سکر (نشہ) پیدا ہو وہ شراب ہے' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ)) "ہر نشہ آور چیز شراب ہے"[1] اور جب یہ شراب ہے تو اکل و شرب میں اس کا استعمال کہ اسے کسی کھانے پینے کی چیز میں ملایا جائے کہ اس کی تاثیر اس میں ظاہر ہو تو حرام ہے اور اس کی حرمت نص اور اجماع سے ثابت ہے' دیگر امور مثلاً جراثیم کے خاتمہ وغیرہ کے لئے اس کا استعمال تو یہ مسئلہ محل نظر ہے اور اجتناب ہی میں زیادہ احتیاط ہے لیکن میں اسے حرام نہیں کہہ سکتا اور میں سوائے زخموں کو مندمل کرنے وغیرہ کی ضرورت کے خود استعمال بھی نہیں کرتا۔

شیخ ابن عثیمین

---

① صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب بیان ان کل خمر حرام' ح: 2002

جس شخص کی ہوا مسلسل خارج ہوتی رہتی ہو

سوال جب کوئی مسلمان کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے زور سے ہوا خارج کرنے پر مجبور ہو اور ہوا روکنے کی صورت میں بہت تکلیف ہو تو کیا نماز پڑھتے ہوئے ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز فاسد ہو جائے گی یا سلسل البول پر قیاس کرتے ہوئے فاسد نہ ہو گی؟

جواب اس شخص کو مقدور بھر کوشش کر کے اپنی طہارت کی حفاظت کرنی چاہئے' اگر ہوا ہر وقت خارج نہ ہوتی رہتی ہو بلکہ کبھی کبھی خارج ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا اور اگر ہوا ہمیشہ اور ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہو اور چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' لیٹتے اور سواری کی حالت میں کسی وقت بھی بند نہ ہوتی ہو اور نہ وہ اسے بند کر سکتا ہو' بند کرنے سے اسے تکلیف ہو' تو یہ معذور ہو گا۔ ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کا حکم اس شخص کا سا ہو گا جس کی ناپاکی دائمی ہے ہاں البتہ وقت شروع ہونے کے بعد اسے ہر نماز کے لئے نیا وضوء کرنا ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

پیشاب کا وسوسہ

سوال فضیلۃ الشیخ! میں جب پیشاب سے فارغ ہوتا ہوں تو بعد میں ایک قطرہ نکل آتا ہے۔ یہ مرض مجھے پانچ ماہ سے لاحق ہے۔ میں نے ہسپتال سے علاج بھی کروایا لیکن بے سود اور میں اسی حالت میں نمازیں پڑھ رہا ہوں' تو سوال یہ ہے کہ میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں یا کیا کروں؟ میری راہنمائی فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب برادر! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی طہارت کے لئے مقدور بھر احتیاط سے کام لیجئے' پیشاب کرنے اور قطرہ وغیرہ کے منقطع ہونے کے بعد نماز کا وقت داخل ہونے سے قریبا نصف گھنٹہ پہلے پہلے وضوء کر لیجئے تاکہ یہ امید کی جا سکے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے قطرہ ختم ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر بار پیشاب کرنے کے بعد اپنی شرم گاہ کو ٹھنڈے پانی سے دھو لیجئے' اس سے بھی قطرہ آنا بند ہو جائے گا۔ اور اگر یہ قطرے وسواس و وہم کا نتیجہ ہوں تو استنجاء کے بعد اپنی شلوار اور کپڑے وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان تمہیں وہم میں مبتلا نہ کر سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے کیونکہ تمہارے سامنے یقینی طور پر یہ بات ہو گی کہ یہ تو اس پانی کی ہے' جس کے چھینٹے آپ نے کپڑے پر مارے ہیں ہاں البتہ اگر پیشاب کا سلسلہ جاری رہے یا پیشاب کے بعد قطرے جاری رہیں اور وہ کئی گھنٹوں تک ختم ہی نہ ہوں تو یہ سلسل البول کا مرض ہو گا اور ایسے شخص کا حکم اس انسان جیسا ہو گا جس کی ناپاکی دائمی ہے' اسے نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کرنا چاہئے نیز اس کے لئے ہر نماز کے لئے وضوء کرنا لازمی ہے اور اس وقت وضوء کرنے کے بعد قطرے اس کے لئے نقصان دہ نہ ہوں گے خواہ وہ اس کے کپڑے یا جسم کو بھی لگ جائیں بشرطیکہ وہ حفاظت اور صفائی کے لئے مقدور بھر اسباب کو اختیار کرے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن جبرین ——

وضوء میں وسوسہ

سوال میں جب نماز کے لئے وضوء کرتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ آلہ تناسل سے کوئی چیز نکل رہی ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں یا نہیں؟ اور کیا جب میں نماز پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کروں تو میری نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب نمازی کے یہ محسوس کرنے سے کہ اس کی دبر یا قبل سے کوئی چیز خارج ہو رہی ہے' وضوء باطل نہیں ہوتا اور اس احساس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس طرح کی صورت حال کے بارے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح:١٣٧، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة . . .، ح:٣٦١)

”اس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔“

البتہ جب نمازی کو یہ یقین ہو جائے کہ ہوا یا پیشاب وغیرہ خارج ہوا ہے تو فساد طہارت کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی' اسے وضوء اور نماز کو دوہرانا ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

جگہ کی طہارت کے بارے میں شک

سوال جب ہم ایک فلیٹ سے دوسرے فلیٹ میں منتقل ہوتے ہیں تو عام طور پر تمام یا اکثر فلیٹوں میں کارپٹ بچھا ہوتا ہے' تو کیا ہمارے لئے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے' جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سے پہلے اس گھر میں رہنے والے مسلمان تھے یا نہیں؟

جواب اشیاء میں اصل طہارت ہے۔ کسی چیز یا جگہ کو صرف اسی صورت میں نجس قرار دیا جا سکتا ہے' جب اس کی نجاست کی کوئی دلیل ہو اور پھر وہ نجس چیز اس جگہ واقعی موجود ہو اور جب یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں تو مسلمان نماز پڑھ سکتا ہے' اس کی نماز صحیح ہو گی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

ہوا کا مسلسل خروج

سوال میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں جس کی وجہ سے میرا وضوء برقرار نہیں رہتا' جس کی وجہ سے مجھے نماز' تلاوت قرآن اور ان تمام عبادات میں مشقت کا سامنا ہے' جن کے لئے وضوء لازم ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جوں ہی وضوء کا پانی میرے جسم کو چھونے لگتا ہے' میرے قصد وارادہ کے بغیر ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ نماز جمعہ' عیدین' فرض نمازوں اور تلاوت قرآن کریم کے لئے بیٹھنے میں بھی مجھے دشواری ہوتی ہے اور سکون اس وقت ہوتا ہے جب ہوا

خارج ہو جائے۔ اس بیماری کی وجہ سے مجھے نماز میں اطمینان حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مجھے وضوء کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے' تو سوال یہ ہے کیا میرے لئے رخصت یا جواز ہے' جس سے اس مرض کی حدت میں تخفیف ہو جائے خواہ اسے فالج پر قیاس کر لیا جائے؟ مجھے اس مسئلہ کا حل بتایئے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے!

جواب بظاہریوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ وسوسہ ہے. جس میں بہت سے لوگ وضوء اور نماز کے سلسلہ میں مبتلا ہیں' اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی تو آپ معذور ہیں اور آپ کو اس شخص پر قیاس کیا جائے گا جس کی ناپاکی دائمی ہے جیسے کہ سلسل البول کا مریض ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ اس وقت وضوء کیجئے جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اور اقامت قریب ہو' پھر مقدور بھر کوشش کر کے وضوء کو ٹوٹنے سے بچایئے اور اگر آپ مغلوب ہو جائیں اور ہوا کو روکنے پر قادر نہ ہوں تو آپ کی نماز (ان شاء اللہ) صحیح ہو گی کیونکہ یہ امر انسانی اختیار سے باہر اور اضطرار کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

دھوپ سے طہارت حاصل نہیں ہوتی

سوال میرے چھوٹے بچے ہیں' جنہیں گود میں اٹھانا پڑتا ہے اور وہ میرے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہیں میں نماز پڑھ لیتی ہوں' کیا ایسے کپڑوں میں نماز جائز ہے؟

جواب لڑکے نے اگر کھانا کھانا نہ شروع کیا ہو تو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارنا ہی کافی ہے کیونکہ ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ:

«أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَجْلَسَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب بول الصبيان، ح:٢٢٣، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع، ح: ٢٧٨

"اپنے ایک ایسے چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جس نے ابھی کھانا کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا تو بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا' تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر چھینٹے مار دیئے اور اسے نہ دھویا۔"

نضح کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اتارے بغیر پانی سے تر کر دیا جائے اور اسے ملنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ اگر کھانا کھانا شروع کر دے تو اس کے پیشاب کو دھویا جائے گا جب کہ بچی کے پیشاب کو ہر حال میں دھویا جائے گا کیونکہ لبابہ بنت حارث سے روایت ہے کہ حسین بن علی نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو میں نے عرض کیا آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور یہ تہہ بند مجھے دے دیں تاکہ میں اسے دھو دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الأُنْثَى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب، ح: ٣٧٥)

"بچی کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹے مار لئے جاتے ہیں۔"

بچے اور بچی کے پیشاب کے بارے میں یہ وہ حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا

کہ سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ پیشاب سے آلودہ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہی میں نماز پڑھ لیتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ دھوپ سے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ ایسے کپڑے کو پاک کئے بغیر اس میں نماز پڑھنا صحیح نہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کے بعد کپڑوں میں نجاست کی موجودگی

سوال ایک آدمی نے نماز پڑھی اور کافی مدت بعد معلوم ہوا کہ اس کے کپڑے ناپاک تھے' تو کیا وہ نماز کو دوہرائے جب کہ اس نے ان کپڑوں میں پانچ ماہ پہلے نماز پڑھی تھی؟

جواب اگر نجاست کا علم نماز سے فراغت کے بعد ہو تو نماز صحیح ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے جب نبی کریم ﷺ کو دوران نماز یہ بتایا کہ آپ کے نعلین (جوتے) کو نجاست لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے انہیں اتار دیا اور نماز کے ابتدائی حصے کو جو آپ ﷺ پڑھ چکے تھے' نہ دوہرایا۔ اسی طرح اگر نجاست کے بارے میں نماز سے پہلے معلوم ہو لیکن پھر بھول کر انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے اور اسے نماز کے بعد یاد آئے کہ یہ کپڑے ناپاک تھے تو پھر بھی نماز صحیح ہو گی' ارشاد باری تعالیٰ میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا!"

اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نواز دیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سلسل البول کا مریض

سوال ایک شخص جو سلسل البول کے مرض میں مبتلا ہے' کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ نماز کے اختتام تک پیشاب کو روکے رکھے؟

جواب سلسل البول کے مریض کو حسب طاقت علاج کروانا چاہئے اور اگر یہ شیطانی اوہام و وساوس ہوں تو پھر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور اصل یعنی طہارت کا خیال کیا جائے گا حتی کہ یقین ہو جائے کہ کوئی ایسی چیز خارج ہوئی ہے جو ناقض وضوء ہے۔ اگر پیشاب مسلسل خارج ہوتا رہتا ہو اور کبھی بھی نہ رکتا ہو تو یہ شخص حسب حال نماز پڑھ لے۔ اگر یہ شخص پیشاب کے خارج ہونے کو کم کر سکتا ہو تو اسے کم کرنا چاہئے خواہ اسے آلہ تناسل کے منہ پر کپڑے یا روئی وغیرہ کا کوئی ٹکڑا رکھنا پڑے یا آلہ تناسل کو کسی لفافہ وغیرہ میں لپیٹ دے' جس سے اس کے کپڑے پیشاب سے ملوث نہ ہوں۔ اور اگر قطرے پیشاب کرنے کے بعد خارج ہوتے ہوں تو اسے نماز کے وقت سے اس قدر پہلے پیشاب کرنا چاہئے جس سے اس کے قطرے منقطع ہو جائیں اور پھر شرم گاہ کو پانی سے دھو لے۔ ٹھنڈے پانی سے شرم گاہ کو دھونے سے قطروں کا خروج ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ پیشاب کرنے میں زیادہ وقت نہ لگائے اور اگر اسے یہ ڈر

ہو کر یہ وقت دراز ہو جائے گا اور نماز فوت ہو جائے گی تو اسے چاہیے کہ نماز کی تکمیل تک پیشاب کو مؤخر کر لے بشرطیکہ اس سے اسے کوئی جلن یا تکلیف نہ ہو جس کی وجہ سے نماز میں خلل پیدا ہو۔ (واللہ اعلم)۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں سگریٹ کا پاس ہونا اور وہ پانی جس میں کیڑا گر گیا ہو

سوال جب نماز میں آدمی کے پاس سگریٹ ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اس پانی کا کیا حکم ہے جس میں کیڑا گر گیا ہو؟

جواب سگریٹ نوشی کی حرمت پر علماء محققین کا اتفاق ہے کیونکہ یہ دین' مال اور بدن کے لئے نقصان دہ ہے' ناپاک ہے اور پینے والے پر اس کے بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مجھے یاد نہیں کہ علماء محققین میں سے کسی نے اس کو بول و براز کی طرح نجس عین قرار دیا ہو لیکن اس کی حرمت اور ناپاکی کی وجہ سے میں یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ یہ دوران نماز آدمی کے پاس ہو یا کوئی اسے مسجد میں لے جائے خواہ یہ پیکٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ نماز دوہرائے کیونکہ اس کے نجس عین ہونے میں توقف ہے۔

بہت سے علماء کی رائے ہے کہ جس پانی میں کیڑے گر گئے ہوں وہ ناپاک ہے۔ اس کا بہا دینا واجب ہے کیونکہ یہ کیڑے نجاستوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے اس سے بیت الخلاء میں پیدا ہونے والے کیڑے مراد ہیں ہاں البتہ کنوؤں میں پیدا ہونے والے کیڑوں کا یہ حکم نہیں ہے۔ لیکن راجح بات یہ ہے کہ کیڑے گرنے سے پانی کی طہوریت سلب نہیں ہوتی۔ کیڑا اگرچہ نجاست سے پیدا ہوتا ہے لیکن وہ ایک ایسی چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہے۔ اور پھر صحیح قول کے مطابق پانی اس وقت نجس ہوتا ہے جب اس میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے اور ان جانوروں کے گرنے سے عموماً پانی کے اوصاف میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی لہٰذا پانی پاک رہے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

——— شیخ ابن جبرین ———

کافر خادمہ کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا

سوال ہمارے پاس ایک غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا میرے جن کپڑوں کو وہ دھوئے' میں ان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ اور جو وہ کھانا پکائے اسے کھا سکتا ہوں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کے دین کے عیب اور بطلان کو واضح کرتا رہوں؟

جواب کافر سے خدمت لینا اور کھانا پکانے اور کپڑے دھونے وغیرہ کے لئے اسے استعمال کرنا جائز ہے اس کے پکائے ہوئے کھانے کو کھانا اور اس کے سلے ہوئے اور دھوئے ہوئے کپڑوں کو پہننا جائز ہے کیونکہ اس کے ہاتھ بظاہر صاف ہیں اور اس کی نجاست معنوی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کافر غلاموں اور لونڈیوں سے خدمت لے لیا کرتے تھے اور بلاد اہل کفر سے جو چیزیں آتیں' انہیں بھی کھا لیا کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حسی طور پر ان کے جسم طاہر ہیں۔ ہاں البتہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ان کے برتنوں میں کھانا پکانے سے پہلے انہیں دھو لیا جائے' جب کہ وہ ان میں شراب پیتے اور مردار و خنزیر کو پکاتے ہوں اور ان کے ان کپڑوں کو استعمال سے پہلے دھو لیا جائے جو ان کے مقام ستر سے لمس کرتے ہوں۔

ان کے دین کے عیب و بطلان کو واضح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ان کا موجودہ دین مراد ہے کیونکہ یہ یا تو بدعی دین ہے جس طرح بت پرستی وغیرہ یا محرف و منسوخ ہے جس طرح عیسائیت وغیرہ' تو عیب اس دین پر ہونا چاہئے جو محرف و مبدل صورت میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اسلام کی تعلیمات اور فضائل کو بیان کریں۔ اسلام کے احکام کو واضح کریں اور یہ بتائیں کہ اسلام اور دیگر ادیان میں کیا فرق ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

سوال کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ "صحیحین" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، ح:٢٢٦)

"نبی کریم ﷺ ایک قوم کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔"

چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر حضرت عمر' حضرت علی' ابن عمر' اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیشاب کرے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ إِلاَّ قَاعِدًا»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في النهي عن البول قائما، ح:١٢، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب البول في البيت جالسا، ح:٢٩)

"جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی بات کی تصدیق نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ تو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور پھر بیٹھ کر پیشاب کرنے کی صورت میں پردہ پوشی بھی زیادہ ہے اور آدمی پیشاب کے چھینٹوں سے بھی زیادہ محفوظ رہتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پیشاب کی نجاست سے بچئے

سوال کبھی کبھی نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے یا کوئی نجاست لگی ہوئی ہے۔ اس نجاست کا انکشاف کبھی دوسرے دن بھی ہوتا ہے' تو کیا میری سابقہ نماز درست ہو گی؟ کیا مجھ پر کوئی چیز لازم ہو گی؟

جواب پیشاب وغیرہ کی نجاست سے بچنے کے لئے احتیاط سے کام لیجئے۔ جب پیشاب کرنے کا عمل مکمل ہو جائے تو پھر

استنجاء اور وضوء کو شروع کیجئے۔ اگر قطرے گرنے یا سلسل البول کی شکایت ہے تو نماز سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے پیشاب کیجئے۔ قطروں کے بند ہونے کا انتظار کیجئے اور جب بند ہو جائیں تو پھر وضوء کیجئے۔ اگر یہ صورت وسوسہ کی وجہ سے ہو تو پھر اپنے کپڑے اور شلوار وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے۔ اور اگر سلسل البول کی شکایت مستقل ہو تو اسی حالت میں نماز جائز ہے لیکن وضوء اذان کے بعد کیجئے۔ اگر پیشاب کے قطرے بند ہو گئے ہوں اور تم تری کو دیکھو اور یہ یقین ہو جائے کہ یہ تری نماز سے پہلے کی ہے تو پھر احتیاط یہ ہے کہ اس نماز کو دوہرا لیا جائے اور اگر محض شک ہو تو پھر نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں' (ان شاء اللہ تعالیٰ)

—— شیخ ابن جبرین ——

جس شخص کا وضوء ٹوٹ جائے وہ نماز توڑ دے

سوال ایک شخص باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے پہلی صف میں کھڑا تھا کہ اس کا وضوء ٹوٹ گیا مگر وہ شخص نماز میں بدستور مصروف رہا اور اسے نہ توڑا تاکہ وہ پچھلی صفوں کو چیرتا ہوا اور نمازیوں کے خشوع کو خراب کرتا ہوا باہر نہ جائے تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب امید ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا لیکن واجب یہ ہے کہ جب انسان نماز میں بے وضوء ہو جائے یا اسے یاد آئے کہ وہ حالت طہارت میں نہیں ہے تو اسے نماز قطع کر دینی چاہیئے اور وضوء کرنا چاہیئے اور پھر واپس آکر نماز باجماعت میں شریک ہو جانا چاہیئے۔ یاد رہے امام کا سترہ مقتدیوں کی صفوں کے لئے بھی سترہ ہے لہٰذا ایسی صورت میں مقتدیوں کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں' ہاں البتہ بے وضوء ہونے کی صورت میں آدمی کو اطمینان و سکون کے ساتھ صف سے باہر نکلنا چاہیئے تاکہ نمازی خلل میں مبتلا نہ ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ

سوال پچھلے دنوں لیدر سے بنے ہوئے کوٹ پہننے کے مسئلہ پر ہم میں کافی گرما گرم بحث ہوئی' کچھ بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ کوٹ عموماً خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں اور اگر واقعی یہ خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں تو ان کے پہننے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا شرعی طور پر ان کا استعمال جائز ہے؟ بعض دینی کتابوں مثلاً یوسف قرضاوی کی ((الحلال والحرام)) اور ((الفقه على المذاهب الأربعة)) میں اگرچہ اس مسئلہ کا ذکر ہے لیکن انہوں نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح نہیں کیا لہٰذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں گے۔

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، ح:٣٦٦، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح:٤١٢٣)

"جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«دِبَاغُ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ طَهُوْرُهَا»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، ح:٣٦٦، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح:٤١٢٥)

"مردہ جانوروں کی کھالوں کی رنگائی ان کی طہارت ہے۔"

لیکن اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث تمام کھالوں کے لئے ہے یا صرف ان مردہ جانوروں کی کھالوں کے لئے ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں یقیناً وہ جانور جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں مثلاً اونٹ' گائے' بکری وغیرہ ان کی کھالوں کو جب رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہیں۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق ان کا ہر چیز کے لئے استعمال جائز ہے۔ خنزیر اور کتے جیسے جانور جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتے' ان کی کھالوں کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ وہ رنگنے سے پاک ہوتے ہیں یا نہیں؟ احتیاط اس میں ہے کہ انہیں استعمال نہ کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢، وصحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ جائے اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيْبُكَ»(سنن ترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل....، ح:٢٥١٨)

"جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اس کو لے لو۔"

شیخ ابن باز

جب نماز پڑھتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو

سوال جب امام کو نماز پڑھاتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو اور وہ محض شک کی بنیاد پر نماز کو نہ توڑے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد واقعی کپڑے کو ناپاک دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں کیا محض شک کی بنیاد پر نماز ختم کر دے یا نماز کو پورا کرے؟

جواب جب نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو اپنے کپڑے کے بارے میں ناپاکی کا شک ہو تو اس کے لئے نماز کو توڑنا جائز نہیں خواہ امام ہو یا مقتدی۔ اسے اس حالت میں بھی نماز پوری کرنی چاہئے اور نماز سے فراغت کے بعد اگر معلوم ہو کہ کپڑا واقعی ناپاک تھا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس نماز کی قضاء بھی لازم نہیں کیونکہ اسے ناپاکی کا یقین نماز کے بعد ہوا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب بحالت نماز جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے نعلین ناپاک ہیں تو آپ ﷺ نے نماز ہی میں نعلین اتار دیئے اور نماز کو بدستور جاری رکھا اور ابتدائی حصہ کو دوہرایا نہیں تھا۔[1]

[1] سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب الصلاۃ فی النعل' ح:650

شیخ ابن باز

کولونیا کو بطور خوشبو استعمال کرنا

سوال کولونیا (COLOGNE) کو بطور (میک اپ) خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں کافی بحث مباحثہ ہوا لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ یہ فرمائیں کہ اگر یہ خوشبو استعمال کی ہو تو کیا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا صرف جسم کے اس حصے کو دھو لیا جائے جہاں یہ خوشبو لگی ہو؟

جواب کولونیا کی خوشبو "اسپرٹ" سے خالی نہیں ہوتی اور اطباء کے بقول یہ ایک نشہ آور مادہ ہے لہٰذا اس کا استعمال ترک کرنا اور اس کی بجائے اس مادہ سے پاک خوشبو کا استعمال کرنا واجب ہے لیکن اگر کسی نے یہ خوشبو استعمال کر لی ہو تو اس سے وضوء کرنا واجب نہیں اور نہ جسم کے اس حصے کو دھونا واجب ہے جہاں یہ لگی ہو کیونکہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

سر پر مہندی رکھنے سے طہارت ختم نہیں ہوتی

سوال ایک عورت نے وضوء کیا اور پھر سر کو مہندی لگا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کیا اس کی یہ نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ اور اگر اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو کیا وہ مہندی کے اوپر مسح کرے یا بالوں کو دھو کر نماز کے لئے وضوء کرے؟

جواب اگر عورت نے بحالت طہارت سر پر مہندی لگائی ہو تو یہ ناقض طہارت نہیں ہے۔ اگر اس نے وضوء کرنے کے بعد سر پر مہندی یا دیگر ضمادات میں سے کوئی چیز لگائی ہو جن کی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے تو اس حالت میں طہارت صغریٰ کے لئے سر پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ طہارت کبریٰ کے لئے اسے سر پر تین بار پانی بہانا ہو گا اور اس حالت میں مسح کافی نہ ہو گا کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

«يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ أَشُدُّ شَعْرَ رَأْسِيْ أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ قَالَ: لاَ إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلَيْهِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة: ح: ٣٣٠)

یارسول اللہ! میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا جنابت اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کو کھولوں؟ آپ ﷺ فرمایا نہیں، تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ سر پر تین چلو پانی ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر طہارت حاصل کر لو۔"

اگر غسل حیض کے لئے عورت اپنے سر کو کھول لے تو دیگر احادیث کے پیش نظر یہ زیادہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

مذی کا حکم

سوال شہوت کے بعد جب آلہ تناسل سے پانی کی طرح بے رنگ سیال مادہ کے قطرے نکلیں تو کیا ان سے غسل واجب ہے یا اس صورت میں کیا کروں؟ یہ مادہ جب کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گا اور اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہو گا' براہ کرم راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب خارج ہونے والا یہ مادہ مذی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سفید لیس دار پانی ہوتا ہے جو شہوت کے بعد یا مباشرت کو یاد کرنے وغیرہ کی حالت میں خارج ہوتا ہے۔ یہ کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اسے دھونا واجب ہے لیکن آدمی کے لئے غسل کرنا صرف اس صورت میں واجب ہے جب منی ٹپک کر لذت کے ساتھ خارج ہو۔ منی سفید رنگ کا معروف پانی ہے اور مذی و منی میں رنگ اور حکم کے اعتبار سے فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

وضوء' تیمم اور غسل

نماز یا تلاوت قرآن کے دوران وضوء کا ٹوٹ جانا

سوال نماز یا تلاوت قرآن کے درمیان ہوا خارج ہونے سے میرا وضوء ٹوٹ جاتا ہے تو میں دوبارہ وضوء کر لیتی ہوں لیکن مجھ سے ایک دینی بہن نے یہ کہا کہ تمہیں بار بار وضوء کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی وضوء سے نماز پڑھ لو۔ ایک بار وضوء ٹوٹ جائے تو دوبارہ کر لو' دوبارہ ٹوٹے تو پھر کر لو لیکن اگر تیسری بار بھی ٹوٹ جائے تو پھر وضوء کرنا لازم نہیں ہے' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اور مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب جب نماز پڑھتے ہوئے یقینی طور پر وضوء ٹوٹ جائے یعنی ہوا خارج ہونے کی آواز سنائی دے یا بدبو محسوس ہو تو وضوء اور نماز کو دوہرانا ہو گا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلاَةَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب فيمن يحدث في الصلاة، ح:٢٠٥)

"جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو تو اسے نماز ختم کر کے وضوء کرنا اور نماز کو دوہرانا چاہیئے"

اس حدیث کو اہل سنن نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥، ٦٩٥٤، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤، ومسند احمد، ٢/٣٠٨)

"بے وضوء کی نماز قبول نہیں ہوتی حتی کہ وہ وضوء کرے۔"

ہاں البتہ اگر ہمیشہ ناپاکی کی حالت رہتی ہو تو پھر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضوء کر لو اور وقت کے اندر اندر اس وضوء سے جس قدر چاہو فرض و نفل نماز ادا کر لو اور وقت کے اندر خارج ہونے والی ہوا سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا کیونکہ یہ حالت ضرورت ہے اور بہت سے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ دائمی طور پر بے وضوء رہنے والے انسان کے لئے معافی ہے' جب اس نے وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کیا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قصہ مستحاضہ کے سلسلہ میں مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«ثُمَّ تَوَضَّئِي لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ»

"پھر تم ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کرو۔" ①

غیر طاہر حالت میں زبانی قرآن مجید کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں لیکن حالت جنابت میں غسل کئے بغیر تلاوت جائز نہیں۔ قرآن مجید کو ہاتھ بھی اسی صورت میں لگانا چاہئے جب حدث اکبر و اصغر سے طہارت حاصل کر لی گئی ہو' ہاں البتہ اگر حدث دائمی ہو تو پھر نماز کے وقت میں وضوء کر کے نماز بھی پڑھ سکتی ہو اور زبانی اور دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتی ہو جیسا کہ نماز کے حکم میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق بخشے۔

شیخ ابن باز

عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال درمیان میں کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر اگر کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نیز یہ بتائیے کہ اجنبی عورت سے کیا مقصود ہے؟

جواب اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ح:١٧٨، ١٧٩، وجامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في ترك الوضوء من القبلة، ح:٨٦)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو بوسہ دیا' پھر نماز پڑھی اور وضوء نہ کیا۔"

لیکن عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم کے ساتھ مصافحہ کرے اور نہ مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ مصافحہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن نسائي، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، ح:٤١٨٦، والمؤطا لمالك بن انس، كتاب البيعة، باب ما جاء في البيعة، ح:٢)

① امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ " اَنَّ الرِّوَايَةَ لِكُلِّ صَلَاةٍ لَا لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ " روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضو کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو۔ نیل الاوطار جلد: 1' ص: 275۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داود' کتاب الطهارة' باب من قال تغتسل من طهر الی طهر ح: 298۔

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ فَقَطْ قَالَتْ: وَمَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ إِمْرَأَةٍ قَطُّ»(صحيح بخاري، كتاب الاحكام، باب بيعة النساء، ح:٧٢١٤، ٤٨٩١، ٥٢٨٨، ٢٧١٣، وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦)

"نبی کریم ﷺ عورتوں سے صرف ہم کلام ہو کر بیعت لیا کرتے تھے اور کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ کا ہاتھ نہیں لگا تھا۔"

اور اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

عورتوں کا غیر محرم مردوں سے اور مردوں کا غیر محرم عورتوں سے مصافحہ سب کیلئے فتنہ کا سبب ہے اور کامل ترین اسلامی شریعت آئی ہی اسلئے ہے کہ ان تمام ذرائع کو بند کر دے جو ان امور تک پہنچاتے ہیں' جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجنبی عورت سے مراد وہ عورت ہے کہ جس کے اور مرد کے درمیان نسب یا کسی دوسرے مباح سبب کے باعث کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ اس کے لئے حرام ہو مثلاً: ماں' بہن پھوپھی وغیرہ یا کسی شرعی سبب کی وجہ سے حرام ہے۔ مثلاً رضاعت و مصاہرت وغیرہ تو ایسی عورتیں اجنبی نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

اونٹ کا گوشت کھانا

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے اور اس کھانے کے بعد جسے اونٹ کے گوشت کے ساتھ بنایا گیا ہو' وضوء کرنا واجب ہے؟

جواب اونٹ کا گوشت ملا کھانا کھانے اور اونٹنی کا دودھ پینے سے وضوء کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق صرف ابل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ وَلاَ تَتَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

"ابل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کے گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو"

اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ، ﷺ، أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ قَالَ نَعَمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

"ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا ہم اونٹ کے گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"ہاں"

یاد رہے شوربے' کھانے اور دودھ کو گوشت نہیں کہا جا سکتا (یعنی یہ حکم صرف گوشت کھانے کی صورت میں ہے) اور یہ امور توقیفی ہیں' قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن باز ——

وضوء کی دعائیں' کیا غسل' وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟

سوال کیا وضوء کرتے وقت دعائیں پڑھنی چاہئیں؟ کیا غسل وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟

جواب وضوء کے وقت تسمیہ واجب ہے۔ وضوء کرنے والے کو کلی کرتے یا اس سے پہلے ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے اور جب وضوء سے فارغ ہو جائے تو آسمانوں کی طرف نظر اٹھا کر یہ دعاء پڑھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء، ح:٥٥، وقال الترمذي في اسناده اضطراب قال محمد ناصر الدين الالباني رحمه الله، اسناده صحيح رجاله كلهم ثقات رجال مسلم)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! تو مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں میں شامل کر لے اور مجھے خوب پاک صاف رہنے والوں میں داخل فرما دے۔"

وضوء کر کے کھڑے ہوتے وقت کفارہ مجلس والی یہ دعاء بھی پڑھ سکتا ہے:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ»(اخرجه النسائي في عمل اليوم والليلة، ص:١٧٣، وصححه الحاكم والذهبي وابن حجر انظر ارواء الغليل، ١/ ١٣٥، ٢/ ٣٢٥)

"پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری ہی حمد و ثنا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں' تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے (گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں۔"

اس کے علاوہ وضوء کی اور کوئی دعاء صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

جس شخص پر غسل واجب ہو تو اس کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل سے پہلے مکمل وضوء کر لے' پھر غسل کرے اور حالت غسل میں آلہ تناسل یا شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگائے تا کہ اس کا وضوء نہ ٹوٹے' اگر اس طرح غسل کرے گا تو اسے دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہ ہو گی اور اگر وضوء نہ کرے بلکہ غسل پر ہی اکتفاء کر لے اور اعضاء وضوء کو ترتیب سے دھوئے تو پھر بھی ان شاء اللہ یہ غسل وضوء سے کفایت کرے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اونٹ کے گوشت کے شوربے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال اس میں کیا حکمت ہے کہ اونٹ کے گوشت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ کیا اونٹ کے گوشت کے شوربے سے بھی وضوء باطل ہو جاتا ہے؟

جواب یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا حکم دیا لیکن ہمارے لئے آپ ﷺ نے حکمت کو بیان نہیں فرمایا' ہمیں صرف اس قدر علم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حکیم و علیم ہے' وہ اپنے بندوں کو صرف اسی بات کا حکم دیتا ہے' جس میں ان کے لئے دنیا و آخرت کی خیر وبھلائی ہو اور صرف اسی بات سے منع فرماتا ہے' جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ مسلمان کے لئے واجب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر (حکموں) کو قبول کرے اور ان کے مطابق عمل کرے خواہ اسے حکمت معلوم نہ بھی ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو اس سے باز رہے خواہ اس کی حکمت معلوم نہ بھی ہو کیونکہ بندہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مامور ہے' اسے پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے لہٰذا یہ ایمان رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم ہے اسے سراطاعت جھکا دینا چاہئے اور اگر اسے حکمت کا علم ہو جائے تو یہ سراپا خیر ہے۔

اونٹ کے گوشت کے شوربے یا اونٹ کے دودھ پینے سے وضوء باطل نہیں ہوتا بلکہ خاص طور پر گوشت کھانے سے باطل ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ وَلاَ تَتَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کا گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو۔''

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ!:

«أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لَحْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ شِئْتَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

''کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں'' اس نے عرض کیا کیا بکری کا گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر چاہو تو کر لو''

یہ دونوں حدیثیں صحیح اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

سوال میں نے وضوء شروع کیا اور ہاتھ دھونے کے بعد یاد آیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی لہٰذا مجھے جب بھی یاد آ جاتا ہے تو میں وضوء دوبارہ شروع کر دیتا ہوں' اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ تسمیہ کے بغیر بھی وضوء صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ جب علم ہو اور

یاد بھی ہو تو تسمیہ واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في التسمية عند الوضوء، ح:٢٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في التسمية في الوضوء، ح:٣٩٧، ٣٩٨، ٣٩٩)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں۔"

لیکن جو شخص بھولنے یا جہالت کی وجہ سے تسمیہ نہ پڑھ سکے اس کا وضوء صحیح ہے اور اگر تسمیہ کو واجب قرار دیں تو پھر بھی اس کے لئے وضوء کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جہالت اور نسیان کی وجہ سے معذور ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں سکھائی گئی دعاء ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا!"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ نے اس دعاء کو شرف قبولیت سے سرفراز فرما دیا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے

سوال میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ ظہر یا عصر سے پہلے بیت الحرام میں سو جاتے ہیں پھر جب انہیں نماز کے لئے بیدار کرنے والا آتا ہے تو وہ وضوء کئے بغیر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض عورتیں بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب نیند اگر اس قدر گہری ہو کہ اس سے شعور زائل ہو جائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صحابی جلیل حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا مُسَافِرِيْنَ أَنْ لاَ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح:٩٥، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، ح:١٢٧ وصححه ابن خزيمة)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں ہاں حالت جنابت ہو تو پھر اتارنا ہو گا۔"

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ»(مسند احمد، ٤/ ٩٦ وسنن دارمي، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:٧٢٢، والسنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:٥٨٢ وفي سنده ضعف ، لكن له شواهد تعضده كحديث صفوان المذكو وبذلك يكون حديث حسنًا)

"آنکھ شرم گاہ کا تسمہ ہے للذا جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو یہ تسمہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جو مرد اور عورتیں مسجد حرام میں یا کسی دوسری جگہ سوئیں ان کی طہارت ختم ہو جاتی ہے للذا انہیں وضوء کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے وضوء کے بغیر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہو گی۔ شرعی وضوء یہ ہے کہ کلی اور ناک کی صفائی کے ساتھ منہ دھویا جائے' کہنیوں تک ہاتھوں کو دھویا جائے' کانوں سمیت سر کا مسح کیا جائے اور دونوں ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں کو دھویا جائے۔ نیند' ہوا کے خروج' شرم گاہ کو ہاتھ لگنے اور اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وضوء سے پہلے استنجاء یا ڈھیلوں کا استعمال خاص طور پر بول و براز یا ان کے ہم معنی حالتوں میں واجب ہوتا ہے۔

اونگھ سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس سے شعور ختم نہیں ہوتا اور اسی سے اس باب میں وارد مختلف احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

کیا سابقہ طہارت میں شک کی بنا پر نماز کو دوہرایا جائے

سوال ایک آدمی وضوء کر رہا تھا کسی نے دیکھا کہ اس کے پاؤں میں تھوڑی سی جگہ خشک رہ گئی ہے' دوبارہ پھر ایک دفعہ دیکھا کہ اس کے پاؤں میں اس کے مشابہ تھوڑی سی جگہ پھر خشک رہ گئی ہے' جس کی وجہ سے شک ہوا کہ یہ پہلے بھی وضوء صحیح نہیں کرتا رہا ہے نیز شک ہوا کہ شاید یہ پہلے غسل جنابت بھی صحیح نہیں کرتا رہا ہے۔ کیا یہ شخص اپنی نماز کو دوہرائے یا کیا کرے؟

جواب سائل کا ایک یا دو دفعہ یہ دیکھنا کہ وضوء کرتے ہوئے اس کے پاؤں میں تھوڑی سی ایسی جگہ خشک رہ گئی ہے جہاں پانی نہیں پہنچا' اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی باقی ساری طہارتیں بھی صحیح نہ تھیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ (ان شاء اللہ) اس نے صحیح وضوء کیا ہو گا اور شکوک و شبہات سے اصل نہیں ٹوٹتا' اسی طرح غسل جنابت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ صحیح کرتا رہا ہے للذا اسے سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نیند سے بیدار ہو کر وضوء کئے بغیر نماز پڑھنا

سوال میں نے بعض حاجیوں کو دیکھا ہے کہ وہ رات کی نماز پڑھنے کے بعد چت لیٹ کر گہری نیند سو گئے اور پھر بوقت صبح جب بیدار ہوئے تو بلا تجدید وضوء صبح کی نماز پڑھ لی' اس نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح جیسے آپ نے ذکر کی ہے تو نماز پڑھ کر چت لیٹ کر گہری نیند سونے والے کا علماء کے صحیح قول کے مطابق وضوء ٹوٹ گیا للذا اس نیند کے بعد بلا وضوء پڑھی ہوئی اس کی نماز باطل ہو گی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم،

ح:٢٠٣، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، ح:٤٧٧ ومسند احمد، ١/ ١١١)

''آنکھ شرم گاہ کا تسمہ ہے لہٰذا جو شخص سو جائے تو وہ وضوء کرے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت ہے کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ الآخِرَةِ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلاَ يَتَوَضَّؤُوْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم، ح:٢٠٠)

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام عشاء کی نماز کا انتظار کرتے حتی کہ ان کے سر جھکنے لگتے' پھر وہ نماز پڑھتے اور وضوء نہ کرتے۔''

تو یہ حدیث ہلکی اور معمولی نیند (اونگھ) پر محمول ہے' جس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور اسی سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہوگی اور پھر حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ أَلاَّ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح:٩٥، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، ح:١٢٧ وصححه ابن خزيمة)

''رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں مگر حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہو گا۔''

——— فتویٰ کمیٹی ———

پانی کی موجودگی میں تیمم

اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ وَالاَهُ ـ أَمَّا بَعْدُ

مجھے بعض قابل اعتماد لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ کچھ بادیہ نشین لوگ پانی کی وافر مقدار کی موجودگی کے باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بری بات ہے' اس کے بارے میں تنبیہ کرنا واجب ہے۔ وضوء نماز کی صحت کے لئے شرط ہے بشرطیکہ پانی موجود ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ وَٱمۡسَحُواْ بِرُءُوسِكُمۡ وَأَرۡجُلَكُمۡ إِلَى ٱلۡكَعۡبَيۡنِۚ وَإِن كُنتُمۡ جُنُبٗا فَٱطَّهَّرُواْۚ وَإِن كُنتُم مَّرۡضَىٰٓ أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوۡ جَآءَ أَحَدٞ مِّنكُم مِّنَ ٱلۡغَآئِطِ أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُواْ مَآءٗ فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدٗا طَيِّبٗا فَٱمۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُم مِّنۡهُۚ﴾ (المائدة٥/ ٦)

''مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی ضرورت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو

پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"
اور صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤)

"جو شخص بے وضوء ہو جائے وہ جب تک وضوء نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیمم کو جائز قرار دیا اور اسے وضوء کے قائم مقام قرار دیا ہے' جب پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے آدمی پانی کے استعمال سے عاجز ہو جیسا کہ سابقہ آیت سے ثابت ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾ ﴾

(النساء٤/ ٤٣)

"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو' نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کر لو ہاں اگر بحالت سفر راستے پر چلے جا رہے ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو بلا شبہ اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ، ﷺ فِي سَفَرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ، فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا؟ قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلاَ مَاءَ قَالَ ﷺ عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ» (صحيح بخاري، كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه عن الماء، ح:٣٤٤، ٣٤٨، ٣٥٧)

"ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ "تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟" اس نے عرض کیا "میں حالت جنابت میں ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم مٹی استعمال کر لیتے تمہارے لئے یہی کافی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جب پانی موجود ہو اور استعمال کی قدرت بھی ہو تو پھر نماز کے لئے تیمم جائز نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاں بھی ہو وضوء اور غسل جنابت کے لئے پانی استعمال کرے۔ جب تک اسے پانی کے استعمال کی قدرت ہو تو پانی کے استعمال کے ترک اور تیمم پر اکتفاء کرنے میں وہ معذور تصور نہ ہو گا' اس کی نماز بھی صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس طرح نماز کی ایک شرط فوت ہے اور وہ ہے بوقت قدرت پانی کے ساتھ طہارت۔ لیکن بہت سے بادیہ نشین --- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے اور دیگر لوگ جب سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں تو کثیر مقدار میں پانی کی موجودگی کے

باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ پانی تک پہنچنا بھی آسان ہوتا ہے' تو بلاشک و شبہ یہ تساہل عظیم اور عمل قبیح ہے' جو ادلہ شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز جائز نہیں۔ تیمم کے لئے تو مسلمان کو اسی وقت معذور سمجھا جائے گا جب پانی اس سے دور ہو یا یہ کہ اس کے پاس بہت ہی معمولی مقدار میں پانی ہو' جسے اس نے اپنی' اپنے اہل و عیال اور اپنے جانوروں کی زندگی بچانے کے لئے محفوظ رکھا ہو۔ ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو' تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' اللہ تعالیٰ نے جن امور کو واجب قرار دیا ہے' ان کی پابندی کرے اور انہی امور میں سے بوقت قدرت پانی کے ساتھ وضوء کرنا بھی ہے۔ اسی طرح مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال کی قدرت کے باوجود تیمم نہ کرے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین میں سمجھ بوجھ اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے محفوظ رکھے۔ انه جواد کریم - وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد و آله و صحبه۔

—— شیخ ابن باز ——

جو شخص کسی عضو کے دھونے یا مسح کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس کے بجائے تیمم کرے

سوال اگر انسان وضوء کرے اور اس کے ہاتھ میں زخم ہو جسے پانی نہیں لگنے دیتا اور وہ اس کے عوض تیمم کرتا ہے لیکن ایک دفعہ وہ بھول گیا اور اس نے تیمم کے بغیر نماز شروع کر لی اور اسے اس وقت یاد آیا جب وہ نماز میں تھا تو اس نے نماز قطع کئے بغیر ہی تیمم کر لیا اور نماز کو جاری رکھا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ نماز باطل ہے یا صحیح ہے؟

جواب اگر وضوء کے مقامات میں سے کسی جگہ زخم ہو کہ اسے دھونا یا اس پر مسح کرنا ممکن نہ ہو کہ اس سے زخم کے بڑھ جانے یا شفایابی کے مؤخر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ تیمم کر لے' جو شخص زخم کی جگہ کو چھوڑ کر وضوء کر لے اور نماز کو شروع کر لے اور دوران نماز یاد کر لے کہ اس نے زخم کی جگہ کے بدلے تیمم نہیں کیا تو وہ تیمم کر لے اور نماز کو دوبارہ شروع کر لے کیونکہ زخم کے تیمم کے بغیر اس نے جو نماز پڑھی ہے' وہ صحیح نہیں ہے' اس کی تکبیر تحریمہ بھی صحیح نہ ہو گی یعنی نماز شروع کرنا ہی صحیح نہ ہو گا کیونکہ طہارت' صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے اور وضوء کے مقامات میں سے کسی مقام یا اس مقام کے کسی حصہ کو ترک کر دینے سے وضوء صحیح نہ ہو گا۔

«رَأَى النَّبِيُّ ﷺ، رَجُلاً فِي قَدَمِهِ قَدْرَ الدِّرْهَمِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَأَمَرَهُ بِإِعَادَةِ الْوُضُوءِ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، ح: ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥)

"نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاؤں میں ایک درہم کے برابر جگہ خشک ہے جسے پانی نہیں پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ وضوء کرے۔"

یہ شخص جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کے لئے اگر غسل اور مسح میں دشواری اور معذوری ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اس کے بدل یعنی تیمم کو اختیار کرے' حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔"

زخم والے صحابی کے قصہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ غَسَلَ جَسَدَهُ وَتَرَكَ رَأْسَهُ حَيْثُ أَصَابَهُ الْجِرَاحُ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب في المجروح تصيبه الجنابة فيخاف على نفسه، ح:٥٧٢)

"اسے چاہئے تھا کہ اپنے جسم کو دھولیتا اور سر میں جہاں زخم تھا اسے چھوڑ دیتا۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المجدور يتيمم، ح:٣٣٦)

"اسے تیمم کرنا ہی کافی تھا۔"

اگر اس شخص نے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' نماز کو نہیں دوہرایا تو اسے دوہرانا چاہئے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جائے نماز پر تیمم کرنا

سوال ایک شخص ہسپتال میں داخل ہے' وہ وضوء سے تو عاجز ہے لہٰذا وہ نماز کے لئے تیمم کر لیتا ہے لیکن وہ تیمم جائے نماز پر کرتا ہے' تو کیا اس کی نماز صحیح ہو گی؟

جواب مریض کو نماز کے لئے اگر طاقت ہو تو وضوء کرنا چاہئے' اگر وضوء سے عاجز ہو تو اس مٹی کے ساتھ تیمم کرے جس میں غبار ہو بشرطیکہ اس کے حصول کی اسے قدرت ہو اور اگر یہ اس کی طاقت سے باہر ہو تو وہ ہموار زمین پر' جس پر غبار ہو' تیمم کرے یا بستر پر غبار ہو تو اس سے تیمم کرے' بستر پر غبار نہ ہو تو جو زمین اس کے قریب ترین ہو' یا جہاں اسے پہنچنا آسان ہو' اس سے تیمم کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کا طریقہ

سوال کیا مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق ہے؟ عورت کے لئے بالوں کا کھولنا ضروری ہے یا اس کے لئے سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا ہی کافی ہے؟ غسل جنابت اور غسل حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق نہیں' ان میں سے کسی کو بھی غسل کے لئے بال کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا اور پھر سارے جسم پر پانی بہالینا کافی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلَى رَأْسِكِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، ح:٣٣٠، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح:٢٥١، جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح:١٠٥)

''میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا میں انہیں غسل جنابت کیلئے کھولوں؟ آپ نے فرمایا ''نہیں بلکہ تمہیں اسی قدر کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی بہا کر پاک ہو جاؤ۔''

اگر مرد یا عورت کے سر پر بیری وغیرہ کے پتے یا مہندی لگی ہو جس کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچتا ہو تو ان چیزوں کو دور کر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ اور اگر یہ چیزیں خفیف ہوں کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنتی ہوں' تو پھر ان کو دور کرنا واجب نہیں ہے۔

غسل حیض کے لئے عورت کے بالوں کے کھولنے کے وجوب کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کے لئے غسل حیض میں بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيْ عَلَى رَأْسِكِ ثَلاَثَ حَثَيَاتٍ، ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، ح:٣٣٠، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح:٢٥١، جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح:١٠٥)

''میں اپنے سر کی مینڈھیوں کو بہت مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل حیض و جنابت کے لئے انہیں کھولوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں بلکہ تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر پاک ہو جاؤ۔''

یہ روایت نص ہے کہ عورت کے لئے غسل جنابت و حیض میں سر کے بالوں کو کھولنا واجب نہیں ہے' لیکن افضل یہ ہے کہ احتیاط کے طور پر غسل حیض میں بالوں کو کھول لے۔ اس سے اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور تمام دلائل میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

پہلے غسل کرو

میں حالت جنابت میں تھا' بیدار ہوا تو سورج نکلنے والا تھا' اگر غسل شروع کر دیتا تو سورج طلوع ہو جاتا' اس

حالت میں کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لوں یا غسل کر کے نماز پڑھوں؟

جواب پہلے غسل کرو' طہارت کو مکمل کرو اور پھر نماز پڑھو' اس حالت میں تیمم جائز نہیں ہے' جو شخص بھول جائے یا سویا رہے' اس کو حکم ہے کو وہ جلدی سے نماز پڑھ لے۔ اس کا کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة فليصل إذا ذكر. . . ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے' اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔"

اور یہ بات معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(

صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة ح: ٢٢٤

"طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔"

جس شخص کے پاس پانی موجود ہو اس کی طہارت پانی سے ہو گی اور جس شخص کے پاس پانی موجود نہ ہو تو اسے تیمم کرنا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾ (المائدة٥/٦)

"تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

ہاں یہ بھی واجب ہے کہ نماز کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام سے کام لو' سرہانے الارم لگا کر رکھ لو یا گھر والوں میں سے کسی کو کہو کہ وقت ہو جائے تو وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ آپ فریضہ کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ادا کر سکیں اور ان منافقوں کی مشابہت سے بچ سکیں' جو نماز کو تاخیر سے ادا کرتے اور سست کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو منافقین کی صفات اور اخلاق سے محفوظ رکھے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

جب احتلام کا کوئی نشان نہ ہو

سوال بسا اوقات نیند سے بیدار ہونے پر یاد آتا ہے کہ احتلام ہوا تھا لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تو کیا اس صورت میں غسل واجب ہے یا نہیں؟

جواب احتلام ہونے پر صرف اسی صورت میں غسل واجب ہے جب آدمی پانی یعنی منی دیکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«اَلْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الاسلام لا يوجب . . . ، ح:٣٤٣)

"پانی کا استعمال پانی (دیکھنے کی صورت میں) ہے۔"

یعنی غسل کے لئے پانی استعمال کرنے کی اس وقت ضرورت ہے جب منی کا خروج ہوا ہو۔ اہل علم کے نزدیک یہ حکم محتلم کے لئے ہے۔ لیکن جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس کے لئے غسل فرض ہے خواہ پانی خارج نہ بھی ہوا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الماء من الماء وجوب الغسل بالتقاء الختانين، ح:٣٤٩)

"جب مرد کا ختنے کا مقام عورت کے ختنے کے مقام سے مل جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان، ح:٢٩١، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الماء من الماء، وجوب الغسل بالتقاء الختانين، ح:٣٤٨)

"مرد جب عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الماء من الماء . . . ، ح:٣٤٨)

"خواہ انزال نہ ہو"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم انصاریہ .... یہ حضرت انس کی والدہ ہیں رضی اللہ عنہا .... نے کہا یا رسول اللہ!

«إِنَّ اللهَ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ ﷺ: نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح:٢٨٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح:٣١٣)

"اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا' کیا عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا "ہاں جب پانی دیکھے۔"

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لئے ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

جنبی انسان کا چیزوں کو ہاتھ لگانا

سوال مرد اور عورت جب مباشرت کریں تو کیا غسل کرنے سے پہلے کسی چیز کو ہاتھ لگانا جائز ہے؟ اس حالت میں ہاتھ لگانے سے چیز ناپاک تو نہ ہو گی؟

جواب ہاں جنبی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ غسل سے قبل کپڑوں' برتنوں اور ہنڈیوں وغیرہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ وہ نجس نہیں ہیں اور نہ ان کے ہاتھ لگانے سے چیزیں نجس ہوں گی!

شیخ ابن باز

غسل جنابت و حیض میں سر کی تکلیف کی وجہ سے مسح

سوال میں ایک شادی شدہ عورت اور سینہ کی الرجی کی مریض ہوں' مجھے سارا سال نزلہ رہتا ہے' میں کس طرح نماز پڑھوں؟ کیا میں غسل کر لوں اور سر کو دھوئے بغیر اس کا صرف مسح کر لوں؟ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جب سر کو ایک بار دھو لوں تو ہفتے میں کئی بار نزلہ ہو جاتا ہے اور مجھے اکثر نماز چھوڑنا پڑتی ہے کیونکہ مجھے سر دھونے کی قدرت نہیں ہوتی اور میں صرف مسح کر سکتی ہوں اور اس کی وجہ سے مجھے بے حد قلق واضطراب ہے اور میں بہت پریشان ہوں لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دین بہت آسان ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری قطعی راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں اطمینان سے زندگی بسر کر سکوں اور اپنے فرائض کو بھی مکمل طور پر ادا کر سکوں' میں استانی ہوں۔ کام کے لئے مجھے روزانہ گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے' ہوا لگ جائے تو کئی دن کے لئے صاحب فراش ہو جاتی ہوں کیونکہ میں مریضہ ہوں' اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے ازدواجی زندگی کی وجہ سے بہت پریشانی ہے کیونکہ خاوند کی اطاعت فرض ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔

جواب اگر غسل جنابت و حیض میں سر دھونے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو سر کا تیمم کے ساتھ مسح کرنا ہی کافی ہو گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨، وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك اكثار سواله عما . . . ، ح:١٣٣٧)

"جس بات سے میں تمہیں منع کر دوں اس سے اجتناب کرو اور جس کا میں تمہیں حکم دوں' مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

شیخ ابن باز

پیشاب کے ساتھ منی کا خارج ہونا

سوال مجھے احتلام ہوا تو میں نے غسل کیا اور صبح اپنے سکول چلا گیا۔ مجھے سکول میں مغرب کے بعد تک رہنا پڑتا ہے کیونکہ وہ میرے گھر سے بہت دور ہے اور اس میں صبح و شام کلاسیں ہوتی ہیں۔ جب میں وضوء کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ پیشاب کے ساتھ تھوڑی سے منی بھی خارج ہوئی ہے لیکن سردی کی شدت کے باعث میں غسل نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے وضوء کیا اور ظہر' پھر عصر اور پھر مغرب کی نمازیں پڑھ لیں۔ کیا میری یہ نمازیں صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ مجھے دوبارہ تو

نہیں پڑھنی چاہئیں؟

جواب اس حالت میں غسل واجب نہیں ہے کیونکہ پیشاب کے ساتھ خارج ہونے والی منی شہوت کے ساتھ ٹپک کر نہیں نکلی بلکہ یہ تو پیشاب کے ساتھ بہہ کر نکلی ہے اسے ودی کہا جاتا ہے اور اگر منی احتلام کے بعد رک گئی اور منتقل ہو گئی تھی اور غسل کے بعد خارج ہوئی تو پھر بھی دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک ہی دفعہ خارج ہونے والی منی ہے جس کی وجہ سے دو دفعہ غسل واجب نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

مذی سے غسل واجب نہیں

سوال کیا مذی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن اگر نماز یا طواف یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کا ارادہ ہو تو پھر آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِيهِ الْوُضُوءُ»(صحيح بخاري، كتاب العلم، باب من استحيا فامر غيره بالسوال، ح:١٣٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض باب المذي ، ح:٣٠٣،)

”اس میں وضوء ہے“

اور جس کی مذی خارج ہوئی ہو اسے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ آلہ تناسل اور خصیتین کو دھولے۔ غسل صرف منی سے واجب ہوتا ہے جب وہ ٹپک کر لذت کے ساتھ خارج ہو یا آدمی دن یا رات کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کا نشان دیکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

جنبی کا دریا یا جوہڑ میں غسل کی نیت سے اترنا

سوال جب کوئی انسان جنبی ہو اور وہ کسی کنوئیں یا جوہڑ یا دریا میں اتر کر غسل جنابت کی نیت سے غسل کرے تو کیا اس کا یہ غسل صحیح ہو گا؟

جواب ہاں اس کا یہ غسل صحیح ہو گا بشرطیکہ پانی زیادہ ہو یعنی دو قلے یا اس سے زیادہ ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب آپ ﷺ سے جنگل میں اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جسے درندے اور جانور بھی پیتے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما ينجس الماء، ح:٦٣، وصحيح ترمذي، كتاب الطهارة، باب منه آخر، ح:٦٧، وصححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم والذهبي والنووي وقال الحافظ اسناده صحيح انظر ارواء الغليل، ١/ ٦٠)

"جب پانی دو قلے ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا"

اور ایک روایت میں ہے کہ:

«لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب مقدار الماء الذي لا ينجس، ح:٥١٧، ٥١٨، ومسند احمد، ١/ ٢٣٥)

"اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی" واللہ الموفق

فتویٰ کمیٹی

محتلم پر غسل کب واجب ہوتا ہے؟

سوال ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ اس احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے' جس میں آدمی صریحاً عمل مباشرت دیکھے اور منی بھی خارج ہو اور اگر سوئے ہوئے منی تو خارج ہو لیکن عمل مباشرت نظر نہ آئے تو وہ غسل نہیں کرتا اور اس پر تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے' وہ پوچھتا ہے کہ ان سالوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب واضح ہو کہ خروج منی سے غسل واجب ہو جاتا ہے جب وہ حالت بیداری میں لذت کے ساتھ ٹپک کر خارج ہو اور خواب میں مطلقاً خارج ہو' کیونکہ امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَاضِخًا فَلَا تَغْتَسِلْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، ح:٢٠٦ وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب الغسل من المني، ح:١٩٣، ومسند احمد، ١/ ١٠٩، ١٢٥ وسنده صحيح انظر إرواء الغليل ١/ ١٦٢)

"جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کرو اور اگر اچھل کر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔"

((فضخ)) کے معنی پانی کے اچھل کر اور چھلک کر خارج ہونے کے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا' کیا احتلام ہونے کی صورت میں عورت پر بھی غسل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح:٢٨٢، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح:٣١٣)

"ہاں اگر وہ پانی دیکھے۔"

وجوب غسل مباشرت کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ یہ تو خروج منی کے ساتھ مقید ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، ح:٢٠٦ وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب الغسل من المني، ح:١٩٣، ومسند احمد، ١/ ١٠٩، ١٢٥ وسنده صحيح انظر إرواء الغليل ١/ ١٦٢)

"جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کر لو۔"

حالت بیداری میں مرد اور عورت کے صرف ختنہ کے مقامات ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ

ہو۔ لہٰذا اس سائل کو چاہئے کہ جو احتلام کی صورت میں منی خارج ہونے اور خواب نظر نہ آنے کی وجہ سے غسل نہیں کرتا رہا' مقدور بھر کوشش کر کے ان تمام گزشتہ سالوں کی نمازوں کو پڑھے۔ وباللہ التوفیق

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا صحرا میں رہنے والوں پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟

سوال ہم صحراء میں بسنے والے بدو ہیں۔ پانی ہم سے پچاس کلو میٹر دور ہے۔ ہم اپنے اہل و عیال کے لئے گاڑیوں پر پانی لاتے اور اسی میں سے اونٹ اور بکریوں کو پلاتے ہیں۔ کیا جنابت کی وجہ سے ہم پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟ جب کہ بعض گھروں میں دس یا اس سے بھی زیادہ افراد ہیں یا ہمارے لئے تیمم جائز ہے؟

جواب جب پانی موجود ہو تو اللہ تعالیٰ نے وضوء اور غسل کا حکم دیا ہے اور اگر پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال میں دشواری ہو تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ٦)

''مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔''

سائل نے جب یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹ اور بکریوں کو پلانے کے لئے پانی لاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس پانی موجود ہے لہٰذا ان کے لئے وضوء اور غسل لازم ہے' ان کا صحراء نشین ہونا اور پانی سے پچاس کلو میٹر دور ہونا کوئی ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے تیمم جائز ہو کیونکہ وہ تو اونٹوں اور بکریوں کے لئے بھی گاڑیوں پر پانی لا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک شخص حالت سفر میں جنبی ہے مگر پانی نہیں

سوال ایک آدمی طویل راستہ میں ہے اور دوران سفر وہ جنبی ہو گیا مگر غسل کے لئے اس کے پاس پانی نہیں تو کیا وہ ناپاکی کی حالت ہی میں نماز پڑھ لے یا کیا کرے؟

جواب جو شخص بحالت سفر جنبی ہو جائے اور اس کے پاس کھانے پینے کی ضرورت سے اس قدر زائد پانی نہ ہو جس سے وہ غسل کر سکے' پانی کو تلاش بھی کرے لیکن ظن غالب یہ ہو کہ اس علاقے میں پانی نہیں ہے' تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ

لے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٦﴾

(المائدۃ٥/ ٦)

"اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک مرتبہ وضوء کر لو اور شیطان کی پیروی نہ کرو

سوال ہر دفعہ وضوء کرنے سے پہلے کوشش کرتا ہوں کہ آلہ تناسل میں موجود تمام پیشاب نکال دوں۔ اس مقصد کے لئے میں کئی دفعہ بیٹھتا ہوں' جس غسل خانہ میں وضوء کرتا ہوں وہاں ٹانگ کو بھی اوپر تک اٹھاتا ہوں اور اکثر دو بار یا تین بار وضوء کرتا ہوں کیونکہ وضوء مکمل کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کے کچھ قطرے نکلنے لگے ہیں۔ لیکن اکثر معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وہم تھا' لیکن کبھی اس میں حقیقت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وسوسہ لاحق رہتا ہے۔ لیکن دو یا تین بار وضوء کرنے اور غسل خانہ میں زیادہ وقت صرف کرنے میں مشقت بھی بہت ہے' تو سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں خصوصاً سردی کے موسم میں جب میں ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کر سکتا اور وضوء کے لئے گرم پانی استعمال کرتا ہوں؟

جواب بلاشک و شبہ یہ اکثر باتیں اوہام اور وسوسے ہیں' جنہیں شیطان بعض لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ انہیں عبادت ثقیل محسوس ہو اور وہ اس سے اکتا کر اسے ترک کر دیں لہٰذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ان اوہام اور وسوسوں کی طرف توجہ نہ کرو۔ بس ایک دفعہ وضوء کر لو اور بار بار وضوء نہ کرو' پیشاب کی جگہ زیادہ دیر نہ بیٹھا کرو۔ پیشاب کے بقیہ حصے کو نکالنے کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح تھن میں دودھ ہو کہ اگر دوہا جائے تو اتر آتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو چڑھ جاتا ہے' ہاں اگر یہ یقینی امر ہو کہ پیشاب خارج ہوا ہے تو پھر تمہیں دوبارہ وضوء کرنا ہو گا لیکن اس کے لئے تفتیش و تحقیق اور ہاتھ لگا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر پیشاب انقطاع کے بغیر ہمیشہ خارج ہوتا رہے تو یہ سلسل البول ہے۔ اس صورت میں تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ایک بار وضوء کر لو اور وضوء کے بعد پیشاب کے خارج ہونے سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا لیکن تمہاری صورت حال کے بارے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر وہم کی کرشمہ سازی ہے' جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے!

——— شیخ ابن جبرین ———

مریض کا پتھر کے فرش سے تیمم کرنا

سوال کیا اس پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے جس سے ہاتھ پر غبار نہ لگے؟ تیمم کن کن اعضاء پر ہونا چاہئے؟ ایک تیمم کے ساتھ کتنی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تیمم کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی مٹی سے ہو جس سے ہاتھ پر غبار لگ جائے' ان کا استدلال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

سے ہے کہ جس میں یہ غبار نہ ہو اس سے مسح نہیں کیا جا سکتا لیکن صحیح یہ ہے کہ غبار شرط نہیں ہے' شرط صرف یہ ہے کہ مٹی پاک ہو' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"پاک مٹی سے تیمم کر لو"

صعید سطح زمین کو کہتے ہیں لہٰذا تیمم ریت سے بھی جائز ہے جس میں غبار نہیں ہوتا' اسی طرح کنکریوں وغیرہ سے بھی جائز ہے۔ وہ قیدی یا مریض جس کے پاس پتھر یا ٹائل وغیرہ سے بنا ہوا فرش ہو اور وہ دوسری جگہ نہ جا سکتا ہو تو اس کا اس فرش ہی سے تیمم جائز ہو گا خواہ اس پر غبار نہ بھی ہو' نیز مٹی نہ ہونے کی صورت میں وہ بستر وغیرہ پر بھی تیمم کر سکتا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اعضاء تیمم چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ پہلے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لے پھر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر پھیرے اور انگلیوں میں خلال کرے' اور مسح کے لئے ہتھیلیوں پر ہی اکتفاء کرے اور اگر ہاتھوں پر بھی مسح کرے تو کوئی حرج نہیں اور ایک ہی ضرب کافی ہے اور اگر دوبار ضرب لگا لے تو یہ بھی جائز ہے۔

افضل یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرے اور اگر دو فرض نمازیں اکٹھی پڑھ رہا ہو تو ان کے لئے ایک تیمم ہی کافی ہے۔ ایک تیمم کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ محدث (بے وضو) نہ ہو یا پانی نہ پائے اور جب پانی پا لے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور جسم کو پانی لگانا چاہئے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حمام میں وضوء کی صورت میں دل میں تسمیہ پڑھے

سوال میں جب وضوء کا ارادہ کرتا ہوں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ نماز کے لئے وضوء کر رہا ہوں لیکن حمام میں ہونے کی صورت میں اللہ کا نام نہیں لیتا حالانکہ مجھے اس حدیث کا علم ہے کہ جو شخص اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں' تو اس کے

لئے کیا حکم ہے؟

جواب انسان جب حمام میں ہو تو وہ زبان سے تسمیہ نہ پڑھے بلکہ دل میں پڑھ لے اور پھر راجح قول یہ ہے کہ تسمیہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہٰذا وسوسوں اور غفلت کو خیرباد کہہ دو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شرم گاہ کا دھونا وضوء کا حصہ نہیں ہے

سوال ایک شخص نیند سے بیدار ہوا اور وہ حدث اکبر یا اصغر سے دوچار نہیں ہے' وہ بحالت طہارت سویا تھا' نیند سے بیدار ہوا تو عام مفہوم کے مطابق اس نے وضوء کی تجدید کر لی' تو کیا اس حالت میں وضوء کامل ہو گا یا ناقص؟

جواب ہاں اس حالت میں وضوء صحیح ہو گا اور اس کے لئے استنجاء یعنی شرم گاہ کا دھونا ضروری نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے صرف اعضاء ظاہرہ کا دھونا لازم ہو گا۔ یعنی معروف وضوء کرنا ہو گا' عام لوگ جو اسے تجدید وضوء کا نام دیتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ تجدید تو اس شخص کی ہے جو وضوء موجود ہونے کی صورت میں وضوء کرے اور یہ شخص نیند کی وجہ سے حدث اصغر میں مبتلا ہے کیونکہ نیند نواقض وضوء میں سے ہے لیکن اس سے استنجاء واجب نہیں ہوتا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شاور کے نیچے بھی غسل درست ہے

سوال میں چاہتا ہوں کہ تفصیل کے ساتھ اور آسان انداز میں غسل جنابت کا طریقہ معلوم کروں کیونکہ اس سلسلہ میں' میں نے مختلف طریقوں کے بارے میں سن رکھا ہے لہٰذا امید ہے کہ آپ صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائیں گے نیز یہ فرمائیے کیا شاور کے نیچے غسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب غسل کامل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی غسل کی نیت کرے' بسم اللہ پڑھے' دونوں ہاتھوں کو تین بار دھوئے' پھر شرم گاہ کو اور جسم پر جو منی کے اثرات وغیرہ ہیں انہیں دھوئے' پھر مکمل وضوء کرے' پھر غسل شروع کرے اور سر کو تین بار دھوئے اور بالوں کی جڑوں کو خوب مبالغہ کے ساتھ دھوئے' پھر باقی جسم کو اس طرح غسل دے کہ دائیں طرف سے پہلے شروع کرے اور پھر بائیں طرف کو دھوئے اور خوب مل مل کر دھوئے اور مقدور بھر کوشش کر کے جہاں جہاں جسم تک ہاتھ پہنچ سکتا ہو ہاتھ سے جسم کو ملے۔

شاور کے نیچے بھی غسل جائز ہے اور اگر سارے جسم پر ایک ہی بار پانی بہا دیا جائے تو یہ غسل بھی درست ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تیمم سے پڑھی ہوئی نمازوں کو دوہرانا

سوال میں صبح کے وقت حالت جنابت میں تھا لیکن پانی موجود نہ تھا اس لئے میں نے نمازوں کو تیمم سے پڑھ لیا' شام کو جب پانی ملا تو میں نے غسل جنابت کر لیا' تو کیا مجھے وہ نمازیں دوہرانا ہوں گی جو میں نے تیمم سے پڑھی ہیں؟

جواب آپ نے پانی کی عدم موجودگی کا سبب ذکر نہیں کیا۔ اگر آپ کسی صحرائی قصبہ یا کسی شہر میں سکونت پذیر ہیں تو ان میں عام طور پر پانی موجود ہوتا ہے' اگر ایک جگہ پانی کی سپلائی بند ہو تو دوسری جگہ جاری ہوتی ہے لہٰذا جنبی اور محدث (بے وضو) کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی تلاش کرے' پڑوسیوں سے' واٹر سپلائی کے مراکز سے یا کنوؤں وغیرہ سے پانی طلب کرے لہٰذا جس نے پانی تلاش کئے بغیر تیمم سے نماز پڑھ لی اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دوہرائے۔ بادیہ یا صحرا میں بسا اوقات پانی دستیاب نہیں ہوتا لہٰذا قرب و جوار میں تلاش کرنے کے باوجود اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ اگر ضرورت سے زائد پانی موجود ہو یا عدم موجودگی کی صورت میں قریب جگہ سے ملنا ممکن ہو تو پھر تیمم جائز نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

جب احتلام تو ہو لیکن تری موجود نہ ہو

سوال ایک شخص نے خواب میں والدہ کو دیکھا اور احتلام ہو گیا لیکن بیدار ہونے کے بعد احتلام کا کوئی اثر نہ دیکھا حالانکہ اسے یاد ہے کہ اسے احتلام ہوا تھا لہٰذا اس نے احتیاطاً غسل جنابت کر لیا لیکن والدہ کے ساتھ احتلام کی وجہ سے یہ شخص بے حد پریشان ہے اور فکر مند ہے کہ وہ اس کی کیا توجیہ کرے؟ امید ہے آپ بقدر امکان جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا اس صورت میں اسے کوئی گناہ وغیرہ ہو گا؟

جواب جس شخص کو احتلام ہو اور وہ تری نہ دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

«إِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ»(صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب بیان أن الجماع کان في أول الاسلام لا یوجب ...، ح:٣٤٣)

''پانی کا استعمال پانی دیکھنے کی صورت میں ہے۔''

اگر وہ اپنے کپڑے یا جسم پر منی کا کوئی نشان دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم ہو گا خواہ اسے احتلام نہ بھی یاد ہو۔ جیسا کہ سنن میں موجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ خواب میں والدہ کے ساتھ احتلام میں کوئی ضرر نہیں ہے بلاشبہ اس کی توجیہ شدت محبت' نیکی اور اطاعت سے کی جائے گی۔ لہٰذا اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شیطانی وسوسے

سوال میں بسا اوقات وضوء کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ میرا وضوء ٹوٹ رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت ہے یا محض وسوسہ ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے اکثر وضوء اور نماز کو دوہرانا پڑتا ہے' اس لیے بسا اوقات میری جماعت رہ جاتی ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب یہ شیطانی وسوسے ہیں' ضروری ہے کہ انہیں جھٹک دو اور ان کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ وضوء اور نماز کی تکمیل کی طرف توجہ دو۔ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ اسے نماز میں یہ خیال آتا

ہے کہ وہ کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلاّ من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل علي ان من تيقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦١)

"یہ آدمی اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کرے"

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لاَ فَلاَ يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦٢)

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائے اور اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو وہ اس وقت تک مسجد سے نہ نکلے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کر لے"

ان دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کی وجہ سے وضوء اور نماز کو نہیں توڑنا چاہئے بلکہ ان وسوسوں سے اعراض کرنا چاہئے حتی کہ اسے یقینی طور پر یہ علم ہو جائے کہ اس سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے اور وضوء کے بارے میں اسے یہ یقینی علم ہو کہ اس نے وضوء نہیں کیا۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

یقین پر بنیاد دین کا ایک بہت بڑا اصول ہے

سوال امید ہے آپ اس حدیث کی شرح فرمادیں گے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

«لاَ يَنْفَتِلْ أَوْ لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك...، ح: ٣٦١

"جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے' نماز سے نہ پھرے"

جواب یہ حدیث صحیح ہے اور شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ یقین پر بنیاد رکھی جائے' شکوک و اوہام کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ انسان جب یقین کے ساتھ طہارت حاصل کرے تو وہ اس وقت تک طاہر رہتا ہے جب تک اسے حدث کا یقین نہ ہو جائے' لہٰذا ان اوہام و شکوک کی طرف التفات نہ کیا جائے گا جنہیں شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ انسان تشویش میں مبتلا ہو کر عبادت سے اکتا جائے اور اسے بہت گراں محسوس کرنے لگے' اس لیے جب وہ دوران نماز پیٹ میں کوئی گرانی یا حرکت وغیرہ محسوس کرے تو اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک اسے آواز سننے یا ہوا کے خارج ہونے سے طہارت کے ختم ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے۔

شیخ ابن جبرین

بوسہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا

 کیا بوسہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ح:١٧٨، ١٧٩، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة، ح:٨٦، ومسند احمد، ٦/٢، ١٠، ٢٠٧)

”نبی کریم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کو بوسہ دیا اور پھر وضوء کئے بغیر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔“

اس حدیث میں اس حکم کا بیان ہے کہ کیا عورت کو چھونے اور بوسہ دینے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں ---علماء--- رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا تو وضوء ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مطلقاً وضوء نہیں ٹوٹتا اور ان میں سے یہی قول راجح ہے یعنی مرد جب اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو چھوئے یا اسے اپنے ساتھ لگائے اور اس سے اسے نہ انزال ہو اور نہ وہ محدث (بے وضو) ہو تو اس سے مرد کا وضوء ٹوٹے گا نہ عورت کا' کیونکہ اصل یہ ہے کہ وضوء اپنی حالت پر برقرار رہے گا الا یہ کہ کسی دلیل سے معلوم ہو کہ وضوء ٹوٹ گیا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی دلیل ثابت نہیں جس سے معلوم ہو کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا عورت کو چھونے سے خواہ بغیر کسی چیز کے حائل ہوئے اور خواہ شہوت کے ساتھ چھونے سے اور بوسہ دینے اور ساتھ لگانے سے بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

جنبی قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا

سوال کیا جنبی شخص زبانی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے؟ اور اگر تلاوت کرنا جائز نہیں تو کیا وہ تلاوت کو سن سکتا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب جنبی کے لئے غسل کئے بغیر قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ لاَ يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنِ الْقُرْآنِ إِلاَّ الْجَنَابَةُ»(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ح:٥٩٤ وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن، ح:٢٢٩، ومسند احمد، ١/٨٤، ١٢٤)

”جنابت کے سوا اور کوئی چیز آپ ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں روکتی تھی۔“

ہاں البتہ جنبی کے لئے قرآن مجید کی تلاوت سننے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں بہت فائدہ ہے ہاں البتہ وہ قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' دیکھ کر قرآن مجید پڑھ نہیں سکتا۔ واللہ ولی التوفیق!

—————— شیخ ابن باز ——————

وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا

سوال کیا وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وضوء کے بعد وہ اپنے اعضاء کو صاف کرے' اسی طرح غسل کے بعد بھی اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے کیونکہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے تا وقتیکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو یہ حدیث ہے کہ:

«أَنَّهَا جَاءَتْ بِالْمِنْدِيْلِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، بَعْدَ أَنِ اغْتَسَلَ فَرَدَّهَا وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، باب ترك المنديل بعد الغسل، ح:٢٥٥، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، ح:٢٤٥، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل، ح:٤٦٧)

"رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں رومال لے کر آئیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی صاف کرنا شروع کر دیا۔"

تو آپ ﷺ کا رومال کو لوٹا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا استعمال مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قضیۂ عین ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس رومال میں کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے نبی ﷺ نے اسے استعمال کرنا پسند نہ فرمایا ہو اور ہاتھ ہی سے پانی کو صاف کر لیا ہو' اس حدیث کے پیش نظر کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رومال پیش کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر ان کے ہاں جائز اور مشہور تھا ورنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے رومال پیش کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ آپ یہ قاعدہ معلوم کر لیں کہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے حتی کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو!

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونا

سوال وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب شرعاً اس بات کا کوئی حکم نہیں ہے کہ وضوء کے لئے چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھویا جائے بلکہ یہ محض تکلف اور تصنع ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ»(صحيح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، ح:٢٦٧٠، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧، ومسند احمد، ١/ ٣٨٦)

"تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے' تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے۔"

آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا' ہاں البتہ ہاتھ میں اگر کوئی میل کچیل وغیرہ ہو اور وہ صابن یا اس طرح کی دیگر پاک اور صاف کرنے والی کسی چیز کے استعمال کے بغیر دور نہ ہو سکتا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن عام حالات میں بلا ضرورت صابن کا استعمال تکلف اور بدعت ہو گا لہٰذا استعمال نہ کیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا تیل بھی پانی کے اعضاء وضوء تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ سوال کیا ہے کہ میں نے بعض علماء کرام سے یہ سنا ہے کہ تیل بھی وضوء کے اعضا تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہے اور میں جب کھانا پکاتا ہوں تو تیل کے قطرے میرے بالوں یا اعضاء وضوء پر گر جاتے ہیں تو کیا اس صورت میں وضوء سے پہلے ان اعضاء کو صابن سے دھونا ضروری ہے تاکہ اعضاء وضوء تک پانی پہنچ جائے؟ میں اپنے بالوں کے علاج کے لئے بھی بسا اوقات تیل استعمال کرتا ہوں تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کر دوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں یہ بیان فرمایا ہے کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة ٥/ ٦)

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر اپنے کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو)"

ان اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کو زائل کیا جائے' جو ان اعضاء تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہو کیونکہ کسی چیز کے حائل ہونے کی صورت میں پانی اعضاء تک نہ پہنچ سکے گا اور اس طرح وہ دھل نہ سکیں گے تو اس کی بنیاد پر ہم یہ کہیں گے کہ انسان جب اپنے اعضاء وضوء پر کوئی تیل وغیرہ استعمال کرے اور اگر وہ جامد شکل میں ہو تو ضروری ہے کہ وضوء سے پہلے اسے زائل کر دیا جائے کیونکہ تیل اگر اسی طرح جامد صورت میں اعضاء پر لگا رہا تو وہ جسم تک پانی کو نہیں پہنچنے دے گا جس کی وجہ سے وضوء صحیح نہ ہو گا۔

اگر تیل جامد صورت میں اعضاء پر باقی نہ ہو بلکہ صرف اس کا اثر باقی ہو تو یہ نقصان دہ نہیں ہے لیکن اس صورت میں اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملنا چاہئے کیونکہ عموماً تیل پانی سے الگ ہو جاتا ہے اور اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اچھی طرح اعضاء کو نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے تمام اعضاء تک پانی نہ پہنچ سکے' لہٰذا ہم سائل سے یہ کہیں گے کہ اگر اعضاء طہارت پر موجود یہ تیل جامد ہے اور وہ پانی کے اعضاء تک پہنچنے میں حائل ہے تو پھر اسے وضوء سے پہلے زائل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر یہ جامد صورت میں موجود نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں اور اسے صابن سے دھونا ضروری نہیں لیکن اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی تیل کے اوپر سے پھسل جائے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن عثیمین ———

دانتوں میں کھانے کے ذرے اور وضوء

سوال ایک دینی بہن یہ سوال پوچھتی ہیں کہ بسااوقات میں محسوس کرتی ہوں کہ دانتوں میں کھانے کے کچھ ذرے ہیں تو کیا وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری ہے؟

جواب مجھے بظاہریوں معلوم ہوتا ہے کہ وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری نہیں ہے لیکن بلاشک و شبہ دانتوں کی صفائی اکمل و اطہر ہے اور دانتوں کی بیماری سے انسان کو بچاتی ہے کیونکہ یہ ذرے جب دانتوں میں رہ جائیں تو ان سے عفونت پیدا ہوتی ہے جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انسان کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کر لے تاکہ کھانے کے ذرات کو دور کر سکے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مسواک کرے کیونکہ کھانا منہ کی بو کو بدل دیتا ہے اور نبی ﷺ نے مسواک کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

«إِنَّهُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»(سنن نسائي، كتاب الطهارة، باب هل يستاك الامام بحضرة رعيته، ح:٥)

"مسواک منہ کو پاک کرتی اور رب تعالیٰ کو راضی کرتی ہے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب بھی منہ کو پاک کرنے کی ضرورت ہو تو اسے مسواک سے پاک صاف کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

شیطان کی پھونک

سوال نماز شروع کرنے اور ایک یا دو رکعت پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہو رہی ہے' تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور جب یہ صورت حال ہمیشہ جاری رہے تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟

جواب بظاہریوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں تاکہ شیطان نمازی کی نماز کو خراب کر دے یا اس کے ادا کرنے کو اس کے لئے مشکل بنا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فِيْ صَلَاتِهِ فَيَنْفُخُ فِي مَقْعَدَتِهِ فَيُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحْدَثَ وَلَمْ يُحْدِثْ، فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(رواه البزار، انظر كشف الاستار، ١/١٢٨، اسناده ضعيف وهو صحيح لغيره واصل الحديث في البخاري:١٣٧، ومسلم، الحيض ٩٨، عن عبدالله بن زيد، وفي سند البزار ابواويس لكن تابعه الدراوردي عند البيهقي، أفاده الحافظ في التلخيص ١/١٢٨)

"شیطان تم میں سے ایک کے پاس اس کی نماز میں آتا اور اس کی مقعد میں پھونک مارتا ہے تو نمازی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے وضوء ہو گیا ہے حالانکہ وہ بے وضوء نہیں ہوا ہوتا جب کوئی اس طرح کی صورت حال پائے تو وہ نماز کو نہ توڑے حتی کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔"

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ إِنَّكَ أَحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ كَذَبْتَ»(مسند احمد، ٣/ ١٢، ٥٠، ٥١، ٥٤، وابن حبان، ٦/ ٢٦٦٦)

"جب تم میں سے کسی کے پاس آ کر شیطان یہ کہے کہ تو بے وضوء ہو گیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔"

یعنی اپنے جی میں اس سے یہ کہے۔ لہٰذا ہم سائل کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ان شیطانی اوہام و تخیلات کی طرف توجہ نہ کرے اس سے یہ جلد ختم ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ حقیقی و یقینی صورت حال ہے اور دائمی ہے جیسا کہ اس نے ذکر کیا ہے تو اس کا حکم دائمی حدث میں مبتلا مریض کا ہو گا لہٰذا نماز کے وقت میں خروج ہوا سے اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی مثال سلسل البول کے مریض کی سی ہو گی اس کے لئے چونکہ بار بار وضوء کرنے میں مشقت ہے لہٰذا یہ ہر فرض نماز کے وقت میں وضوء کر لے اور پھر نماز پڑھتا رہے۔ (خواہ نماز میں ہوا خارج ہوتی رہے' بیماری کی وجہ سے یہ شخص معذور تصور ہو گا)۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وضوء میں وسوسہ

سوال میں چھبیس برس کی عمر کا ایک نوجوان ہوں۔ وضوء کرتے ہوئے اور کبھی وضوء کے بعد اٹھتے ہوئے یا کسی حرکت کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے کہ پیشاب کا قطرہ نکل آیا ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اکثر شیطان بعض لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ ہوا یا پیشاب کا قطرہ خارج ہونے سے ان کا وضوء ٹوٹ گیا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو شخص اس طرح کے کسی وسوسہ میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ وہ یقین یعنی اپنی طہارت ہی کو پیش نظر رکھے اور ان اوہام کی طرف توجہ نہ دے' اس سے وہ محفوظ بھی رہے گا اور اوہام کا یہ سلسلہ جلد ختم بھی ہو جائے گا۔ اور اگر آدمی ان اوہام میں کھو جائے تو اس کا غم دراز اور اس کے وسوسوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ وہ بار بار وضوء کرے گا تو نماز باجماعت یا نماز کی اول وقت میں ادائیگی فوت ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ عبادت ہی سے اکتا جائے گا اور عبادت اسے بہت گراں محسوس ہونے لگے گی اور شیطان مردود کی یہی تو خواہش ہے کہ وہ انسان کو اپنے رب کی بندگی سے دور ہٹا دے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ہوا کے خارج ہونے میں شک

سوال مجھے گیس کی بہت تکلیف ہے حتیٰ کہ وضوء کرتے ہوئے بھی یہ شک ہونے لگتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں' اور اس کی وجہ سے مجھے ایک یا دو مرتبہ وضوء دوہرانا پڑتا ہے۔ کیا یہ طبعی حالت ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

 نماز کے دوران بعض لوگوں کو جو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خاج ہو رہی ہے تو اکثر و بیشتر صورتوں میں محض وہم

ہوتا ہے' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلاّ من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦١)

"اس وقت تک کوئی شخص نماز سے نہ پھرے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کرے۔"

شیخ ابن جبرین

اصل بقاء طہارت ہے

سوال جب انسان وضوء کرے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد نماز کا وقت ہو جائے لیکن وہ بھول جائے کہ وہ طاہر ہے یا نہیں تو کیا اس کے لئے وضوء کرنا لازم ہے؟ اس صورت حال میں وہ کس بات پر بنیاد رکھے؟

جواب جب انسان وضوء کرے اور کامل وضوء کرے تو وہ حالت طہارت ہی میں ہو گا خواہ کتنا وقت گزر جائے اور اگر اسے وضوء کے ٹوٹنے کے بارے میں شک ہو تو اس شک کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے یقین یعنی طہارت پر بنا کرنا ہو گی کیونکہ حدیث میں ہے جس کے راوی عبداللہ بن زید ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ اسے خیال آتا ہے کہ وہ نماز میں کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلاّ من المخرجين من القبل والدبر، ح:١٧٧، وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة ثم شك . . . ، ح:٣٦١)

"اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔"

اس حدیث کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب وضوء پر ایک وقت گزر جائے اور اسے شک ہو کہ اس کا وضوء برقرار ہے یا ٹوٹ گیا ہے تو اسے چاہئے کہ اس صورت میں نماز پڑھ لے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل بقاء طہارت ہے۔

شیخ ابن عثیمین

منی پاک ہے

سوال میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی' پھر اٹھ کر غسل کیا اور نماز فجر ادا کر لی' تو سوال یہ ہے کہ کیا میں اس بستر پر دوبارہ سو سکتا ہوں اور اس چادر کو اوڑھ سکتا ہوں۔ جس میں نے میں اپنی بیوی سے صحبت کی ہو؟

جواب منی پاک ہے' اس سے انسان یا اس کا بستر ناپاک نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

«كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ فَرْكًا ثُمَّ يُصَلِّي فِيْهِ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب، ح:٣٧٢)

"میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیا

کرتے تھے۔"

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خروج منی سے پہلے جب آدمی نے پیشاب کیا ہو تو پانی سے استنجاء کیا ہو یا شرعی طریقہ کے مطابق ڈھیلوں کو استعمال کیا ہو اور اس نے اگر ایسا نہ کیا ہو تو پھر منی تو پاک ہے لیکن نجس مقام سے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جائے گی۔ منی چونکہ پاک ہے اس لئے مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ اس بستر پر سو جائے اور اس چادر کو اوڑھ لے جس میں اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہو' اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

پیشاب کے بعد خارج ہونے والا سفید مادہ

سوال جب میں بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو پیشاب کے آخر میں محسوس کرتا ہوں کہ کچھ مادہ منویہ خارج ہوا ہے لیکن معلوم نہیں کہ ہر مرتبہ پیشاب کے بعد غسل کروں یا کیا کروں کیونکہ مجھے شک ہے کہ اس کا حکم مباشرت کا ہے یا نہیں؟

جواب یہ منی جو پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے' یہ ودی کے نام سے مشہور ہے یہ چونکہ پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے اور بہہ کر نکلتی ہے اس لئے یہ موجب غسل نہیں بلکہ ناقض وضوء ہے لہٰذا اس کے خارج ہونے سے آلہ تناسل کو دھونا اور وضوء کرنا لازم ہوگا' غسل کرنا لازم نہ ہو گا کیونکہ غسل تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب منی دفق اور لذت کے ساتھ خارج ہو' دفق کے معنی ہیں خوب زور سے اچھل کر نکلنا لہٰذا اگر منی پیشاب کی صورت میں بہہ کر یا قطروں کی صورت میں خارج ہو تو اس طرح خارج ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

پانی کی موجودگی میں تیمم باطل ہے

سوال ایک دن مجھے احتلام ہو گیا اور اس دن سخت سردی تھی' میں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور مدرسہ چلا گیا' پھر میں واپس لوٹا تو میں نے غسل نہ کیا' اس بارے میں راہنمائی فرمائیے کیا حکم ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب ماضی کی نسبت سے تو یہ حکم ہے کہ غسل جنابت کے بغیر جو نمازیں پڑھیں ہیں' انہیں دوبارہ پڑھنا ہو گا کیونکہ سائل شہر میں تھا اور پانی کا حصول اس کی استطاعت میں تھا ہاں البتہ سردی کے خوف کی وجہ سے وہ تیمم کر سکتا ہے لیکن اگر پانی گرم کرنے کی سہولت میسر ہو تو پھر غسل کرنا واجب ہو گا۔ اگر آدمی سفر میں ہو' پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر کوئی چیز لازم نہ ہو گی اور جب پانی پا لے تو اسے غسل کرنا ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اونٹ کا گوشت ناقض وضوء ہے

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص سے بو محسوس کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تمام حاضرین کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں اور ہم نے ابتدائیہ میں یہ پڑھا تھا کہ اونٹ کا گوشت کھانے

سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب یہ قصہ تو مطلقاً بے اصل اور نبی کریم ﷺ کی طرف ایک جھوٹی بات منسوب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جو شخص بے وضوء ہو گیا ہے وہ وضوء کرے۔ محدث کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگوں پر وضوء کرنا لازم نہیں ہوتا۔

اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے وضوء کرنا واجب ہے' خواہ گوشت تھوڑا کھایا ہو یا زیادہ' کچا کھایا ہو یا پکا کر اور خواہ اونٹ کے جسم کے کسی بھی حصہ کا گوشت کھایا ہو کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد:

«تَوَضَّؤُوْا مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ»(جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح:٨١، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:١٨٤)

"اونٹ کے گوشت سے وضوء کرو۔"

کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا۔

«يَارَسُوْلَ اللهِ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ شِئْتَ، قَالَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح:٣٦٠)

"یا رسول اللہ! کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟" فرمایا "اگر چاہو تو کر لو" اس نے عرض کیا "کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنے کو کھانے والے کی مرضی پر منحصر قرار دیا تو معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا انسان کی مرضی پر منحصر نہیں ہے اور یہی معنی ہیں اس بات کے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا واجب ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کثرت گیس کا عارضہ

سوال مجھے کثرت گیس کا عارضہ لاحق ہے جو نماز میں بھی رکاوٹ بنتا ہے اور کبھی نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ عارضہ لاحق ہو جاتا ہے تو اس صورت حال میں کیا میں نماز توڑ دوں یا غیر طاہر حالت ہی میں پڑھتی رہوں؟ مجھے ایک نماز کے لئے کئی بار وضوء کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بہت تکلیف اور مشقت اٹھانا پڑتی ہے' خصوصاً سردیوں کے موسم میں اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

جواب نماز میں وضوء کی حفاظت اور ہوا کے روکنے کی کوشش کرو' اگر ہوا کا خروج دائمی اور مستقل نوعیت کا ہو تو اس شخص کے حکم میں ہو گا جس کا حدث دائمی ہوتا ہے۔ مثلاً سلسل البول اور استحاضہ کی مریضہ لہٰذا اس صورت میں مشقت کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹے گا ہاں البتہ آپ کو اس بیماری کا مقدور بھر علاج ضرور کرانا چاہئے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وضوء میں تسلسل

سوال میں وضوء کر رہا تھا کہ ٹونٹی سے پانی آنا ختم ہو گیا' میں نے کچھ وقت انتظار کیا اور جب پانی آیا تو وہ اعضاء جو میں پہلے دھو چکا تھا خشک ہو گئے تھے' تو کیا اب مجھے سارا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا جہاں تک پہلے کر چکا تھا' اس سے آگے کر لوں؟

جواب اس سوال کا جواب موالات (تسلسل) کے معنی اور اس کے صحت نماز کے لئے شرط ہونے پر مبنی ہے۔ اور اصل مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ موالات شرط ہے اور وضوء اگر تسلسل ہی کے ساتھ کیا جائے تو صحیح ہو گا اور اگر بعض اعضاء کو ایک دفعہ دھویا بعض کو دوسری دفعہ دھویا اور درمیان میں وقفہ آ گیا تو اس سے وضوء صحیح نہ ہو گا اور اس مسئلہ میں یہی قول راجح ہے کیونکہ وضوء ایک عبادت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس عبادت کے بعض اجزاء بعض دیگر کے ساتھ متصل ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ موالات واجب اور صحت وضوء کے لئے شرط ہے تو سوال یہ ہے کہ موالات کیسے ہو گی؟

بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ موالات یہ ہے کہ ایک عضو کے دھونے کو آپ اس قدر مؤخر نہ کریں کہ اس سے پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے الا یہ کہ کسی ایسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو جس کا طہارت ہی سے تعلق ہو مثلاً یہ کہ کسی ایک عضو پر پینٹ وغیرہ لگا ہوا تھا' اس نے اسے دور کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش کی وجہ سے تاخیر ہو گئی اور پہلے دھوئے ہوئے اعضاء خشک ہو گئے' اس صورت میں وہ اپنے وضوء کے پہلے تسلسل ہی کو برقرار رکھے گا خواہ اس میں خاصی دیر ہو جائے کیونکہ اسے ایسے کام کی وجہ سے دیر ہوئی ہے' جس کا طہارت کے ساتھ تعلق ہے اور اگر تاخیر پانی کے حصول کی وجہ سے ہوئی ہو جیسا کہ اس سوال میں ہے تو بعض اہل علم کے بقول اس صورت میں موالات باقی نہیں رہتی لہٰذا وضوء از سر نو دوبارہ شروع کرنا ہو گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی موالات باقی ہے کیونکہ یہ امر غیر اختیاری ہے' وضوء کرنے والا تو تکمیل وضوء کے لئے انتظار کرتا رہا ہے لہٰذا جب پانی آ جائے تو اسے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا چاہئے خواہ اس کے اعضاء خشک ہو گئے ہوں۔

بعض علماء جو موالات کے وجوب اور شرط کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ موالات کا تعلق عضو کے خشک ہونے سے نہیں بلکہ عرف سے ہے۔ عرف کے مطابق جسے وقفہ سمجھا جائے وہ وقفہ ہو گا اور اس سے موالات قطع ہو جائے گی اور جسے عرف وقفہ نہ سمجھے وہ وقفہ نہ ہو گا اور اس سے موالات ختم نہ ہو گی مثلاً پانی منقطع ہونے کی صورت میں جو لوگ پانی کھینچنے میں مشغول ہیں تو اس صورت کو وضوء کے اول و آخر میں انقطاع شمار نہیں کیا جاتا لہٰذا انہیں پہلے وضوء کو صحیح شمار کرتے ہوئے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا ہو گا اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی آ جائے تو صرف باقی ماندہ وضوء کو مکمل کریں الا یہ کہ درمیان میں وقفہ بہت زیادہ طویل ہو جائے جو اسے عرف سے خارج کر دے تو پھر از سر نو وضوء کرنا ہو گا۔ اس مسئلہ میں دونوں صورتوں کے لئے گنجائش ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' پڑھائی میں مصروف ہوں اور رات کو ہونے والے احتلام کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہوں' کبھی تنگی وقت اور کبھی شرمندگی کی وجہ سے فوری طور پر غسل نہیں کر سکتا۔ کبھی میں بحالت جنابت ہی باجماعت نماز پڑھ لیتا ہوں اور پھر مناسب وقت پر غسل کر کے نماز دوہرا لیتا ہوں اور کبھی پاک مٹی سے تیمم کر کے اور پھر وضوء کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں اور اسے دوہراتا بھی نہیں ہوں کیونکہ میں نے یہ مسئلہ سن رکھا ہے کہ اگر کوئی دوست کسی دوست کے ہاں شب بسر کرے' اسے احتلام ہو جائے اور اسے خوف ہو کہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو وہ تیمم کر لے۔ اور کبھی کبھی میں صبح کی نماز کو موخر کر کے ظہر کے ساتھ ادا کر لیتا ہوں تا کہ آسانی کے ساتھ غسل کر سکوں۔ ان صورتوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے؟

جواب برادر! آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ احتلام ہونے پر نماز سے پہلے غسل ضرور کر لیں خواہ احتلام ہر رات ہو کیونکہ اس سے غسل واجب ہے۔ جب آپ شہر میں ہوں اور پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہو تو غسل ساقط نہیں ہوتا اور نہ کسی کو ترک غسل میں معذور سمجھا جائے گا اور پھر اب تو مسجدوں میں' گھروں میں اور بازاروں میں ہر جگہ غسل خانے موجود ہونے کی وجہ سے غسل کرنے میں کوئی دشواری نہیں بلکہ بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے لہٰذا ہر حال میں آپ کے لئے غسل کرنا لازم ہے اور دین کے حکم پر عمل کرنے میں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیمم تو صرف اس صورت میں جائز ہے جب پانی موجود نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمۡ تَجِدُواْ مَآءٗ فَتَيَمَّمُواْ﴾ (المائدۃ ٥/ ٦)

"اگر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔"

اس دوست کا قصہ حجت نہیں ہے' جس نے دوست کے پاس شب بسر کی اور اسے احتلام ہو گیا اور اس نے سوء ظنی سے بچنے کے لئے تیمم کر لیا تو یہ کسی نے اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا ہو گا اور شاید اس کا تعلق کسی خاص حالت سے ہو عام حالات پر اسے منطبق نہیں کیا جا سکتا لہٰذا غسل کرنا ازبس ضروری ہے' قدرت کے باوجود اسے ظہر یا کسی اور وقت تک مؤخر کرنا بھی جائز نہیں' اسی طرح پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا بھی ہرگز جائز نہیں الا یہ کہ بہت سخت سردی ہو' پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں موت یا کسی اور نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تیمم کا جواز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

زکام اور تیمم

سوال میں زکام کا دائمی مریض ہوں' علاج سے بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیا میرے لئے تیمم کرنا درست ہے؟ حالت جنابت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾

(المائدۃ۵/ ٦)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو تم پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔"

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس دائمی زکام میں جس میں تم مبتلا ہو پانی کا استعمال بیماری میں اضافہ یا صحت میں تاخیر کا سبب نہیں بنتا۔ اور اگر یہ بات واقعی درست ہو کہ پانی کا استعمال اس مرض میں اثر انداز نہیں ہوتا تو پھر آپ کیلئے حدث اصغر کی صورت میں پانی سے وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں پانی سے غسل کرنا واجب ہے' کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں آپ طبیب سے بھی مشورہ کر لیں' اگر طبیب یہ کہے کہ پانی کا استعمال آپ کیلئے نقصان دہ ہے تو پھر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں' ورنہ پانی سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نیند میں منی کا خروج

سوال کیا نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟ نیز وہ کون سی اشیاء ہیں جن سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ احتلام نہ بھی یاد ہو اور اگر کسی شخص کو احتلام تو ہو لیکن انزال نہ ہو تو اس سے غسل لازم نہ ہو گا۔

نیند میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر بیداری میں منی پیشاب کے ساتھ بہہ کر نکلے اور لذت نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہ ہو گا۔ لیکن اگر اچھل کر لذت کے ساتھ خارج ہو تو غسل واجب ہو گا۔ مباشرت کی صورت میں محض ختنے کے مقامات کے آپس میں ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال نہ بھی ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس خارج ہونے والے مادہ کا کیا حکم ہے؟

سوال میں جب اپنی بیوی سے خوش طبعی کی باتیں کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کوئی چیز خارج ہو رہی ہے اور جب میں اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے رنگ لیس دار مادہ خارج ہوتا ہے۔ کیا اس مادہ کے خروج کی صورت میں بھی مکمل طہارت یعنی غسل کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب اگر خارج ہونے والا یہ مادہ منی ہے تو غسل واجب ہو گا اور منی مشہور و معروف مادہ ہے جو اچھل (ٹپک) کر لذت

کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مادہ منی نہیں بلکہ مذی ہے جو غیر محسوس طور پر اکثروبیشترفتور شہوت کے وقت خارج ہوتا ہے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ واجب یہ ہوتا ہے کہ آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کر لیا جائے جب کہ منی کے خروج کی صورت میں غسل واجب ہے اور جب یہ شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی تو پھر اسے مذی پر محمول کیا جائے گا اور غسل واجب نہ ہو گا۔ اس صورت میں آلہ تناسل' خصیتین اور کپڑے کے آلودہ حصے کو دھو لو اور نماز کے لئے وضوء کی طرح وضوء کر لو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زخمی کس طرح غسل کرے؟

سوال میں نوجوان لڑکی ہوں۔ میرے ہاتھ میں کندھے کے قریب زخم آیا جس کی وجہ سے آپریشن کرانا پڑا۔ ڈاکٹر نے مجھے غسل سے منع کیا ہے تا کہ پانی لگنے سے زخم خراب نہ ہو لیکن چند دنوں بعد ہی میں اپنے ایام حیض سے فارغ ہوئی اور میں نے غسل کا ارادہ کیا تو حیران و پریشان ہو گئی کہ اب کیا کروں؟ کیا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی سارے جسم کو دھو لوں؟ لیکن مجھے معلوم ہے کہ غسل تو اس صورت میں ہی کامل ہوتا ہے جب تمام اعضاء کو دھویا جائے اور پھر زخم ہے ایسی جگہ کہ اسے نہاتے ہوئے پانی سے بچانا بہت مشکل ہے؟

جواب غسل حیض وغیرہ کے لئے اس حالت میں آپ اپنے جسم کو جس قدر غسل دے سکتی ہیں' اسے غسل دینا لازم ہے۔ زخم پر پٹی وغیرہ رکھ کر باقی جسم کو دھو لو اور اگر اس میں مشقت ہو اور ایسا ممکن نہ ہو تو زخم سے نیچے کے حصہ کو جس میں زخم نہیں ہے دھو لو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مباشرت سے غسل کرنے کی حکمت

بیوی سے مباشرت کرنے کے بعد غسل میں کیا حکمت ہے؟

جواب مباشرت اور احتلام کی صورت میں غسل کرنا واجب ہے کیونکہ شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا ہے' حکمت خواہ ہمارے سامنے نہ بھی ظاہر ہو۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا اور ان کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا واجب ہے۔ علماء نے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں بیان بھی کی ہیں مثلاً ایک قول یہ ہے کہ یہ چونکہ حدث اکبر ہے لہٰذا اس کی وجہ سے سارے جسم کا غسل لازم ہے جیسا کہ حدث اصغر کی صورت میں اطراف بدن کا دھونا (وضو) لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منی کے خارج ہونے سے چونکہ کمزوری اور سستی لاحق ہوتی ہے لہٰذا قوت و نشاط کے حصول کے لئے غسل کو لازم قرار دیا گیا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ غسل کرنے سے قوت و نشاط حاصل ہوتی ہے جب کہ ترک غسل سے کمزوری اور کئی نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جنبی کا غسل کرنے سے پہلے سونا

سوال میں نے مباشرت کی اور پھر سو گیا تو مجھ سے کہا گیا کہ مباشرت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ سونے یا کھانے کا ارادہ کرے تو کم از کم وضوء ضرور کرے جب کہ بعض دیگر لوگوں نے کہا کہ یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہٰذا اس مسئلہ میں فتویٰ عطا فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب جنبی کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ سونے' کھانے یا دوبارہ مباشرت کرنے کے لئے شرم گاہ کو دھو کر وضوء کرے لیکن یہ ضروری نہیں ہے' البتہ سونے کے سلسلہ میں اس کی تاکید بہت آئی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں جب وہ وضوء کرے" لیکن اگر کوئی سونے سے پہلے وضوء یا غسل نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی بحالت جنابت پانی کو چھوئے بغیر ہی سو جایا کرتے تھے۔ لہٰذا جنابت کی حالت میں سونے سے پہلے وضوء کر لینا چاہئے اور اگر نہ کیا جائے تو گناہ نہیں' وضوء کر لینے سے جنابت میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اگر سونے سے پہلے غسل کر لیا جائے تو یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

موزوں پر مسح

وضوء کے بغیر پہنی ہوئی جرابوں کے ساتھ نماز

سوال میں نے نماز فجر وضوء کر کے ادا کی اور پھر جرابیں پہننا بھول گیا اور سو گیا اور پھر جب کام پر جانے کے لئے بیدار ہوا تو میں نے جرابیں پہنیں اور اس وقت میں باوضوء نہ تھا لیکن جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے وضوء کیا اور جرابوں پر مسح کر کے نماز پڑھ لی اور پھر عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اسی طرح مسح کر کے ادا کیں کیونکہ میں یہ سمجھتا رہا کہ میں نے انہیں باوضوء پہنا ہے۔ عشاء کی نماز کے قریباً دو گھنٹے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے جب جرابیں پہنی تھیں تو میں باوضوء نہ تھا تو ان چار نمازوں کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ یاد رہے میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

جواب جو شخص غیر طاہر حالت میں موزے یا جرابیں پہنے اور پھر ان پر بھول کر مسح کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے' اسے ان نمازوں کو دوہرانا ہو گا جو اس نے مسح سے پڑھی ہیں کیونکہ مسح کے درست ہونے کے لئے تمام اہل علم کے اجماع کے مطابق شرط یہ ہے کہ جرابوں کو بحالت وضوء پہنا ہو اور جس نے انہیں وضوء کے بغیر پہنا ہو اور ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لی ہو تو اس کا حکم اس انسان کی طرح ہے جو بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلاَ صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٤)

"وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت سے صدقہ قبول نہیں ہوتا"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور، ح:١٣٥، ٦٩٥٤، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح:٢٢٥)

"تم میں سے جب کوئی شخص بے وضوء ہو جائے تو اس کی اس وقت تک نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ وضوء نہ کرے"

اور اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وضوء کے لئے پانی ڈال رہے تھے' وضوء کرتے ہوئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمبارک کا مسح فرمالیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے موزوں کو اتارنے کے لئے جھکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ادخل رجليه وهما طاهرتان، ح:٢٠٦)

"ان کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے"

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی چاروں نمازیں دوہرانا ہوں گی اور بھولنے کی وجہ سے اسے کوئی گناہ بھی نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعاء سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس . . . ، ح:١٢٦)

"اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بندوں سے کوئی غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرماتا۔ ((فللہ الحمد والشکر علی ذلک))

شیخ ابن باز

بایاں پاؤں دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں جراب پہن لینا

سوال وضوء کرتے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تک آپ اپنے بائیں پاؤں کو نہ دھولیں' دائیں پاؤں میں جراب پہننا جائز نہیں ہے۔ میں نے عرصہ ہوا ایک کتاب میں جس کا اب نام یاد نہیں' یہ پڑھا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ یہ جائز نہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

افضل اور احوط یہی ہے کہ بایاں پاؤں دھونے سے پہلے جرابیں نہ پہنی جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا، وَلاَ يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلاَّ مِنَ الْجَنَابَةِ»(رواه الحاكم، ١/ ١٨١، والدارقطني ١/ ٢٠٣، ٢٠٤ قال الحاكم اسناده صحيح على شرط مسلم)

"جب تم میں سے کوئی وضوء کر کے موزے پہن لے تو وہ ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اتارے ہاں البتہ غسل جنابت کے لئے انہیں اتارنا ہو گا۔"

اور اسی طرح حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا»(اخرجه الدارقطني، ١/ ١٩٤، وابن خزيمة، ١/ ١٩٢، وقال الترمذي في علله الكبير سألت محمدا يعني البخاري في هذا الحديث فقال حديث صفوان بن عسال، حديث حسن)

"نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کو ایک دن رات کے لئے رخصت دی ہے کہ جب وہ بحالت وضوء موزے پہنے تو ان پر مسح کرے۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا تو ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کے موزے اتار دیں تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب إذا ادخل رجليه وهما طاهرتان، ح: ٢٠٦)

"انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے۔"

ان تینوں اور ان کے ہم معنی احادیث کے بظاہر الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے موزوں پر مسح جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس نے انہیں کمال طہارت کے بعد پہنا ہو اور جو شخص بائیں پاؤں کے دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب پہن لیتا ہے تو اس نے اسے طہارت کی تکمیل سے پہلے پہن لیا ہے۔ بعض اہل علم اس صورت میں بھی مسح کے جواز کے قائل ہیں کہ یعنی خواہ بائیں پاؤں کو دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب کو پہن لیا تو مسح جائز ہے کیونکہ دونوں پاؤں میں سے ہر ایک میں طہارت کے بعد جراب کو پہنا گیا ہے' لیکن زیادہ احتیاط پہلے قول ہی میں ہے اور دلیل کے اعتبار سے بھی بظاہر یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے' تو جس شخص نے ایسا کر لیا اسے چاہئے کہ وہ مسح سے پہلے اپنے دائیں پاؤں سے موزے یا جراب کو اتار لے اور پھر بائیں پاؤں کو دھونے کے بعد اسے پاؤں میں پہنے تاکہ وہ اختلاف سے بچ سکے اور دین میں اس پہلو کو اختیار کر لے جس میں احتیاط ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

بہت باریک جراب پر مسح

 بہت باریک جراب پر مسح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جراب پر مسح کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ موٹی ہو اور پاؤں کو چھپائے ہوئے ہو اور اگر جراب باریک ہو تو مسح جائز نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں تو پاؤں گویا ننگا ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

سوال روئی ' اون یا نائیلون کی بنی ہوئی ان جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو آج کل استعمال ہوتی ہیں؟ موزوں پر مسح کی کیا شرائط ہیں؟ کیا جوتے کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ایسی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو پاک ہوں اور قدم کو چھپائے ہوئے ہوں جس طرح موزوں پر مسح جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے جرابوں پر مسح کیا۔ جرابوں اور موزوں میں فرق یہ ہے کہ موزے چمڑے کے بنائے جاتے ہیں جب کہ جراب روئی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ موزوں اور جرابوں پر مسح کی شرطیں یہ ہیں کہ وہ پاؤں کو چھپائے ہوئے ہوں ' انہیں بحالت طہارت پہنا گیا ہو۔ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات کے لئے مسح کر سکتا ہے ' وقت کا آغاز بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے شمار ہو گا تا کہ اس مسئلہ میں وارد تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔

ایسے جوتوں میں نماز جائز ہے جو پاک ہوں اور ان کو کوئی نجس چیز نہ لگی ہوئی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى فِيْ نَعْلَيْهِ»

"آپ ﷺ نے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی۔"

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيُقَلِّبْ نَعْلَيْهِ فَإِنْ رَأَى فِيْهِمَا أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ٦٥٠)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتوں کو الٹ کر دیکھ لے ' اگر ان میں کوئی گندگی ہو تو اسے رگڑ کر صاف کر لے اور ان میں نماز پڑھ لے۔"

جب مسجد میں دریاں یا قالین وغیرہ بچھے ہوں تو پھر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ آدمی جوتے اتار کر کسی مناسب جگہ رکھ دے یا انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر اپنے پاؤں میں رکھ لے تا کہ نمازیوں کے لئے مسجد کا فرش خراب نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

کس قسم کے موزہ پر مسح جائز ہے؟

سوال کیا موزوں پر مسح کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مخصوص قسم کے ہوں یا ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جو پاؤں اور ٹخنوں کو چھپائے ہوئے ہوں ' پاک ہوں ' پاک جانوروں مثلاً اونٹ ' گائے اور بکری وغیرہ کی کھال سے بنے ہوں ' انہیں بحالت وضوء پہنا ہو۔ اسی طرح جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جس طرح موزوں پر جائز ہے۔ اور علماء کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ یاد رہے جرابیں وہ ہیں جنہیں روئی یا

اون وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں اور نعلین پر مسح فرمایا' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہی ثابت ہے اور پھر حصول سہولت میں جرابیں موزوں ہی کی مانند ہیں۔ مدت مسح کے سلسلہ میں یاد رہے کہ یہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مدت کا آغاز بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے ہو گا جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ مسح طہارت صغریٰ میں کیا جاتا ہے اور اگر طہارت کبریٰ درپیش ہو تو پھر مسح کی اجازت نہیں بلکہ موزوں کو اتار کر پاؤں کو دھونا فرض ہو گا کیونکہ صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَلاَّ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ، وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ» (سنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، ح: ٩٦، ٣٥٣٥، ومسند احمد، ٤/ ٤٠ وابن خزيمة، ١/ ١٩٣)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جب مسافر ہوں تو تین دن اور رات موزے نہ اتاریں ہاں البتہ حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہو گا' بول و براز اور نیند کی وجہ سے انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

طہارت کبریٰ سے مراد وہ طہارت ہے جو جنابت' حیض اور نفاس کے بعد حاصل کی جاتی ہے اور حدث اصغر یعنی بول و براز اور خروج ریح جیسے نواقص وضوء کی صورت میں جو طہارت حاصل کی جاتی ہے' اسے طہارت صغریٰ کہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

موسم گرما میں عذر کے بغیر جرابوں پر مسح کرنا

سوال میں بعض نمازیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ موسم گرما میں بھی وضوء کرتے ہوئے جرابوں پر مسح کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟ نیز یہ کہ مقیم کے لئے افضل کیا ہے پاؤں کو دھونا یا مسح کرنا؟ یاد رہے مسح کرنے والوں کے پاس بجز اس کے کوئی عذر نہیں کہ اس کی رخصت ہے؟

جواب احادیث صحیحہ کے عموم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موزوں اور جرابوں پر موسم گرما ہو یا سرما مسح کرنا جائز ہے۔ مجھے کسی ایسی شرعی دلیل کا علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ مسح صرف موسم سرما میں جائز ہے ہاں البتہ ضروری ہے کہ جرابوں پر مسح کے سلسلہ میں شرعی طور پر معتبر شرطوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جراب نے اس مقام کو ڈھانپ رکھا ہو جسے دھونا فرض ہے' اسے بحالت طہارت پہنا گیا ہو' مدت مسح ملحوظ رکھی جائے جو مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے مدت کا آغاز ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

مدت مسح

سوال کیا جرابوں کا پہننا انسان کے لئے ایک دن رات کے ساتھ مقید ہے یعنی صرف پانچ نمازیں ہی پڑھ سکتا ہے؟ اور اگر وہ بحالت طہارت پانچ سے زیادہ نمازیں پڑھ لے تو پھر کیا حکم ہے؟ مثلاً اس نے عشاء کی نماز کے بعد مسح کا آغاز کیا اور فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں مسح کے ساتھ ادا کیں۔ مغرب کا وضوء برقرار تھا کہ عشاء کا وقت ہو گیا تو کیا وہ مغرب کے اس وضوء کے ساتھ نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا اسے جرابیں اتار کر وضوء کرنا پڑے گا؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ:

«وَقَّتَ لِلْمُسَافِرِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بِلَيَالِيْهَا وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً»(واصله في سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح، ح:١٥٧، وسنن نسائي، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمقيم، ح:١٢٨، ١٢٩)

"نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات کی مدت کا تعین فرمایا۔"

آپ ﷺ نے مسح کی رخصت کا تعین نمازوں کی تعداد کے حساب سے نہیں فرمایا، اس لئے مقیم مسح کے ساتھ پانچ سے زیادہ نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً حدث کے بعد نماز مغرب کے وضوء میں مسح کرے، پھر مغرب و عشاء جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے پھر نماز فجر، ظہر اور عصر کے لئے وضوء اور مسح کر لے اور پھر مغرب و عشاء کی نمازیں بیماری وغیرہ کے کسی شرعی عذر کی بنا پر جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے تو یہ جائز ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

موزوں پر مسح کے وقت کی ابتداء

سوال موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز کب سے شمار ہو گا؟ کیا حدث کے بعد یا وضوء کے بعد سے؟

جواب موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز اس وقت سے ہو گا جب وہ حدث کے بعد پہلا مسح کرے گا۔ یہی قول راجح ہے "کیونکہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے جو وقت معین فرمایا ہے، وہ مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات ہے" تو موزوں پر مسح جب فعلاً ہو گا تو اسی وقت سے اس کا شمار ہو گا اور سابقہ مدت اس میں شمار نہ ہو گی مثلاً اگر کسی نے نماز فجر کے وقت موزے پہنے، ضحیٰ کے وقت وہ بے وضوء ہو گیا اور زوال آفتاب کے وقت اس نے مسح کیا تو مسح کی مدت کا آغاز زوال آفتاب سے ہو گا اور جب دوسرے دن زوال آفتاب ہو گا تو مقیم کے لئے اور جب چوتھے دن زوال آفتاب ہو گا تو مسافر کے لئے مدت ختم ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جرابوں پر مسح کے بعض احکام

سوال مسافر کتنی مدت کے لئے جرابوں پر مسح کر سکتا ہے؟ اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایک بار مسح کر لے اور پھر پانچوں فرض نمازیں اس وضوء سے پڑھ لے' پھر جراب اتارے اور وضوء کرے؟ کیا اس جراب کے اتارنے سے جس پر مسح کیا ہو وضوء ٹوٹ جائے گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب مسافر کے لئے مسح کرنے کی مدت تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اس مدت کا آغاز حدث کے بعد پہلے مسح سے ہو گا' مثلاً نماز فجر کا وضوء کر کے جرابیں پہنیں' ضحیٰ کے وقت آدمی بے وضوء ہو گیا اور اس نے زوال آفتاب کے وقت وضوء کرتے ہوئے مسح کیا تو مدت مسح کا آغاز زوال آفتاب کے وقت سے ہو گا اور مقیم ہونے کی صورت میں اگلے ایک دن رات تک اور مسافر ہونے کی صورت میں آئندہ تین دن اور راتوں تک اسے مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر مسح کی مدت ختم ہو جائے اور آدمی کی حالت طہارت برقرار ہو تو اس سے اس کی طہارت ختم نہ ہو گی بلکہ جب تک طہارت ختم نہ ہو اس کی حالت طاہر شمار ہو گی۔

اگر آدمی نے وضوء کر کے جرابیں پہنیں اور ابھی تک ایک دفعہ بھی مسح نہیں کیا یعنی ابھی تک وضوء برقرار ہی تھا کہ اس نے جرابوں کو اتار دیا تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا اور اگر مسح کرنے کے بعد جرابوں کو اتارا تو پھر بھی صحیح بات یہی ہے کہ اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس صورت میں وضوء کے ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن دوبارہ جرابیں پہننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وضوء کر کے پاؤں دھوئے!

——— شیخ ابن عثیمین ———

حج میں حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف وداع

سوال حیض اور نفاس والی عورت طواف وداع کس طرح کرے گی؟

جواب حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف وداع کا حکم نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ:

«أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلاَّ أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ»(صحيح بخاري، كتاب الحج، باب طواف الوداع، ح:١٧٥٥، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع عن الحائض، ح:١٣٢٨)

"رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے لیکن حائضہ عورت کو آپ نے اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔"

اہل علم کے ہاں اس سلسلہ میں نفاس والی عورت کا حکم بھی یہی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال امید ہے آپ اس مسئلہ میں فتویٰ سے نوازیں گے کہ نفاس والی عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ چالیس دنوں کے بعد ہی نمازیں پڑھے یا پاک ہونے کی صورت میں وہ چالیس دنوں سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب نفاس والی عورت جب پاک ہو جائے تو وہ غسل کر کے روزہ رکھ سکتی اور نماز پڑھ سکتی ہے خواہ اس نے چالیس دن پورے کئے ہوں یا ابھی نہ کئے ہوں۔ اور جب وہ چالیس دن پورے کر لے اور پھر بھی خون جاری ہو تو وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے خواہ خون جاری ہو کیونکہ چالیس دنوں کے بعد جاری رہنے والا خون' خون استحاضہ کے مانند فاسد خون ہے الا یہ کہ انہی ایام میں خون حیض جاری ہو جائے تو پھر اسے اپنے معمول کے ایام کے مطابق صوم و صلوٰۃ کو چھوڑ دینا ہو گا اور ایام ختم ہونے کی بعد غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کرنا ہو گی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

حائضہ عورت سے مباشرت کا کفارہ

سوال عورت حیض و نفاس سے فارغ تو ہو گئی لیکن ابھی تک اس نے غسل نہیں کیا تھا کہ اس کے شوہر نے ازراہ جہالت اس سے مباشرت کر لی تو کیا اس صورت میں کوئی کفارہ ہے اور وہ کیا ہے؟ اس مباشرت کے نتیجہ میں اگر عورت حاملہ ہو جائے تو کیا پیدا ہونے والے بچے کو ولد حرام (حرام زادہ) کہا جائے گا؟

جواب حائضہ عورت سے مباشرت کرنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۲۲)

"اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔"

جو شخص حالت حیض میں مقاربت کر بیٹھے' اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنی چاہئے نیز اس فعل کے کفارہ کے طور پر اسے ایک یا نصف دینار صدقہ بھی کرنا چاہئے جیسا کہ امام احمد اور اصحاب سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ فِي الَّذِيْ يَأْتِيْ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دِيْنَارٍ» فَأَيُّهُمَا أَخْرَجْتَ أَجْزَاكَ (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في اتيان الحائض، ح: ٢٦٤، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الكفارة في ذلك، ح: ١٣٦ ، ١٣٧ ، ومسند احمد، ١/ ٣٦٧)

"جو شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے مقاربت کرے تو اسے ایک یا نصف دینار صدقہ کرنا چاہئے۔"

ان میں سے جو بھی صدقہ کر لے وہ کافی ہو گا اور ایک دینار کی مقدار ۷/۴ سعودی پاؤنڈ کے برابر ہے اگر سعودی پاؤنڈ بطور مثال ستر ریال کے برابر ہو تو آپ کو بیس یا چالیس ریال فقراء میں تقسیم کرنے چاہئیں۔

یہ بھی جائز نہیں کہ مرد اپنی بیوی سے انقطاع خون کے بعد مگر اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۲)

"اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے' ان کے پاس جاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورت سے مقاربت کی اجازت نہیں دی تاوقتیکہ اس کا خون ختم ہو جائے اور وہ غسل کر کے پاک ہو جائے۔ جو شخص اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے وہ گناہ گار ہو گا اور اس پر کفارہ ہو گا۔ حالت حیض میں یا انقطاع خون کے بعد اور غسل سے پہلے مباشرت کے نتیجے میں اگر حمل قرار پا جائے تو اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو حرامی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اس کا شرعی بچہ ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حائضہ کے لئے دعائیں پڑھنا

سوال کیا حائضہ کے لئے عرفہ کے دن دعاؤں کی کتابوں کا پڑھنا جائز ہے جب کہ ان کتابوں میں قرآنی آیات پر مشتمل دعائیں بھی ہوتی ہیں؟

جواب حیض و نفاس والی عورتوں کے لئے مناسک حج کے سلسلہ میں لکھی ہوئی دعاؤں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ صحیح قول کے مطابق قرآن مجید پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے' جس سے معلوم ہو کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت صرف جنبی مرد اور عورت کے لئے ہے کہ وہ قرآن نہ پڑھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ حیض اور نفاس والی کے بارے میں یہ جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(سنن ترمذي، كتاب الطهارة، باب ما جاء في الجنب والحائض ...، ح:١٣١، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ح:٥٩٥، ٥٩٦، هذا حديث ضعيف لان اسماعيل بن عياش قد وثقه أئمة الحديث في اهل الشام، وضعفوه في الحجازيين وهو روى هذا الحديث عن موسى بن عقبة وهو من اهل الحجاز، قال البيهقي هذا حديث ضعيف لا يحتج بها انظر ارواء الغليل، ١٩٢)

"حائض اور جنبی قطعاً قرآن مجید نہ پڑھیں۔"

تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اسے اسماعیل بن عیاش نے حجازی راویوں سے روایت کیا ہے اور وہ ان سے روایت

کرنے میں ضعیف ہے' ہاں البتہ حیض یا نفاس والی کو زبانی' قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر' پڑھنے کی اجازت ہے جب کہ جنبی غسل کے بغیر زبانی پڑھ سکتا ہے اور نہ دیکھ کر۔ اور فرق کا سبب یہ ہے کہ جنبی کے لئے وقفہ جنابت بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مقاربت کے فوراً بعد جب چاہے غسل کر لے' معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے' اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کر کے نماز اور قرآن مجید پڑھ سکتا ہے لیکن حیض و نفاس والی عورت کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور پھر حیض و نفاس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہتا ہے لہٰذا ان کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ یہ قرآن مجید کو بھول نہ جائیں اور تلاوت اور کتاب اللہ کے شرعی احکام حاصل کرنے کی فضیلت سے محروم نہ رہیں لہٰذا ایسی کتابوں کے پڑھنے کی تو انہیں بالاولیٰ اجازت ہے جو آیات و احادیث کی ملی جلی دعاؤں پر مشتمل ہوں۔ علماء کے قول میں سے یہی درست اور زیادہ صحیح قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

حائضہ کے لئے کتب تفسیر کا مطالعہ

سوال میں غیر طاہر حالت مثلاً معمول کے ایام میں بھی بعض کتب تفسیر کا مطالعہ کر لیتی ہوں تو کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ کیا اس میں گناہ تو نہیں ہے؟ فتویٰ سے سرفراز فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب علماء کرام کے صحیح قول کے مطابق حیض اور نفاس والی کے لئے کتب تفسیر کے پڑھنے بلکہ ہاتھ لگائے بغیر قرآن مجید کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جنبی کے لئے مطلقاً ممنوع ہے کہ جب تک وہ غسل نہ کرے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا لیکن وہ کتب تفسیر و حدیث کا اس طرح مطالعہ کر سکتا ہے کہ درمیان میں آنے والی آیات کو نہ پڑھے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ لاَ يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلاَّ الْجَنَابَةُ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن، ح:٢٢٩، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب قراءة القرآن على غير طهارة، ح:٥٩٤، ومسند احمد، ١/ ٨٤، ١٢٤)

"رسول اللہ ﷺ جنابت کے سوا اور کسی وجہ سے قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں رکتے تھے۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«فَأَمَّا الْجُنُبُ فَلاَ وَلاَ آيَةً»(مسند احمد، ١/ ١١٠)

"جنبی کو ایک آیت پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

ماہانہ معمول میں اضطراب

میں بیالیس برس کی ایک خاتون ہوں' میرا ماہانہ معمول چار دن کے لئے ہوتا ہے اور پھر تین دن تک خون بند

رہتا ہے لیکن ساتویں دن پھر خون جاری ہو جاتا ہے لیکن خفیف مقدار میں اور پھر خون مٹیالے رنگ میں تبدیل ہو کر بارہویں دن تک جاری رہتا ہے۔ میں خون کی کمی کے مرض میں مبتلا تھی لیکن علاج کے بعد بحمد اللہ یہ مرض ختم ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی مذکورہ حالت کے بارے میں ایک متقی پرہیز گار طبیب سے مشورہ بھی کیا تو اس نے کہا کہ میں چوتھے دن کے بعد غسل کر کے نماز' روزہ اور دیگر عبادات کو شروع کر دوں اور عملاً گزشتہ دو سال سے طبیب کے اسی مشورہ پر عمل کر رہی ہوں لیکن بعض خواتین نے مجھ سے کہا ہے کہ آٹھ دن تک انتظار کروں۔ امید ہے کہ آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ میرے لئے صحیح طریق کار کیا ہے؟

جواب مذکورہ چار اور سات' سارے ایام' ایام حیض ہیں۔ ان دنوں میں نماز' روزے کو چھوڑ دو اور تمہارے شوہر کے لئے ان دنوں میں مقاربت بھی حلال نہیں۔ چار دنوں کے بعد غسل کر کے نماز پڑھو اور چار اور سات ایام کی اس درمیانی مدت تین دن میں تمہارے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے ان دنوں میں روزہ رکھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں' اگر رمضان ہو تو پھر ان دنوں کا روزہ بھی واجب ہو گا اور جب بعد کے سات دنوں سے فارغ ہو جاؤ تو غسل کر کے تمام پاک عورتوں کی طرح نماز اور روزہ بجا لاؤ کیونکہ ماہانہ معمول یعنی حیض میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کے ایام کبھی اکٹھے ہوتے ہیں اور کبھی الگ الگ بھی!

—— شیخ ابن باز ——

غسل کے بعد خون

سوال میں معمول کے پانچ ایام گزارنے کے بعد جب غسل کرتی ہوں تو کبھی کبھی غسل کے فوراً بعد تھوڑا سا خون آ جاتا ہے اور پھر اس کے بعد نہیں آتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں صرف پانچ دن شمار کروں اور اس سے زیادہ کو شمار نہ کروں اور نماز' روزہ شروع کر دوں یا اس دن کو بھی معمول کے ایام میں شمار کروں اور نماز روزہ چھوڑ دوں۔ یاد رہے یہ صورت حال ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ دو یا تین حیض کے بعد ہوتی ہے۔ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔

جواب طہارت کے بعد خارج ہونے والا مادہ اگر پیلے یا مٹیالے رنگ کا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں' اس کا حکم پیشاب کے حکم کی مانند ہے اور اگر یہ مادہ صریحاً خون ہے تو پھر اسے حیض شمار کیا جائے گا اور آپ کو خون ختم ہونے کے بعد دوبارہ غسل کرنا ہو گا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا --جو صحابیات میں سے ہیں-- بیان کرتی ہیں کہ:

«كُنَّا لاَ نَعُدُّ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا»(صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب الصفرة والكدرة في غير ايام الحيض، ح:٣٢٦، وأبوداود، كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى الصفرة والكدرة بعد الطهر، ح:٣٠٧)

"طہارت کے بعد آنے والے پیلے یا مٹیالے رنگ کے مادہ کو ہم کچھ شمار نہیں کرتی تھیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال کچھ ایسی گولیاں ہیں جن کے استعمال سے عورتوں کا معمول رک جاتا یا وقت سے مؤخر ہو جاتا ہے۔ کیا ان کا استعمال بوقت حج جائز ہے تاکہ معمول کی وجہ سے حج میں خلل نہ پڑے؟

جواب عورت کے لئے موسم حج میں مانع حیض گولیوں کا استعمال جائز ہے لیکن یہ استعمال ماہر طبیب کے مشورہ سے ہونا چاہئے کہ اس سے عورت کی سلامتی کو توکوئی خطرہ نہ ہو گا۔ اسی طرح عورت کے لئے رمضان میں بھی ان گولیوں کا استعمال جائز ہے جب وہ سب لوگوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے کو پسند کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حائضہ کے لئے مسجد سے ملحقہ حصوں میں داخلہ

سوال امریکہ میں ایک مسجد کی تین منزلیں ہیں۔ اوپر کی منزل عورتوں کی نماز کے لئے ہے اور اس کے نیچے کی منزل اصلی مسجد ہے اور اس کے نیچے کی جو منزل ہے اس میں وضوء اور غسل کی جگہ ' مجلات اور اسلامی جرائد و اخبارات کے لئے جگہ اور عورتوں کی تعلیم اور نماز کے لئے جگہ بنائی گئی ہے۔ کیا اس سب سے نچلی منزل میں حائضہ عورتوں کے لئے داخلہ جائز ہے نیز اس مسجد میں ایسے ستون بنائے گئے ہیں جو نمازیوں کی صفوں کے درمیان میں آ جانے سے صف کے دو حصے ہو جاتے ہیں 'کیا اس سے صف ٹوٹتی تو نہیں ہے؟

جواب جب مذکورہ بالا عمارت کو مسجد کے لئے بنایا گیا ہے اور اوپر اور نیچے کی دونوں منزلوں والے امام کی آواز کو سنتے ہیں تو سب کی نماز صحیح ہے اور حائضہ خواتین کے لئے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں ' جسے نچلی منزل میں خواتین کی نماز کے لئے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ مسجد کے تابع ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنِّيْ لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلاَ جُنُبٍ»(سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، ح: ٢٣٢)

"میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔"

ہاں البتہ بعض ضرورتوں کے پیش نظر حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا جائز ہے اس احتیاط کے ساتھ کہ خون نہ گرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور جنابت کی حالت میں بھی قریب نہ جاؤ الا یہ کہ راستے چلے جا رہے ہو۔"

اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کو مسجد سے مصلیٰ لا دیں تو انہوں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ»(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ... ح:٢٩٨، ومسند احمد ٢/ ٨٦، ٦/ ٤٥)

"بلاشبہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھوں میں تو نہیں ہے۔"

نچلی منزل وقف کرنے والے نے اگر مسجد کی نیت نہ کی ہو بلکہ اس کے سٹور بنانے یا دیگر ضروریات کے استعمال کے لئے جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے' نیت کی ہو تو یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہ ہو گی' اس جگہ حائض و جنبی کے لئے بیٹھنا جائز ہو گا اور اس حصہ میں نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ جگہ طہارت خانوں کے تابع نہ ہو' جس طرح باقی پاک مقامات پر نماز پڑھی جا سکتی ہے' یہاں بھی پڑھی جا سکتی ہے لیکن یہاں نماز پڑھنے والا اوپر کی منزل میں نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء نہیں کرے گا جب کہ وہ اسے یا بعض نمازیوں کو نہ دیکھ سکتا ہو کیونکہ علماء کے راجح قول کے مطابق اس صورت میں یہ جگہ مسجد کے تابع نہ ہو گی۔ صفوں کے درمیان میں واقع ستونوں سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہاں اگر یہ ممکن ہو کہ صف کو ستونوں سے آگے یا پیچھے بنا لیا جائے اور وہ درمیان میں حائل نہ ہوں تو یہ افضل اور اکمل ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

نفاس والی عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا

سوال کیا نفاس والی عورتوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مدت نفاس کے اختتام سے قبل گھروں سے باہر نہ نکلیں؟

جواب نفاس والی عورتیں بھی دوسری عورتوں ہی کی طرح ہیں۔ بوقت ضرورت ان کے لئے بھی گھروں سے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ضرورت نہ ہو تو پھر تمام عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں ہی میں رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۳)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے دنوں میں اظہار زینت کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔"

—— شیخ ابن باز ——

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال اگر نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کیا اس کے لئے نماز' روزہ اور حج جائز ہے؟

جواب ہاں! اس کے لئے نماز' روزہ' حج اور عمرہ جائز اور اس کے شوہر کے لئے مقاربت حلال ہے خواہ وہ بیس دنوں بعد پاک ہو جائے تو پھر بھی اسے غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا ہو گا۔ اس کے شوہر کے لئے وظیفہ زوجیت بھی حلال ہو گا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے تو یہ مکروہ تنزیہ یا احتیاط پر محمول ہو گا اور یہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ درست بات یہی ہے کہ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اس کی طہارت صحیح ہو گی اور اگر اس کے بعد دوبارہ خون آ جائے تو پھر صحیح بات یہ ہے کہ وہ نفاس کی مدت چالیس دن شمار کرے لیکن بحالت طہارت اس کی نماز' روزہ اور حج صحیح ہو گا' حالت طہارت میں ادا کئے ہوئے ان میں سے کسی عمل کو دوہرانے کی ضرورت نہ ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

جنین ساقط ہونے کی صورت میں عورت کے لئے احکام

سوال بعض حاملہ عورتوں کا جنین ساقط ہو جاتا ہے' کئی جنین ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق ابھی مکمل نہیں ہوئی ہوتی' امید ہے کہ آپ یہ وضاحت فرمائیں گے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہو گا؟

جواب جب عورت ایسے جنین کو ساقط کرے جس کا سر' ہاتھ' پاؤں اور دیگر اعضاء بن چکے ہوں تو وہ نفساء (نفاس والی) ہے' اس کے لئے وہی احکام ہوں گے جو نفاس کے ہیں' وہ طہارت یا چالیس دن سے پہلے نماز پڑھے گی نہ روزہ رکھے گی اور نہ اس کے شوہر کے لئے اس سے مقاربت حلال ہو گی۔ اگر وہ چالیس دنوں سے کم میں طاہر ہو جائے تو اس کے لئے غسل' نماز اور رمضان کے روزے واجب ہوں گے اور اس کے شوہر کے لئے اس سے مقاربت حلال ہو گی۔

نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں' اگر وہ ولادت کے دس دن بعد یا اس سے کم یا زیادہ دنوں میں پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل کرنا واجب ہو گا اور اس کے لئے طاہر عورتوں کے احکام ہوں گے اور وہ خون جو وہ چالیس دنوں کے بعد دیکھے' وہ فاسد خون ہو گا اس کی موجودگی میں وہ نماز' روزہ کر سکتی ہے اور اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے۔ مستحاضہ کی طرح اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش ---جب وہ مستحاضہ تھیں--- سے فرمایا کہ:

«وَتَوَضَّئِيْ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ»

"ہر نماز کے وقت میں وضوء کرو"[1]

اور چالیس دنوں کے بعد اگر ماہانہ معمول یعنی حیض شروع ہو جائے تو اس کے لئے حیض کا حکم ہو گا یعنی اس کے لئے طہارت سے پہلے نماز' روزہ اور جنسی عمل حرام ہو گا۔

اگر ساقط ہونے والے جنین میں عمل تخلیق ابھی تک واضح نہ ہوا ہو' یعنی ابھی تک وہ گوشت کا لوتھڑا سا ہو' اس میں ہاتھ پاؤں نمایاں نہ ہوئے ہوں یا ابھی تک صرف خون ہی ہو تو اس کے لئے حیض و نفاس کا نہیں بلکہ مستحاضہ کا حکم ہو گا' یہ نماز پڑھے گی' رمضان کے روزے بھی رکھے گی' اس کے شوہر کے لئے وظیفۂ زوجیت بھی حلال ہو گا' اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا' مستحاضہ کی طرح روئی وغیرہ کے ساتھ خون کو گرنے سے روکنا ہو گا حتی کہ وہ پاک ہو جائے' اسے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے' اس کے لئے ظہر و عصر' مغرب و عشاء اور صبح کی نماز کے لئے غسل کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث حمنہ بنت جحش سے ثابت ہے کیونکہ اس صورت میں اہل علم کے نزدیک یہ عورت مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

---

[1] امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " ان الروایة لکل صلاة لالوقت کل صلاة " روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضو کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو۔ نیل الاوطار' جلد:1' ص:275- امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داود' کتاب الطهارة' باب من قال تغتسل من طهر الی طهر ح : 298-

——— شیخ ابن باز ———

نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں

سوال کیا نفاس والی عورت جب چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے؟

جواب جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل' نماز اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہے اور اہل علم کا اجماع ہے کہ اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے۔ یاد رہے نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

جب حیض معمول سے زیادہ دنوں تک جاری رہے

سوال جب عورت کا ماہانہ معمول آٹھ یا سات دنوں کا ہو لیکن کبھی ایک یا دو مرتبہ یہ معمول اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت کا معمول چھ یا سات دنوں کا ہو لیکن اس مدت میں اضافہ ہو جائے اور یہ سلسلہ آٹھ یا نو یا دس یا گیارہ دنوں تک طول پکڑ جائے تو ان دنوں میں بھی اسے نماز نہیں پڑھنی ہو گی حتی کہ پاک ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حیض کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۲)

''اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے۔''

تو جب تک یہ خون باقی ہو گا عورت اپنے حال ہی پر ہو گی حتی کہ خون بند ہو جائے' غسل کر لے اور نماز پڑھنی شروع کر دے۔ اگر دوسرے مہینے اس سے کم دنوں کے لئے حیض آئے تو جب پاک ہو جائے غسل کر لے خواہ سابقہ مدت کے مطابق نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک حیض موجود ہو گا عورت نماز نہیں پڑھے گی خواہ حیض معمول کے ایام کے مطابق ہو یا ان سے زیادہ ہو یا کم ہو اور جب پاک ہو جائے گی تو پھر اسے نماز پڑھنی ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طہارت کے بعد مٹیالا یا پیلا پانی کچھ نہیں

سوال میرا معمول چھ دن کا ہوتا ہے اور کبھی یہ معمول سات دن کا بھی ہو جاتا ہے۔ میں طہارت کے مشاہدہ کے بعد غسل کر لیتی ہوں لیکن ایک مکمل دن کی طہارت کے بعد میں مٹیالے سے رنگ کا پانی دیکھتی ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ لہٰذا میں حیران ہو جاتی ہوں کہ نماز' روزہ اور اپنے خالق کی عبادت سے متعلق دیگر امور ادا کروں یا نہ کروں؟ براہ کرم راہنمائی فرمایئے کہ میں اس حالت میں کیا کروں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے گا؟

جواب اگر تمہیں اپنے معمول کے ایام کا علم ہے تو اتنے دن شمار کرو اور ان کے بعد نماز اور روزہ شروع کرو اور

طہارت کے بعد نظر آنے والے مٹیالے یا پیلے رنگ کے مادہ کے اخراج کی وجہ سے نماز اور عبادت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ طہارت کی ایک نمایاں علامت ہے جسے عورتیں خوب پہچانتی ہیں اور اسے خالص سفیدی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' جب عورت اسے دیکھ لے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مدت حیض ختم اور مدت طہارت شروع ہو گئی ہے لہٰذا اس وقت غسل کر کے نماز' روزہ اور تلاوت قرآن جیسی عبادات کو بجالانا فرض ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جب حیض نماز کے وقت شروع ہو

سوال میرا ماہانہ معمول نماز کے دوران شروع ہو گیا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا مدت حیض کی نمازوں کی مجھے قضا دینا ہو گی؟

جواب جب حیض کا آغاز نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہو مثلاً زوال کے نصف گھنٹہ بعد آغاز ہوا تو حیض سے طہارت کے بعد اسے اس نماز کی قضاء دینا ہو گی جس کا وقت اس کی طہارت کی حالت میں شروع ہو گیا تھا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

لیکن دوران حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے' چنانچہ ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«اَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟»(صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، ح:٣٠٤، ٩٥٦، ١٤٦٢، ١٩٥١، ٢٦٥٨)

"کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟"

اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کے لئے مدت حیض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے ہاں البتہ عورت جب پاک ہو اور اس قدر وقت ہو کہ وہ اس وقت کی نماز کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعتیں پڑھ سکتی ہو تو اس کے لئے اس وقت کی نماز کو پڑھنا فرض ہو گا جس میں وہ پاک ہو گئی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، ح:٦٠٨، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب وقت العصر، ح:٤١٢، ومسند احمد، ٢/ ٢٥٤، ٢٨٢)

"جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے عصر کو پا لیا۔"

تو جب عورت عصر کے وقت یا طلوع آفتاب سے پہلے پاک ہو اور طلوع و غروب آفتاب میں ایک رکعت کی مقدار کے برابر وقت باقی ہو تو اسے عصر اور فجر کی نماز پڑھنا ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب جنین تیسرے مہینے ساقط ہو جائے

سوال میں ایک عورت ہوں' تیسرے مہینے میرا جنین ساقط ہو گیا تھا لیکن میں نے پاک ہونے تک نمازیں نہیں پڑھیں۔ اب مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجھے نمازیں پڑھنی چاہئے تھیں۔ میں کیا کروں جب کہ متعین طور پر مجھے یہ معلوم بھی نہیں کہ میں نے کتنے دن نمازیں نہیں پڑھیں؟

جواب اہل علم کے ہاں معروف بات یہ ہے کہ جب تیسرے ماہ عورت کا جنین ساقط ہو جائے تو اسے طاہر ہونے تک نماز نہیں پڑھنی ہو گی کیونکہ جب اس حالت میں اسقاط ہو کہ جنین کے اعضاء بننا شروع ہو گئے ہوں تو اسقاط کے بعد خارج ہونے والا خون نفاس کا ہو گا اور جب تک یہ باقی رہے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب جنین اکیاسی(۸۱) ایام کا ہو جائے تو اس میں اعضاء کا پیدا ہونا ممکن ہے اور اکیاسی (۸۱) دن کی یہ مدت تین ماہ سے کم ہے لہٰذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ اسقاط تیسرے ماہ کے بعد ہوا ہے تو یہ نفاس کا خون ہو گا اور اگر اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہو گیا ہو تو پھر یہ خون فاسد ہو گا اس کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس سوال کرنے والی خاتون کو چاہئے کہ وہ اچھی طرح یاد کرے' اگر جنین کا اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہوا ہے تو اسے نمازوں کی قضاء دینا ہو گی اور اگر اسے متعین طور پر یاد نہیں تو یاد کرنے کی کوشش کرے اور جس مدت کے بارے میں یہ ظن غالب ہو کہ اس میں اس نے نمازیں نہیں پڑھیں تو اس ظن غالب کے مطابق نمازوں کی قضا دے لے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

باب چہارم
کتاب
الصلاۃ
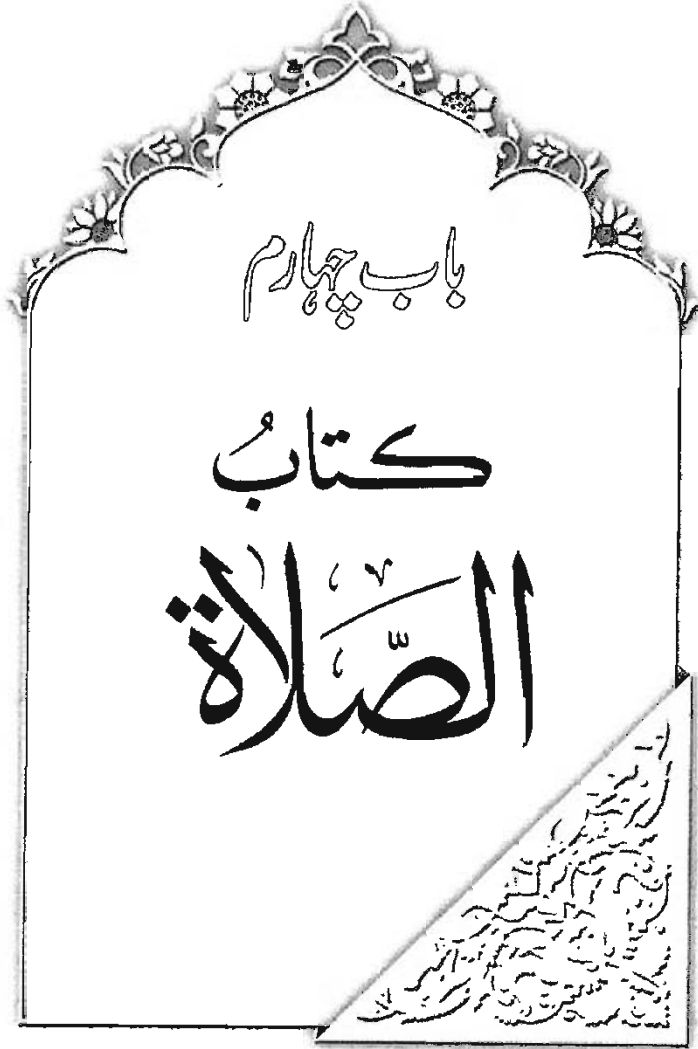
اذان اور تکبیر

کیا تکبیر کے بعد دعاء ثابت ہے

سوال نماز جمعہ کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ جب مؤذن اقامت کو مکمل پڑھ لے تو تم کوئی ایسی دعاء نہ پڑھو جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو' کتاب و سنت میں وارد نہ ہو اور جب مؤذن اقامت میں اللہ کا ذکر کرے تو تم بھی اللہ کا ذکر کرو اور پھر امام کے تکبیر کہنے تک خاموش رہو۔ آج ہم امام صاحب کی ان باتوں کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے ہیں اور امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں جلد راہنمائی فرمائیں گے تاکہ ہمیں اطمینان نصیب ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ اقامت سننے والا بھی وہی کلمات کہے' جو اقامت کہنے والا کہتا ہے کیونکہ یہ ایک طرح سے دوسری اذان ہے' اس کا بھی اذان کی طرح جواب دیا جانا چاہئے اور تکبیر کہنے والا جب ((حی علی الصلاۃ)) اور ((حی علی الفلاح)) کہے تو سننے والے کو اس کے جواب میں کہنا چاہئے ((لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ)) تکبیر کہنے والا جب ((قد قامت الصلوٰۃ)) کہے تو اس کے جواب میں ((قد قامت الصلوٰۃ)) ہی کہنا چاہئے اور ((اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا)) نہیں کہنا چاہئے کیونکہ جس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ح:٦١١، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ...، ح:٣٨٣)

''جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔''

یہ ارشاد اذان و اقامت دونوں کے لئے ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اذان کہا جاتا ہے۔ تکبیر کہنے والا جب ((لا الہ الا اللّٰہ)) کہے تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنا چاہئے اور پھر یہ دعا:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح:٦١٤، ٤٧١٩)

پڑھے جس طرح اذان کے بعد درود شریف اور یہ دعاء پڑھی جاتی ہے' اس کے علاوہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی ذکر یا دعاء نہیں' جس کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کام کی جگہ پر نماز کے لئے اذان

سوال: ہمارے کام کی جگہ مسجد سے زیادہ دور نہیں ہے تو کیا ہم کام کی جگہ پر اذان کہہ سکتے ہیں؟

جواب: تم لوگوں پر واجب یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ واخرجه الدارقطني، ١/ ٤٢٠ والحاكم، ١/ ٢٤٥، والبيهقي، ٣/ ٧٥، من هذا الطريق وسنده صحيح)

"جو شخص اذان سنے اور پھر نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

ہاں البتہ اگر تمہارے لئے کوئی جبری ممانعت ہو تو پھر ادلہ شرعیہ کے عموم کے مطابق تمہارے لئے اپنے کام کی جگہ پر اذان و اقامت جائز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا عورت اذان کہہ سکتی ہے؟ کیا اس کی آواز بھی پردہ ہے؟

سوال: کیا عورت کے لئے اذان کہنا جائز ہے؟ کیا اس کی آواز کو پردہ شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: اولاً: علماء کے صحیح قول کے مطابق عورت کے لئے اذان نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں کبھی کسی عورت نے اذان نہیں کہی تھی۔

ثانیاً: عورت کی آواز علی الاطلاق پردہ نہیں ہے کیونکہ عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنی شکایت پیش کرتیں' اسلامی احکام دریافت کرتیں' خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حکمرانوں سے بھی احکام و مسائل کے بارے میں گفتگو کرتیں' اجنبی مردوں کو سلام کرتیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتی تھیں اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے کبھی بھی اس سے منع نہیں کیا' ہاں البتہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مردوں سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجہ میں شیرینی اور حلاوت (مٹھاس) پیدا کرے کیونکہ اس سے مرد فریفتہ ہوں گے اور یہ امر ان کے لئے باعث فتنہ ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيۡتُنَّۚ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِٱلۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ ٱلَّذِي فِي قَلۡبِهِۦ مَرَضٞ وَقُلۡنَ قَوۡلٗا مَّعۡرُوفٗا ٣٢﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٢)

"اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم (لہجے میں) باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی (غلط) امید (نہ) پیدا کرلے اور (ان سے) دستور کے مطابق بات کیا کرو۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

اذان کے بعد بلند آواز سے ذکر

سوال کچھ اسلامی ملکوں میں بعض مؤذن اذان کے بعد بلند آواز سے کہتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ)) کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد ہے؟

جواب اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر اسے مؤذن آہستہ آواز میں کہتا ہے تو یہ اذان دینے والے اور سننے والے دونوں کے لئے شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لاَ تَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه . . ، ح: ٣٨٤)

"جب تم موذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے' پھر مجھ پر درود بھیجو' جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا' پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک (ایسا بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ) مقام ہے جس پر بندگان الٰہی میں سے صرف ایک انسان ہی فائز ہو گا اور امید ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو گا۔ جس شخص نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعاء کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔"

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ آتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ٦١٤، ٤٧١٩)

"جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے تو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی: "اے اللہ! اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک تو محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما دے اور ان کو اس مقام محمود تک پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔"

اور اگر مؤذن ان الفاظ کو اذان ہی کی طرح بلند آواز سے کہتا ہے تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی اذان کا حصہ ہے اور اذان میں اپنی طرف سے اضافہ جائز نہیں۔ اذان کا آخری کلمہ "لاالہ الااللہ" ہے' اس میں اضافہ جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو سلف صالح سبقت کا مظاہرہ کرتے بلکہ نبی کریم ﷺ خود امت کو یہ سکھاتے اور اس کا حکم فرماتے اور یاد رہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب رقم: ٢٠، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ح: ١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اللہ سبحانہ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری' آپ کی اور سب بھائیوں کی دینی سمجھ بوجھ میں اضافہ فرمائے اور ہم سب کو محض اپنے فضل و کرم سے دین میں ثابت قدمی سے نوازے۔ انہ سمیع قریب۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت بلا اقامت نماز پڑھے

سوال کیا عورت کے لئے نماز کی اقامت کہنا جائز ہے یا وہ بغیر اقامت ہی کے نماز پڑھ لے؟

جواب اذان اور اقامت کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے' عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلاَ إِقَامَةٌ»(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ليس على النساء أذان ولا اقامة، ح:١٩٥٩)

"عورتوں کے لئے اذان و اقامت نہیں ہے۔"

لہٰذا عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اذان و اقامت نہ کہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کی اقامت کے بعد کلام

سوال نماز کے لئے اقامت کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے ایسے امور کے بارے میں کلام کے لئے کیا حکم ہے جو نماز سے خارج ہوں مثلاً صفوں کی درستی وغیرہ یا مثلاً گفتگو جو دنیا کی زندگی سے متعلق ہو؟

جواب نماز کھڑی ہونے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے گفتگو اگر نماز سے متعلق ہو جیسے صفوں کی درستی وغیرہ تو اس کا شرعاً جواز ہے اور اگر اس گفتگو کا تعلق نماز سے نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے تاکہ نماز میں داخل ہونے کی تیاری کی جائے اور اس کی تعظیم بجا لائی جائے!

——— شیخ ابن باز ———

جب منفرد اقامت کہنا بھول جائے

سوال جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو' وہ تکبیر کہنا بھول جائے اور نماز شروع کر لے تو کیا اس کی یہ نماز مکمل ہو گی یا وہ اسے دوبارہ از سر نو پڑھے؟

جواب جب کوئی شخص منفرد یعنی مرد یا عورت انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اقامت بھی کہے کیونکہ اقامت تو نماز باجماعت کے لئے ہوتی ہے اور اس سے مقصود نمازیوں کو یہ معلوم کروانا ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہے لہٰذا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کو اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اقامت' نماز کے شروط اور

ارکان میں سے بھی نہیں ہے لہٰذا اگر باجماعت نماز بھی اذان اور تکبیر کے بغیر پڑھ لی جائے تو نماز درست ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا اقامت کہنے والا امامت بھی کروا سکتا ہے؟

سوال کیا مؤذن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اقامت کہہ کر نمازیوں کا امام بھی بن جائے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ ایک ہی شخص اذان و اقامت کہے اور اگر مؤذن دیگر نمازیوں کی نسبت قرآن مجید کا زیادہ عالم ہو تو وہ حاضرین کا امام بھی بن سکتا ہے۔ جب مقررہ امام موجود نہ ہو اور وہ مؤذن کو اپنا نائب بنا جائے تو اس صورت میں بھی مؤذن امامت کروا سکتا ہے' اسی طرح مؤذن کو تنخواہ دار امام کے منصب پر فائز کرنا بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سپیکر پر اذان کے بعد مؤذن کا یہ کہنا کہ نماز پڑھو اللہ تمہیں ہدایت دے!

سوال بعض مؤذن اذان فجر سے فارغ ہونے اور مسنون دعاء پڑھنے کے بعد یہ کہتے ہیں "نماز پڑھو' اللہ تمہیں ہدایت دے۔" تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»
(مسند احمد ١/ ١٢٦، ١٢٧)

"میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو' اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور نئے نئے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . .،ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . .، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے دین میں کسی ایسی نئی بات کو پیدا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ اتباع کرو اور بدعت ایجاد نہ کرو کیونکہ تمہارے لئے کتاب و سنت کافی ہے۔ لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ امور عبادت میں وہ صرف اسی پر اکتفاء کرے جس کی مشروعیت ثابت ہو اور اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ کرے کیونکہ یہ زائد چیز اگر مستحسن ہوتی تو اس کا شریعت میں ضرور حکم دیا جاتا۔ اگر یہ بات بہتر ہوتی تو نبی ﷺ اس کے بارے میں ضرور بتاتے اور اس پر خود بھی عمل کرتے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل پیرا ہوتے۔ اس تفصیل سے مذکورہ سوال کا جواب خود بخود واضح ہو گیا کہ اذان کے بارے میں صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے' جو اذان کے بارے میں شرعی طور پر ثابت ہے اور اس پر جو بھی اضافہ ہو گا وہ بدعت کے قبیل سے ہو گا۔ واللہ اعلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

فجر کی پہلی اور دوسری اذان میں فرق

سوال میں نے پڑھا ہے کہ ((الصلوٰۃ خیر من النوم)) کے الفاظ فجر کی پہلی اذان میں کہے جائیں لیکن عصر حاضر میں ہم ان الفاظ کو دوسری اذان میں سنتے ہیں۔ امید ہے آپ دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے؟

جواب اس جملہ کو اذان فجر میں کہا جائے۔ اذان فجر سے مراد وہ اذان ہے جسے طلوع فجر کے بعد فرض نماز کے ادا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ اسے اذان اول میں کہا جائے تو یہ احادیث صحیح ہیں لیکن اول سے مراد اذان ہے' جسے ابتدائے وقت میں مینار کے پاس کہا جاتا ہے اور ان احادیث میں اذان ثانی سے مراد اقامت ہے کیونکہ اقامت کو بھی اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب كم بين الاذان والاقامة ومن ينتظر اقامة الصلاة، ح:٦٢٤، وصحيح مسلم، كتاب المسافرين، باب بين كل اذانين صلاة، ح:٨٣٨)

"ہر دو اذانوں --- یعنی اذان و اقامت --- کے درمیان نماز ہے۔"

رات کے آخری حصہ کی اذان کے بارے میں راجح بات یہ ہے کہ یہ رمضان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لاَ يَرُدَّكُمْ عَنْ سَحُورِكُمْ أَذَانُ بِلاَلٍ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ لِيُوقِظَ نَائِمَكُمْ وَيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ»
(والحديث بلفظ، لا يمنعن احدكم اذان بلال . . . ، الخ، صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر، ح:٦٢١، ٥٢٩٨، ٧٢٤٨)

"بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے' وہ رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے سوئے ہوئے کو بیدار کر دیں اور قیام کرنے والا لوٹ جائے۔"

اس سے واضح ہوا کہ یہ اذان اس لئے ہے تاکہ سویا ہوا سحری کے لئے بیدا ہو جائے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا یہ معلوم کرے کہ سحری کا وقت قریب ہے اور وہ اپنی نماز کو ختم کرے لہٰذا اس میں ((الصلاۃ خیر من النوم)) کہنے کی ضرورت نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عورتوں کے لئے اقامت

سوال جب عورتیں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جمع ہوں تو کیا وہ اقامت کہیں؟

جواب اگر وہ اقامت کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں اور اگر نہ کہیں تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اذان و اقامت مردوں کے واجبات میں سے ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مؤذن کو سننے والا کیا کہے

سوال کیا اذان کے بعد کی دعاء میں ((اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ)) کے الفاظ بھی ہیں یا ((وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا)) کے الفاظ پر اکتفاء کرنا چاہئے؟ اسی طرح اقامت سے متعلق یہ سوال ہے کہ ((قدقامت الصلوة)) کے جواب میں کیا کہا جائے؟

جواب مسلمان کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن کو سنے تو اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے لیکن حیعلتین ((حی علی الصلوة)) اور ((حی علی الفلاح)) کے جواب میں اسی طرح نہیں کہنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ح:٦١١، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول . . ، ح:٣٨٣)

"جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے"

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "نبی ﷺ نے جب اذان کو سنا تو اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا تھا اور جب آپ ﷺ نے ((حی علی الصلوة)) اور ((حی علی الفلاح)) کے کلمات سنے تو فرمایا: ((لا حول ولا قوة الا باللّٰه)) پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ ذٰلِكَ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ» (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول . . . ، ح:٣٨٥)

"جو شخص دل سے یہ کہے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لاَ تَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤمن لمن سمعه ثم . . . ، ح:٣٨٤)

"جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے اور پھر مجھ پر درود پڑھو، جس نے مجھ پر ایک دفعہ

درود پڑھا' اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا' پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو' یہ جنت کا ایک مرتبہ ہے' جو بندگان الٰہی میں سے صرف ایک ہی انسان کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا' جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا' اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔"

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح:٦١٤، ٤٧١٩)

"جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو جائے گی"

بیہقی میں حضرت جابر کی بسند جید روایت میں ((اَلَّذِيْ وَعَدْتَّهُ)) کے بعد:

«إِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ»(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا فرغ من ذلك، ح:١٩٧٢)

مستحب یہ ہے کہ اقامت کا بھی اسی طرح جواب دیا جائے جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور ((قد قامت الصلوۃ)) کے جواب میں ((قدقامت الصلوۃ)) ہی کہنا چاہئے جس طرح مؤذن کے قول ((الصلوۃ خیر من النوم)) کے جواب میں ((الصلوۃ خیر من النوم)) ہی کہنا چاہئے کیونکہ اس سلسلہ میں مذکورہ احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ حدیث میں جو ((قدقامت الصلوۃ)) کے جواب میں

«أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الاقامة، ح:٥٢٨، وهو ضعيف لا اصل له، انظر، التلخيص الحبير، ٢١١/١، وارواء الغليل، ٢٥٨/١، ٢٥٩ وتمام المنة، ص:١٥٠)

کہنے کا آیا ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

منفرد کے لئے اقامت لازم نہیں

سوال جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کروں تو کیا وقت ہونے کے بعد اذان کی بجائے اقامت کہہ لینا ہی کافی ہو گا؟

جواب اذان کا شریعت میں اس لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ اہل شہر کو بتا دیا جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر سب کے سب اہل شہر ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ان کے سوا شہر میں اور کوئی نہ ہو تو پھر اذان واجب نہیں ہے ہاں البتہ مسافر کے لئے اذان دینا مستحب ہے تاکہ اس کی آواز سننے والے حجر و شجر اس کے بارے میں شہادت دے سکیں۔ اور اقامت کا حکم اس لئے ہے تاکہ حاضرین کو بتا دیا جائے کہ جماعت کھڑی ہونے لگی ہے لہٰذا جب کوئی شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے اقامت کہنا لازمی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

منفرد کے لئے اذان و اقامت

سوال ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ میں کبھی کبھی تنہا فرض نماز پڑھتا ہوں کیونکہ میرے قریب کوئی مسجد نہیں ہے' تو کیا میرے لئے یہ لازم ہے کہ میں ہر نماز کے لئے اذان و اقامت کہوں یا یہ بھی جائز ہے کہ اذان و اقامت کے بغیر نماز پڑھ لوں؟

جواب سنت یہ ہے کہ آپ اذان و اقامت کہیں۔ اس کے وجوب کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ عموم ادلہ کے پیش نظر اذان و اقامت کہیں۔ لیکن آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نماز باجماعت ادا کریں۔ اگر جماعت پالیں یا کسی قریب کی مسجد سے اذان سنیں تو ضروری ہے کہ مؤذن کی آواز پر لبیک کہیں اور نماز باجماعت میں حاضری دیں۔ اگر اذان سنائی نہ دے اور قریب کوئی مسجد بھی نہ ہو تو پھر سنت یہ ہے کہ اذان و اقامت کہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

مؤذن کے لئے حیعلتین میں دائیں بائیں دیکھنا

سوال کیا مؤذن کے لئے یہ لازم ہے کہ حیعلتین یعنی اذان میں ((حی علی الصلاۃ)) اور ((حی علی الفلاح)) کہتے ہوئے وہ دائیں اور بائیں التفات کرے؟

جواب مؤذن کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ حیعلتین کے وقت دائیں اور بائیں منہ کرے تاکہ اس کے ان دونوں اطراف اور پیچھے کے لوگ بھی آواز کو سن سکیں لیکن شاید یہ اس صورت میں ہے جب اذان مینارہ پر دی جا رہی ہو اور لاؤڈ سپیکر موجود نہ ہو جیسا کہ زمانہ ماضی میں معمول تھا۔ لیکن میری رائے میں لاؤڈ سپیکر پر اذان کی صورت میں شاید اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سپیکر کا مائیک ہی مؤذن ہے۔ آدمی اگر اس کے قریب ہو تو اس کی آواز قوی اور اگر اس سے دور ہو تو آواز ضعیف ہو گی اور مؤذن کے لئے حکم یہ ہے کہ اس کی آواز بلند اور طاقتور ہو!

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز کی کیفیت اور احکام

جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو

سوال جب میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں آؤں اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو کیا میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جاؤں اور کیا دعاء استفتاح پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

جواب جب کوئی مسلمان مسجد میں داخل ہو اور امام اس وقت حالت رکوع میں ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ دو

تکبیریں کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جائے' ایک تو وہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہے اور دوسری تکبیر رکوع کے لئے اس وقت کہے جب وہ رکوع کے لئے جھک رہا ہو' وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت اس کے لئے دعاء استفتاح یا سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح البخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں تھے تو انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا' جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ رکعت ہو گئی۔[1] جو شخص مسجد میں داخل ہو اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو اسے یہ نہیں چاہئے کہ وہ اکیلا ہی رکوع شروع کر دے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ صف میں داخل ہو خواہ رکوع فوت ہی ہو جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

——— شیخ ابن باز ———

نفل پڑھنے والوں کے پیچھے فرض پڑھنا

سوال نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے والے کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ نماز صحیح ہو گی۔ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض سفروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ نماز خوف کی دو رکعات پڑھیں اور پھر آپ نے دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں تو آپ کی یہ دوسری مرتبہ کی دو رکعات نماز نفل تھی۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "وہ اپنی نماز عشاء کے فرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ میں جا کر اہل محلہ کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ نماز نفل اور اہل محلہ کی فرض ہوتی تھی۔"[2]

——— شیخ ابن باز ———

---

① فضیلۃ الشیخ حضرت مفتی صاحب کی یہ رائے مضبوط دلیل پر مبنی نہیں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے' وہ تھے: «لاَ تَعُدْ» جس میں کئی احتمال ہیں۔ ایک تو وہی جس کا تذکرہ فاضل مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ آئندہ اس طرح نہ کرنا۔ اور دوسرا احتمال ہے «لاَ تَعْدُ» "دوڑ کر نہ آنا" اور تیسرا احتمال ہے کہ یہ «لاَ تَعُدَّ» ہو' یعنی "اس رکعت کو شمار نہ کرنا" اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ «لاَ تُعِدْ» یعنی تو نماز نہ دہرا تیری نماز درست ہے۔ اور اصول ہے کہ «اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ» "جب ایک سے زیادہ احتمال ہوں' تو اس سے استدلال جائز نہیں رہتا۔" اس لئے مذکورہ الفاظ سے کسی ایک مفہوم پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ بنابریں مدرک رکوع کی رکعت کے صحیح ہونے کا فتویٰ دینا بھی غیر صحیح ہے۔ کیونکہ مدرک رکوع کے دو رکن فوت ہو گئے۔ ایک قیام اور دوسرا قراءت فاتحہ اور نماز کا ایک رکن بھی فوت ہو جائے' تو وہ رکعت نہیں ہوتی۔ تو پھر دو رکن فوت ہو جانے کے باوجود اس رکعت کا شمار کرنا کیوں کر صحیح ہو گا؟ (ص - ی)

② صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ وخرج وصلی' ح: 700' 701' 705' 711' 6106

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا طریقہ

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں لیکن بعض فرض نمازیں نہیں پڑھ سکا اور اب ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھ لیتا ہوں۔ میرے لئے کیا طریقہ ہے جس سے میں فوت شدہ نمازوں کو پڑھ کر راحت حاصل کر سکوں؟

جواب اگر آپ نے بعض نمازیں کسی بیماری یا بے ہوشی کے عذر کی وجہ سے ترک کی ہیں تو جلدی سے ان کی قضا دے لیں' جب بھی آپ کو فراغت اور قوت حاصل ہو حسب نشاط مختلف نمازیں پڑھ لیں' مثلاً ضحیٰ کے وقت دو یا اس سے زیادہ دنوں کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیں' اسی طرح ظہر کے بعد پڑھ لیں۔ اگر نمازوں کی تعداد زیادہ ہو اور آپ نے محض سستی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں تو نوافل کثرت سے پڑھئے' فرائض کی حفاظت کیجئے' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے۔ بعض بھائی اسے جائز بتاتے ہیں اور بعض ناجائز اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب آدمی کھلی جگہ زمین پر نماز پڑھ رہا ہو اور زمین دھوپ کی وجہ سے بہت گرم ہو اور وہ زمین جو سورج کے سامنے منکشف نہ ہو' اس کے بارے میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہو؟

جواب صحیح احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جوتوں میں نماز مستحب ہے یا کم از کم جائز ضرور ہے' چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

«أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ، يُصَلِّيْ فِي نَعْلَيْهِ قَالَ: نَعَمْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعال، ح:٣٨٦، ٥٨٥٠، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب جواز الصلاة في النعلين، ح:٥٥٥)

"رسول اللہ ﷺ اپنے نعلین میں نماز ادا فرما لیتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا "ہاں۔"

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُم لاَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلاَ خِفَافِهِمْ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٢)

"یہودیوں کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔"

ان احادیث میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ نماز چھت والی مسجد میں ہو یا صحرا' کھیتوں اور گھروں وغیرہ میں ہو بلکہ بعض روایات سے مسجد میں بھی جوتوں سمیت نماز کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٠)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ دیکھے کہ اگر اس کے جوتوں میں کوئی ناپاک یا تکلیف دہ چیز لگی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے جوتوں سے اسے صاف کر دے اور ان میں نماز پڑھ لے۔"

ابوداؤد ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَلَا يُؤْذِ بِهِمَا أَحَدًا، لِيَجْعَلْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المصلي إذا خلع نعليه اين يضعهما، ح:٦٥٥، وقد قال العراقي في هذا الحديث: صحيح الاسناد)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور اپنے جوتے اتار دے تو ان کے ساتھ کسی کو تکلیف نہ دے' انہیں اپنے پاؤں کے درمیان رکھ لے یا انہیں میں نماز پڑھ لے۔"

علامہ عراقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ ابوداؤد' احمد اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سند سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُنْتَعِلاً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٣، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب الصلاة في النعال، ح:١٠٣٨)

"میں نے رسول اللہ کو برہنہ پاؤں بھی اور جوتوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" (تو اس کی سند بھی جید ہے۔)

—— فتویٰ کمیٹی ——

کچھ نمازوں میں قرأت جہری ہے اور کچھ میں نہیں

مغرب' عشاء اور صبح کی نمازوں میں قرأت جہری کیوں ہے اور دوسری نمازوں میں کیوں نہیں اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب ان نمازوں میں قرأت جہری کرنے میں جو حکمت ہے' اسے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے' بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رات اور صبح کی جہری نمازوں کے اوقات میں ظہر وعصر کی نسبت جہری قرأت سے استفادہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں ان کے مشاغل بھی نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں رفع الیدین کے مقامات

سوال ہمارے شہر میں لوگوں کی دو جماعتیں ہیں' ان میں سے ایک جماعت تو اپنے تمام اقوال کے سلسلہ میں حدیث شریف سے استدلال کرتی ہے' جب کہ دوسری جماعت تمام عبادات میں مالکی مذہب کی پابندی کرتی ہے مثلاً کچھ لوگ خاص طور پر نوجوان رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے اور حدیث نبوی شریف سے استدلال کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ رفع الیدین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے رفع الیدین نہیں کیا تو کیا تمہارا علم

امام دار الہجرت کے علم کی طرح ہو سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو ان کے شرعاً معتبر دلائل یعنی کتاب و سنت اور اجماع اور ان دلائل سے جو ان کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں مثلاً قیاس وغیرہ سے معلوم کرے بشرطیکہ وہ تحقیق و اجتہاد کا اہل ہو اور اگر خود اس بات کا اہل نہ ہو تو قابل اعتماد اہل علم سے پوچھ لے اور بغیر تعصب کے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے۔

سنت صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت' رکوع کو جاتے ہوئے' رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے رفع الیدین فرمایا کرتے تھے[1] لہٰذا یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول کو پیش کیا جائے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کرنا

سوال مجھے اور میرے اہل و عیال کو پچاس کلو میٹر دور ایک قریبی شہر میں بعض ضروری اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ مغرب کے وقت ہم واپس لوٹتے ہیں اور ٹریفک کے رش اور مغرب کے وقت کی تنگی کے باعث ہم عشاء کی نماز کے وقت پہنچتے ہیں یعنی مغرب کا وقت ختم ہونے کے بعد' تو کیا شہر کے دور ہونے اور عورتوں کو لاحق ہونے والی مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک مؤخر کرنا کہ ہم شہر پہنچ جائیں جائز ہے؟

جواب مذکورہ حالت میں دفع مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک موخر کرنا کہ تم اپنے شہر پہنچ جاؤ' جائز ہے اور اگر راستہ میں بآسانی نماز مغرب بروقت ادا کرنا ممکن ہو تو یہ افضل ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

فرض نمازوں میں قنوت کا حکم

سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے نماز صبح کی آخری رکعت میں بعد از رکوع ہاتھ اٹھا کر ساری زندگی دعاء قنوت ((اللهم اهدني فيمن هديت .....)) پڑھی ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ مشہور دعائے قنوت ((اللهم اهدنا فيمن هديت ... الخ)) یا کوئی اور دعاء نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ صرف اس وقت دعائے قنوت فرماتے جب مسلمانوں پر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی افتاد نازل ہوتی تو آپ ﷺ ایک معینہ مدت تک دشمنوں کے لئے بددعاء اور مسلمانوں کے لئے دعاء فرماتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ سعد بن طارق اشجعی کی روایت ہے کہ:

«قَالَ لأَبِيْهِ يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَخَلْفَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری' کتاب الاذان باب فى التكبيرة الاولى مع الافتتاح سواءً ح: 735' 736' 738- و صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين' ح: 390- و سنن ابی داود' کتاب الصلاة' باب بعد افتتاح الصلاة' ح: 744' وغیرہ۔

وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَفَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ فِي الْفَجْرِ؟ فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ»
(صحيح ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في ترك القنوت، ح:٤٠٢، واحمد، ٣/ ٤٧٢، ٦/ ٣٩٤)

"انہوں نے اپنے والد سے یہ کہا کہ ابا جان! آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو کیا وہ فجر میں قنوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا "اے بیٹے یہ بدعت ہے۔"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا»(مسند احمد، ٣/ ١٦٢)

"نبی کریم ﷺ ساری زندگی نماز صبح میں قنوت فرماتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔"

تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

صف کے پیچھے منفرد کی نماز

سوال جب میں رکوع سے تھوڑی سی دیر پہلے نماز میں شامل ہو جاؤں تو کیا سورت فاتحہ کو شروع کروں یا دعاء استفتاح کو؟ اور اگر امام میرے سورت فاتحہ مکمل پڑھنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو کیا کروں؟

سوال ایک شخص نے انفرادی طور پر نماز کو شروع کیا اور دوسری رکعت میں اس کے ساتھ ایک اور شخص شامل ہو گیا لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر پانچویں رکعت بھی پڑھی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی پہلی رکعت صحیح نہیں کیونکہ اسے اس نے صف کے پیچھے انفرادی طور پر پڑھا' تو کیا اس کی یہ نماز صحیح ہے اور جس شخص نے ایسا کیا ہو وہ اپنی نماز کو کس طرح پورا کرے؟

جواب دعاء استفتاح کا پڑھنا سنت ہے' جب کہ اہل علم کے صحیح قول کے مطابق سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے لہٰذا جب یہ خدشہ ہو کہ دعائے استفتاح پڑھنے کی صورت میں فاتحہ نہ پڑھ سکو گے تو پھر سورت فاتحہ سے آغاز کرو اور اگر فاتحہ کی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا جائے تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ' فاتحہ کا باقی حصہ پڑھنا ساقط ہو جائے گا[1] کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا. . .»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، ح:٤١٤)

"امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا تم امام سے اختلاف نہ کرو۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو......"

---

① یہ رائے بھی محل نظر ہے' اگر مقتدی نصف یا نصف سے زیادہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے سورۂ فاتحہ مکمل کر کے امام کے ساتھ رکوع میں مل جانا' کوئی مشکل امر ہے اور نہ اس میں امام کی مخالفت ہی کا پہلو ہے۔ جب کہ فتویٰ میں ظاہر کردہ رائے میں ⬅

جواب نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ»(ابن حبان (موارد ص٤٠١)، ومسند احمد، ٤/ ٢٣، وابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، ح:١٠٠٣)

"صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔"

نبی علیہ السلام سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلاَةَ»(سنن أبي داود، ابواب الصفوف، باب الرجل وحده خلف الصف، ح:٦٨٨، وابن حبان، ٥/ ٥٧٥، ٥٧٦)

"آپ نے صف کے پیچھے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ وہ نماز کو دوہرائے۔"

لیکن جو شخص صف سے پہلے ہی رکوع کرے اور پھر صف میں سجدہ سے پہلے داخل ہو جائے تو اس کی رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"[①]

نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعت ہو گئی اور اس طرح کا یہ عمل آپ کے اس ارشاد سے مستثنیٰ ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا

سوال حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازی کو آگے سے گزرنے والے کو منع کرنا چاہیئے؟

جواب حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے کو چاہیئے کہ وہ آگے سے گزرنے والے کو منع نہ کرے کیونکہ سلف صالح آگے سے گزرنے والوں خواہ وہ طواف کرنے والے ہوں یا کوئی اور انہیں منع نہیں کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی منع نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ مسجد حرام میں ازدہام زیادہ ہونے کی وجہ سے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو منع کرنے سے بھی انسان عاجز ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اس سلسلہ میں آسانی پیدا کر دی جائے۔

◄ سورۂ فاتحہ کی تکمیل کے بغیر ہی رکعت شمار کر لی گئی ہے' جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے صورت مسئولہ میں سورۂ فاتحہ کی تکمیل کر کے رکوع میں شامل ہونا چاہیئے اور اگر مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پورا کرنا ممکن نہ ہو' تو پھر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور یہ رکعت بعد میں پوری کرے' کیونکہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت شمار نہیں ہو گی۔ (ص-ی)

① اس واقعے میں مدرک رکوع کی رکعت کو شمار کرنا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اس سے قبل ایک حاشیے میں اس کی مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

شیخ ابن باز

جہری نماز میں مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے

سوال امام فاتحہ پڑھنے کے بعد کسی دوسری سورت کو شروع کر دیتا ہے اور میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ امام فاتحہ پڑھنے کے بعد اتنا سکتہ نہیں کرتا جو فاتحہ پڑھنے کے لئے کافی ہو اور حدیث میں ہے کہ ((لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) جب کہ ایک دوسری حدیث میں ہے ((قِرَاءَةُ الإمَام قِرَاءَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ)) تو ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

جواب مقتدی کے لئے سورت فاتحہ کی قراءت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی:

«لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات . . . ، ح:٧٥٦، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه إذا لم . . . ، ح:٣٩٤)

"جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

کے عموم کے پیش نظر راجح ترین بات یہ ہے کہ مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قَالُوْا: نَعَمْ قَالَ: لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:٨٢٣)

"شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا جی ہاں' تو نبی ﷺ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

اگر امام جہری نماز میں سکتہ نہ بھی کرے تو پھر بھی مقتدی کو ہر حال میں سورت فاتحہ پڑھنی چاہئے خواہ اس وقت ہی کیوں نہ پڑھے جب امام قراءت کر رہا ہو اور پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش ہو جائے تا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اگر مقتدی بھول جائے یا وہ جاہل ہو اور اسے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے وجوب کا علم نہ ہو تو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا جس طرح اس شخص سے ساقط ہو جاتا ہے جو امام کو بحالت رکوع پائے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کی یہ رکعت ہو جائے گی' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب مسجد میں آئے تو نبی کریم ﷺ رکوع فرما رہے تھے تو انہوں نے بھی صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر اسی طرح بحالت رکوع صف میں داخل ہو گئے تو نبی ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا"

لیکن نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا① اور یہ حدیث:

«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ»(مسند احمد، ٣/ ٣٣٩، مصنف ابن ابي شيبة، ١/ ٣٧٦، وهو ضعيف لا يحتج به انظر الكامل في الضعفاء لابن عدي، ٢/ ٧٠٦، ٦/ ٢١٠٧، ٢٣٩٦)

"جس کا امام ہو تو اس کی قراءت اس کی قراءت ہوگی۔"

ضعیف اور ناقابل استدلال ہے' اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ عام ہے اور سورت فاتحہ کا پڑھنا اس مسئلہ میں وارد صحیح احادیث کے پیش نظر خاص ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

دیر تک رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال نماز مغرب کی تیسری رکعت میں مجھے عذاب قبر' اس کی ہولناکیاں اور سختیاں یاد آ گئی تو اس وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں کوئی پانچ منٹ روتا رہا' اس کے بعد میں نے اپنی باقی نماز مکمل کی۔ کیا میری یہ نماز درست ہے یا مجھے یہ دوبارہ پڑھنی ہو گی؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ ﷺ عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز میں رونے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾﴾ (الأسراء١٧/ ١٠٧-١٠٩)

"جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے' جب وہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾﴾ (مريم١٩/ ٥٨)

"اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نماز میں رویا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

① یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ نبی ﷺ نے رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ «لاَ تعد» میں متعدد احتمالات ہیں' اس لئے متعین طور پر کسی ایک مفہوم کو مراد لے کر اس پر اس مسئلے کی بنیاد رکھنا صحیح ہے اور نہ مذکورہ دعویٰ ہی صحیح ہے۔ كَمَا مَرَّ

بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کیا لیکن .....

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ استفتاء آیا کہ لوگوں نے ظہر و عصر کی نمازوں اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو بارش کی صورت میں جمع تقدیم سے ادا کیا لیکن پھر بارش رک گئی تو کیا اس صورت میں عصر اور عشاء کی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا ہو گا یا نہیں؟

جواب کمیٹی نے استفتاء پڑھنے کے بعد درج ذیل جواب دیا:

اہل علم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بارش جس سے کپڑے بھیگیں اور جس میں باہر نکلنے میں مشقت ہو تو اس کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ کپڑے بھگو دینے والی بارش میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے کیونکہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ "سنت یہ ہے کہ بارش کے دن مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا جائے۔" (رواہ الاثرم) اور موطا میں روایت ہے کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ»

"رسول اللہ ﷺ نے ایک بارش والی رات مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا۔"

ظہر و عصر کے جمع کر کے ادا کرنے کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے حسن بن وضاح نے موسیٰ بن عقبہ سے' انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا فرمایا' اس قول کو قاضی اور ابوالخطاب نے اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کو جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ جواز صرف مغرب و عشاء کے بارے میں ہے کیونکہ ان نمازوں میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اثرم بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ سے بارش میں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "نہیں! میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔" ابوبکر' ابن حامد اور امام مالک کا یہی قول ہے۔

پھر اس کے بعد ابن قدامہ نے ان دونوں نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے لئے جمع کرنے کی دلیل ابو سلمہ کا قول ہے اور اجماع بھی صرف مغرب و عشاء کے جمع کرنے کے بارے میں ہے اور ظہر و عصر کو جمع کرنے کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث صحاح و سنن میں موجود بھی نہیں ہے اور امام احمد کا یہ فرمانا کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی' بھی اس بات پر دال ہے کہ یہ حدیث کچھ نہیں ہے۔ ظہر و عصر کو مغرب و عشاء پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان نمازوں میں اندھیرے اور نقصان کے اندیشے کی وجہ سے مشقت ہوتی ہے نیز انہیں سفر پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سفر میں قافلہ کے چلنے اور ساتھیوں کے بچھڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہاں اس قسم کا کوئی اندیشہ موجود نہیں ہے۔

دو نمازوں کے جمع کرنے کی صحت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری کے افتتاح کے وقت کوئی ایسا عذر موجود ہو جس کی وجہ سے جمع کرنا جائز ہو' اگر تکبیر تحریمہ کے بعد وہ عذر ختم ہو جائے جو پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری نماز کے افتتاح کے وقت موجود تھا تو باقی نماز میں اس عذر کی عدم موجودگی باعث مضرت نہ ہوگی' تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں' ان کے بقول نماز عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء کو جمع کر کے ادا کرنے والوں کو اس وقت نماز عشاء کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے جب تکبیر تحریمہ کے بعد عذر ختم ہو گیا ہو کیونکہ تکبیر تحریمہ کے وقت جواز کا عذر موجود تھا۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مقیم کی مسافر کے پیچھے نماز

سوال جب انسان مسافر ہو اور وہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا چاہے' ایک مقیم شخص کو پائے جس نے نماز ظہر ادا کر لی ہو تو کیا اس صورت میں وہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز قصر پڑھے گا یا پوری نماز؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے فضیلت جماعت کے حصول کے لئے نماز پڑھے اور مقیم اپنی فرض نماز پہلے ادا کر چکا ہو تو اس صورت میں اسے مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ یہ نماز مقیم کے حق میں نفل ہو گی لیکن اگر مقیم مسافر کی اقتداء میں ظہر و عصر اور عشاء کے فرض ادا کرے تو اس صورت میں اسے چار رکعات پڑھنی ہوں گی۔ لہٰذا امام دو رکعات کے بعد جب سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو دو رکعات مزید ادا کر کے اپنی نماز کی تکمیل کرنا ہو گی۔ اگر مسافر مقیم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق مسافر کو ظہر و عصر و عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی۔ کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند میں" اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنِ الْمُسَافِرِ يُصَلِّيْ خَلْفَ الإِمَامِ أَرْبَعًا وَيُصَلِّي مَعَ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ: هٰكَذَا السُّنَّةُ»(مسند احمد، ٢١٦/١، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين، وقصرها، ح:٦٨٨)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ مسافر مقیم امام کی اقتداء میں چار رکعات لیکن اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات ادا کرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سنت اسی طرح ہے!"

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالامام، ح:٤١٤)

"امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو۔" (اس حدیث کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

شیخ ابن باز

جب نماز کے ادا کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو

سوال جب نمازی کو شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو وہ کیا کرے؟ وقت میں شک ہو تو کیا کرے اور وقت کے علاوہ شک ہو تو کیا کرے؟

جواب جب مسلمان کو فرض نمازوں میں سے کسی نماز کے بارے میں یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ اس نماز کو فوراً پڑھ لے کیونکہ اصل بقاء واجب ہے لہٰذا اسے اس واجب کو جلد ادا کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي الصلاة . . .، ح:٥٩٧ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . .، ح: ٦٨٤)

''جو شخص سو جائے یا نماز ادا کرنا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھے جب اسے یاد آئے' بس اس کا یہی کفارہ ہے۔''

مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرے' باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے اور ایسے کاموں میں مشغول نہ ہو کہ نماز کو بھول ہی جائے کیونکہ نماز اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد سب سے اہم فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَـٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

''(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُواْ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٤٣)

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلاَمِ وَعَمُوْدُهُ الصَّلاَةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح:٢٦١٦)

''اصل معاملہ تو اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ

الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اركان الاسلام ودعائمه العظام، ح:١٦)

"اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا اور (۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔"

نماز کی عظمت شان اور اس کی حفاظت کے وجوب کے سلسلہ میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

جب مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے

سوال جب نماز کھڑی ہو جائے اور میں مقتدی کی حیثیت سے نماز باجماعت ادا کرنے کی حالت میں ایک یا دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جاؤں تو کیا میری یہ نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ کیا میرے لئے سورۂ فاتحہ کو پڑھنا ضروری ہو گا یا نہیں؟ اس حالت میں مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

جواب جب مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا اسے اس کے وجوب کا علم نہ ہو یا وہ امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو ان حالات میں اس کی رکعت ہو جائے گی' اس کی نماز صحیح ہو گی اور جہالت' نسیان یا عدم ادراک قیام کی وجہ سے وہ معذور ہو گا' اس کے لئے اس رکعت کی قضاء لازم نہ ہو گی' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک نماز میں نبی کریم ﷺ کو بحالت رکوع پایا تو صف سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر حالت رکوع ہی میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"

آپ ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہ دیا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آئندہ صف میں شامل ہوئے بغیر صف سے پہلے رکوع کریں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

میرے خاندان کی کمائی حرام ہے

سوال میں ایک بے روزگار مسلمان نوجوان ہوں' میرا خاندان کھانے پینے میں حرام کمائی خرچ کرتا ہے' کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟

جواب حرام کمائی میں سے آپ کو جو دیا جائے آپ کے لئے اسے کھانا' پہننا اور خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' تو وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"
لیکن اس کا آپ کی نماز پر کوئی اثر نہ ہو گا' نماز صحیح ہو گی۔

فتویٰ کمیٹی

نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی

سوال جب انسان نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے سے کوئی انسان گزر جائے تو کیا اس سے اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اسے نماز کو دوبارہ پڑھنا ہو گا؟

جواب نمازی کے آگے سے کسی مرد کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق تین چیزوں میں سے کسی ایک کے گزرنے کی صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں:

① بالغ عورت ② سیاہ رنگ کا کتا اور ③ گدھا۔

نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ، الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الأَسْوَدُ، قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا بَالُ الأَسْوَدِ مِنَ الأَحْمَرِ وَالأَصْفَرِ؟ قَالَ: الْكَلْبُ الأَسْوَدُ شَيْطَانٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي، ح:٥١٠، وابوداود، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٧٠٢، ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء انه لا يقطع الصلاة ...، ح:٣٣٨، وابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٩٥٢)

"جب پالان کی کیلی (پالان کے پچھلی طرف والی لکڑی) کے مانند مسلمان آدمی کے سامنے سترہ نہ ہو تو پھر عورت' گدھا اور کالا کتا آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کالے رنگ کے اور سرخ و پیلے رنگ کے کتے میں فرق کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہے۔"

مقصود یہ ہے کہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ان تین اشیاء میں سے اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزر جائے تو اس سے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' آدمی کے آگے سے گزرنے سے' اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ممکن ہو تو اسے آگے سے گزرنے سے منع کرنا چاہئے' گزرنے والے کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نمازی کے آگے سے گزرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ، خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧، وأبوداود، كتاب الصلاة، باب ما ينهى عنه من المرور، ح:٧٠١)

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس سے اسے کس قدر گناہ ہوتا ہے تو چالیس سال تک کھڑے رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہو۔"

نمازی کو بھی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اپنے آگے سترہ رکھ لے اور کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے بلکہ اسے منع کرے' چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب يردّ المصلي من مر بين يديه، ح:٥٠٩، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٥)

"جب کوئی شخص لوگوں سے سترہ کر کے نماز ادا کر رہا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ اسے منع کرے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی میں بھی دریغ نہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔"

سنت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ اپنے آگے سے گزرنے والے کو منع کرے خواہ وہ ان مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو اور خواہ وہ انسان ہو یا حیوان بشرطیکہ اسے آسانی کے ساتھ روکنا ممکن ہو لیکن اگر وہ غالب آ کر گزر جائے تو اس کی نماز کو کوئی نقصان نہ ہو گا۔

مسلمان کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس کے آگے کوئی چیز بطور سترہ ہو مثلاً آگے کرسی رکھ لے' یا زمین میں نیزہ گاڑ لے یا دیوار ہو یا مسجد کے ستونوں میں سے کوئی ستون ہو۔ اگر گزرنے والے سترہ کے پیچھے سے گزریں تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر وہ سترہ اور نمازی کے درمیان میں سے گزریں تو پھر انہیں منع کیا جائے گا اور اگر گزرنے والا عورت یا گدھا یا کالا کتا ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی یعنی جب ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز نمازی کے آگے قریب سے گزرے اور اس نے سترہ نہ رکھا ہو اور اس کے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر یہ دور سے گزریں کہ فاصلہ تین ہاتھ سے زیادہ ہو تو پھر نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب کعبہ میں نماز ادا فرمائی تو آپ ﷺ نے اپنے اور مغربی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھا۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ سترہ کی مسافت تین ہاتھ ہے اور قطع کے معنی باطل ہونے کے ہیں جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کمال ختم ہو جاتا ہے جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر آدمی فرض نماز ادا کر رہا ہو تو اسے دوہرانا لازم ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

حاملہ عورت سلس البول میں مبتلا ہو تو کیا نماز ترک کر دے؟

سوال ایک حاملہ عورت کے حمل کا یہ نواں مہینہ ہے لیکن ہر وقت اس کا پیشاب جاری رہتا ہے' جس کی وجہ سے وہ حمل کے اس آخری مہینہ میں نماز پڑھنے سے رک گئی ہے۔ کیا یہ عورت نماز ترک کر سکتی ہے؟ اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب اس مذکورہ عورت یا اس جیسی عورتوں کو نماز چھوڑنی نہیں چاہئے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ حسب حال ہی نماز ادا کر لیں۔ یہ مستحاضہ کی طرح ہر نماز کے لئے اس کے وقت میں وضوء کریں اور روئی وغیرہ کے ساتھ جس قدر پیشاب سے بچ سکتی ہوں بچیں اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں' وقت میں نوافل پڑھنے کی بھی اجازت ہے' یہ عورت مستحاضہ کی

طرح ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے بھی ادا کر سکتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔"

اس عورت نے جس قدر نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضاء دینا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کرنی چاہئے کہ جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور یہ عزم کیا جائے کہ آئندہ ایسی کوتاہی نہیں کی جائے گی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

—————— شیخ ابن باز ——————

مسبوق (جس سے باجماعت نماز مکمل یا اس کا کچھ حصہ نکل چکا ہو) کی امامت کا حکم

سوال ایک شخص امام اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے ایک مسبوق شخص کو دیکھا جو اپنی باقی نماز پوری کر رہا ہے تو یہ اس کے ایک جانب کھڑا ہو گیا تاکہ مسبوق کو امام بنا کر جماعت کا ثواب حاصل کر سکے' تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہو گا یا مسبوق اس کا امام نہیں بن سکتا؟ کیا اس شخص نے مسبوق کے ساتھ جو نماز ادا کی وہ صحیح ہو گی؟

جواب جب مسبوق مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز پڑھ چکے ہوں اور دوسرا مسبوق اپنی باقی نماز ادا کر رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ مسبوق کے دائیں جانب کھڑا ہو کر جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے نماز ادا کرے' مسبوق کو امامت کی نیت کر لینی چاہئے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو یہ اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے اس کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے اور جب مسبوق سلام پھیر دے یا وہ شخص جو تنہا نماز پڑھ رہا تھا' سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کر لے۔ ان دلائل کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جو نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں اور جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نماز ختم ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے (یعنی اسے جماعت سے نماز پڑھا دے۔)"

—————— شیخ ابن باز ——————

منفرد کی امامت

سوال ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ لَمَّا رَأَى رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ بَعْدَ انْتِهَاءِ الصَّلَاةِ قَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هٰذَا

فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(اخرجه احمد في المسند بلفظ آخر ٣/ ٤٥)

"میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک رات گزاری اور رسول اللہ ﷺ رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کی بائیں جانب آ کر کھڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے مجھے میرے کان کی لو سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔"

اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں نفل و فرض میں کوئی فرق نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

منفرد کی اقتداء

سوال میں اکیلا فرض نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے میری اقتداء میں نماز شروع کر دی تو نماز میں منفرد سے امام کی نیت کی تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

جواب اس صورت میں جو تم نے ذکر کی ہے' دوران نماز منفرد سے امام بننے کی نیت کی تبدیلی جائز ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُونَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَذَبَنِيْ وَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام فحوله الامام . . .، ح:٦٩٨)

"ایک رات میرا قیام اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھا تو رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر جب نماز شروع فرمائی تو میں آ کر آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے مجھے کان کی لو سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔" بوقت ضرورت مقتدی کا امام بننا اور امام کا مقتدی بننا جائز ہے۔

فتویٰ کمیٹی

جب پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو؟

سوال جب نمازی مسجد میں داخل ہو اور وہ پہلی صف میں کوئی جگہ نہ پائے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ پہلی صف سے کسی انسان کو پیچھے کھینچ لے یا اس صورت میں کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور وہ دیکھے کہ تمام صفیں مکمل ہیں' کسی بھی صف میں کوئی جگہ نہیں تو اسے چاہئے کہ انتظار کرے حتی کہ اسے جگہ مل جائے یا کوئی اور نمازی آ جائے یا وہ امام کے دائیں جانب صف بنا لے۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچے کیونکہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے' وہ ضعیف ہے۔ صف سے آدمی کو پیچھے کھینچنے کی صورت میں صف میں خلاء پیدا ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا حکم تو یہ ہے کہ صف کے خلاء کو پر کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق!

شیخ ابن باز

مقتدی نے امام کے ساتھ جو نماز پائی وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے

سوال ایک شخص نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ دو رکعات پالیں جب کہ آخری رکعت اس نے الگ پڑھی' تو کیا اس رکعت میں وہ قرأت جہری کرے گا؟ سورۂ فاتحہ پڑھے گا؟ یہ سمجھتے ہوئے کہ آخری رکعت تو اس نے امام کے ساتھ ادا کرلی ہے اور یہ اس کی پہلی رکعت ہے' کیا اس نے امام کے ساتھ جو رکعت شروع کی وہ امام کی نماز کے مطابق اس کی بھی دوسری رکعت سمجھی جائے گی؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے جس رکعت کو پڑھا ہے وہ اس کی آخری رکعت ہو گی لہٰذا اس میں جہری قرأت صحیح نہ ہو گی کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق مسبوق جہاں آکر شامل ہوتا ہے وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے اور جسے وہ بعد میں پورا کرتا ہے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَامْشُوا. وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب قول الرجل، فاتتنا الصلاة، ح:٦٣٥ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . . ، ح:٦٠٢)

"جب تم نماز کے لئے آؤ تو اطمینان اور سکون سے چلتے ہوئے آؤ' جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کرلو۔"

شیخ ابن باز

نماز کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنا

سوال نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے یا سنت' براہ کرم دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے۔

جواب فرض نمازوں کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنے کی ہمیں کوئی اصل معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عمل بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة . . . ، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام . . . ، ح:١٧١٨)

"جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

جلسہ استراحت واجب نہیں ہے

سوال کیا پہلی رکعت کے بعد دوسری کے لئے اور تیسری کے بعد چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے جلسہ استراحت (بیٹھنا) واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

جواب علماء کا اتفاق ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد اٹھنے سے قبل نمازی کا بیٹھنا نماز کے واجبات یا سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیا یہ صرف سنت ہے یا یہ بالکل نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے یا جلسہ استراحت صرف وہ شخص کرے جو کمزوری یا بڑھاپے یا مرض یا جسم کے بوجھ کی وجہ سے اس کا ضرورت مند ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ امام بخاری اور اصحاب سنن نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ، فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب من استوى قاعدا في وتر من صلاته ثم نهض، ح: ٨٢٣)

"انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نماز کی طاق رکعت میں سیدھے ہو کر بیٹھے بغیر نہیں اٹھا کرتے تھے۔"

اکثر علماء جلسہ استراحت کو سنت نہیں سمجھتے' ان میں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ دیگر احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس جلسہ کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کی حیات پاک کے اس آخری دور سے ہو جس میں جسم اطہر قدرے بھاری ہو گیا تھا یا یہ جلسہ آپ ﷺ نے کسی اور وجہ سے کیا ہو' ایک تیسری جماعت نے ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ جلسہ کی احادیث حالت ضرورت و حاجت پر محمول ہوں گی لہٰذا یہ جلسہ بوقت حاجت مشروع ہے' حاجت نہ ہو تو مشروع نہیں ہے۔ تمام دلائل کو سامنے رکھا جائے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ مطلقاً مستحب ہے اور دیگر احادیث میں اس کا عدم ذکر عدم استحباب کو مستلزم نہیں ہے بلکہ یہ عدم وجوب پر دلالت کناں ہے' اس کے مستحب ہونے کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے:

① رسول اللہ ﷺ کے فعل کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ آپ ﷺ اسے اس لئے سرانجام دیتے ہیں کہ وہ حکم شریعت ہے اور اس کی اقتداء کی جانی چاہیے۔

② یہ جلسہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ثابت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے انہوں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کی اور اس میں جلسہ استراحت کا بھی ذکر کیا اور ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ہم نے اجتہاد سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی

سوال جب ہم امریکہ پہنچے تو ہم قطب نما کے مطابق لیکن غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے اور جب ہمیں وہاں رہنے والے کچھ مسلمان بھائیوں کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے بھی یہ بتایا کہ ہم غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے ہیں اور پھر انہوں نے صحیح سمت قبلہ بھی بتائی۔ اب آپ سے سوال یہ ہے کہ قبلہ کے صحیح سمت کے معلوم ہونے سے پہلے ہم نے جو نمازیں ادا کی ہیں کیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب جب کوئی مومن قبلہ کی سمت معلوم کرنے میں اس وقت اجتہاد سے کام لے جب وہ صحرا میں یا ایسے شہروں (اور علاقوں) میں ہو جہاں سمت قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد کے مطابق نماز پڑھ لے اور پھر جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ غیر قبلہ سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے آخری اجتہاد کے مطابق عمل شروع کر دے جب کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کا یہ آخری اجتہاد پہلے اجتہاد سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی پہلی نمازیں بھی صحیح ہوں گی کیونکہ وہ اس نے اجتہاد اور حق معلوم کرنے کی کوشش کے بعد ادا کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے جو ان نمازوں کی صحت پر دلالت کناں ہے' اس وقت کے حوالہ سے جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا تھا۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

منفرد کے لئے جہری قرأت کا حکم

سوال کیا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جہری نمازوں میں جہری قراءت کرے؟

جواب جس طرح امام جہری قرأت کرتا ہے' انفرادی طور پر نماز ادا کرنے والا بھی جہری قرأت کر سکتا ہے بلکہ یہ سنت ہے لیکن اسے اس قدر آواز بلند نہیں کرنی چاہئے جس سے اردگرد کے نمازیوں یا ذکر کرنے والوں یا سونے والوں کو تکلیف پہنچے جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے

سوال کیا مصلحت عامہ مثلاً مسجد وغیرہ یا انفرادی ضرورت کے لئے صدقات کا سوال کرنے والے کے لئے نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب نمازیوں کے آگے سے گزرنا حرام ہے' خواہ وہ یہ اسلامی سکیموں مثلاً مساجد کے بنانے یا ان کی مرمت کرنے یا ان میں قالین وغیرہ ڈالنے کے لئے صدقات جمع کرنے کے لئے ہو۔ اس طرح کے فعل خیر کے لئے قیام نمازیوں کے آگے سے گزرنے کا جواز نہیں بن سکتا کیونکہ حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ سے مروی نبی ﷺ کی اس حدیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧)

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اسے کس قدر گناہ ہو گا تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

طہارت خانوں کی چھتوں پر یا ان کے پاس نماز کا حکم

سوال کیا ایسی جگہ پر نماز جائز ہے' جہاں نمازی کے آگے طہارت خانے ہوں اور نمازی اور طہارت خانوں کے مابین صرف ایک دیوار حائل ہو؟ کیا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز ادا کرنا افضل ہے؟

جواب مذکورہ جگہ پر نماز ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں' خواہ سامنے طہارت خانے ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ وہ جگہ پاک ہو جہاں نماز ادا کرنا مقصود ہو۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق طہارت خانوں کی چھتوں پر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے' جب کہ وہ پاک ہوں۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

ایسی گھڑیوں کے ساتھ نماز کا حکم جن میں تصویریں یا صلیبیں ہوں

سوال بعض گھڑیوں کے اندر بعض جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں تو کیا ان گھڑیوں کے ساتھ نماز جائز ہے؟ کیا ایسی گھڑی پہنی ہو تو نماز جائز ہے جس میں صلیب کا نشان ہو؟

جواب اگر گھڑیوں کی تصویریں مستور ہوں اور نظر نہ آتی ہوں تو ان کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر گھڑی کے اندر یا باہر تصویر نظر آتی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہو گی کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُوْرَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا»(صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح:٩٦٩، أبوداود، كتاب الجنائز، باب تسوية القبر، ح:٢٣١٨، وترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبور، ح:١٠٤٩)

"کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو۔"

اسی طرح جس گھڑی پر صلیب کا نشان بنا ہو تو اس کے ساتھ بھی نماز جائز نہیں الا یہ کہ اسے مٹا دیا جائے یا اس پر پینٹ وغیرہ لگا کر اسے چھپا دیا جائے' اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی ایسی چیز دیکھتے جس پر تصویر بنی ہوتی تو آپ ﷺ اسے توڑ دیتے اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ اسے مٹا دیتے۔

—— شیخ ابن باز ——

باریک کپڑے میں نماز کا حکم

سوال کیا سلکی کپڑا جو بہت باریک ہو اس سے ستر پوشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب مسلمان آدمی نے اسے پہنا ہو تو کیا نماز صحیح ہو گی؟

جواب اگر مذکورہ کپڑا بے حد باریک ہونے کی وجہ سے جسم کو نہ چھپائے تو اس میں مرد کی نماز صحیح نہ ہو گی الا یہ کہ اس نے نیچے شلوار یا ازار پہن رکھا ہو جو ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو چھپائے ہوئے ہو اور عورت کے لئے اس قسم کے کپڑے میں نماز صحیح نہیں الا یہ کہ اس نے نیچے سے اپنے سارے جسم کو کسی اور کپڑے سے ڈھانپ رکھا ہو۔ مذکورہ کپڑے کے نیچے چھوٹی شلوار کافی نہ ہو گی۔ مرد کو یہ بھی چاہئے کہ اس قسم کے باریک کپڑے میں نماز پڑھنے کی حالت میں رومال یا کوئی ایسی چیز بھی استعمال کرے جس سے اس کے کندھے چھپ جائیں یا ایک کندھا چھپ جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ يُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، ح:٥١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع اثواب ما يصلى فيه، ح:٦٢٦)

"تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔" (اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

—— شیخ ابن باز ——

ہوائی جہاز میں نماز کی کیفیت

سوال میں ایک مہم کے سلسلہ میں ہوائی جہاز میں محو پرواز تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس طرف ہے؟ کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر صحیح نہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں طیارے سے اترنے تک نماز کو مؤخر کر دوں؟

جواب مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ طیارہ یا صحرا میں ہو تو قبلہ کا رخ معلوم کرنے کے لئے کوشش کرے' جاننے والوں سے پوچھ لے یا علامات قبلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبلہ کا رخ معلوم کر کے علی وجہ البصیرت قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرے۔ اگر اسے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو سکے تو محنت اور کوشش کے ساتھ اسے معلوم کرنے کی جستجو کرے اور پھر اس طرف منہ کر کے نماز ادا کرے۔ اس کی یہ نماز درست ہو گی خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے کیونکہ اس نے اجتہاد کیا اور مقدور بھر اللہ تعالیٰ کے ڈر کو پیش نظر رکھا ہے۔ قبلہ رخ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کے بغیر اسے ہوائی جہاز یا صحراء میں نماز ادا نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اسے نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی کیونکہ وہ مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا اور نہ اس نے اجتہاد کیا۔

سائل نے جو بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو' جس طرح کھڑا نہ ہو سکنے کی حالت میں کشتی اور بحری جہاز میں بھی بیٹھ کر نماز ادا کی جا سکتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اگر نماز کو مؤخر کر دیا جائے اور طیارہ سے اتر کر پڑھ لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ یاد رہے یہ سب احکام فرض نماز کے حوالہ سے ہیں۔ نفل نماز میں ہوائی جہاز یا گاڑی یا جانور پر نماز ادا کرنے کی صورت میں استقبال قبلہ واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سواری کی حالت میں اسی طرف منہ کر کے نفل نماز ادا کر لیتے تھے جس طرف سواری جا رہی ہوتی تھی لیکن مستحب یہ ہے کہ اس صورت میں تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی کا منہ قبلہ رخ ہو اور پھر جس طرف سواری چلے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا مسبوق دعاء استفتاح اور فاتحہ پڑھے؟

سوال جب مقتدی امام کے ساتھ اس وقت شامل ہو جب وہ رکوع سے قبل قراءت کے اختتام پر پہنچ چکا ہو تو وہ دعائے استفتاح سبحانک اللھم وبحمدک ... پڑھے یا خاموش رہے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے؟

جواب جب مقتدی اس وقت آئے جب امام رکوع کرنے والا ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ اس صورت میں دعائے استفتاح یا کچھ اور نہ پڑھے بلکہ اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر مقتدی اس وقت آئے کہ وہ دعائے استفتاح اور فاتحہ پڑھ سکتا ہو تو اسے ضرور پڑھنا چاہئے کہ اس کے لئے حکم شریعت یہی ہے کہ پہلے دعائے استفتاح اور پھر فاتحہ پڑھے' خواہ نماز جہری ہو اگر امام سکوت کرے تو یہ سکتہ میں پڑھ لے اور اگر امام سکوت نہ کرے تو یہ اپنے جی میں پڑھ لے اور پھر امام کی قرأت سننے کے لئے خاموش ہو جائے' لیکن اگر وہ لیٹ ہو اور رکوع کے وقت پہنچے تو تکبیر کہہ کر رکوع شروع کر دے' اس حالت میں اس سے فاتحہ ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ معذور ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں ڈھاٹا باندھنے اور ٹیک لگانے کا حکم

سوال کیا نماز میں ڈھاٹا (منہ پر کپڑا) باندھنا جائز ہے؟ اور کیا دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب نماز میں کسی مجبوری کے بغیر ڈھاٹا باندھنا جائز نہیں' اسی طرح فرض نماز میں دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ صاحب استطاعت پر فرض ہے کہ وہ سہارے کے بغیر سیدھا کھڑا ہو۔ ہاں البتہ نفل نماز میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے بیٹھ کر ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن بیٹھ کر ادا کرنے کی نسبت ٹیک لگا کر اور کھڑے ہو کر ادا کرنا افضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

تصویر پاس ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے جو تصویر اٹھائے ہوئے ہو مثلاً یہ کہ اس کے پاس شناختی کارڈ ہو جس میں اس کی تصویر ہو اور اگر وہ شخص نماز پڑھنے تک اسے رکھ دے تو اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو یا اس کے پاس کرنسی نوٹ ہوں' جس پر تصویریں ہوں؟

جواب شناختی کارڈ یا تصویروں والے کرنسی نوٹوں کی موجودگی میں فرض اور نفل نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر ان تصویروں والی چیزوں کے بغیر نماز ادا کرے تو بہتر ہے بشرطیکہ وہ کسی نقصان یا مشقت کے لاحق ہونے سے محفوظ ہو تاکہ احادیث کے ظاہر الفاظ پر عمل بھی ہو جائے اور غیر مجسم تصویروں کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے' اس سے بھی نکل سکے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فرض ادا کرنے کے بعد دوسروں کی امامت

سوال جس شخص نے خود فرض نماز ادا کرلی ہو تو کیا وہ یہی فرض نماز دوسروں کو پڑھا سکتا ہے؟

جواب اس کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن ہمیں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے خود فرض نماز ادا کر لی ہو اس کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ یعنی نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جا سکتی ہے' کیونکہ:

«لأَنَّ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّي بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلَاةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح:٧٠٠)

"حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پہلے فرض نماز نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے۔"

اسی طرح سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ»(سنن أبي داود، كتاب صلاة السفر، باب من قال يصلى بكل طائفة ركعة ثم يسلم . . .، ح:١٢٤٤)

"نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور پھر سلام پھیر دیا' پھر دوسری جماعت کو بھی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔"[1]

---

[1] علامہ طحاوی نے اس حدیث کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تو یہ دعویٰ ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلادلیل ہے۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جا سکتی ہے اور مخالفین کے پاس اس کا کوئی شافی جواب نہیں ہے۔ (عون المعبود' ج:4' ص:90)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض پڑھنا جائز ہے اور عطاء' اوزاعی' شافعی' ابوثور اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے۔ (واللہ اعلم)

فتویٰ کمیٹی

جب امام ایسے مسبوق کو اپنی جگہ کھڑا کر دے جس کی دو رکعات رہ گئی ہوں

سوال جب امام نماز کی چوتھی رکعت میں بے وضوء ہو جائے اور وہ کسی ایسے مسبوق شخص کو اپنا نائب بنا دے جو تیسری رکعت میں نماز میں شامل ہوا تھا تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہو گا' جو پہلے امام کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شامل ہوئے تھے؟ کیا ان کے لئے امام ثانی سے قبل سلام پھیرنا جائز ہے؟ یا وہ امام ثانی کی اقتداء کرتے ہوئے چار سے زیادہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں؟ یا وہ بیٹھ کر انتظار کریں حتی کہ امام کی چاروں رکعات پوری ہو جائیں اور وہ سلام پھیرے تو یہ بھی سلام پھیر دیں؟ ان حالات میں سب لوگوں کی نماز کا کیا حکم ہو گا؟

جواب اگر ان نمازیوں کا امر واقعہ اسی طرح ہو' جس طرح سوال میں بیان کیا گیا ہے' تو جن لوگوں نے امام اول کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شرکت کی وہ اپنی نماز کی تکمیل کے بعد امام ثانی کے ساتھ زیادہ نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے کیونکہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھ لیں اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے لیکن وہ امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، ٧٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم، ح:٤١٤)

"امام کو اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔"

فتویٰ کمیٹی

تراویح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء

سوال ایک شخص مسجد میں اس وقت پہنچا جب لوگ نماز تراویح ادا کر رہے تھے اور اسے اس بات کا علم بھی تھا تو کیا وہ اس امام کی اقتداء میں عشاء کی نیت کر کے نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا وہ اکیلا نماز پڑھے؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں عشاء کی نیت کر کے نماز تراویح پڑھانے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور جب امام سلام پھیر دے تو اسے اپنی باقی نماز مکمل کرنا ہو گی۔ اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلَاةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح:٧٠٠)

"حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز عشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا فرمایا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں یہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔"

اور نبی کریم ﷺ کا انہیں اس سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں جائز ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ صلوٰۃ خوف کی پہلے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں' نبی ﷺ کی پہلی دو رکعات فرض اور دوسری دو رکعات نفل تھیں جب کہ دوسری جماعت کی یہ نماز فرض تھی۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

ایک شخص انفرادی طور پر نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ....

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو جماعت ہو چکی تھی۔ میں نے اقامت کہی اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دی۔ ایک آدمی آیا اور وہ میرے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا جب کہ میں نے اس کی نیت ہی نہیں کی تھی' تو کیا اس صورت میں اس کی نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں جب ایک یا ایک سے زیادہ آدمی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں تو آپ امامت کی نیت کر لیں کیونکہ جماعت مطلوب ہے اور اس میں اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا صرف نفل میں جائز ہے' جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ فرض اور نفل دونوں میں جائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ فرض اور نفل ادا کرنے والوں کے احکام ایک جیسے ہیں الا یہ کہ دلیل سے کسی بات کی تخصیص ہو گئی ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي اللَّيْلِ، وَحْدَهُ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ خَالَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ جَمِيْعًا فَقَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَوَضَّأَ وَصَفَّ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَدَارَهُ النَّبِيُّ عَنْ يَمِيْنِهِ وَصَلَّى بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام . . . ، ح:٦٩٨، ٦٩٩)

"نبی کریم ﷺ میمونہ خالہ ابن عباس رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات کو تنہا نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھے' انہوں نے وضوء کیا اور آکر نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا اور ان کو نماز پڑھائی۔"

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَحْدَهُ فَجَاءَ جَابِرٌ وَجَبَّارٌ فَصَفَّا عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ فَجَعَلَهُمَا خَلْفَهُ وَصَلَّى بِهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، ح: ٣٠١٠)

"نبی کریم ﷺ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے کہ جابر اور جبار آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب صف بنالی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیچھے کھڑا کر دیا اور نماز پڑھائی۔"

چنانچہ یہ دونوں حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں' جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ امام کے ساتھ اگر ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

مسجد سے متصل سڑکوں پر بھی نماز جائز ہے

سوال مسجد کے شرعی طور پر معتبر حدود کیا ہیں؟ کیا مسجد کے ساتھ متصل سڑکوں کو بھی مسجد کے تابع شمار کیا جائے گا؟ اور اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ ہو تو کیا سڑکوں پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے؟ حالانکہ شہر میں اور بھی مسجدیں ہیں جو نمازیوں سے بھری نہیں ہوتیں؟

جواب اس مسجد کے حدود جسے اس لئے بنایا گیا ہو کہ مسلمان اس میں نماز پنجگانہ باجماعت ادا کریں' وہی ہیں جن کا احاطہ اس کی عمارت' یا لکڑی یا کھجور کی شاخوں یا سرکنڈوں وغیرہ سے کیا گیا ہو' اس کا حکم مسجد کا ہو گا اور اس میں حائضہ' نفاس والی عورت اور جنبی کے لئے ٹھہرنا ممنوع ہے۔ جو شخص مسجد میں آئے' مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہو اور اس میں جگہ نہ ہو تو بعد میں آنے والے اس شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز جمعہ اور دیگر فرائض و نوافل مسجد سے باہر قریب ترین جگہ میں مسجد کے ساتھ متصل سڑک وغیرہ پر ادا کرے۔ ضرورت کی وجہ سے ایسا جائز ہے بشرطیکہ وہ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ منضبط رکھ سکتا ہو اور امام کے آگے نہ کھڑا ہو لیکن ان راستوں اور سڑکوں وغیرہ کا حکم مسجد کا نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنا

سوال نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے لئے امامت کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا خیال درست نہ تھا تو اس نے نماز دوبارہ پڑھی' تو کیا اس کی پہلی نماز صحیح ہو گی یا دوسری؟

جواب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ:

«كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلاَةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّيْ بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلاَةَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح:٧٠٠)

''وہ نماز عشاء نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر یہی نماز انکو خود پڑھاتے تھے۔''

اسی طرح:

«وَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلاَةِ الْخَوْفِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ، ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ»(سنن أبي داود، كتاب صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم . . ، ح:١٢٤٤)

''نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔''

آپ ﷺ کی دوسری دو رکعات نفل تھیں۔ تو ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جہالت کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا

سوال ہم چار اشخاص جنگل میں تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ہم میں سے ایک نے اذان کہی اور نماز پڑھائی لیکن دوسری رکعت میں اس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ جب ہم میں سے ایک شخص نے اسے سبحان اللہ کہہ کر متنبہ کیا تو پھر بھی امام نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی بلکہ سورۃ الکافرون پڑھ دی اور پھر نماز ختم کرتے ہوئے سجدہ سہو بھی نہ کیا' تو اس موضوع پر ہمارے درمیان بحث ہوئی۔ لہٰذا براہ کرم راہنمائی فرمایئے کیا اس صورت میں سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب یہ مذکورہ نماز باطل ہے اور اسے دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ مقتدیوں پر واجب تھا کہ امام کو سورۂ فاتحہ یاد دلا دیتے' مثلاً ان میں سے ایک سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیت پڑھ دیتا اس سے امام کو یاد آ جاتا اور اگر وہ حالت قیام میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیتا تو نماز مکمل ہو جاتی اور اگر وہ نماز سے فراغت کے بعد اس رکعت کو جس میں اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی دوبارہ پڑھ لیتا اور سجدہ سہو کر لیتا تو پھر بھی نماز ہو جاتی۔

اب چونکہ اس نے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے تو اس کے نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت باطل ہو گئی۔ امام نے چونکہ سلام پھیر دیا تھا اور اب اس پر طویل زمانہ گزر چکا ہے لہٰذا یہ نماز ہی باطل ہوئی۔ فاتحہ کے ترک کرنے کا نقصان سجدہ سہو سے پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا رکن ہے لہٰذا اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ہو گا۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

بوندا باندی کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

سوال مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے اچانک عشاء کی نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس نماز کے بارے میں جب امام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بارش کے سبب آسانی کی خاطر نمازوں کو جمع کیا گیا ہے اور انہوں نے بتایا کہ یہ نماز صحیح ہے حالانکہ بارش بہت ہلکی تھی اور مقتدیوں کے لئے بھی نمازوں کے جمع کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تو کیا یہ نماز صحیح ہے؟

جواب شدید اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے' جس سے کپڑے بھیگ جائیں' دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہے خصوصاً جب رات کا وقت ہو' راستے تاریک ہوں' سردی شدید ہو' لوگوں کو دشواری ہو اور سازوسامان کی کمی کے باعث وہ سردی کی شدت سے بچاؤ کا بندوبست نہ کر سکتے ہوں اور راستہ میں کیچڑ وغیرہ کی وجہ سے پاؤں پھسلنے کا بھی اندیشہ ہو تو ان حالات میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن جب راستے کشادہ ہوں اور ساری رات برقی قمقموں سے جگمگاتے ہوں' راستوں میں مٹی اور کیچڑ بھی نہ ہو اور نہ کوئی نجاست اور غلاظت وغیرہ ہو' لوگ طاقتور بھی ہوں یا ان کے پاس گاڑیاں بھی ہوں جن کی وجہ سے طویل فاصلوں کو بھی بغیر مشقت کے بآسانی طے کیا جا سکتا ہو' سردی

سے بچاؤ کے لئے گرم کپڑے بھی وافر مقدار میں ہوں اور بارش بھی ہلکی ہو جس کے عموماً تھوڑی دیر بعد بند ہونے کا قوی امکان ہو تو ان حالات میں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ نماز کے اوقات متعین ہیں' جن میں کسی دلیل یا راجح عارضہ کے بغیر تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ جب نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہو تو امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو بھی بتا دے تاہم اگر نہ بتائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو عجیب و غریب قسم کے خیالات اور وسوسے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں' جن کی وجہ سے بسااوقات یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے اور کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟

جواب نماز پڑھنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ پوری توجہ اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھیں اور یہ خیال کریں کہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں تاکہ شیطان دور ہو جائے اور وسوسے کم ہو جائیں اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل بھی ہو سکے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢﴾ (المؤمنون٢٣/ ١-٢)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔"

جب وسوسے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو اس وقت حکم دیا تھا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ بتایا کہ شیطان ان کی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

جب نمازی کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک ہو تو وہ کم تر تعداد کو لے لے' یقین پر بنیاد رکھے' نماز کو مکمل کر لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے سہو کے کر لے جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد باب السهو في الصلاة والسجود له، ح:٥٧١)

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہئے کہ شک کو چھوڑ دے' یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے' اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ ان سجدوں کی وجہ سے جفت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب ذلت و رسوائی ہوں گے۔"

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں دعاء

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ فرض نمازوں میں ارکان پورے کرنے کے بعد دعاء مانگے مثلاً سجدوں میں "سبحان ربي الاعلیٰ" پڑھنے کے بعد ﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ﴾ جیسی دعاء پڑھ لے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے تاکہ مستفید ہو سکوں' اور ہدیہ سلام قبول فرمائیے۔

جواب مومن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں دعاء کے مقام پر دعاء کرے نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز میں دعاء کا مقام سجدہ' دو سجدوں کے درمیان' تشہد اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود و سلام کے بعد نماز کا آخری حصہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرماتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين، ح:٨٥٠، وسنن ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، ح:٨٧٤ وقال الحاكم والذهبي والنووي هذا حديث صحيح)

"اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور میری بگڑی بنا دے اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔"

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، ح:٤٧٩)

"رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں خوب کوشش سے دعاء کرو' امید ہے کہ تمہاری دعاء شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، ح:٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا سجدہ میں کثرت سے دعاء کرو"

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں تشہد سکھایا تو فرمایا:

«ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٢)

"اس کے بعد نمازی جو چاہے اپنے رب سے دعاء کرے"

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب، ح:٨٣٥)

''پھر اس دعاء کو منتخب کرے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو اور اس کے ساتھ دعاء کرے۔''

اس مفہوم کی احادیث بہت ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مقامات میں مسلمان جو دعاء کرنا چاہے' اس کی اجازت ہے خواہ دعاء کا تعلق آخرت سے ہو یا دنیوی مصالح سے بشرطیکہ دعاء کا تعلق کسی گناہ یا قطع رحمی سے نہ ہو اور افضل یہ ہے کہ ان دعاؤں کو کثرت کے ساتھ مانگا جائے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔

—————— شیخ ابن باز ——————

تصویروں سے مزین مصلیٰ پر نماز کا حکم

سوال ایسے مصلیٰ پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو مسجدوں اور ایسے قبوں وغیرہ کی تصویروں سے مزین ہو جو قبروں اور مزاروں وغیرہ پر بنے ہوتے ہیں؟

جواب ایسی چیز کی تصویر جس میں روح نہ ہو جائز ہے لیکن ایسے مصلیٰ پر نماز جس پر غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ نمازی کی نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں لیکن نماز صحیح ہو گی۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں کعبہ میں داخل ہونے کے بعد بلایا اور فرمایا:

«إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِيْنَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ فَنَسِيْتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا، فَخَمِّرْهُمَا، فَإِنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ أَنْ يَكُوْنَ فِي قِبْلَةِ الْبَيْتِ شَيْءٌ يُلْهِي الْمُصَلِّي»(مسند احمد، ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

''میں جب بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے مینڈھے کے دو سینگ دیکھے اور میں آپ کو یہ حکم دینا بھول گیا کہ انہیں ڈھانپ دو لہٰذا میں اب آپ کو یہ حکم دیتا ہوں کہ انہیں ڈھانپ دو کیونکہ قبلہ رخ کوئی ایسی چیز گھر میں نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو نماز سے غافل کر دے''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا' جس سے انہوں نے اپنے گھر کے ایک حصہ کو ڈھانپ دیا تھا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لاَ تَزَالُ تَصَاوِيْرُ تَعْرِضُ فِيْ صَلاَتِيْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب ان صلى في ثوب مصلب ....، ح:٣٧٤، ٥٩٥٩)

''اس پردے کو ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں خلل انداز ہوتی رہی ہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سینگوں کو ڈھانپ دیا جائے اور پردے کو ہٹا دیا جائے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ نمازی کو مشغول کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی وجہ سے آپ نے نماز کو توڑ دیا ہو۔ بخاری اور مسلم میں بطریق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چادر پر نماز پڑھی جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں تو ناگہاں آپ کی نگاہ ان تصویروں کی طرف اٹھ گئی تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهِ إِلَى أَبِيْ جَهْمٍ وَائْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَةِ أَبِيْ جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ آنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى في ثوب له اعلام ونظر إلى علمها، ح:٣٧٣، ٧٥٢، ٥٨١٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب كراهة الصلاة في ثوب له اعلام، ح:٥٥٦)

"میری یہ چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم کی انبجانیہ چادر میرے پاس لے آؤ کیونکہ اس نے ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا تھا۔"

اس حدیث میں ایسی چیزوں سے پرہیز کی تلقین ہے' جو نمازی کو اس کی نماز سے غافل کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ کا اپنی نماز کو قطع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان چیزوں کی موجودگی میں بھی نماز صحیح ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسبوق کے حوالہ سے زائد نماز کا حکم

سوال جب مسلمان مسجد میں آئے' امام نماز ظہر پڑھا رہا ہو اور یہ دوسری رکعت میں آکر ملا ہو لیکن امام بھول جائے اور چار کی بجائے پانچ رکعتیں پڑھا دے تو کیا یہ اس رکعت کو پڑھے گا جو فوت ہو گئی تھی اور امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ زائد رکعت مسبوق کے لیے کافی ہو گی اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کافی نہ ہو گی اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ یہ کافی نہ ہو گی کیونکہ اسے فوت شدہ نماز کی قضاء سلام کے بعد دینا ہوتی ہے لہٰذا جب امام سلام پھیر دے تو اسے فوت شدہ نماز کو پورا کرنا چاہیے' اسے زائد نماز میں امام کی متابعت بھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ بیٹھا رہے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ کھڑا ہو کر فوت شدہ نماز کو پورا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ زائد نماز میں امام کی متابعت نہ کریں بلکہ انہیں امام کو متنبہ کرنا چاہیے' اگر امام متنبہ ہو جائے تو درست ورنہ انتظار کریں اور اگر انہیں معلوم ہو کہ یہ زائد پڑھ رہا ہے تو اس کی متابعت نہ کریں لیکن جس شخص کو شرعی حکم کا علم نہ ہو یا یہ علم نہ ہو کہ یہ زائد نماز ہے تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ مسبوق کو چاہیے کہ جب امام سجدہ سہو کرے تو وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور پھر جب امام سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کرے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

نمازی کے آگے سے گزرنا

سوال کیا مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

جواب نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے خواہ اس نے اپنے آگے سترہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو کیونکہ اس حدیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح:٥١٠، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح:٥٠٧)

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے کتنا گناہ ہو گا تو اس کے لیے چالیس (سال) تک کھڑے رہنا گزرنے سے بہتر ہو۔"

فقہاء کی ایک جماعت نے مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ کثیر بن کثیر بن مطلب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، يُصَلِّي حِيَالَ الْحِجْرِ وَالنَّاسُ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، إِذَا فَرَغَ مِنْ سَبْعِهِ جَاءَ حَتَّى يُحَاذِيَ الرُّكْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّقِيْفَةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْهِ فِيْ حَاشِيَةِ الْمَطَافِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطُّوَّافِ أَحَدٌ»(هذا حديث ضعيف) (سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في مكة، ح: ٢٠١٦، وسنن النسائي، ح: ٢٩٦٢)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب طواف کے ساتویں چکر سے فارغ ہوئے تو آپ تشریف لائے اور آپ نے رکن کو اپنے اور سقیفہ کے درمیان کر لیا اور حاشیہ مطاف میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور آپ کے اور لوگوں کے طواف کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔"

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے اس سلسلہ میں وارد آثار کی ضرور تقویت ہوتی ہے اور رفع حرج کے دلائل کے عموم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت کی صورت میں اکثر و بیشتر حالات میں تکلیف اور مشقت ہو گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز میں وسوسے

سوال میری مشکل یہ ہے کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور قبلہ رخ ہو کر نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتا ہوں تو مجھے شک گزرتا ہے کہ شاید میں نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں لہٰذا میں دوبارہ تکبیر کہتا ہوں' اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں تو اس میں بھول جاتا ہوں اور اسے دوبارہ از سر نو پڑھنا شروع کر دیتا ہوں' خاص طور پر جب امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں تو یہ صورت پیش آتی ہے۔ کیا اس حالت میں میری نماز صحیح ہے؟ نیز سہو سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میری راہنمائی فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب مذکورہ حالت میں نماز صحیح ہے لیکن آپ کو ان وسوسوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور وہ اس طرح کہ آپ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں' اس کی عظمت کو مد نظر رکھیں اور دلی توجہ کے ساتھ نماز ادا کریں نیز "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ لیا کریں اس سے (ان شاء اللہ تعالیٰ) وسوسے دور ہو جائیں گے' شیطان ذلیل و خوار ہو گا اور اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا۔

شیخ ابن باز

وہ عمل جو جنس نماز سے نہ ہو تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ کثرت حرکات سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جواب بے شک ایسے عمل کی کثرت جو جنس نماز سے نہ ہو نماز کو باطل کر دیتا اور اس کی حکمت کے منافی ہے مثلاً مسلسل چلنا' بکثرت ادھر ادھر دیکھنا (اور متوجہ ہونا) بغیر ضرورت کے دونوں ہاتھوں سے بہت زیادہ فضول حرکات کرنا حالانکہ نماز میں تو قلیل فضول حرکت کی بھی ممانعت ہے کیونکہ یہ غفلت کی دلیل ہے اور نماز میں مطلوب خشوع کے منافی ہے۔

شیخ ابن جبرین

امام بسم اللہ جہری پڑھتا ہے

سوال میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی' جماعت تو نہ مل سکی لہذا میں نے بعض ایسے نمازیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر لی جن کی میری طرح جماعت رہ گئی تھی۔ جماعت کراتے ہوئے یہ امام بسم اللہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ کیا یہ نماز صحیح ہے؟ ہمیں مستفید فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ بخشے گا۔

جواب یہ امام شافعی کے مذہب پر عمل پیرا ہے کیونکہ شافعی مذہب میں بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے لہٰذا وہ جہری نمازوں میں بسم اللہ پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے' ہو جائے گی کیونکہ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے لیکن ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی اسے جہر پڑھنا چاہیے اور یہ صحیح بات ہے اور اس سے تمام دلائل میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں قرأت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ نماز کی ایک رکعت میں ایک سورت کی کچھ آیات کی تلاوت کی جائے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی' یا پہلی رکعت میں کسی طویل سورت کی چند آیات پڑھ لی جائیں اور دوسری رکعت میں چھوٹی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھ لی جائے؟

جواب یہ مستحب ہے کہ ایک رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں بھی پہلی سے چھوٹی سورت پڑھی جائے خواہ وہ اس سے متصل بعد والی نہ بھی ہو لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک سورت کو آپ دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھ لیں' اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی سورت کی ابتدائی یا آخری یا درمیان کی آیات پڑھ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔"

کے عموم سے یہ ثابت ہے‘ اگرچہ یہ خلاف افضل ہے۔

شیخ ابن جبرین

نماز صبح کے وقت سوتے رہنا

سوال جب انسان صبح کی نماز کے وقت سویا رہے تو کیا اللہ تعالیٰ اسے دن کی باقی نمازوں کا اجر و ثواب دے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ بیدار ہونے کے بعد صبح کی نماز ادا کرے تو کیا اس کی یہ نماز قبول ہو گی یا نہیں؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لاَ كَفَّارَةَ لَهَا، إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة. . .، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة. . .، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے‘ اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔"

یہ حکم عام ہے جو صبح کی اور دیگر تمام اوقات کی نمازوں کو شامل ہے‘ لہٰذا اگر صبح کے وقت سویا رہنے والا شخص بعد کی نمازوں کی حفاظت کرے اور انہیں بروقت ادا کرے تو پہلی نماز کے وقت سویا رہنا اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گا بلکہ اس کے عمل اور نماز میں محنت و کوشش کے بقدر اسے مکمل اجر و ثواب ملے گا۔ لیکن اسے اس معاملہ میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کی ڈیوٹی لگائے جو اسے بروقت جگا دے یا اپنے سرہانے الارم لگا کر ٹائم پیس رکھ لے تاکہ وہ بروقت بیدار ہو جائے اور نماز صبح میں کوتاہی اور سستی سے کام نہ لے۔ اور اگر ان تمام اسباب کو استعمال کرنے کے باوجود اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اسے کوئی گناہ نہ ہو گا البتہ بیدار ہونے کے بعد اسے فوراً نماز ادا کر لینی چاہیے۔

شیخ ابن باز

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال ایک بھائی جنہوں نے اپنا نام ص۔ ص۔ ص۔ کے اشارے کے ساتھ لکھا ہے‘ انہوں نے سوال کیا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے‘ خاص طور پر عصر حاضر میں جب کہ مسجدوں میں خوبصورت قالین وغیرہ بچھائے ہوتے ہیں؟ لیکن جوتوں میں نماز پڑھنے والے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح سنت رسول ﷺ کو زندہ کر رہے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب اس سوال کے جواب کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ اگر جوتے پاک صاف ہوں‘ ان میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جس سے نمازیوں یا مسجد کے قالینوں وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں‘ نماز صحیح ہو گی کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی اور

ایک دن نماز پڑھاتے ہوئے آپ نے جب نعلین (جوتے) اتار دیئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتار دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«مَا لَكُمْ خَلَعْتُمْ نِعَالَكُمْ؟ قَالُوْا: رَأَيْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ خَلَعْتَ نَعْلَيْكَ فَخَلَعْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ ﷺ: إِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ بِهِمَا أَذًى وَفِيْ لَفْظِ قَذَرًا فَخَلَعْتُهُمَا، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح:٦٥٠)

”تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! جب ہم نے یہ دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے ہیں' تو ہم نے بھی اتار دیئے۔“ آپ نے فرمایا ”مجھے تو جبریل نے ابھی ابھی یہ بتایا تھا کہ میرے جوتے میں ناپاکی لگی ہوئی ہے لہٰذا میں نے انہیں اتار دیا لہٰذا تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو دیکھے اگر ان میں کوئی ناپاک چیز لگی ہو تو انہیں رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔“

اگر جوتے ناپاک ہوں یا ان میں کوئی پلید چیز لگی ہو یا کوئی ایسی چیز لگی ہو مثلاً مٹی یا کیچڑ وغیرہ جس سے مسجد کا فرش یا قالین وغیرہ خراب ہوتے ہوں تو وہ ان جوتوں میں نماز نہ پڑھے اور نہ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہو بلکہ انہیں مسجد کے دروازے کے پاس رکھ دے تاکہ نہ مسجد خراب ہو اور نہ نمازیوں کو تکلیف ہو' نہ نماز کی جگہ آلودہ ہو' خاص طور پر دریوں اور قالینوں کی موجودگی میں جو بہت جلد متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو کسی محفوظ جگہ پر رکھ دے اور مسجد میں ننگے پاؤں جائے تاکہ مٹی اور کیچڑ وغیرہ سے کسی کے لیے بھی تکلیف کا باعث نہ بنے۔

جہاں تک احیائے سنت کی بات ہے تو وہ کلام و بیان سے بھی ہو سکتی ہے یعنی آدمی یہ بیان کر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل بھی ثابت ہے اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اکثر لوگ پروا نہیں کرتے اور نہ جوتوں کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ لاپروائی سے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں' ایسے لوگوں کو اگر اجازت دے دی جائے تو مسجد کی دریوں اور قالینوں پر گندگی جمع ہو جائے گی اور اس گندگی کی وجہ سے کئی لوگ مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو اس طرح یہ شخص نمازیوں کے لیے کراہت کا باعث بنے گا اور انہیں ایذاء پہنچائے گا حالانکہ اس کا مقصد نیک اور سنت پر عمل کرنے کا ہے تو اس حالت میں سنت یہ ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ مسجد کو گندا کیا جائے کہ ایک مؤمن کے یہی بات شایان شان ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دریاں اور قالین وغیرہ ہر چیز سے متاثر ہوتی ہیں' تو اس حالت میں افضل اور شرعی قواعد کے تقاضوں کے مطابق یہی بات ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے اور اگر کسی جگہ دریاں اور قالین وغیرہ نہ ہوں تو پھر جوتوں سمیت نماز پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ وہ پاک صاف ہوں اور ان میں کوئی ناپاک چیز نہ لگی ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں کثرت حرکات

 میری مشکل یہ ہے کہ میں نماز میں حرکت بہت کرتا ہوں اور میں نے ایک حدیث سنی ہے جس کے معنی یہ ہیں

کہ جو شخص نماز میں تین بار حرکت کرے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نماز میں فضول حرکتوں سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ مومن نماز کو پوری توجہ' انہماک اور قلب و بدن کے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝﴾ (المؤمنون٢٣/ ١۔٢)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔"

نماز بہت اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرنی چاہیے کیونکہ یہ نماز کے بہت اہم ارکان و فرائض میں سے ہے' چنانچہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے نماز کو خراب طریقے سے پڑھا اور اطمینان و سکون سے نہیں پڑھا تھا کہ:

«ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم ...، ح:٧٥٥، ٧٩٣، ٦٢٥١، ٦٦٦٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...، ح:٣٩٧)

"واپس لوٹ جاؤ' نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔"

چنانچہ جب تین بار ایسے ہوا تو اس آدمی نے عرض کیا:

«يَارَسُوْلَ اللهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لاَ أُحْسِنُ غَيْرَ هٰذَا فَعَلِّمْنِيْ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم ...، ح:٧٥٥، ٧٩٣، ٦٢٥١، ٦٦٦٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...، ح:٣٩٧)

"یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں اس سے اچھے طریقے سے نماز نہیں پڑھ سکتا لہٰذا مجھے سکھا دیجئے" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو خوب اچھے طریقے سے وضوء کرو' پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کہو اور جو آسانی سے ممکن ہو قرآن پڑھو' پھر رکوع کرو اور اطمینان سے رکوع کرو' پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ' پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ' پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو اور ساری نماز اسی طرح اطمینان سے ادا کرو۔"

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللهُ...»

"پھر ام القرآن (سورۂ فاتحہ) اور جو اللہ چاہے پڑھو۔"

یہ صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طمانینت نماز کا رکن اور فرض عظیم ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ جو شخص نماز میں ٹھونگیں مارے اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ خشوع و خضوع تو نماز کا خلاصہ اور نماز کی روح ہے لہٰذا مومن کو چاہیے کہ وہ نماز میں خشوع اور خضوع کا خاص اہتمام کرے۔

یہ تحدید کہ خشوع و خضوع کے منافی تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے' اس کا ذکر نبی ﷺ کی کسی حدیث میں نہیں' یہ بعض اہل علم کی بات ہے' جس کی بنیاد کسی قابل اعتماد دلیل پر نہیں ہے۔

ہاں البتہ نماز میں فضول حرکتیں مثلاً ناک میں انگلی ڈالنا' داڑھی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا اور کپڑوں کے ساتھ کھیلنا وغیرہ مکروہ ہے اور اگر اس طرح کی فضول حرکات کثرت اور تسلسل کے ساتھ ہوں' تو ان سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر حرکتیں ایسی ہوں' جنہیں عرف میں قلیل سمجھا جاتا ہو یا حرکتیں کثیر ہوں لیکن مسلسل نہ ہوں تو ان سے نماز باطل تو نہ ہو گی لیکن مومن کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع کا اہتمام کرے' فضول حرکات کو چھوڑ دے' خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر تاکہ اس کی نماز تمام و کمال درجہ کی نماز ہو۔

وہ دلائل جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل قلیل اور حرکات قلیلہ سے نماز باطل نہیں ہوتی نیز متفرق اور غیر مسلسل عمل و حرکت سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی' ان میں سے نبی ﷺ سے ثابت یہ حدیث بھی ہے کہ:

«أَنَّهُ فَتَحَ الْبَابَ يَوْمًا لِعَائِشَةَ وَهُوَ يُصَلِّي»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، ح:٩٢٢)

"آپ نے ایک دن نماز پڑھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔"

نیز حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ صَلَّى ذَاتَ يَوْمٍ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، ح:٥١٦، ٥٩٩٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، ح:٩١٧، ٩١٨، ٩١٩، ٩٢٠)

"ایک دن آپ ﷺ نے اپنی نواسی' حضرت زینب کی بیٹی امامہ کو اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ جب سجدہ میں جاتے تو انہیں بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے۔"

——— شیخ ابن باز ———

مدرک رکوع کی رکعت

سوال ایک مقتدی دیر سے آیا اس نے امام کو حالت رکوع میں پایا اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے وہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا گیا' تو کیا اس مقتدی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ رکعت پڑھنا ہو گی؟

جواب جب مقتدی کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لے اور پھر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ جب مسجد میں پہنچے تو نبی ﷺ حالت رکوع میں تھے' انہوں نے

صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح:٧٨٣)

"اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے' آئندہ اس طرح نہ کرنا۔"

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«وَرَكَعَ دُوْنَ الصَّـفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّـفِّ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يركع دون الصف، ح:٦٨٤)

"انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر چلتے چلتے صف میں شامل ہوئے۔"

نیز ابوداؤد میں روایت ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوْعَ فَقَدْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يدرك الامام ساجدا كيف يصنع، ح:٨٩٣)

"جو شخص رکوع کو پالے اس نے رکعت کو پالیا۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

مقتدی کا بلند آواز سے پڑھنا

سوال مقتدی جو نماز کے دوران بلند آواز سے قرأت کرتا ہو' اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب مقتدی کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ قرأت اور دیگر تمام اذکار اور دعاؤں کو آہستہ آہستہ پڑھے کیونکہ مقتدی کے لیے بلند آواز سے پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پھر اس کے بلند آواز سے پڑھنے سے اس کے اردگرد کے نمازیوں کو پریشانی بھی ہوگی۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں عدم خشوع کا علاج

سوال ہم نماز میں خشوع کے بارے میں بہت کچھ سنتے ہیں اور میں یہ چاہتا بھی ہوں کہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کروں لیکن یہ بات جلد ختم ہو جاتی ہے اور پھر سے دوبارہ وسوسے مجھے گھیر لیتے ہیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب نماز خوب توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کریں' جو آپ زبان سے کہہ رہے یا امام سے سن رہے ہوں' اس پر غور اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور وسوسہ اور حدیث نفس کی بجائے دل کو غور و فکر میں مصروف رکھیں' اسی طرح نماز کے افعال' حرکات اور ان کی حکمت پر غور کریں تو یہ باتیں آپ کو وسوسوں سے بچائیں گی لیکن اگر کوئی خارجی غور و فکر غالب آ جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے اور اسی وجہ سے سجدہ سہو کا حکم دیا گیا ہے۔ (کہ اگر نماز میں وسوسوں کی وجہ سے یا بھولنے کی وجہ سے کوئی کمی بیشی ہو جائے تو سجدہ سہو کر لیا جائے اس سے اس کی تلافی ہو جائے گی)

شیخ ابن جبرین

امام کی متابعت اختیار کی جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ظہر پڑھی لیکن آخری دو رکعتوں میں میں سورۂ فاتحہ مکمل نہ پڑھ سکا۔ اگر میں اسے مکمل پڑھتا تو امام کے ساتھ رکوع فوت ہو جاتا تو اس صورت میں کیا مجھے سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنی چاہیے یا امام کی قرأت پر اکتفاء کرتے ہوئے رکوع کرنا چاہیے؟

جواب بظاہریوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام قرأت میں بہت جلدی کرتا اور قیام بہت ہلکا کرتا ہے یا تم قرأت بہت آہستہ کرتے اور مد اور اخراج حروف کو بہت لمبا کرتے ہو۔ اگر پہلی بات ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس امام کو نصیحت کرو کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے کہ جس سے مقتدیوں کے لیے ارکان کو پورا کرنا ہی ممکن نہ ہو۔ اور اگر دوسری بات ہے تو تمہیں چاہیے کہ تھوڑی سی جلدی کرو تاکہ تم امام کے ساتھ ارکان کو ادا کر سکو لیکن بہرحال تمہارے لیے امام کی متابعت لازمی ہے اور جب رکوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور تم نے قرأت کو مکمل نہ کیا ہو تو پھر بھی امام کی متابعت میں رکوع میں چلے جاؤ۔

شیخ ابن جبرین

آخری سجدہ کی طوالت

سوال میں بعض ائمہ -- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے -- کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز کے آخری سجدہ کو بہت لمبا کرتے ہیں، تو کیا اس کی کوئی شرعی سند ہے؟ اور کیا آواز کے نغمہ کی اس وجہ سے تبدیلی کی کوئی اصل ہے کہ اس تبدیلی سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ جلسہ جلسۂ تشہد ہے؟

جواب مجھے کوئی ایسی دلیل یاد نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آخری سجدہ کو لمبا کرنا چاہیے بلکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز برابر ہوں یا قریب قریب برابر ہوں۔ باقی رہا مسئلہ جلسۂ تشہد کے لیے تکبیر کی آواز میں تبدیلی کا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو ائمہ کے ہاں معمول بہ ہے اور شاید ان کی دلیل عمل متسلسل ہے، جو اگلوں سے پچھلوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیاد صرف نقل پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جلسۂ تشہد ہے اور اس سے وہ تکبیر سن کر کھڑے نہیں ہوتے۔[1]

شیخ ابن جبرین

[1] جیسے اس سوال کے ابتدائی حصہ کے جواب میں فضیلۃ الشیخ نے یہ فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی دلیل یاد نہیں یعنی یہ بات بے سند ہے، اسی طرح سچی بات یہ ہے کہ تشہد کے لیے تکبیر کہتے ہوئے آواز کی تبدیلی کی بات بھی قطعاً بے دلیل اور بے سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

اس شخص کی نماز جس کے ستر کا بعض حصہ کھل گیا ہو

سوال میں بسا اوقات تولیہ سے جسم کو ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہوں اور اس سے بظاہر ستر کا کوئی حصہ ننگا نہیں ہوتا لیکن سجدہ کے وقت گھٹنے یا ان سے اوپر کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جاتا ہے' اس وقت میں تنہا ہوتا ہوں اور میرے پاس بھی کوئی نہیں ہوتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ستر کے مقام کے کچھ حصہ کو بھی برہنہ (ننگا) کرنا جائز نہیں خواہ نماز فرض ہو یا نفل اور مرد کے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے لہٰذا اس مقام کی ستر پوشی ضروری ہے۔ جب گھٹنا یا اس سے اوپر کا کوئی حصہ ننگا ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی' خواہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا اس کے پاس آدمی موجود ہوں اور خواہ وہ اندھیرے میں نماز ادا کر رہا ہو ستر کو ڈھانپنا لازم ہے' جس سے ظاہری جلد چھپ جائے اور جسم نظر نہ آئے لہٰذا نماز کے لیے خفیف اور باریک لباس یا اس قدر چھوٹا لباس کافی نہیں ہے' جو رکوع و سجود کے وقت سمٹ جائے' جس سے سرینوں سے اوپر کمر کی طرف کا کچھ حصہ یا ران یا گھٹنا ننگا ہو جائے' لباس خواہ تہبند ہو یا چھوٹی شلوار ہو یا جبہ ہو یا چادر ہو یا تولیہ وغیرہ ہو!

——— شیخ ابن جبرین ———

سوئے ہوئے شخص کی نماز

سوال جو شخص نماز عشاء نہ پڑھے' سو جائے اور اسے نماز فجر کے بعد یاد آئے تو کیا وہ اسے اسی وقت پڑھے یا اگلی عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھے؟

جواب صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لاَ كَفَّارَةَ لَهَا، إِلاَّ ذٰلِكَ، وَقَرَأَ قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ١٤﴾» (صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة...، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة...، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اس وقت پڑھے جب اسے یاد آ جائے اس کا یہی کفارہ ہے" اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی پڑھا: اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔"

اس مسئلہ میں نماز عشاء اور دیگر نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا آدمی جب بھی بیدار ہو' وقت نہ بھی ہو تو فوراً اسی وقت پڑھ لے اور عشاء تک مؤخر نہ کرے بلکہ جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لے خواہ ممانعت کا وقت ہو یا کسی اور نماز کا لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ اس نماز کے پڑھنے سے موجودہ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو پھر پہلے موجودہ نماز کو پڑھ لے اور اس کے بعد فوت شدہ نماز کو پڑھ لے۔ (واللہ اعلم)

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں کثرت حرکات

سوال میں مسجد میں بعض بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے بڑی کثرت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں یا اپنا ایک قدم امام کی طرف آگے بڑھا دیتے ہیں گویا وہ نماز میں نہیں بلکہ سڑک پر کھڑے ہوں۔ کیا اس سے نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب نماز میں حرکت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ یہ بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے' تاہم حرکت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) حرکت واجب (۲) حرکت حرام (۳) حرکت مکروہ (۴) حرکت مستحب اور (۵) حرکت مباح۔

حرکت واجب وہ ہے جس پر صحت نماز موقوف ہے مثلاً یہ کہ اپنے رومال میں کوئی گندگی دیکھے تو واجب ہے کہ اس کے ازالہ کے لیے حرکت کرے اور رومال اتار دے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

«لأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ فِيْ نَعْلَيْهِ أَذًى فَخَلَعَهُمَا ﷺ، وَهُوَ فِي صَلاَتِهِ وَاسْتَمَرَّ فِيْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ٦٥٠)

"نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی ہے تو آپ نے حالت نماز ہی میں انہیں اتار دیا اور نماز کو جاری رکھا"

یا مثلاً یہ کہ کوئی شخص اسے بتائے کہ وہ قبلہ رخ نہیں ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حرکت کر کے قبلہ رخ ہو جائے۔

حرکت حرام سے مراد وہ حرکت ہے جو بلا ضرورت کثرت کے ساتھ مسلسل حرکت کی جائے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور جس سے نماز باطل ہو جائے' وہ فعل حلال نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے مذاق کرنے کے مترادف ہے۔

حرکت مستحب وہ ہے جو نماز میں کسی امر مستحب کے لیے کی جائے مثلاً صف سیدھی کرنے کے لیے حرکت کرے یا اپنے سامنے کی صف میں خالی جگہ دیکھے تو حالت نماز ہی میں آگے بڑھ کر اس خالی جگہ میں کھڑا ہو جائے یا صف سمٹ رہی ہو اور اس کی تکمیل کے لیے حرکت کی جائے یا اس طرح کی کوئی اور حرکت جو فعل مستحب کے لیے کی جائے تو یہ بھی مستحب ہو گی کیونکہ یہ حرکت تکمیل نماز کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ:

لمَّا صَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ عَنْ يَسَارِهِ أَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، بِرَأْسِهِ مِنْ وَرَائِهِ فَجَعَلَهُ عَنْ يَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام. . .، ح:٦٩٨، ٦٩٩)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب رات کو نماز پڑھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کے سر کے پیچھے کے حصہ کی طرف سے پکڑا اور اپنے دائیں طرف کھڑا کر لیا۔"

حرکت مباح وہ ہے جو کسی ضرورت کی وجہ سے تھوڑی سی یا ضرورت کے لیے زیادہ حرکت کی جائے' حاجت کے

لیے تھوڑی سی حرکت کی مثال نبی ﷺ کا اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھانا اور سجدہ کرتے ہوئے اتار دینا ہے۔

بوقت ضرورت حرکت کثیرہ کی مثال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٨۔٢٣٩)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو' اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو)' پھر جب امن (و اطمینان) ہو جائے تو جس طریق سے اللہ نے تم کو سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے' اللہ کو یاد کرو۔"

جو شخص نماز پڑھ رہا اور چل رہا ہے تو بے شک یہ عمل کثیر ہے لیکن چونکہ یہ ضرورت کے لیے ہے اس لیے مباح ہے اور اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔

حرکت مکروہ وہ ہے' جو ان مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ ہو اور حرکت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے جس کی تفصیل مذکورہ بالاسطور میں بیان کر دی گئی ہے لہٰذا اس اصول کی بنیاد پر ہم ان لوگوں سے کہیں گے' جنہیں ہمارے اس سائل بھائی نے نماز میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ لوگو! تمہارا یہ عمل مکروہ ہے' تمہاری نماز کو ناقص کرنے والا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص آج نماز پڑھنے والوں کو دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی گھڑی' کوئی اپنے قلم' کوئی اپنے جوتے' کوئی ناک' کوئی داڑھی اور کوئی کسی چیز کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے' یہ سب حرکت مکروہ کی قسمیں ہیں۔ اور اگر یہ حرکت کثرت کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ ہو تو پھر یہ حرکت حرام ہو گی اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی' اس طرح نماز پڑھتے ہوئے ایک پاؤں کو دوسرے سے آگے بڑھانا بھی جائز نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ دونوں پاؤں برابر ہوں بلکہ تمام نمازیوں کے پاؤں برابر اور مساوی ہوں کیونکہ صفوں کی برابری امر واجب ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اگر لوگ صفوں کو برابر نہ کریں گے تو گناہ گار اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان ہوں گے' نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو درست فرماتے اور ان کے سینوں اور کندھوں کو ہاتھ لگا کر درست فرماتے تھے' نیز فرماتے تھے "آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے" اور اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد ایک دن آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے آگے بڑھا ہوا تھا' تو آپ نے فرمایا:

«عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ بَيْنَ صُفُوْفِكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب تسوية الصفوف عند الاقامة وبعدها، ح:٧١٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها، ...ح:٤٣٦)

"اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مختلف کر دے گا۔"

اہم بات یہ ہے کہ صفوں کی برابری ضروری ہے اور یہ امام اور مقتدیوں کی ذمہ داری بھی ہے۔ امام کو چاہیے

کہ وہ صفوں کا جائزہ لے اور انہیں سیدھا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھیں اور خوب مل جل کر کھڑے ہوں۔

شیخ ابن عثیمین

عورت کا نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا

سوال اگر نماز میں عورت کے دونوں ہاتھ اور پاؤں ننگے ہوں تو اس کا کیا حکم ہے جب کہ وہاں کوئی نہ ہو اور عورت اپنے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو؟

جواب حنابلہ۔ رحمۃ اللہ علیہم ۔ کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ نماز میں آزاد اور بالغ عورت کا چہرے کے سوا سارا جسم پردہ ہے لہٰذا اس کے لیے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا جائز نہیں لیکن بہت سے اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لیے نماز میں ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا رکھنا جائز ہے' جب کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے لیکن فرض کیا کہ اگر عورت نے نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کر لیا اور پھر وہ اس سلسلہ میں فتویٰ طلب کرے تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی نماز کو دوہرائے۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال میں ایک عورت ہوں' اللہ تعالیٰ نے جن عبادات کو فرض کیا ہے ان کو بجالاتی ہوں البتہ میں نماز میں بہت بھول جاتی ہوں۔ نماز شروع کرتی ہوں تو دن بھر کے حالات و واقعات کا نماز میں خیال آنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ خیال نماز شروع کرتے ہی آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک میں قراءت جہری شروع نہیں کر دیتی۔ براہ کرم راہنمائی فرمائیں کہ ان وسوسوں سے کیسے نجات پائی جائے؟

جواب یہ معاملہ جو تمہیں درپیش ہے' یہ بہت سے نمازیوں کو درپیش ہے اور یہ اس لیے کہ شیطان انسان کی نماز میں وسوسوں کے دروازے کو کھول دیتا ہے اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا پڑھ رہا اور کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا علاج وہی ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے کہ انسان اپنی بائیں طرف تین بار تھوکے اور کہے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) ایسا کرنے سے ان شاء اللہ وسوسے دور ہو جائیں گے' اسی طرح آدمی کو چاہیے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت یہ تصور کرے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں حاضر اور اس ذات گرامی سے ہم کلام ہے اور تکبیر و تعظیم' اس کے پاک کلام کی تلاوت اور نماز کے مقامات دعاء میں دعاء کے ساتھ تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرے۔ انسان میں جب یہ شعور بیدار ہو تو وہ یقیناً اپنے رب کی بارگاہ قدس میں خشوع و خضوع سے حاضر ہو گا' اس کی تعظیم بجالائے گا' اس کے پاس جو خیر و بھلائی ہے اس سے محبت کرے گا اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی صورت میں اس کے عذاب سے خائف ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

مقتدی کو سورۂ فاتحہ ہر حال میں پڑھنی چاہیے

سوال مقتدی کو نماز میں کیا کرنا چاہیے' کیا وہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتا جائے یا اسے امام کی قرأت سنی چاہیے؟

جواب نماز خواہ سری ہو یا جہری مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے۔ نماز جہری ہو تو فاتحہ کے علاوہ امام کی باقی قرأت کو سننا چاہیے سورۂ فاتحہ کے علاوہ اس حال میں کچھ اور پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:۸۲۳)

سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

مقتدی' تنہا نماز پڑھنے والے سے مختلف ہے کیونکہ امام جب ((سمع الله لمن حمده)) کہتا ہے تو مقتدی ((ربنا و لک الحمد)) کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَلاَ تُكَبِّرُوْا حَتَّى يُكَبِّرَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَلاَ تَرْكَعُوْا حَتَّى يَرْكَعَ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَلاَ تَسْجُدُوْا حَتَّى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا أَجْمَعِيْنَ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح:۷۲۲، ۷۳٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالامام، ح:٤١٤)

"امام اسلئے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو لیکن اس وقت تک تکبیر نہ کہو جب تک امام تکبیر نہ کہہ لے' جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور اس وقت تک رکوع نہ کرو جب تک وہ رکوع نہ کرے اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم کہو ربنا و لک الحمد جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اس وقت تک سجدہ نہ کرو جب تک وہ سجدہ نہ کرے' جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

نماز کو توڑ دینا

سوال جب میں بھول کر ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا شروع کر دوں جو ناپاک ہو اور یہ مجھے نماز میں یاد آئے تو کیا یہ جائز ہے کہ میں نماز توڑ کر لباس تبدیل کر لوں؟ اور وہ کون سے حالات ہیں جن میں آدمی کے لئے نماز کو توڑ دینا جائز ہے؟

جواب جو شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے وغیرہ ناپاک ہوں اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر اسے اس کا علم نہیں ہے اور اس نے پوری نماز ادا کر لی تو اس کی نماز صحیح ہو گی' اسے دوبارہ پڑھنا لازم نہ ہو گا۔ اگر نماز کے دوران اس کا علم ہو اور جلدی سے اس کا ازالہ ممکن ہو تو اسے زائل کر دے اور اپنی نماز کو

جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے نعلین اتار دیئے تھے جب کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ وہ صاف نہیں ہیں لیکن آپ نے ان نعلین میں ادا کئے ہوئے نماز کے ابتدائی حصہ کو باطل نہیں کیا تھا' اسی طرح اگر سر پر عمامہ ہو اور وہ ناپاک ہو تو اسے بھی فوراً اتار دے اور نماز کو جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے اور اگر ناپاک کپڑے وغیرہ کی تبدیلی کے لئے عمل کی ضرورت ہو مثلاً یہ کہ قمیص یا شلوار وغیرہ کو اتارنا پڑے تو پھر اسے اتار کر از سر نو نماز شروع کرے' اسی طرح اگر اسے یہ یاد آئے کہ وہ بے وضوء ہے یا نماز میں بے وضوء ہو جائے یا ہنسنے کی وجہ سے اس نے نماز کو باطل کر لیا ہو تو اسے نماز توڑ کر دوبارہ پڑھنی ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں آنکھیں بند کرنا

سوال: کیا خشوع کے ارادہ سے نماز میں آنکھوں کو بند کرنا جائز ہے؟

جواب: فقہاء نے مکروہات نماز میں آنکھوں کے بند کرنے کو بھی ذکر کیا ہے کیونکہ یہ یہودیوں کا فعل ہے اور اس سے نیند آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ((منار السبیل)) وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن اگر اس سے دل زیادہ متوجہ ہو' خشوع و خضوع زیادہ پیدا ہو' سہو ونسیان سے زیادہ دوری ہو اور وسوسوں سے بچ سکے تو یہ جائز ہے کیونکہ دل بھی اسی کے تابع ہوتا ہے جس پر نظر پڑتی ہے لیکن یاد رہے کہ نمازی کو حکم ہے کہ اس کی نظر سجدہ کی جگہ پر ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تشہد میں سبابہ انگلی کو حرکت دینا

سوال: میں نے سنا ہے کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے تشہد کی حالت میں انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے ساتھ ملا کر انگشت شہادت کو اٹھا لیا جائے' اسے حرکت دی جائے اور اس پر نظر رکھی جائے تو یہ شیطان کے لئے لوہے کی ضرب سے بھی زیادہ سخت ہے' اس روایت کی صحت کا کیا حال ہے؟

جواب: مجھے اس روایت کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے لیکن شرعی حکم یہ ہے کہ انسان خنصر (چھنگلیا) اور بنصر (چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی) کو مٹھی کی طرح بند کرے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے حلقہ پر رکھے اور انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نماز میں بچوں کی صف کا حکم

سوال: دو آدمی مسجد میں آئے اور ان کے ساتھ سات یا آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا' ان میں سے ایک امام بن گیا اور دوسرا آدمی اور بچہ صف بنا کر امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ کتنی عمر کا بچہ صف میں ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب صف میں وہ بچہ کھڑا ہو سکتا ہے جو سن تکلیف (شرعی احکام کی پابندی کی عمر) کو پہنچ گیا ہو اور وہ اس طرح کہ وہ پندرہ سال کی عمر کا ہو گیا ہو یا اسے احتلام شروع ہو گیا ہو یا اس کے زیر ناف کھردرے بال اگ آئے ہوں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق سات سال کی عمر کے بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا جائز ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب مقتدی آیت سجدہ پڑھے

سوال جب امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے میں کوئی ایسی سورۂ پڑھ لوں جس میں آیت سجدہ ہو تو کیا کروں؟

جواب اس حالت میں آپ سجدہ نہ کیجئے کیونکہ امام کی اقتداء واجب ہے اور سجدۂ تلاوت سنت ہے لہٰذا مقتدی ہونے کی صورت میں یہ سجدہ جائز نہ ہو گا۔ اگر آدمی قصدوارادہ سے سجدہ کرے اور اسے یہ علم ہو کہ اس حال میں اس کے لئے یہ سجدہ جائز نہیں ہے' تو اس سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص اقامت یا فاتحہ بھول جائے اس کی نماز کا حکم

سوال ایک آدمی نے نماز عصر پڑھی لیکن وہ اقامت کہنا بھول گیا تھا تو اس پر کیا واجب ہے؟ اگر انسان کسی رکعت میں فاتحہ بھول جائے تو کیا وہ اس رکعت کو دوہرائے یا اسے مکمل نماز دوہرانا ہو گی؟

جواب ترک اقامت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے شروط اور واجبات میں سے نہیں ہے' اس کا حکم تو اس لئے ہے تاکہ لوگوں کو معلوم کروا دیا جائے کہ نماز کھڑی ہونے لگی ہے لیکن جان بوجھ کر اسے ترک نہیں کرنا چاہئے' جو شخص بھولنے کی وجہ سے فاتحہ نہ پڑھ سکے اور اگر وہ امام ہے یا منفرد تو اسے یہ رکعت دوہرانی ہو گی' جس میں اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اور اگر مقتدی ہے تو اس سے سہواً ترک کا ازالہ امام کی طرف سے ہو جائے گا' اگر امام جان بوجھ کر ترک کر دے تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی اور پوری نماز کا اعادہ لازم ہو گا لیکن امام کی وجہ سے مقتدی کے بارے میں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورۂ کی قرأت

سوال جہری نماز میں امام کے سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن میں بعض مقتدیوں کو سنتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اور چھوٹی سورہ بھی پڑھ لیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورۂ کا پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس کے لئے یہ واجب ہے کہ امام کی قرأت کو خاموشی کے ساتھ سنے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ، قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:٨٢٣)

شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب إذا قرأ الامام فأنصتوا، ح:٨٤٧)

"جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

ہاں البتہ مذکورہ بالاحدیث کے پیش نظر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس سے مستثنیٰ ہے اور درج ذیل حدیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھا جائے:

«لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات ....، ح:٧٥٦، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه...، ح:٣٩٤)

"جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔"

——— شیخ ابن باز ———

امام کی قرأت کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا

سوال کیا امام جب یہ آیت کریمہ پڑھے:﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ تو نماز میں یہ آیت سن کر درود شریف پڑھنا جائز ہے؟

جواب جب آپ نماز میں امام کے پیچھے ہوں اور وہ جہری قرأت کر رہا ہو تو آپ کو خاموشی کے ساتھ اس کی قرأت کو سننا چاہئے اور کوئی بات نہیں کرنی چاہئے خواہ وہ ذکر یا دعاء ہی کیوں نہ ہو کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو۔"

علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

«إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٤)

''جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔''

لیکن جب امام اس آیت کو جمعہ یا عید کے خطبہ میں پڑھے یا آپ نماز سے باہر کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنیں یا خود اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں تو پھر درود شریف پڑھنے کی ازحد تاکید ہے جیسے کہ دیگر اوقات میں بھی درود شریف کو کثرت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے۔ اور درود شریف پڑھنے کی فضیلت بے حد و حساب ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز پڑھتا ہوں تو خواہ قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ پڑھنا شروع کر دوں مجھے نماز میں دنیوی امور و معاملات کے بارے میں بہت خیالات آتے ہیں' اس کا کیا علاج ہے؟

جواب پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ ان خیالات اور وسوسوں کو جھٹک کر پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ خوب غور و فکر کے ساتھ یہ پڑھ لیا کریں:

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ»

''میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں مردود شیطان سے یعنی اس کے (پیدا کردہ) وسوسوں سے' اس کے پھونکے ہوئے پراگندہ خیالات سے اور اس کے تکبر سے۔''

اور تیسری بات یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے زبان سے جو آیات' اذکار یا دعائیں پڑھو تو ان پر غور کرو' اس کے نتیجہ میں آپ دیگر چیزوں کے خیالات سے بچ جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے اسے معمول بنا لیجئے۔ امید ہے اس سے خیالات اور وسوسے زائل ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں ایسے باریک کپڑے پہننے کا حکم جن سے ستر پوشی نہ ہوتی ہو

سوال آج کل باریک کپڑے کثرت سے پہنے جاتے ہیں اور ان کا عام مسلمانوں میں بہت رواج ہو گیا ہے خصوصاً ہم دیکھتے ہیں کہ موسم گرما میں تو اکثر نمازیوں نے یہ باریک کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور وہ نیچے نصف ران یا ثلث ران تک انڈر ویئر پہن لیتے ہیں اور بعض لوگ نیچے بنیان وغیرہ بھی پہنتے ہیں لیکن اس سے زیر ناف حصہ باریک کپڑے سے نظر آتا ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں ستر پوشی تو صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے' تو کیا اس طرح کے باریک کپڑے پہننے سے ستر پوشی ہو جاتی ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرمایئے' اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

جواب تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازی کے لئے نماز میں ستر پوشی واجب ہے اور اس کے لئے عریاں طور پر نماز پڑھنا جائز نہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ہاں البتہ عورت کے لئے ستر پوشی کا حکم زیادہ تاکید اور کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ آدمی کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور حسب مقدور دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانپنا بھی ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ:

«إِنْ كَانَ الثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا، ح:٣٦١)

''اگر کپڑا کشادہ ہو تو اسے لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو اسے چادر کے طور پر استعمال کرو''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«لاَ يُصَلِّيْ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، ح:٥١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع اثواب ما يصلى فيه، ح:٦٢٦)

''تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔''

نماز میں چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہی پردہ ہے۔ عورتوں کے ہاتھوں کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' بعض نے تو ہاتھوں کے ڈھانپنے کو بھی واجب قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے ننگا رکھنے کی رخصت دی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ان شاء اللہ دونوں طرح گنجائش ہے ہاں البتہ ڈھانپ لیا جائے تو زیادہ افضل ہے اور پھر اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ جمہور اہل علم کے نزدیک عورت کے لئے نماز میں پاؤں کو چھپانا بھی واجب ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ کیا عورت چادر کے بغیر محض قمیص اور دوپٹے میں بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة، ح:٦٤٠)

''ہاں جب قمیص اس قدر کشادہ ہو کہ اس سے پاؤں کے اوپر کا حصہ چھپ جائے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''بلوغ المرام'' میں لکھا ہے کہ ائمہ کرام نے اس حدیث کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ واجب ہے کہ نماز میں مرد اور عورت کا لباس ایسا ہو جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو اور اگر لباس باریک ہو کہ اس سے ستر پوشی نہ ہو رہی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہ مرد نے اگر چھوٹی نیکر پہنی ہو کہ اس سے اس کے ران غیر مستور (ننگے) ہوں اور نیکر کے اوپر کوئی اور کپڑا نہ پہنے کہ جس سے ران چھپ جائیں تو اس حال میں اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ اس طرح اگر عورت اس قدر باریک لباس پہنے جو ستر پوشی کا کام نہ دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز اسلام کا ستون ہے اور شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن ہے لہذا تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا خاص اہتمام کریں' نماز کو اس کی مکمل شرائط کے ساتھ ادا کریں اور ایسے امور سے اجتناب کریں جو نماز کو باطل کر دینے والے ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۴۳)

"اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔"

بے شک نماز کا خاص اہتمام کرنا اور نماز کے شرائط اور تمام واجبات کو ادا کرنا بھی نماز کی اس حفاظت اور اقامت میں شامل ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے عورت کے پاس کوئی اجنبی شخص ہو تو پھر اس کے لئے چہرے کو چھپانا بھی فرض ہے' اسی طرح طواف میں بھی عورت کے لئے سارے جسم کو چھپانا فرض ہے کیونکہ طواف بھی نماز کے حکم میں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز پڑھتے وقت جیب میں سگریٹ

سوال میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد میں جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں' تو ان کی جیبوں میں سگریٹ ہوتے ہیں' کیا اس کی وجہ سے انہیں گناہ تو نہیں ہوتا؟

جواب نماز میں سگریٹ پاس ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں کیونکہ سگریٹ کا جیب میں ہونا نماز پر اثرانداز نہیں ہو سکتا کیونکہ سگریٹ پاک ہے اور اس کی نجاست معنوی ہے' حسی نہیں ہاں البتہ سگریٹ نوشی ضرور گناہ کا کام ہے۔ عصر حاضر کی تحقیق یہ ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اگرچہ پہلے اس کے بارے میں اہل علم میں ضرور اختلاف تھا' بعض اسے مباح قرار دیتے تھے' بعض مکروہ سمجھتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ یہ حرام ہے لیکن اب چونکہ طبی طور پر یہ بات پایہ' ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ سگریٹ نوشی انسانی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے اور یہ بہت سی ایسی خطرناک بیماریوں کا سبب بنتی ہے' جو تباہی و بربادی اور ہلاکت کا سبب بنتی ہیں لہٰذا یہ حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۵)

"اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے مسجد جانے سے پہلے لہسن اور پیاز کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ:

«إِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِيْ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُوْا آدَمَ» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ح:۸۵۳، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من اكل ثوما أو بصلا أو كراثا، ح: ٥٦٤)

"اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔"

سگریٹ نوشی میں صحت اور جسم کا بھی نقصان ہے' مال کا بھی ضیاع ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ (لہٰذا اس سے اجتناب ازبس ضروری ہے۔)

شیخ ابن عثیمین

اہل بدعت کے پیچھے نماز کا حکم

سوال بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے جو بدعتی ہو اور بہت سی سنتوں کا منکر ہو' نماز جائز نہیں جب کہ حدیث میں ہے:

"ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔"

تو کیا بدعتی امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ حدیث جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے' یہ بے اصل ہے' ان الفاظ کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو' دین پر زیادہ عمل کرنے والا ہو' اس کے پیچھے اس انسان کی نسبت نماز افضل ہے جو دین میں سستی کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

① جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی ہیں اور ② جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی نہیں ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم کے اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہیں' اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی نماز صحیح نہیں لہٰذا یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام بنیں اور وہ اہل بدعت جن کی بدعتیں کفر تک نہیں پہنچاتیں تو ان کے پیچھے نماز کا حکم علماء کے اس مسئلہ میں اختلاف پر مبنی ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے الا یہ کہ ان کے پیچھے نماز ترک کرنے میں مصلحت ہو مثلاً نماز نہ پڑھنے کی صورت میں اگر ان کے لئے تنبیہ ہو اور اس طرح وہ اپنے فسق و فجور کو ختم کر سکتے ہوں تو پھر اس مصلحت کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

شیخ ابن عثیمین

شعبدہ بازی سے علاج کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو امام ہمارے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے' وہ تعویذوں اور شعبدہ بازی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ کیا اس بات کے معلوم ہونے کے بعد اگر میں اس کے پیچھے نماز پڑھوں تو اس میں گناہ ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اصول یہ ہے کہ جس مسلمان کا نماز پڑھنا صحیح ہو اس کی امامت بھی صحیح ہے خصوصاً جب امام کے حالات کے بارے میں علم نہ ہو لیکن جن کی اپنی نماز ہی صحیح نہ ہو مثلاً وہ اہل بدعت جن کی بدعات کفر تک پہنچاتی ہوں تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ ان کی اپنی نماز صحیح نہیں ہے۔

یہ شخص جو شعبدہ بازی اور تعویذوں سے علاج کرتا ہے تو اس کے دو پہلو ہیں:

① شعبدہ بازی جو بلاشک و شبہ حرام ہے کیونکہ اس میں دھوکا اور فریب ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کسی وقت کوئی

ایسی چیز بھی ہو جو کفر تک پہنچانے والی ہو مثلاً یہ کہ وہ اپنی شعبدہ بازی کے سلسلہ میں شیطانوں سے خدمت لے یا ذبح و دعاء کے ذریعہ ان کا تقرب حاصل کرے وغیرہ - اور

② تعویذ نویسی' اگر تعویذات قرآنی آیات یا مسنون دعاؤں پر مشتمل ہوں' تو ان کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے' بعض نے انہیں جائز قرار دیا اور بعض نے ان سے بھی منع کیا ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ تعویذ بھی ممنوع ہیں لیکن ان کے استعمال کرنے والے امام کے پیچھے نماز کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

اگر تعویذ شرکیہ و بدعیہ کلمات پر مبنی ہوں تو ان کے بارے میں صرف ایک ہی بات ہے کہ انہیں استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ایسے تعویذ لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ کرے اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تعویذ نویسی کے اس کاروبار کو ترک کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میرے چھوٹے بچے نماز پڑھتے ہیں اور میری بیوی نماز نہیں پڑھتی

سوال میرے چھوٹے بچے' جن میں سب سے بڑا تین سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہے' وہ گھر میں نماز کے لئے میرے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ میں انہیں نماز کا طریقہ سکھاؤں' اتنے چھوٹے بچوں نے وضوء بھی نہیں کیا ہوتا تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ اپنی بیوی کے بارے میں کیا کروں جو نماز میں کبھی کبھی سستی کرتی ہے؟

جواب اس سوال کی پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قول و فعل سے اپنے بچوں کو نماز سکھائے۔ جب نبی کریم ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تو آپ نے اس پر چڑھ کر نماز پڑھی اور جب سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو منبر سے اتر کر زمین پر سجدہ فرمایا اور پھر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ» (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، ح: ٩١٧)

"میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو سیکھ لو۔"

بچے اگر سمجھ بوجھ رکھتے اور بات کو سمجھتے ہیں تو انہیں وضوء کا طریقہ بھی سکھانا چاہئے لیکن سائل نے بچوں کی جو عمر ذکر کی ہے ان میں سے بڑا تین سال کا ہے تو میرے خیال میں اس عمر میں وہ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے' شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیں جب کہ وہ سات سال کی عمر کے ہوں اور اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو ہم انہیں سزا دیں۔

سوال کی دوسری شق کہ بیوی نماز نہیں پڑھتی تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز پڑھنے کا حکم دے اور ادب سکھائے اور اگر وہ ترک نماز پر اصرار کرے تو وہ کافر ہو جائے گی' والعیاذ باللہ! نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک وہ نماز کو ترک کئے رکھے' وہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی کہ مہاجر خواتین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١٠)

"اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ انکو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز۔"

مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کافر اور اسلام سے مرتد عورت سے شادی کرے اور اگر یہ ارتداد نکاح

کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا' عدت ختم ہونے سے قبل اگر یہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو یہ اس کی بیوی ہو گی وگرنہ یہ بائنہ ہو جائے گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مسجدوں میں بچوں کی نماز

سوال کیا دس سال سے کم عمر کے بچے صف کے درمیان میں کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے چھوٹی شلواریں اور تین چار سال کی عمر کے بچوں نے نیکر پہن رکھی ہوں؟ کیا امام کے لئے ایک چادر میں نماز پڑھانا جائز ہے؟

جواب سمجھدار اور باشعور بچے کے لئے صف کے درمیان میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسے مسجد اور نمازیوں کے احترام کے بارے میں تعلیم دی گئی اور ادب سکھایا گیا ہو نیز وہ عبث کام نہ کرے اور طہارت کاملہ کا التزام لیکن افضل یہ ہے کہ بچوں کی صف مردوں کی صف سے پیچھے ہو ہاں البتہ اگر ان کے یکجا کھڑے ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ کھیلیں اور ہنسیں گے' جس سے نمازیوں کو پریشانی ہو گی تو پھر انہیں الگ الگ کر کے کھڑا کرنا واجب ہے۔ جو بچے ابھی سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں انہیں نماز اور خطبہ کے وقت مسجد میں داخل نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسجد کے احترام سے آگاہ نہیں ہیں۔

امام وغیرہ کے لئے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے ستر پوشی کے تقاضے پورے ہوتے ہوں لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی نیچے ازار یا شلوار پہن لے تاکہ وہ بے پردگی سے محفوظ ہو جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

دروازہ کھولنے کے لئے نماز توڑ دینا

سوال کیا دروازہ کھولنے یا ٹیلی فون سننے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے؟

جواب آپ کے لئے لازم یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں' اگر آپ کسی عذر کی وجہ سے لیٹ ہو گئے اور پھر آپ نے نماز کو شروع کر دیا تو کسی دستک دینے والے یا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں ہے لیکن جب دستک دینے والا دستک دے دے کر پریشان کر دے تو اضطراب اور پریشانی سے بچنے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے بشرطیکہ آپ حالت نماز ہی میں دروازہ نہ کھول سکتے ہوں اور نہ آپ کے سوا کوئی اور دروازہ کھولنے والا موجود ہو۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز میں دستانے پہننے کا حکم

سوال نماز میں دستانے پہننے کا کیا حکم ہے خصوصاً جب کہ نمازی امام بھی ہو؟

جواب مردوں اور عورتوں کے لئے' نماز کے اندر اور باہر' امام اور مقتدی دونوں کے لئے دستانے پہننا جائز ہے کیونکہ انسان کو سردی وغیرہ کی وجہ سے دستانے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے' صرف عورت کے لئے دستانے پہننے کی ممانعت ہے جب کہ وہ حالت احرام میں ہو۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا روزانہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

جواب ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو مثلاً سفر یا ایسی بارش جس سے کپڑے بھیگتے ہوں اور اس کی وجہ سے کیچڑ اور پھسلن ہو یا بیماری وغیرہ جس میں وضوء کرنے میں دشواری ہو!

—————— شیخ ابن جبرین ——————

ناہموار زمین پر نماز کا حکم

سوال ایسی زمین پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو ناہموار ہو یعنی اونچی نیچی ہو جس کی وجہ سے نمازی اعتدال کے ساتھ رکوع اور سجود نہ کر سکتا ہو؟

جواب ایسی ناہموار زمین پر نماز جائز نہیں جہاں نماز پڑھتے ہوئے اطمینان اور خشوع میسر نہ ہو کہ یہ نماز کی روح ہے لیکن اگر مثلاً جامع مسجد تنگ پڑ جائے اور لوگ مسجد سے باہر بھی صف بنالیں اور مسجد سے باہر کی یہ جگہ نشیب و فراز والی ہو اور نمازی اسے ہموار کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ضرورت کے پیش نظر ان کے لئے یہاں نماز پڑھنا جائز ہو گا۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

بحالت جنابت نماز پڑھ لینا

سوال میں بحالت جنابت تھا کہ میں نے فجر' ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ لیں اور یہ بات بھول گیا کہ میں جنبی ہوں اور یہ بات مجھے اگلے دن یاد آئی تو کیا میں ان نمازوں کو دوبارہ پڑھوں یا بھول چوک کی وجہ سے میری یہ نمازیں صحیح ہوں گی؟

جواب ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ جو شخص حدث اصغر یا اکبر کی حالت میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باطل ہے' خواہ اس نے اسے بھول کر پڑھا ہو کیونکہ اس نے نماز کے بارے میں اہتمام نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب غسل کئے بغیر حالت احتلام میں نماز پڑھ لی تھی تو انہوں نے اس نماز کو دوبارہ پڑھا تھا۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

جب نماز میں ہوا خارج ہو جائے

سوال جب آدمی نماز ادا کر رہا ہو اور دوران نماز ہوا خارج ہو جائے تو کیا وہ اسی وقت صف سے باہر نکل جائے یا جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کرے اور پھر اسے دوہرائے خواہ آخری تشہد میں ہو؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ:

«إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيُمْسِكْ بِأَنْفِهِ وَلْيَنْصَرِفْ»(سنن ابي داود، كتاب الصلاة استئذان المحدث للامام، ح:١١١٤، سنن كبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من احدث في صلاته قبل الاحلال منها بالتسليم، ح:٣٤٦٨)

''جب تم میں سے کسی کا نماز میں وضوء ٹوٹ جائے تو وہ اپنی ناک کو پکڑ لے اور صف سے باہر چلا جائے۔''

لہٰذا بے وضوء ہونے والے شخص کو چاہیئے کہ وہ صف سے باہر نکل جائے تا کہ نیا وضوء کر سکے۔ ہاں البتہ اگر وہ پہلی صف میں ہو اور صفوں کے درمیان میں سے نکلنا مشکل ہو تو وہ نماز کے اختتام تک اپنی جگہ پر رہے اور پھر اختتام نماز کے بعد دوہرائے' اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وضوء نماز کے ابتدا میں ٹوٹے یا اختتام پر آخری تشہد میں ٹوٹے دونوں حالتوں میں حکم ایک ہی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

قبر پرستوں کے پیچھے نماز

سوال اس امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے جو کسی ولی کی قبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ نفع و نقصان کا مالک ہے؟

جواب اس امام کے پیچھے نماز صحیح اور جائز نہیں ہے کیونکہ فوت شدگان کے بارے میں نفع و نقصان کا عقیدہ رکھنا ربوبیت میں شرک اکبر ہے' اس طرح مردوں سے دعاء کرنا' ان سے مدد مانگنا' ان کے نام کی نذر ماننا اور ان کے ناموں پر جانور ذبح کرنا عبادت میں شرک اکبر ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مخالف نیت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز

سوال میں مسجد میں آیا تو امام صاحب عصر کی نماز پڑھا رہے تھے لیکن میں نے ابھی تک ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی لہٰذا میں ظہر کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جماعت سے فراغت کے بعد میں نے نماز عصر کو انفرادی طور پر ادا کر لیا تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ عصر کی نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز ظہر اور ظہر کی نماز ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز عصر پڑھ سکتے ہیں کیونکہ دونوں نمازوں کی رکعات کی تعداد ایک ہی جیسی ہے۔ اس حالت میں پوشیدہ نیت کا اختلاف موجب نقصان نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بارش اور تجارت کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

کیا بارش والی رات جب کہ مسجد کے راستہ میں کیچڑ بھی بہت ہو مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

کیا تاجر ان دونوں نمازوں کو جمع تقدیم کی صورت میں ادا کر سکتا ہے تاکہ اس کی دوکان وغیرہ کھلی رہے؟

جواب بارش کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جب کہ بارش موسلا دھار ہو یا راستہ میں کیچڑ' مٹی اور پھسلن وغیرہ ہو' راستوں میں اندھیرا ہو اور سردی شدید ہو۔ لیکن تاجروں کا اس لئے نمازوں کو جمع کرنا کہ ان کے تجارتی مراکز ہمیشہ کھلے رہیں جائز نہیں' بلکہ بوقت نماز تجارتی مراکز کو بند کر دینا واجب ہے!

——— شیخ ابن جبرین ———

خالی جگہ پر کرنے کے لئے نماز میں چلنا

سوال میں نے اپنے سامنے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھی تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں آگے بڑھ کر اس جگہ کو پر کر دوں جب کہ میں خود بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہوں؟

جواب خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے اگلی صف کی طرف بڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ صف ملانے کے قبیل سے ہے اور جو صف کو ملائے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ ملا لیتا ہے' خواہ اس کے لئے ایک یا دو قدم اٹھانا پڑیں۔ یہ قابل معافی معمولی حرکت ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

ایک وضوء کے ساتھ ایک سے زیادہ فرض نمازوں کو ادا کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ ہم نیت کے بغیر ایک وضوء کے ساتھ دو فرض نمازیں ادا کر سکیں؟

جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اس نے مثلاً نماز ظہر کے لئے وضوء کیا ہو اور پھر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا اور اس کا وضوء قائم ہو تو وہ اسی وضوء کے ساتھ نماز عصر ادا کر سکتا ہے خواہ اس نے وضوء کرتے وقت اس کے ساتھ دو نمازوں کے ادا کرنے کی نیت نہ بھی کی ہو کیونکہ نماز ظہر کے لئے اس نے جو وضوء کیا تھا اس سے اس کا حدث ختم ہو گیا اور جب حدث ختم ہو جائے تو وہ دوبارہ کسی سبب ہی سے پیدا ہو گا اور اس کا سبب وہ معروف و مشہور امور ہیں جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

انسان اگر نماز کی نیت کے بغیر بھی وضوء کر لے یعنی مثلاً اس نے محض رفع حدث کے لئے وضوء کیا ہو تو طہارت برقرار رہنے تک اس وضوء سے بھی وہ جس قدر چاہے فرض و نفل نمازیں ادا کر سکتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز میں رفع الیدین کے مقامات

سوال نماز میں رفع الیدین کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز کن مقامات پر رفع الیدین کیا جائے؟

جواب نماز میں چار مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع کو جاتے ہوئے (۳) رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور (۴) تشہد اول سے اٹھتے ہوئے۔

تکبیر کے آغاز کے ساتھ ہی ہاتھوں کو اٹھانے کا آغاز ہونا چاہئے اور یہ بھی جائز ہے کہ آدمی پہلے ہاتھ اٹھالے اور پھر تکبیر کہے یا پہلے تکبیر کہے اور پھر ہاتھوں کو اٹھائے۔ رکوع کے لئے جب آدمی جھکنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور پھر رکوع میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ لے۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے اٹھائے اور انہیں اٹھاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور پھر انہیں اپنے سینہ پر باندھ لے۔

تشہد اول سے جب کھڑا ہو تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھائے جیسا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کیا تھا۔ ان چار مقامات کے علاوہ اور کسی مقام پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا بھی مشروع ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جو شخص آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو

سوال ایک آدمی جو آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو تو کیا وہ صرف آخری تشہد پڑھنے پر اکتفاء کرے یا نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعائیں بھی پڑھے؟ امید ہے کہ دلیل کے ساتھ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

جواب جب کوئی شخص امام کو حالت تشہد میں پائے تو وہ اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور تشہد پڑھے اور اذکار کے دیگر سلسلہ کو بھی جاری رکھے حتی کہ تشہد مکمل ہو جائے کیونکہ اس جگہ نمازی محض امام کی متابعت کی وجہ سے بیٹھا ہے لہذا اسے بیٹھنے میں اور اس جگہ بیٹھ کر کئے جانے والے ذکر میں اپنے امام کے تابع ہونا چاہئے اور اگر وہ صرف تشہد اول کے پڑھنے پر اکتفاء کرے تو امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ وہ نماز کی تکمیل تک امام کی متابعت کرے۔ نبی ﷺ کے ارشاد:

«فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة...، ح:٦٠٢، ٦٠٣)

"نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو۔"

کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ»(سنن ترمذي، كتاب الجمعة، باب ما ذكر في الرجل يدرك الامام وهو ساجد كيف يصنع، ح:٥٩١، وشرح السنة، باب من صلى وحده خلف الصف وحده، ح:٨٢٥)

"جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی اسی طرح کرے جس طرح امام کرے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا گناہ ہے

 اس کپڑے میں نماز کا کیا حکم ہے جس نے ٹخنوں کو ڈھانپ رکھا ہو؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے خصوصاً

جب کہ وہ اس سے ممانعت کی احادیث کو جانتا بھی ہو؟ رہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

جواب ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے والے کی نماز صحیح ہے لیکن وہ گناہ گار ضرور ہے لہٰذا واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس سے اجتناب کی تلقین کی جائے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان کے لئے واجب ہے کہ اس کا لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

لباس کی تمام قسموں قمیص' شلوار اور پینٹ وغیرہ کا وہی حکم ہے جو ازار کا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ فِيْمَا أَعْطٰى وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحِلْفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار والمن بالعطية، ح:١٠٦)

"تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ روز قیامت کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (۱) کپڑے کو (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا (۲) صدقہ دے کر احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔"

یہ حکم مردوں کے حق میں ہے۔ اور عورتوں کے لئے یہ واجب ہے کہ جب وہ گھر سے باہر بازاروں کی طرف نکلیں تو جرابوں یا کشادہ لباس کے ساتھ اپنے پاؤں کو ڈھانپیں' اسی طرح گھر میں اگر کوئی اجنبی مثلاً اس کے شوہر کا بھائی وغیرہ ہو تو بھی پاؤں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز

سوال جب کپڑا یا پتلون وغیرہ اس قدر لمبی ہو کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پہنچ رہی ہو تو کیا اس کے ساتھ نماز صحیح ہو گی؟

جواب پتلون وغیرہ کو ٹخنوں کے نیچے لٹکانا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

اور نبی ﷺ نے اس حدیث میں جو ازار کی بابت فرمایا ہے' باقی کپڑوں کے لئے بھی یہی حکم ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی پتلون اور دیگر کپڑوں کو اپنے ٹخنوں سے اونچا رکھے اور اگر کپڑا نیچے لٹک رہا ہو تو اس حالت میں پڑھی جانے والی نماز کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز صحیح ہو گی کیونکہ آدمی نے

واجب یعنی ستر پوشی کے حکم کو پورا کر دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حالت میں نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس نے حرام کپڑے کے ساتھ ستر پوشی کی ہے' انہوں نے ستر پوشی کے لئے یہ بھی شرط قرار دی ہے کہ وہ جائز کپڑے کے ساتھ ہو لہٰذا کپڑوں کے ٹخنوں سے نیچے ہونے کی صورت میں خطرہ ضرور ہے لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے کپڑے اوپر اٹھا لینے چاہئیں تاکہ وہ ٹخنوں سے اوپر اوپر رہیں۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا کسی عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

جواب عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا ٱطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾

(النساء٤/ ١٠٣)

"پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بیشک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے اوقات مقرر کرتے ہوئے ہر نماز کے لئے ایک مخصوص وقت کا تعین فرمایا ہے لہٰذا کسی شرعی عذر کے بغیر نماز میں تقدیم و تاخیر حدود الٰہی سے تجاوز ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٩)

"اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے' وہ گناہ گار ہوں گے۔"

لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے لیکن جب ضرورت ہو اور وقت پر نماز پڑھنے میں بہت دشواری ہو تو پھر جمع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس حالت میں آسانی کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع تقدیم و تاخیر دونوں صورتوں میں ادا کرنا جائز ہے۔ نیز اس طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بھی آسانی کے مطابق جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ، بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي الْمَدِيْنَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلاَ مَطَرٍ»(سنن نسائي، كتاب المواقيت، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، ح:٦٠٣)

"نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ امت کو حرج

میں مبتلا نہ کریں یعنی ترک جمع کا حکم دے کر امت کو حرج و مشقت میں مبتلا نہ کر دیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے گویا اشارہ ہے کہ جمع کرنا صرف اسی وقت جائز ہے جب جمع نہ کرنے کی صورت میں حرج اور مشقت ہو۔ اس حدیث کے یہی معنی ہیں لہٰذا انسان جب کسی شرعی عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھے گا تو یہ نمازیں عنداللہ مقبول اور صحیح نہ ہوں گی کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے امر کے خلاف یہ عمل کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة...، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے' تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

شیخ ابن عثیمین

جنازہ کے سوا ہر نماز کے لئے دعاء استفتاح ہے

سوال: کیا ہر نماز میں دعاء استفتاح پڑھنا واجب ہے؟

جواب: دعاء استفتاح:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ»(جامع الترمذي، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، ح:٢٤٣)

کا تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے۔ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا مشروع نہیں ہے لیکن ایسی نمازوں میں پڑھنا سنت ہے جن میں رکوع اور سجود ہو مثلاً فرض نمازیں' سنن مؤکدہ' وتر' نماز جمعہ' نماز عیدین' استسقاء' کسوف اور نماز تراویح وغیرہ۔ دعاء استفتاح اس کے سوا اور بھی ثابت ہے لہٰذا جو شخص حدیث سے ثابت دعاؤں اور اذکار کے ساتھ استفتاح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جبرین

مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہئے

سوال: ایک شخص جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے' امام آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن سجدہ نہیں کرتا تو کیا اس شخص کے لئے سجدہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر وہ سجدہ کرے تو کیسے کرے جب کہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ امام کی مخالفت کر رہا ہے؟

جواب: مقتدی کے لئے نماز کے تمام افعال میں امام کی متابعت لازم ہے لہٰذا اگر امام سجدۂ تلاوت کرے تو مقتدی بھی کرے اور اگر امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ امام تو قرأت میں مصروف ہو اور مقتدی اپنے طور پر اکیلا ہی سجدہ تلاوت کرے' یہ مسئلہ ہے جب نماز جہری ہو اور نماز اگر سری ہو مثلاً ظہر و عصر تو اس میں امام و مقتدی کے لئے آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے لہٰذا اگر کوئی اس آیت کو پڑھ لے تو وہ سجدہ تلاوت نہ کرے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی کیونکہ سجدہ کرنے کی وجہ سے دیگر نمازیوں کو تشویش لاحق ہو گی لہٰذا اس صورت میں وہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرے۔ اگر امام

نے جہری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے سجدہ کیا لیکن مقتدی نے نہ کیا تو اس صورت میں اگر وہ جاہل ہے کہ اسے آیت سجدہ کا علم نہیں یا یہ علم نہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے تو وہ اس جہالت کی وجہ سے معذور ہے اور اگر وہ یہ جانتا ہے اور اس کے باوجود سجدہ نہیں کرتا تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

سوال جب مسجد میں نمازیوں کی کثرت ہو تو کیا مسجد کے ستونوں کے ساتھ جماعت کی صف میں فاصلہ آجانا جائز ہے؟

جواب لاریب! افضل یہ ہے کہ صفیں باہم دگر ملی ہوں، مسلسل ہوں اور دور نہ ہوں کہ سنت یہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہی حکم ہے کہ صفیں خوب ملی ہوئی ہوں اور ان میں خلل نہ ہو۔[1] حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے درمیان صفیں بنانے سے بچتے تھے کیونکہ اس طرح صف کا ایک حصہ دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے لیکن اگر ضرورت و حاجت درپیش ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اگر مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو تو پھر اس حالت میں ستونوں کے درمیان صفیں بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ درپیش امور کے لئے خاص احکام ہوتے ہیں اور ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے وہ احکام ہوتے ہیں، جو ان کے مطابق ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب امام ﴿ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ پڑھے تو مقتدی کا.....

سوال جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے ہوئے ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ پڑھتا ہے تو بعض مقتدی یہ سن کر پڑھتے ہیں ((اسْتَعَنَّا بِاللّٰهِ)) "ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں" اور بعض تو یہ کلمہ بلند آواز سے کہہ دیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ مقتدی کو یہ نہیں کہنا چاہئے۔ اس کے کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ فاتحہ کا پڑھنے والا جب یہ کہتا ہے کہ ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ تو یہ گویا خبر ہے اس کے بارے میں جو اس کے قلب و ضمیر میں ہے کہ وہ اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے اور نہ اس کے سوا کسی سے مدد چاہتا ہے۔ مقتدی سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ وہ امام کے ﴿ وَلَا الضَّآلِّينَ ﴾ کہنے کے بعد آمین کہے اور بس!

بعض مقتدی جو مذکورہ بالا کلمہ کہتے ہیں تو اس کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے اور اس سے گردو پیش کے مقتدیوں کو تشویش بھی ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

---

[1] صفوں کو درست کرنے کے بارے میں بے شمار روایات ہیں چند کے حوالے مذکور ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح: 723- و مسلم، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ح: 433- ابوداود، ابواب الصفوف باب تسوية الصفوف، ح: 667، اسے امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

ایک سورۂ کا تکرار اور ایک رکن کی دوسرے کی نسبت طوالت

سوال نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار کا کیا حکم ہے؟ رکوع کی نسبت سجدہ کی طوالت کا کیا حکم ہے؟ اور ایک رکعت کے دوسری کی نسبت طویل ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ آپ کوئی دوسری سورت پڑھیں، خواہ ایک ہی رکعت کا معاملہ ہو یا دو رکعات کا کیونکہ عہد نبوت سے اب تک معمول یہ چلا آ رہا ہے کہ قاری ایک رکعت میں ایک سورت یا کسی سورت کی چند آیات پڑھتا ہے اور پھر دوسری رکعت میں کوئی دوسری سورت اور کوئی دیگر آیات پڑھتا ہے لیکن اس کے باوجود ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔"

کے عموم کے پیش نظر تکرار میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے حسب نشاط، رکوع و سجود کی طوالت جائز ہے لیکن امام کے لئے رکوع و سجود کے کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ تین بار کہے ((سبحان ربی الاعلی)) اور کمال کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ یہ کلمہ دس بار کہے۔ اور مقتدی اس وقت تک تسبیح کہتا رہے جب تک اس کا امام رکوع و سجود میں مصروف رہے۔ بعض رکعات کو بعض دیگر کی نسبت لمبا کرنا بھی جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ قرأت کے اعتبار سے پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہو اور رکوع و سجود جیسے ارکان قریباً ایک جیسے ہوں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز فجر میں قنوت کا حکم

سوال میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور یہاں سعودیہ میں تقریباً چھ سال سے رہ رہی ہوں۔ ہم اپنے ملک میں نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں لیکن یہاں میں نے دیکھا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ میرا سوال یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھا کر ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے اور ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ:

«مَا زَالَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا»(مسند احمد، ۳/ ۱۶۲)

"نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ قنوت فرماتے رہے حتی کہ دنیا سے تشریف لے گئے"

اور جب قنوت مذکور کی کوئی دعاء منقول نہ تھی تو انہوں نے حدیث حضرت حسن رضی اللہ عنہ میں قنوت وتر کے بارے میں مروی دعاء:

«اللَّهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِيْ وَلاَ يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، [وَلاَ يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»(أبوداود، ابواب الوتر، باب القنوت

في الوتر، ح:١٤٢٥، ١٤٢٦، سنن ترمذي، كتاب الوتر، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ح:٤٦٤، مسند احمد، ١/١٩٩، ٢٠٠)

کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد اور کئی دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت مشروع نہیں ہے الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد (مصیبت) میں مبتلا ہوں مثلاً دشمن، خوف یا کسی عام وبائی مرض کا سامنا ہو تو پھر دعاء قنوت نازلہ کی جا سکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت فرمایا۔ آپ ان قبائل عرب کے لئے بد دعاء کرتے تھے جنہوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا تھا اور پھر ایک ماہ کے بعد آپ نے اس قنوت کو ترک فرما دیا تھا۔[1] ان ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ جس قنوت کو آپ نے ہمیشہ جاری رکھا، اس سے مراد طول قیام ہے جس کا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٨)

"اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

میں ذکر ہے، بہرحال جو ائمہ شافعیہ کے اتباع میں قنوت کرے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشروع نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہمیشہ عمل کیا ہو لہٰذا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلا سبب ہو تو مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے

سوال: نماز میں ہاتھوں کے کھلا چھوڑنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے۔ نمازی کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لے جیسا کہ "صحیح البخاری" میں حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة، ح:٧٤٠)

"لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ لے۔"

اس مسئلہ میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حدیث سہل بن سعد کے عموم کا یہی تقاضا ہے، ہاں البتہ اس عموم سے رکوع خارج ہے کہ اس میں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر ہوتے ہیں، سجود خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں، جلسہ خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ رانوں پر ہوتے ہیں۔ باقی رہی حالت قیام تو اس میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں حالتوں میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا جائے گا۔

---

① صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ، ح: 1002- و صحیح مسلم، کتاب المساجد باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات--- ح: 677-

شیخ ابن عثیمین

یہ بات صحیح نہیں

سوال میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر میں پیشانی پر سجدہ کرنے کا نشان نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہے کہ اس انسان کا سجدہ صحیح نہیں یا ناقص ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سجدہ کو ضرور شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ جب بندہ اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو' خواہ چالیس سال کی عمر سے پہلے یا بعد میں اس کی پیشانی پر سجدہ کی علامت نمودار ہو یا نہ ہو۔ یہ علامت آج کل غالباً لوگوں کی پیشانیوں پر اس لئے بھی نمایاں نہیں ہوتی کہ اکثر لوگ نرم قالینوں اور مصلوں پر نماز ادا کرتے ہیں اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ پیشانی پر سجدہ کی علامت نمایاں ہو اور اس کے نمایاں نہ ہونے سے سجدہ باطل نہیں ہوتا۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں تاخیر

سوال ایک شخص جو سویا رہتا ہے اور نماز فجر کو ظہر سے قریباً دو گھنٹے پہلے ادا کرتا ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عذر کے بغیر نماز کو وقت سے مؤخر کر کے ادا کرنا جائز نہیں اور نیند ہر شخص کے لئے عذر نہیں بن سکتی کیونکہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جلدی سوئے تاکہ نماز کے لئے جلد بیدار ہو سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے والدین یا کسی بھائی یا پڑوسی وغیرہ سے کہہ دے کہ وہ اسے بیدار کر دے' علاوہ ازیں آدمی کو خود بھی چاہیئے کہ نماز کا اس قدر خیال کرے اور نماز کو دل میں اس طرح جگہ دے کہ جب وقت قریب ہو تو دل میں خود بخود احساس پیدا ہو جائے خواہ آدمی سویا ہوا ہی کیوں نہ ہو لہٰذا جو شخص ہمیشہ نماز فجر کو ضحیٰ کے وقت میں ادا کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں نماز کا ہرگز اہتمام نہیں ہے۔ بہرحال انسان کو حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ نماز کو زیادہ سے زیادہ قریب وقت میں ادا کرے اور اگر سویا ہوا ہے تو اٹھ کر جلد پڑھ لے' اسی طرح جو بھول گیا ہو اسے جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

شیخ ابن جبرین

عشاء کی نماز میں تاخیر

سوال عشاء کی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز عشاء کے بارے میں افضل یہ ہے کہ اسے آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کیا جائے لیکن مرد اگر اسے مؤخر کر کے ادا کرے گا تو اس کی جماعت فوت ہو جائے گی لہٰذا یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کو مؤخر کرے اور اس کی جماعت فوت ہو جائے' ہاں البتہ عورتیں گھروں میں جس قدر نماز عشاء تاخیر سے پڑھیں ان کے لئے افضل ہے لیکن آدھی رات سے زیادہ مؤخر نہ کریں۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

کیا میری نماز صحیح ہے؟

سوال میں نماز عصر کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور جماعت کے ساتھ مل گیا لیکن میری ایک رکعت فوت ہو گئی اور امام جب تیسری رکعت سے فارغ ہوا تو وہ بھول گیا اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑا نہ ہوا' مقتدیوں کو بھی خبر نہ ہوئی اور امام نے سلام پھیر دیا۔ میں نے کھڑے ہو کر اس رکعت کو پڑھنا شروع کیا جو رہ گئی تھی اور جب میں سجدے کے قریب پہنچا تو مقتدیوں نے امام کو بتایا کہ نماز میں یہ کوتاہی ہو گئی ہے لہٰذا وہ چوتھی رکعت پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' میں بھی سجدہ مکمل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور میں نے رکعت پڑھی' جلسہ' تشہد بھی کیا' ان کے ساتھ سجدۂ سہو بھی کیا اور پھر ہم سب نے اکٹھا سلام پھیر دیا۔ کیا اس صورت میں میری یہ نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں جب آپ کو امام کے بھولنے کا علم ہو گیا تھا تو آپ پر واجب تھا کہ امام کو اس کی کوتاہی پر متنبہ کرتے لیکن اگر شک کی وجہ سے آپ بھی کھڑے ہو گئے تو کوئی حرج نہیں اور اب آپ کو یہ چاہئے تھا کہ انفرادی طور پر نماز کو جاری رکھتے اور اسے مکمل کر لیتے' انفرادی طور پر ایک رکعت پڑھنے کے بعد علت کی وجہ سے دوبارہ ان کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے۔ امام نے جب سلام پھیر دیا تھا تو آپ کے لئے اب امام سے علیحدگی جائز تھی لیکن آپ بھی جب باقی مقتدیوں کی طرح دوبارہ امام کی اقتداء میں آ گئے تو یہ بھی جائز ہے۔

―――― شیخ ابن جبرین ――――

نیند کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال میں ایک لڑکی ہوں۔ نیند کی وجہ سے میری اکثر نماز مغرب فوت ہو جاتی ہے اور پھر میں اسے رات کو دیر سے یا صبح پڑھتی ہوں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نماز میں اس قدر سستی کرے کہ اس کا وقت ختم ہو جائے۔ انسان جب سونے لگے تو وہ کسی کو کہہ دے' جو اسے بیدار کر دے تاکہ بروقت نماز ادا کی جائے۔ یہ ضروری ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نماز مغرب یا عشاء کو صبح تک مؤخر کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ نماز کو بروقت ادا کیا جائے لہٰذا اس لڑکی کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں سے کہے کہ وہ اسے نماز کے وقت بیدار کر دیں' ہاں البتہ اگر کوئی ایسی شدید حاجت یا عارضہ درپیش ہو جس کی وجہ سے نیند کا سخت غلبہ ہو' وہ مغرب کی نماز ادا کرے اور ڈر ہو کہ اگر اس نے نماز عشاء نہ پڑھی تو اس پر نیند کا اس قدر غلبہ ہو گا کہ وہ نماز فجر سے پہلے نہ اٹھ سکے گی تو پھر اس حال میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ عشاء کی نماز وقت سے فوت نہ ہو لیکن ایسی صورت تو کسی عارضہ ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ وہ کئی راتوں تک بیدار رہی ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے یہ صورت درپیش ہو۔

―――― شیخ ابن عثیمین ――――

مسبوق' امام کے ساتھ جو پائے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے۔

سوال جب کوئی آدمی امام کے ساتھ چار رکعتوں والی نماز میں اس وقت شامل ہو کہ اس کی دو رکعات فوت ہو گئی ہوں تو ان دو آخری رکعات کے بارے میں وہ کیا نیت کرے کہ یہ اس کی پہلی دو رکعات ہیں یا آخری دو رکعات ہیں تا کہ پہلی دو رکعات کی نیت سے وہ فوت شدہ رکعات کی قضا دے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ جو نماز پاتا ہے' وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے اور جسے وہ بعد میں ادا کرتا ہے' وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص امام کے ساتھ ظہر کی دو رکعات پالے اور امام کے ساتھ اس کے لیے سورت فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھنا ممکن ہو' تو وہ پڑھے۔ اور امام جب سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو مکمل کر لے اور ان آخری دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے کیونکہ یہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، ح:٦٣٦، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة...، ح:٦٠٢، ٦٠٣)

"نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

فوت شدہ نمازوں کی قضاء

سوال جب وقت ختم ہو جائے اور میں ایک نماز کو دوسری کے ساتھ مثلاً ظہر کو عصر کے ساتھ ادا کرنا چاہوں تو پہلے کون سی نماز پڑھوں؟

جواب پہلے فوت شدہ نماز کو پڑھو مثلاً عصر سے پہلے ظہر اور عشاء سے پہلے مغرب پڑھو۔ اگر مسجد میں عصر کی نماز کھڑی ہو چکی ہو تو تم ظہر کی نیت کر کے ان کے ساتھ نماز ادا کرو اور پھر اس کے بعد نماز عصر پڑھ لو' ایسا اس لئے جائز ہے کہ ظہر اور عصر کی رکعتوں کی تعداد اور صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جنبی جو غسل نہیں کرتا رہا

سوال میں مشت زنی کرتا رہا ہوں اور غسل کیے بغیر نماز پڑھتا اور روزہ بھی رکھتا رہا ہوں کیونکہ مجھے علم نہ تھا کہ اس فعل کی وجہ سے مجھ پر غسل واجب ہے۔ مجھے اب معلوم بھی نہیں کہ اس طرح بغیر غسل کے میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں؟ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب تم نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ مشت زنی حرام ہے اگرچہ بعض اہل علم نے اس شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے جسے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو اور پھر دوسری بڑی غلطی یہ کی کہ اس کے بارے میں کسی سے پوچھا بھی نہیں کہ حکم کیا ہے؟ ہاں البتہ جہالت' طول زمان اور بہت سی نمازوں کی قضاء میں مشقت کی وجہ سے تمہارا یہ گناہ قابل معافی ہے' لہٰذا اب تمہیں کثرت کے ساتھ نفل نمازیں اور عبادتیں ادا کرنی چاہئیں تاکہ ماضی میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

امام کو رکوع میں دیکھ کر " اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ " کہنا

سوال ایک شخص مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے آئے اور دیکھے کہ نمازی حالت رکوع میں ہیں تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ امام سے مخاطب ہو کر یہ کہے "صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" تاکہ امام رکوع لمبا کر دے اور یہ اس کے ساتھ شامل ہو سکے؟

جواب اس طرح کرنا جائز نہیں خواہ یہ کہے کہ "صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" یا کھنکار کر اشارہ کرے یا زمین پر پاؤں مار کر امام کو مطلع کرے یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرے' جس سے امام کو یہ باور کرانا مقصود ہو کہ وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو رہا ہے بلکہ اس حالت میں واجب یہ ہے کہ آدمی اطمینان و سکون کے ساتھ آئے اور جلد بازی سے کام نہ لے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الإِقَامَةَ فَامْشُوْا إِلَى الصَّلَاةِ وَلاَ تُسْرِعُوْا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، ح:٦٣٦، ومسند احمد ٢/ ٥٣٢، السنن الكبرى للبيهقي، ٣/ ٩٣)

"جب تم اقامت کو سنو تو چلو اور دوڑ کر نہ آؤ' جو پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے' اسے پورا کر لو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب یہ ہے کہ آپ نماز کے لئے اطمینان و سکون سے آئیں' آرام سے صف میں شامل ہو جائیں' جو پالیں اسے پڑھ لیں اور جو فوت ہو جائے' اسے بعد میں مکمل کر لیں۔ نبی ﷺ کا یہی حکم ہے۔ امام اور مقتدیوں کو پریشان نہیں کرنا چاہئے اور نہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے' جو عہد صحابہ میں نہیں تھا۔

شیخ ابن عثیمین

مسبوق' امام کی زائد نماز کو شمار نہ کرے

سوال ایک آدمی نماز کے لئے جماعت کے ساتھ شامل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی' پھر امام نے سجدہ سہو کیا اور سلام پھیر دیا اور اس آدمی کو اپنی باقی نماز پڑھتے ہوئے معلوم ہو گیا کہ امام نے نماز میں ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اس زائد رکعت کو شمار کرے یا اس زائد رکعت کو شمار نہ کرے اور اپنی نماز کو از سرنو شروع کرے؟

جواب جب امام بھول کر ایک رکعت زیادہ پڑھ لے' تو مسبوق کو چاہئے کہ وہ اسے شمار نہ کرے کیونکہ امام نے اس رکعت کو بھول کر ادا کیا ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس شخص کو کامل نماز پڑھنی ہو گی اور اگر اس نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہ کیا ہو تو اپنی نماز سے فراغت کے بعد سجدہ سہو کرے اور اگر امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا ہو تو وہی کافی ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق

—————— شیخ ابن باز ——————

جہری نماز میں قراءت کا بلند آواز سے نہ پڑھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ نماز عشاء میں قراءت جہری نہ کی جائے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ امام رات کی نماز میں قراءت جہری کرے تاکہ مقتدی اسے سن کر اس سے استفادہ کریں' اگر امام سہواً جہر ترک کر دے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے جہری قراءت لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اپنی قرأت اپنے جی ہی کو سنانا ہوتی ہے اور اگر وہ جہری قراءت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے قاری یا نمازی یا سوئے ہوئے آدمی کو پریشانی نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جہری قراءت اس کے لئے زیادہ قوی اور حضور قلب کا باعث ہے۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

نماز عصر کو بعد از مغرب پڑھنا

سوال ہم نماز عصر پڑھنا بھول گئے اور اس وقت یاد آیا جب ہم نے مغرب کی اذان سنی تو ہم نے نماز مغرب کے بعد عصر کی نماز کو پڑھ لیا' اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان نماز کو بھول جائے یا سو جائے اور پاس کوئی بیدار کرنے یا یاد دلانے والا نہ ہو اور وقت خارج ہو جائے تو جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يُصَلِّيْهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَلاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة . . .، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . . .، ح:٦٨٤)

''اسے جب یاد آئے پڑھ لے' اس کا بس یہی کفارہ ہے۔''

اس حالت میں جو سائل نے ذکر کی ہے اسے چاہئے تھا کہ پہلے نماز عصر پڑھتا اور پھر مغرب تاکہ وہ اس ترتیب کے مطابق نماز پڑھتا' جسے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نمازیں جب ایک دن غزوۂ خندق کے دوران فوت ہو گئی تھیں' تو آپ نے انہیں ترتیب ہی سے پڑھا تھا اور آپ کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الاذان للمسافرين . . .، ح:٦٣١)

''تم اس طرح نماز پڑھو' جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

لہٰذا جب آپ مسجد میں آئے اور لوگ نماز مغرب ادا کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ نماز عصر کی نیت کر کے شامل

ہو جاتے اور امام کے سلام کے بعد باقی نماز پوری کر لیتے' لوگوں کی یہ نماز مغرب' آپ کے لئے نماز عصر ہوتی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ امام اور مقتدی کی نیت الگ الگ ہو کیونکہ افعال ایک جیسے ہیں اور امام سے جن اختلافات سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے' وہ نیت کے علاوہ دیگر افعال ہیں' اور آپ نے مغرب کی نماز کو جو عصر سے پہلے پڑھ لیا تو یہ شرعی حکم سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر میں جہری قرأت

 جب ایک جماعت سوئی رہے اور وہ طلوع آفتاب کے بعد بیدار ہو تو کیا پھر بھی نماز فجر میں قرأت جہری ہو گی؟

جواب وہ جماعت جب بیدار ہو' اسی وقت نماز ادا کرے اور اسے مزید لیٹ نہ کرے' اس صورت میں بھی فجر میں قرأت اسی طرح جہری ہو گی جس طرح بروقت نماز ادا کرنے کی صورت میں جہری ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بوقت ضرورت نماز توڑ دینا

سوال میں نے گھر میں ضحیٰ کی دو رکعات پڑھنا شروع کیں۔ جب میں نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ کو بھی پڑھ لیا تو دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے سلام پھیر دیا اور دروازہ کھول دیا اور واپس آ کر دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز از سر نو شروع کر دی تو کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب بوقت ضرورت نماز توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں خواہ فرض ہو یا نفل جیسا کہ اس صورت مسئولہ میں ہے کیونکہ بعض دفعہ دستک دینے والا بلند آواز کے ساتھ بلاتا ہے یا دستک ہی زور سے دیتا ہے' جس سے اضطراب و تشویش لاحق ہوتی ہے اور آدمی توجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا' ہاں البتہ بغیر ضرورت کے نماز کو نہیں توڑنا چاہیئے' لیکن اگر کسی نے بلاضرورت نماز توڑ دی اور پھر دوبارہ شروع کر کے پڑھ لی تو ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہو گا اور ندامت و توبہ کے سوا اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز کو باطل کرنے والی حرکات

سوال کہا جاتا ہے کہ تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے' کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب نمازی کو چاہیئے کہ وہ پرسکون ہو کر نماز ادا کرے' خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے' اپنے دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں یا سر کے ساتھ کوئی فضول حرکت نہ کرے اور مختصر عمل کی وجہ سے نماز کو باطل قرار نہ دے مثلاً سامنے سے گزرنے والے کو اگر منع کیا یا بوقت ضرورت دروازہ وغیرہ کھولنا پڑا تو اس سے اس کی نماز باطل نہ ہو گی لہٰذا اگر کوئی ایسا کام کر لیا جس کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو مثلاً بلاضرورت اگر پانچ قدم چل لئے یا کثرت کے ساتھ کوئی بے فائدہ کام کر لیا تو اس

سے نماز باطل ہو جائے گی۔ تین حرکتوں سے حد بندی درست نہیں بلکہ جس عمل کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو خواہ وہ عمداً کیا ہو یا غلطی سے اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔

شیخ ابن جبرین

کھنکارنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال میں ایک مسجد کے پڑوس میں رہتا ہوں اور ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں اس مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ آج کل دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب جب مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھاتے ہیں' تو وہ نماز میں بہت کھنکارتے ہیں یعنی ایک رکعت میں کوئی تین مرتبہ کے قریب۔ سوال یہ ہے کیا اس سے نماز باطل تو نہیں ہو جاتی؟ براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' خواہ وہ کثرت سے کھنکارتا ہو کیونکہ اگر ضرورت کی وجہ سے کھنکارا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی اور سوال میں جو صورت حال مذکور ہے ایسا عموماً ضرورت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں وسوسے

سوال جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ذہن بہت منتشر ہو جاتا ہے اور افکار پریشان کا ہجوم ہوتا ہے اور مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہی ہوں حتی کہ اس حالت میں سلام پھیر دیتی ہوں' پھر نماز کو دوبارہ پڑھتی ہوں تو پھر بھی کیفیت پہلے جیسی ہی ہوتی ہے' حتی کہ میں پہلا تشہد بھی بھول جاتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کتنی رکعات پڑھی ہیں' جس سے میرے اضطراب اور اللہ تعالیٰ سے خوف میں اضافہ ہو جاتا ہے اور میں سجدہ سہو کر لیتی ہوں۔ امید ہے میری اس حالت کے بارے میں رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ آپ کے لئے واجب ہے کہ نماز کا خاص اہتمام کریں' اطمینان و سکون قلب' کامل یکسوئی اور بصیرت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَـٰشِعُونَ ۝٢﴾ (المؤمنون۲۳/ ۱-۲)

"بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے' وہ لوگ جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے جب ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کو صحیح طریقے سے اور اطمینان سے ادا نہیں کر رہا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ نماز کو دوبارہ پڑھو اور فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ

حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلاَتِكَ كُلِّهَا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم، ح:٧٥٥، ٧٩٣، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة. . .، ح:٣٩٧)

"جب نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو خوب اچھی طرح وضوء کرو' پھر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ اکبر کہو' پھر قرآن مجید کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو' پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اور پھر ساری نماز اسی طرح اطمینان و اعتدال کے ساتھ ادا کرو۔"

جب نماز پڑھتے ہوئے تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے سرگوشیاں کر رہی ہو تو اس سے نماز میں خشوع پیدا ہو گا' توجہ ہو گی' شیطان تم سے دور ہو جائے گا' اس کے وسوسوں سے تم محفوظ رہو گی اور جب نماز میں وسوسے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو تین بار اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے وسوسے زائل ہو جائیں گے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ عرض کیا کہ شیطان نے میری نماز میں خلل ڈال دیا ہے تو آپ نے انہیں یہی حکم دیا تھا۔

وسوسوں کی وجہ سے نماز کو دوہرانے کا حکم نہیں ہے بلکہ سجدہ سہو ہی کافی ہو گا بشرطیکہ ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہو جو موجب سجدہ سہو ہو مثلاً تشہد اول بھول جانا یا رکوع اور سجود میں تسبیح بھول جانا۔ اگر مثلاً نماز ظہر میں یہ شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دو اور ایک اور رکعت پڑھ کر نماز کو مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ اسی طرح اگر نماز مغرب میں یہ شک ہو کہ تم نے دو رکعات پڑھی ہیں یا تین' تو انہیں دو سمجھو' ایک رکعت اور پڑھ کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے پناہ دے اور اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس سے وہ راضی ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

مغرب کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ عشاء کی جماعت کھڑی ہو گئی

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو نماز عشاء کی جماعت کھڑی تھی لیکن نماز شروع کرنے سے پہلے مجھے یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز نہیں پڑھی' تو کیا اس صورت میں میں پہلے نماز مغرب ادا کروں اور پھر جماعت میں شامل ہو جاؤں یا نماز مغرب' عشاء کی نماز کے بعد ادا کر لوں؟

جواب جب آپ مسجد میں آئیں اور نماز عشاء کھڑی ہو اور آپ کو یاد آئے کہ آپ نے تو مغرب کی نماز بھی نہیں پڑھی تو اس صورت میں آپ نماز مغرب کی نیت کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیں' جب امام چوتھی رکعت کے لئے اٹھے تو آپ تین پڑھ کر بیٹھے رہیں' انتظار کریں اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اہل علم کے صحیح قول

کے مطابق اس صورت میں امام اور مقتدی کی نیت کا اختلاف نقصان دہ نہیں ہے اور اگر آپ اکیلے نماز مغرب ادا کر لیں اور پھر نماز عشاء کا جو حصہ پائیں اسے جماعت سے ادا کر لیں' تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنا

سوال کیا نمازی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو باندھ لے؟ ایک مسجد میں ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا' ہمیں فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ' وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے لئے حالت قیام میں مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو باندھ لے خواہ یہ قیام رکوع سے پہلے ہو یا بعد میں ہو اور بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینہ پر باندھا جائے۔

مذکورہ احادیث پر عمل کے مطابق یہی قول مختار ہے۔ جو لوگ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کے قائل ہیں' ان کے پاس اس مسئلہ میں کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ ہم نے اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے جو بعض مقامی اور غیر مقامی پرچوں میں شائع ہوا ہے' لیکن یاد رہے کہ ہاتھوں کو باندھنا یا چھوڑ دینا ان مسائل میں سے نہیں ہے کہ جن کی وجہ سے امت میں اختلاف اور دشمنی پیدا کی جائے بلکہ مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں' اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کریں خواہ قبض و ارسال جیسے فرعی مسائل میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے' واجب نہیں ہے۔ جو شخص ہاتھوں کو باندھ کر نماز پڑھے یا چھوڑ کر' نماز صحیح ہے ہاں البتہ ہاتھوں کو باندھنا افضل اور مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے نفسوں کی شرارتوں' برے اعمال اور گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ انہ سمیع مجیب۔

——— شیخ ابن باز ———

غیر قبلہ رخ نماز

سوال جب ایک جماعت غیر قبلہ رخ نماز پڑھ لے جب کہ انہیں معلوم نہ ہو کہ قبلہ کس طرف ہے تو کیا نماز کو دوہرانا پڑے گا؟

جواب اگر یہ لوگ صحراء میں ہوں اور قبلہ کی جہت معلوم کرنے کے لئے کوشش کریں اور کوشش کے بعد اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیں' جس کے بارے میں گمان ہو کہ قبلہ اس طرف ہے تو اس نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ لوگ شہر میں ہوں تو ان پر قضاء ہوگی کیونکہ ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ گردوپیش کے لوگوں سے قبلہ کی سمت کے بارے میں پوچھ

لیتے۔

—— شیخ ابن باز ——

نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا

سوال وضوء اور نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے ترک کردینا واجب ہے۔ نیت کا مقام دل ہے لہٰذا الفاظ کے ساتھ نیت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

میں کیا کروں؟

سوال اگر کچھ لوگ مسافر ہوں اور وہ مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور ان میں ایک ایسا آدمی آکر شامل ہو جس کی پہلی نماز فوت ہو گئی ہو لیکن لوگ دوسری نماز پڑھ رہے ہوں اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا انتظار کرے حتیٰ کہ لوگ فارغ ہو جائیں اور پھر یہ ان سے پوچھے یا کیا کرے؟

جواب صورت مذکورہ میں اگر سائل کو یہ معلوم ہو کہ وہ دوسری نماز پڑھ رہے ہیں اور اس دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ دوسری نماز ہی کی نیت کر کے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اسے تو وقت پر ادا کر سکے اور اس سے فارغ ہو کر پھر پہلی نماز پڑھ لے اور اس طرح اس نے حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر لی اور اگر وہ پہلی نماز کی نیت کر کے داخل ہوا لیکن معلوم ہوا کہ یہ تو دوسری نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کی یہ پہلی نماز ہی ہو گی۔ اگر وہ ایک رکعت پڑھ چکے ہیں تو یہ امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے گا اور امام کے اتباع کی وجہ سے اس کے ساتھ تشہد میں بھی بیٹھے گا اور جب امام سلام پھیر دے گا تو یہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھے گا پھر پہلا تشہد بیٹھے گا' پھر تیسری رکعت پڑھے گا' پھر تشہد کے بعد سلام پھیر دے گا اور پھر عشاء کی نماز پڑھے گا۔ اور اگر یہ پہلی رکعت ہی میں شامل ہو جائے تو امام کے (عشاء کی دو رکعت نماز قصر سے) سلام پھیرنے کے بعد (مغرب کی) تیسری رکعت پڑھے گا' تشہد کے بعد سلام پھیر دے گا اور پھر نماز عشاء پڑھے گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا بدعت ہے۔

سوال نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے جہراً ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نیت کو الفاظ میں ادا کرنا بدعت ہے اور اگر یہ الفاظ جہری ہوں تو اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ نماز کی نیت دل میں کی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ظاہر و مخفی سب باتوں کو جانتا ہے اور اس کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ ٱللَّهَ بِدِينِكُمْ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ﴾ (الحجرات ۴۹/ ۱۶)

"ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے۔"

نبی ﷺ سے' نہ صحابہ کرام ؓ میں سے کسی سے اور نہ ائمہ متبوعین میں کسی سے یہ ثابت ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم شریعت نہیں ہے بلکہ یہ نوایجاد بدعت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

نماز میں بسم اللہ کو سری طور پر پڑھنا افضل ہے

سوال نماز میں سورۂ فاتحہ یا دیگر سورہ کی قرأت کے موقعہ پر بسم اللہ کے جہری طور پر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے جہری پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور سری طور پر پڑھنے کو پسند کیا ہے۔ اس مسئلہ میں زیادہ راجح اور افضل یہی ہے کیونکہ حضرت انس ؓ سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ، وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ لاَ يَجْهَرُوْنَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ»(سنن نسائي، كتاب الافتتاح، باب ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ح:۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، وابن خزيمة، ۴۹۶، ۴۹۷)

"نبی ﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرأت جہراً نہیں فرمایا کرتے تھے۔"

اس مفہوم کی بہت سی احادیث ہیں۔ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ ..... کو جہراً پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ احادیث ضعیف ہیں۔ ہمارے علم میں کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بسم اللہ کو جہری طور پر پڑھا جائے' لیکن اس مسئلہ میں کافی گنجائش اور سہولت ہے۔ پس اس میں جھگڑا جائز نہیں ہے لہٰذا اگر بعض اوقات امام اسے جہری پڑھ لے تاکہ مقتدیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام اسے پڑھتا ہے' تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں اسے آہستہ پڑھا جائے تاکہ عمل صحیح احادیث کے مطابق ہو۔

شیخ ابن باز

کعبہ کے اندر نماز

سوال کیا باہر کی نسبت کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے؟ اور انسان نے کعبہ کے اندر جو دیکھا ہو کیا اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے؟

جواب کعبہ کے اندر نماز مستحب ہے بشرطیکہ وہاں تکلیف و مشقت اور لوگوں کو ایذاء پہنچائے بغیر بآسانی نماز پڑھنا ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ نے بھی کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ "صحیحین" سے ثابت ہے۔[1] آپ سے یہ بھی

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الصلاۃ' باب قولہ تعالی واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی' ح: 397' 468' 504' 505- صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب دخول الکعبة للحاج وغیرہ ---' ح: 1329-

مروی ہے کہ آپ کعبہ سے باہر غمگین ہو کر نکلے اور فرمایا:

«إِنِّيْ أَخْشَى أَنْ أَكُوْنَ قَدْ شَقَقْتُ عَلَى أُمَّتِي »(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في دخول الكعبة، ح:٢٠٢٩)

''مجھے خدشہ ہے کہ شاید میں نے امت کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔''

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّي فِي الْحِجْرِ فَإِنَّهُ مِنَ الْبَيْتِ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الصلاة في الحجر ح:٢٠٢٨، ومسند احمد ٦/ ٩٢)

''حجر میں نماز پڑھ لو' وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا مستحب ہے' قربت اور اطاعت ہے اور اس میں فضیلت بھی زیادہ ہے لیکن اس کے لئے مزاحمت نہیں ہونی چاہئے' نہ لوگوں کو کوئی ایذاء پہنچائی جائے اور نہ ایسا اقدام کیا جائے' جس سے اپنے آپ کو یا لوگوں کو تکلیف ہو' اس فضیلت کے حصول کے لئے حجر میں نماز پڑھنا بھی کافی ہے کہ وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ بیت اللہ کے نقش و نگار یا اس کی چھت اور دیوار کے بارے میں لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ میں نے وہاں یہ دیکھا ہے۔ سنت یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہو کر آدمی دو رکعت نماز ادا کرے' بیت اللہ کے نواح میں تکبیریں کہے اور آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو دعاء کرنا ممکن ہو وہ کرے خصوصاً جامع قسم کی دعاؤں کو پڑھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے' آپ نے نماز پڑھی اور نواح میں تکبیریں کہیں اور پھر دعاء فرمائی اور یہ تمام امور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

———— شیخ ابن باز ————

نماز میں قراءت کے درمیان دعاء کا حکم

سوال میں نے بعض نمازیوں کو سنا ہے کہ وہ نماز میں قراءت کے دوران' قراءت کو قطع کر کے مناسب دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً جنت کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ)) اس طرح جہنم کے ذکر کے موقعہ پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ)) تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب جو شخص بھی نماز کے اندر یا نماز سے باہر قرآن مجید کی تلاوت کرے اس کے لئے یہ مسنون ہے کہ جب وہ آیت رحمت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے' جب آیت عذاب کی تلاوت کرے تو اس سے جہنم کی آگ سے پناہ چاہے' جب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی آیت کی تلاوت کرے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرے اور اس موقعہ پر سبحانہ وتعالیٰ یا اس طرح کے دیگر کلمات کہہ لے اور جو یہ پڑھے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ﴾ تو اس کے لئے مستحب ہے کہ یہ کہے ((بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ)) جب یہ پڑھے ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ يُّحْيِیَ الْمَوْتٰی ﴾ تو کہے ((بَلٰی اَشْهَدُ)) جب یہ پڑھے ﴿ فَبِاَیِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو یہ کہے ((اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ)) جب یہ پڑھے ﴿ فَبِاَیِّ

اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ تو یہ کہے ((لَا نُكَذِّبُ بِشَيْئٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّنَا)) اور جب یہ پڑھے ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴾ تو کہے ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى))

یہ کلمات امام' مقتدی اور منفرد سب کے لئے کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ دعاء ہیں اور دعاء آمین کی طرح سب سے مطلوب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز سے باہر ان آیات کی قرأت کرتا ہے تو پھر بھی اس کے لئے یہی حکم ہے۔

—————— شیخ ابن باز ——————

نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ

سوال کیا نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے پر باندھنا نبی کریم ﷺ کا فعل ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے کچھ حصہ پر' کلائی پر اور کچھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھ لیا جائے اور قیام میں قرأت کے دوران انہیں اسی طرح رکھا جائے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سے لے کر سجدہ میں جانے تک بھی انہیں اسی طرح باندھا جائے' یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت و عملی سنت ہے۔ [1] ((وصلى الله على نبينا محمد و آله و صحبه و سلم))

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

نمازی کے سترہ کی حدود

سوال کیا مسجدوں میں موجود قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ سنت یہ ہے کہ سترہ پالان کی کیلی (پچھلی لکڑی) کے مانند کوئی کھڑی چیز ہو یا اس سے کوئی اونچی چیز مثلاً دیوار' ستون اور کرسی وغیرہ بھی سترہ ہو سکتی ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز پاس موجود نہ ہو تو امام یا منفرد ہونے کی صورت میں اپنے سامنے عصا وغیرہ کو گاڑ لے۔ مقتدی کے لئے امام کا سترہ ہی کافی ہو گا۔ اور اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہو تو پھر زمین پر خط کھینچ لے۔

اس مسئلہ میں اصل نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يؤمر المصلي أن يدرأ عن الممر بين يديه، ح:٦٩٨)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ سترہ کی طرف نماز پڑھے اور سترہ سے قریب ہو کر کھڑا ہو۔"

---

[1] سینے پر ہاتھ باندھنے کی بے شمار احادیث ہیں: صحیح ابن خزیمہ' 243/1' ح: 479- اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے مسند احمد' 226/5- حافظ ابن عبدالبر اور علامہ عظیم آبادی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی' کتاب الافتتاح' باب فی الامام اذارای الرجل---' ح: 490- اسے ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

«يَقْطَعُ صَلاَةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ: الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي، ح:٥١٠، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، ح:٧٠٢، ومسند احمد، ١/ ٢٤٧، ٣٤٧)

"عورت' گدھے اور کالے کتے کے (نمازی کے) آگے سے گزرنے سے مسلمان آدمی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے' جب اس کے سامنے پالان کی کیلی کی طرح (سترہ) نہ ہو۔"

اسی طرح آپ کا ایک اور ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ثُمَّ لاَ يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ما يستر المصلي، ح:٩٤٣، وصححه ابن حبان)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے' اگر کوئی چیز نہ پائے تو عصا گاڑ لے' اگر عصا بھی نہ ہو تو خط کھینچ لے تو پھر آگے سے گزرنے والی کوئی چیز بھی نقصان نہ دے گی۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "بلوغ المرام" میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو مضطرب قرار دینے والے کی بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں جمائی لینا

سوال جمائی تو اگرچہ نماز میں بھی آ سکتی ہے اور غیر نماز میں بھی لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر جمائی نماز میں آئے تو کیا اس وقت بھی یہ واجب ہے کہ نمازی «اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم» پڑھ کر منہ پر ہاتھ رکھ لے یا اس حالت میں نمازی کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص جمائی لے خواہ وہ حالت نماز میں ہو یا کسی اور حالت میں تو اسے چاہئے کہ مقدور بھر منہ کو بند کر لے۔ اگر جمائی کا غلبہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ اگر آدمی جمائی کے وقت منہ بند نہ کرے اور اس پر ہاتھ نہ رکھے تو شیطان انسان کے منہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔[1]

—— شیخ ابن جبرین ——

[1] صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب تشمیت العاطس و کراھة التثاؤب ح: 2995' و سنن ابی داود' باب فی التثاؤب ' ح: 5026 و سنن ترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی کراھیة التثاؤب فی الصلاۃ' ح: 370

نماز کے بعد کے اذکار

نماز کے بعد ایک ہی آواز کے ساتھ اجتماعی دعا

سوال ہماری بستی میں دو جماعتیں ہیں' جن میں سے ہر ایک راہ صواب پر ہونے کی مدعی ہے' ان میں سے ایک جماعت نماز ختم ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر یوں دعاء کرتی ہے کہ:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا»

اور اس طرح ایک اور دعاء بھی پڑھتے ہیں' جسے دعاء فاتح کہا جاتا ہے جب کہ دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ہم اس طرح نہیں کریں گے جس طرح پہلی جماعت نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم جب پہلی جماعت سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ یہ اجتماعی دعاء کمال نماز ہے اور یہ دعاء ہی تو ہے' اس میں سوائے خیروبھلائی کے اور کچھ نہیں لیکن دوسری جماعت اس کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے اور یہ جماعت نبی ﷺ کے ارشاد ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) سے بھی اپنے مؤقف کی تائید میں استدلال کرتی ہے۔ ... ہم نوجوان پریشان ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے' لہٰذا آپ سے اے برادران! مطالبہ یہ ہے کہ واضح فرمائیں کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک ہی آواز میں اجتماعی دعاء کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سلسلہ میں بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

> "فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا سنت نہیں ہے خواہ اکیلا امام دعاء کرے یا مقتدی یا دونوں مل کر بلکہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ ہاتھ اٹھائے بغیر دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ وباللہ التوفیق۔" ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

سنن رواتب اور فرائض کے بعد جہری طور پر دعاء کرنا

سوال بعض لوگ نماز کے بعد جہری طور پر دعاء کرتے ہیں اور اکثر بلند آواز سے بڑے ترنم کے ساتھ دعاء کرتے ہیں اور جو اس طرح دعاء نہ کرے اسے کافر قرار دیتے ہیں' اسی طرح سنن رواتب کے بعد بھی اسی طرح اجتماعی طور پر ہمیشہ باقاعدگی سے دعاء کرتے اور اسے حکم شریعت قرار دیتے ہیں' بعض دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعائیہ کلمات کو دو دو' تین تین بار

دوہراتے ہیں اور اس عمل کو اہل سنت کے شعار میں سے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کو جو اس کی مخالفت کرے' وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے' براہ کرم دلیل سے واضح فرمائیں کہ شریعت بیضاء کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز پنجگانہ اور سنن رواتب کے بعد اس طرح اجتماعی طور پر باقاعدگی کے ساتھ بلند آواز میں دعاء کرنا بدعت منکرہ ہے کیونکہ اس طرح دعاء نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور جو شخص فرض نمازوں یا سنن راتبہ کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرے' وہ اہلسنّت و جماعت کا مخالف ہے اور اس اجتماعی دعاء کی مخالفت کرنے والے اور اس طرح دعاء نہ کرنے والے کو کافر کہنا یا یہ کہنا کہ یہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں ہے' جہالت' ضلالت اور حقائق کو مسخ کرنا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء کرنا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت ہے؟ مجھے علماء نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء نہیں کیا کرتے تھے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے نماز فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت نہیں ہے اور ہماری معلومات کے مطابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے۔ فرض نمازوں کے بعد لوگ جو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس کا کوئی اصل نہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح:١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے' تو وہ مردود ہے۔''

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام . . . ، ح:١٧١٨)

''جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کر لی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے

سوال کیا تسبیح دائیں ہاتھ پر پڑھنا افضل ہے یا بائیں ہاتھ پر؟

جواب افضل یہ ہے کہ تسبیح دائیں ہاتھ پر پڑھی جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو

یہ بات پسند تھی کہ جوتا پہننے' کنگھی کرنے' وضو کرنے اور دیگر تمام امور میں دائیں طرف سے شروع کریں۔ اس سلسلہ میں وارد احادیث کے پیش نظر دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا بھی جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا

سوال ایک نوجوان نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کے بعد اس نے صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح کو پڑھنا شروع کیا تو بعض نمازیوں نے اس پر اعتراض کیا اور نوجوان سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ سنت ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کیا اس نوجوان کی یہ بات صحیح ہے؟

جواب اس امام نے جو کیا وہ درست ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھتے تھے اور جو شخص دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھ لے تو اکثر احادیث کے اطلاق کے پیش نظر اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر درست ہے

سوال فرض نمازوں کے بعد تسبیح کے جہری یا سری پڑھنے کے بارے میں ہمارے ہاں بہت جھگڑا ہے لہٰذا امید ہے کہ اس موضوع کے درج ذیل پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے:

① تسبیح جہری طور پر پڑھنا افضل ہے یا سری طور پر؟

② اگر جہری طور پر پڑھنے سے ان لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا ہو' جن کی کچھ نماز جماعت سے رہ گئی ہو تو اس کا کیا حل ہے؟

③ اس قسم کے مسائل کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کے لئے خصوصاً جو مسجدوں میں جھگڑتے ہوں' آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤١، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٥٨٣)

”رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی اس بلند آواز کو سن کر ہی مجھے معلوم ہوتا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔“

یہ حدیث صحیح ہے اور اسی طرح وہ احادیث جو اس کے ہم معنی ہیں اور ابن زبیر' مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں' وہ سب بھی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس قدر بلند آواز سے ذکر مشروع ہے' جسے وہ لوگ بھی سن لیں' جو مسجد کے دروازے کے پاس یا گردوپیش ہوں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ نماز مکمل ہوگئی ہے اور جس شخص کے پاس کوئی نماز پڑھ رہا ہو' اسے چاہئے کہ وہ نسبتاً ذرا کم آواز سے ذکر کرے تاکہ اس کی نماز میں خلل نہ پڑے' اس کے لئے افضل یہی ہے تاکہ اس سلسلہ کی دیگر احادیث پر بھی عمل ہو جائے۔ فرض نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کے بہت فائدے ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثناء کا اظہار ہے کہ اس نے احسان فرمایا کہ اس عظیم فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ اس میں جاہل کے لئے تعلیم اور بھولنے والے کے لئے تذکیر کا سامان بھی ہے اور اگر اس طرح بلند آواز سے ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سنت بہت سے لوگوں سے مخفی رہ جاتی۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت ہے

سوال نماز کے بعد بلند آواز سے استغفار اور ذکر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں دوسروں کے لئے دشواری ہے اور ان کے لئے خشوع کے ساتھ تسبیح و ذکر کرنا مشکل ہو جاتا ہے نیز جو شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر کو اس طرح بلند آواز سے کیا جائے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر ذکر بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤١، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٥٨٣)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ معمول تھا کہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔"

اگر سب لوگ اس موقعہ پر بلند آواز سے ذکر کریں تو اس سے کچھ لوگوں کے ذکر میں خلل نہیں آئے گا بلکہ خلل اس وقت آئے گا جب کچھ لوگ بلند آواز سے ذکر کریں اور کچھ آہستہ آواز سے کیونکہ اس موقعہ پر آہستہ ذکر کرنے والے کو تشویش ہوگی اور اگر وہ بھی دوسروں کی طرح بلند آواز سے ذکر کرے تو اسے بھی کوئی تشویش نہ ہوگی۔ جو لوگ اپنی باقی نماز کے ادا کرنے میں مصروف ہیں تو ان کے لئے یہ تشویش خود ان کی اپنی وجہ سے ہے۔ اگر وہ بھی نماز کے لئے پہلے آتے' ساری نماز باجماعت ادا کرتے تو انہیں بھی کوئی تشویش میں مبتلا نہ کرتا اور جیسا کہ میں نے کہا اگر تمام آوازیں مختلط ہوں تو اس سے تشویش نہ ہوگی حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی نہ ہوگی جو اپنی نماز پوری کر رہے ہوں جیسا کہ جمعہ کے دن سب لوگ مسجد میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہیں اور نمازی آتے ہیں تو وہ اپنی نماز شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح انہیں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

فرض نمازوں کے بعد سلام و مصافحہ

سوال ہر فرض نماز کے بعد ہمیشہ امام اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز پنجگانہ کے بعد ہمیشہ امام سے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ' خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے' اگر ثابت ہوتا تو یہ منقول ہو کر ہم تک ضرور پہنچتا کیونکہ نماز تو روزانہ پانچ وقت ادا ہوتی ہے اور اس طرح نماز پنجگانہ کے بعد ہونے والا یہ عمل مسلمانوں سے مخفی نہ رہ سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح . . . ، ح:٢٦٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام . . . ، ح:١٧١٨)

"جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

نیز فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

نماز میں سہو

جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال جب امام کو رباعی (چار رکعتوں والی) نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور سلام پھیر دے' سلام کے بعد بعض مقتدی اسے یہ بتائیں کہ آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں تو اس حالت میں چوتھی رکعت کے لئے کیا امام کو تکبیر تحریمہ کہنی ہو گی یا صرف کھڑا ہو کر تکبیر کہے بغیر سورۂ فاتحہ شروع کر دے؟ اس صورت میں سجدہ سہو کب کرے سلام سے پہلے یا بعد میں؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ وفقکم اللّٰه

جواب جب امام یا منفرد کو رباعی نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ وہ یقین پر بنا کرے اور یقینی صورت یہ ہے کہ وہ اسے تین رکعات شمار کرے اور پھر چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ الصَّلَاةِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ۵۷۱)

''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو دور کر دے اور یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔''

اگر کوئی شخص تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر اسے متنبہ کیا جائے تو وہ تکبیر کے بغیر نماز کی نیت سے کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے' پھر بیٹھ کر تشہد پڑھے' تشہد' نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے' پھر سہو کے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیر دے' ہر مسلمان کے حق میں یہی طریقہ افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور سلام کے بعد جب ذوالیدین نے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل کیا پھر سلام پھیر دیا پھر سہو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔ [1] اسی طرح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک بار نماز عصر میں تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا' سلام کے بعد جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے چوتھی رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر دیا' پھر سہو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔ [2]

—— شیخ ابن باز ——

جس نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کیا کہ امام سجدہ سہو کر رہا ہے

سوال ہم نماز مغرب باجماعت ادا کر رہے تھے کہ تیسری رکعت میں آخری تشہد کے بعد امام نے اللہ اکبر کہا تا کہ ایک رکعت اور پڑھائے لیکن بعض نمازیوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ امام کھڑا ہو رہا ہے اور انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ امام نے سجدہ سہو کے لئے اللہ اکبر کہا ہے' سجدہ کر لیا لیکن انہوں نے جب سجدہ سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ امام سبحان اللہ سننے کی وجہ سے بیٹھ رہا ہے' اس وجہ سے امام نے سہو کے دو سجدے بھی کئے بعض مقتدیوں کے تین سجدے ہو گئے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب جس شخص نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کر لیا کہ امام سجدہ سہو کر رہا ہے' کوئی حرج نہیں' اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر نماز میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے اعتقاد کے مطابق امام کی متابعت ہی میں یہ سجدہ کیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

---

① صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو فی الصلاة والسجود له' ح: 573-

② صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو فی الصلاة' ح: 574-

نمازی کو جب سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو

سوال نماز کے دوران میں یہ بھول جاتا ہوں کہ میں نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں تو کیا اس وجہ سے سجدہ سہو کرنا ہو گا؟ سجدہ سہو میں کیا پڑھنا چاہیے؟ اور جب ظن غالب یہ ہو کہ سورۂ فاتحہ پڑھی ہے تو کیا پھر بھی سجدہ سہو کیا جائے؟

جواب جب نماز پڑھنے والے منفرد یا امام کو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو تو وہ رکوع کرنے سے قبل سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور اس کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نماز سے فراغت کے بعد شک پیدا ہو تو یہ ناقابل التفات ہے۔ نماز صحیح ہو گی۔ سجدہ سہو میں بھی وہی پڑھا جاتا ہے جو نماز کے عام سجدوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً ((سبحان ربی الاعلی)) اور اس قسم کے دیگر کلمات!

——— شیخ ابن باز ———

نماز میں وسوسے اور شکوک

سوال مجھے نماز کی رکعات کی تعداد میں بہت شک رہتا ہے حالانکہ میں نماز بلند آواز سے پڑھتی ہوں تاکہ جو پڑھا ہے اسے یاد رکھ سکوں لیکن پھر بھی شک رہتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہوتی ہوں تو یوں محسوس کرتی ہوں جیسے کوئی رکعت یا سجدہ یا تشہد بھول گئی ہوں حالانکہ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ شک سے بچوں لیکن بے سود۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ میں شک سے کس طرح بچ سکتی ہوں؟ کیا شک کی وجہ سے نماز کو دوہرانا واجب ہے؟ کیا کوئی ایسی دعاء ہے جسے نماز کے شروع میں ازالۂ شک کے لئے پڑھ لیا کروں؟

جواب وسوسوں کے خلاف جنگ کرنا' ان سے بچنا اور کثرت سے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) پڑھنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ ٱلنَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَـٰهِ ٱلنَّاسِ ﴿٣﴾ مِن شَرِّ ٱلْوَسْوَاسِ ٱلْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ ﴾ (الناس ١١٤/ ١-٤)

"کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود برحق کی۔ وسوسہ ڈالنے والے (شیطان) کی برائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَـٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠٠﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ٢٠٠)

"اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔"

جب نماز یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد شک پیدا ہو تو اس شک کو جھٹک دیجئے' اس سے اعراض کیجئے' اس کی طرف التفات نہ کیجئے اور اعتقاد کیجئے کہ نماز اور وضوء صحیح ہے اور اگر نماز کے اندر یہ شک ہو کہ معلوم نہیں آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دے کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کر لو کیونکہ جس

شخص کو اس طرح کا شک لاحق ہو اسے نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شیطان سے محفوظ رکھے۔

شیخ ابن باز

جب مقتدی کو یہ شک ہو کہ اس نے التحیات پڑھا ہے یا نہیں!

سوال امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مجھے یہ شک گزرا کہ میں نے التحیات پڑھا ہے یا نہیں تو اس حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب عبادت کے بعد لاحق ہونے والے شک کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ عام طور پر انسان نماز کے واجبات و ارکان کو ان کے مقام پر ادا کرتا ہی ہے۔ جب نماز کے دوران شک ہو تو یقین پر بنا کرتے ہوئے عبادت کے لئے محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا لیکن فراغت کے بعد لاحق ہونے والا شک ناقابل التفات ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

سجدہ سہو کب کیا جائے؟

سوال جب انسان نماز پڑھتے ہوئے یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اسے چاہیے کہ وہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ کم تعداد یقینی ہو گی اور باقی نماز کو پورا کرے اور سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کرے کیونکہ صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لأَرْبَعٍ تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح:٥٧١)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ شک کو جھٹک دے‘ یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کرے‘ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کی وجہ سے وہ جفت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ دو سجدے شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔“

شیخ ابن باز

سنت یہ ہے کہ امام کو سبحان اللہ کہہ کر یاد دلایا جائے

 میں نے امام کے پیچھے نماز عصر پڑھی۔ امام نے آخری تشہد کو ترک کر دیا اور پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا

ہوا۔ انہیں ''الحمد اللہ'' کہہ کر متنبہ کیا گیا لیکن وہ بدستور جاری رہے حتیٰ کہ تشہد کے بعد انہوں نے سلام پھیر دیا' لیکن اکثر نمازیوں نے امام کی اقتداء نہ کی اور سلام کا انتظار کیا اور جب امام نے سلام پھیرا تو انہوں نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا' پھر امام کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے سجدہ سہو کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ امام کے بھولنے پر ہمارے ''الحمد اللہ'' کہنے اور ان کے ساتھ نہ اٹھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ مستفید فرمائیں گے۔

جواب جب امام زائد رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے یا نہ بیٹھنے کی جگہ بیٹھنے لگ جائے' تو سنت یہ ہے کہ انہیں ''سبحان اللہ'' کہہ کر متنبہ کیا جائے کیونکہ سنت سے یہی ثابت ہے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا نَابَكُمْ شَيْءٌ فِيْ صَلَاتِكُمْ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْتُصَفِّقِ النِّسَاءُ»(صحيح بخاري، كتاب العمل في الصلاة، باب رفع الايدي في الصلاة لأمر ينزل به، ١٢١٨، ٧١٩٠ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الامام: ٤٢١)

''جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو مردوں کو ''سبحان اللہ'' کہنا چاہئے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہئے۔''

لوگوں میں بھی یہی بات معروف ہے اور اس موقعہ پر الحمد اللہ کہنا معروف نہیں ہے۔ مقتدی پر واجب ہے کہ وہ کمی بیشی میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ امام اگر نماز میں اضافہ کر رہا ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ بیٹھا رہے اور امام جب سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے تو یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اگر امام کی نماز میں کمی ہو گئی ہو تو مقتدی کھڑا ہو کر نماز کو مکمل کر لے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ امام بھول گیا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ اپنی نماز کو مکمل کر لے۔ جو شخص زائد رکعت میں امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ امام زائد رکعت پڑھ رہا ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ اسی طرح نماز میں کمی کی صورت میں جو شخص امام کے ساتھ بیٹھ جائے کہ اسے علم نہ ہو کہ امام نے کم نماز پڑھی ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ اور جب وہ قریبی وقت میں معلوم کرے یا اسے کوئی یاد دلائے کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں پڑھا تو اسے چاہئے کہ ساری نماز کو دوہرائے۔ اسی طرح امام جب بھول جائے اور نماز ابھی باقی ہو لیکن اس نے اپنی بات پر اصرار کیا اور پھر سلام کے بعد اسے بتایا گیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو وہ اپنی نماز کو مکمل کرے گا۔ اس کی اتباع کرنے والے بھی اس کے ساتھ نماز کو مکمل کریں گے۔ امام اور اس کے مقتدیوں پر اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہو گا۔ اور اگر وقت طویل ہو گیا اور امام نے نماز کے متروک حصہ کو ادا نہ کیا تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ اس نماز کو دوہرائے اس طرح ان لوگوں کو بھی یہ نماز دوہرانا ہو گی' جنہوں نے اس کی اقتداء میں ادا کی تھی۔ واللہ ولی التوفیق!

—— شیخ ابن باز ——

جب نمازی کو رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو

سوال میں نے بعض دینی کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو اور نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو تو اس کی یہ نماز باطل ہو گی اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جب نمازی کو شک ہو تو وہ نماز ختم ہونے کے بعد دو سجدے کرے۔ ان میں سے صحیح بات کون سی ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہو گی کیونکہ اس قسم کا شک اکثروبیشتر صورتوں میں غیراختیاری طور پر ہوتا ہے اور جسے نماز میں شک ہو' اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حکم بیان فرمایا ہے۔ اور شک کی دو قسمیں ہیں:

① انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے ایک پہلو کو وہ ترجیح دے سکتا ہو تو اس حالت میں وہ قابل ترجیح صورت پر اعتماد کرے گا اور اسی کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام کے بعد سجدہ سہو کرے گا۔

② انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی قابل ترجیح نہ ہو' تو وہ کم تعداد پر بنا کرے گا کیونکہ کم تعداد یقینی اور زائد مشکوک ہے لہٰذا کم کو بنیاد بناتے ہوئے نماز کو مکمل کر کے سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے گا اور اس سے اس کی نماز باطل نہ ہو گی' یہ تو ہے رکعات کی تعداد کے بارے میں شک کا حکم۔

اسی طرح اگر اسے یہ شک ہو کہ اس نے دوسرا سجدہ کیا ہے یا نہیں' رکوع کیا ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں بھی جو پہلو اس کے نزدیک قابل ترجیح ہو' اس کے مطابق عمل کرے' نماز کو مکمل کر لے اور سلام کے بعد سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر کوئی پہلو قابل ترجیح ہو تو اس کے مطابق عمل کرے' جس میں زیادہ احتیاط ہو یعنی اس رکوع یا سجدہ کو کرے' جس کے بارے میں شک ہو اور پھر باقی نماز کو پورا کر کے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے ہاں البتہ جب وہ اس رکن کی جگہ تک پہنچ جائے جس کے ترک میں شک ہو' تو دوسری رکعت اس رکعت کے قائم مقام ہو جائے گی جس کے کسی رکن کو اس نے ترک کیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب نمازی کو یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ پوچھا ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو کیا اسے نماز دوہرانا چاہئے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب جب انسان کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس شک کی بنیاد پر نماز کو توڑ دے' جب کہ فرض نماز ہو کیونکہ فرض نماز کو توڑنا جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں وہ کرنا چاہئے جو سنت میں آیا ہے اور سنت میں یہ آیا ہے کہ جب انسان کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے' تین رکعت یا چار تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ شک مساوی ہو کہ کسی ایک پہلو کو وہ ترجیح نہ دے سکتا ہو' تو اس صورت میں وہ قلیل تعداد پر بنا کرے یعنی انہیں تین سمجھے اور چوتھی رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ شک تو ہو لیکن ایک پہلو راجح ہو مثلاً یہ کہ رکعات چار ہی پڑھی ہیں تو اس صورت میں چار ہی پر بنا کرے' سلام پھیر دے اور پھر سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

شک کی ان دونوں حالتوں کے بارے میں سنت سے یہی ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ پہلی حالت میں یقین پر بنا کی جائے اور دوسری حالت میں صحیح صورت حال کے لئے کوشش کی جائے تو یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ شک کی وجہ سے نماز کو توڑ نہ دیا جائے۔ اگر نماز فرض ہو تو اسے توڑنا حرام ہے۔ اگر نفل ہو تو اسے بھی شک کی بنا پر توڑا نہ

جائے بلکہ وہ کام کیا جائے جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے' ہاں البتہ نفل نماز کو اگر توڑنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی صحیح غرض کے بغیر نفل نماز کو توڑنا مکروہ ہے' نفل حج اور عمرہ کو توڑنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ راستہ محصور ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْىِ ﴾ (البقرۃ۲/۱۹۶)

اور اللہ (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو)۔"

یہ آیت حج کی فرضیت سے پہلے حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور حج ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال امام آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور اسے دوسرے سجدہ کے بعد یہ یاد آیا تو وہ کیا کرے؟

جواب امام کو چاہئے کہ اس رکعت کے بجائے جس میں اس نے قرأت فاتحہ کو ترک کر دیا ہے ایک اور رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے' اور مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کی اقتداء کریں۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

جس نے شک کی حالت میں سجدہ سہو نہ کیا

سوال جب مجھے نماز میں شک ہو اور میں سجدہ سہو نہ کروں تو کیا اس سے نماز باطل ہو گی یا ناقص؟ یاد رہے میں عمداً سجدہ سہو نہیں کرتا کیونکہ میں بکثرت شک میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

جواب نماز میں شکوک و شبہات کی کثرت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نمازی کو چاہئے کہ اصل کے مطابق نماز کو مکمل کرے۔ سہو اور وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سہو نہیں ہے' کہ ہم میں سے کون ہے جو نماز میں سہو میں مبتلا نہیں ہوتا یا جس کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہوتا؟ ہاں البتہ اگر کسی واجب کو ترک کر دے یا اس فعل واجب میں شک ہو یا نماز میں اضافہ ہو یا کسی واجب کو کم کر دے تو اس صورت میں اسے سجدہ سہو کرنا ہو گا جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

شیخ ابن جبرین

جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور سجدہ سہو نہ کرے

سوال ہم نے امام کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی۔ امام نے پانچ رکعات پڑھانے کے بعد سلام پھیرا اور جب اس سلسلہ میں بعض مقتدیوں نے امام کو بتایا تو انہوں نے سجدہ سہو بھی نہ کیا' تو کیا ہماری نماز صحیح ہے یا نہیں؟ اس طرح کے حالات میں واجب الاتباع چیز کیا ہے؟

جواب جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اسے سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔ مقتدیوں نے اگر اس اضافے کے عدم علم کی وجہ سے متابعت کی ہے تو ان کی نماز صحیح ہے اور جس نے یہ جانتے ہوئے متابعت کی کہ امام زائد رکعت پڑھا رہا ہے' اس کی نماز باطل ہے۔ جاننے والے کو چاہیئے کہ تھا کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرتا' اگر امام اپنی حالت پر اصرار کرتا اور واپس نہ لوٹتا تو یہ اس کی اتباع نہ کرتا بلکہ بیٹھ کر انتظار کرتا اور جب امام سلام پھیرتا تو یہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیرتا۔ مذکورہ لوگوں کو چونکہ شرعی حکم کا علم نہ تھا لہٰذا ان کی نماز صحیح ہے لیکن جب علم ہو گیا کہ ایک رکعت زائد پڑھی گئی ہے تو پھر انہیں سجدہ سہو کرنا چاہیئے تھا اور اگر انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا تو ان کی یہ نماز باطل ہے اور اب وقت طویل ہونے کی وجہ سے انہیں یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

آپ کے لئے سجدہ سہو لازم نہیں

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہتا ہوں کہ معلوم نہیں کتنی نماز پڑھ لی ہے' کتنی باقی رہ گئی ہے' اس لئے میں سجدہ سہو بھی کثرت کے ساتھ کرتا رہتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ محض وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔ اگر کسی رکعت یا رکن کے ترک میں شک ہو تو اسے از راہ احتیاط دوبارہ ادا کر لیجئے اور سجدہ سہو کر لیجئے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جب مقتدی سے سہو ہو جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی اور پہلے سجدہ میں تسبیح پڑھنا بھول گیا' اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میں امام کے سلام کے بعد سجدہ سہو کر لوں یا کیا کروں؟

جواب آپ کے لئے اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں ہے' سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی صورت میں مقتدی سے اس طرح کا سہو ساقط ہو جاتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

سجود تلاوت

سجود تلاوت کا حکم

سوال جب میں کوئی آیت سجدہ پڑھوں تو کیا سجدہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے' اسے ترک نہیں کرنا چاہیئے' لہٰذا جب انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرے' خواہ

قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی' نماز میں یا نماز سے باہر' تو اسے سجدہ تلاوت ضرور کرنا چاہئے۔ ہاں البتہ یہ سجدہ واجب نہیں ہے۔ انسان اس کے ترک سے گناہ گار نہیں ہو گا کیونکہ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے منبر پر سورۂ نحل کی آیت سجدہ پڑھی اور منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور پھر انہوں نے دوسرے جمعہ میں بھی اس آیت کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا الا یہ کہ ہم خود سجدہ کرنا چاہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا۔ [1]

اس طرح ثابت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورۃ النجم کی آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا۔ [2] اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے۔ سجدۂ تلاوت سنت مؤکدہ ہے اور افضل یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے' خواہ فجر کے بعد یا عصر کے بعد کا وقت ہی کیوں نہ ہو' جس میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سجدہ کا ایک خاص سبب ہے اور ہر وہ نماز جس کا خاص سبب ہو اسے اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسے سجدۂ تلاوت اور تحیۃ المسجد وغیرہ۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سری نماز میں آیت سجدہ کی قرأت

سوال امام اگر سری نماز مثلاً ظہر یا عصر میں ایسی آیات یا سورۂ کی تلاوت کرے جس میں آیت سجدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ سری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے کیونکہ اگر وہ سجدہ نہ کرے گا تو تارک سنت ہو گا اور اگر سجدہ کرے گا' تو اس سے مقتدیوں کو ابہام اور تشویش لاحق ہو گی۔ لہٰذا اس کی قرأت کو ترک کرنا افضل ہے اور اگر وہ آیت سجدہ کو پڑھ لے تو سجدۂ تلاوت نہ کرے کیونکہ اس سے مقتدیوں کو تشویش لاحق ہو گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سجدۂ تلاوت سنت ہے

سوال جب میں منبر پر بیٹھ کر یا شاگردوں کو پڑھاتے ہوئے یا کسی بھی جگہ آیت سجدہ تلاوت کروں تو کیا سجدہ تلاوت کروں یا نہ کروں؟ کیا سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں کے لئے ہے؟

جواب سجدۂ تلاوت قاری اور سامع کے لئے سنت ہے' واجب نہیں۔ سامع کے لئے قاری کی اتباع کی وجہ سے ہے لہٰذا جب قاری سجدہ کرے گا۔ تو سامع بھی کرے گا' جب آپ اپنے دفتر میں یا تدریس کے وقت آیت سجدہ پڑھیں تو سجدہ کرنا چاہئے اور طلبہ کو بھی چاہئے کہ وہ آپ کے ساتھ سجدہ کریں کیونکہ وہ سامع ہیں اور اگر آپ سجدۂ تلاوت نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

---

[1] صحیح بخاری' کتاب سجود القرآن' باب من رأی ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود' ح: 1077۔

[2] صحیح بخاری' ابواب سجود القرآن وسنتھا' باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد' ح: 1072' 1073۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذکر کے بعد سجدہ کرنا

سوال کیا اللہ کے اسماء کے ذکر یا ان میں سے کسی ایک اسم کے ایک معین اور مخصوص تعداد میں ذکر کے بعد سجدہ کرنا جائز ہے؟

جواب ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں' جو اس سجدہ کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے' جس سے معلوم ہو کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔ ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان آپ سے ثابت ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . .، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

شیخ ابن باز

نماز میں ایسی سورہ کا حکم جس کی آخری آیت سجدہ ہو

سوال جب امام نماز میں کوئی ایسی سورۂ پڑھے جس کی آخری آیت سجدہ ہو تو وہ رکوع کے ساتھ کس طرح سجدہ کرے؟

جواب نماز میں ایسی سورت کی قراءت بھی جائز ہے' جس کی آخری آیت سجدہ ہو مثلاً سورۃ العلق اور سورۃ النجم۔ امام قراءت مکمل ہونے پر سجدہ کرے گا' امام جب سجدہ سے اٹھے تو اللہ اکبر کہے' اگر کسی اور سورت کی قراءت کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے۔ قرأت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے' اگر منفرد ہے تو وہ اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے اور پھر رکوع میں جائے خواہ وہ مکمل طور پر سیدھا نہ بھی کھڑا ہو۔

شیخ ابن جبرین

سجدۂ تلاوت کی کیفیت

سوال سجدۂ تلاوت کی کیا کیفیت ہے؟ اس میں کتنے سلام ہیں؟ اس میں کیا پڑھا جائے؟

جواب سجدۂ تلاوت بھی سجدۂ نماز کی طرح ہے۔ افضل یہ ہے کہ آدمی سیدھا کھڑا ہو کر پھر سجدہ کے لئے جھکے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرے اور تین بار کہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى اور پھر یہ دعاء پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ . . . سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ»(صحيح مسلم، كتاب المسافرين، باب صلاة النبي ودعائه بالليل، ح:٧٧١)

«اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا أَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ»(سنن ترمذي، كتاب الجمعة، باب ما جاء ما يقول في سجود القرآن، ح:٥٧٩)

"اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا ہے اور تیری ہی ذات کے ساتھ میں ایمان لایا ہوں اور تیرا ہی میں فرمانبردار ہوں اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا ہے..... میری پیشانی نے اس (پروردگار) کو سجدہ کیا ہے' جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی' تو بہت ہی اچھی صورت دی۔ (سننے کے لئے) کان بنائے' (دیکھنے کے لئے) آنکھیں بنائیں' بڑا ہی برکت والا ہے اللہ' جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تو اس سجدہ کا ثواب اپنے ہاں لکھ لے اور اس کے سبب سے تو (گناہوں کا) بوجھ مجھ سے دور کر دے اور اس (سجدہ) کو تو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا دے اور تو اس (سجدہ تلاوت) کو میری جانب سے ایسے ہی قبول فرما لے جیسے تو نے اپنے بندے داؤد (علیہ السلام) سے قبول فرمایا' ان پر اور ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر افضل درود و سلام ہو!"

—— شیخ ابن جبرین ——

سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر

سوال کیا نماز کے اندر یا باہر سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر لازم ہے؟ نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں سلام لازم ہے؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔ (وفقکم اللہ)

جواب سجدۂ تلاوت' سجدۂ نماز ہی کی طرح ہے لہٰذا جب انسان نماز میں سجدہ کرے تو سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ فِي الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ كَبَّرَ»(سنن نسائي، كتاب التطبيق، باب التكبير للسجود، ح:١١٥٠، ١١٥١ نحو المعنى، سنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب التكبير عند كل خفض ورفع، ح:١٢٤٩)

"آپ نماز میں ہر خفض و رفع کے لئے (یعنی نیچے جھکتے اور اوپر اٹھتے وقت) اللہ اکبر کہتے تھے' جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ سجدۂ تلاوت بھی چونکہ سجدۂ نماز ہی ہے اور دلائل سے یہی ظاہر ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے بھی اللہ اکبر کہا جائے گا لیکن نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف سجدہ کے آغاز میں اللہ اکبر کہنا مروی ہے اور یہی معروف طریقہ ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔① نماز سے باہر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر یا سلام کہنا مروی نہیں ہے۔ بعض اہل علم نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت اللہ اکبر کہے اور فارغ ہو کر سلام بھی پھیرے لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف تکبیر اولیٰ ہی لازم ہے۔ وباللہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

① سنن ابی داود' کتاب سجود القرآن' باب فی الرجل یسمع السجدة وهو راکب---' ح: 1413 و مسند احمد' 2/17۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

ممانعت کے اوقات میں تحیۃ المسجد

سوال تحیۃ المسجد کے بارے میں ہمارے ہاں کافی بات چیت ہوئی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے ممانعت کے اوقات مثلاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت نہیں پڑھنا چاہیئے' جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق ان نمازوں سے ہے' جن کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے حتی کہ اگر آدھا سورج غروب ہو گیا ہو تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد کو پڑھا جا سکتا ہے۔ امید ہے آپ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کو تمام اوقات میں حتیٰ کہ فجر اور عصر کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے اور پھر یہ نماز طواف اور نماز خسوف کی طرح ان نمازوں میں سے ہے' جنہیں خاص اسباب کی وجہ سے ادا کیا جاتا ہے اور ایسی سب نمازوں کو اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فوت شدہ فرائض کو ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ نماز طواف کے بارے میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لاَ تَمْنَعُوْا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ»(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الطواف بعد العصر، ح:١٨٩٤ وسنن ترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في الصلاة بعد العصر لمن يطوف، ح:٨٦٨، ومسند احمد، ٤/ ٨١)

"اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے' اسے نماز سے نہ روکو' وہ دن یا رات کی جس گھڑی میں چاہے نماز پڑھ لے۔"

اسی طرح نماز کسوف کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، ح:١٠٤٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف، ح:٩٠١)

"سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لہٰذا جب تم ان کو گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو اور اس وقت تک دعاء کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔"

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة . . .، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . .، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اسے اس وقت پڑھے جب اسے یاد آئے' اس کا بس یہی کفارہ ہے۔"

یہ احادیث عام ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں کو ممانعت اور غیر ممانعت کے تمام اوقات میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

اوقات ممانعت میں تحیۃ المسجد کی اجازت حرمین کی ساتھ مخصوص نہیں ہے

سوال کیا تحیۃ المسجد عصر اور صبح کی نماز کے بعد ہر مسجد میں جائز ہے یا صرف حرمین شریفین میں اس کی اوقات ممانعت میں اجازت ہے حتی کہ حرمین شریفین کی دیگر مساجد میں بھی اجازت نہیں ہے؟

جواب علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد پڑھے خواہ نماز کی ممانعت کا وقت ہی کیوں نہ ہو اور خواہ مسجد کوئی بھی ہو تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے عموم پر عمل ہو جائے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

باقی رہیں وہ احادیث جن میں طلوع و غروب و استواء آفتاب اور بعد از عصر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو انہیں فرائض اور ذوات اسباب مثلاً تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعات کے علاوہ مطلق نوافل پر محمول کیا جائے گا لیکن تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعات کو عصر کے بعد' صبح کے بعد اور دیگر تمام ممنوع اوقات میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نماز مغرب سے پہلے نفل

سوال ۱ اذان مغرب کے بعد اور نماز سے پہلے ۔۔ جب کہ اذان و اقامت کے درمیان وقت بہت کم ہوتا ہے ۔۔ تحیۃ المسجد اور نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال ۲ جو شخص نماز فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک مسجد میں رہے' کیا اس کے لئے طلوع آفتاب کے وقت

ضحیٰ کی دو رکعات پڑھنا جائز ہے؟ نیز یہ فرمایئے کہ نماز ضحیٰ کا مسنون وقت کون سا ہے؟

جواب ۱ تحیۃ المسجد سنت مؤکدہ ہے' جسے تمام اوقات حتی کہ ممانعت کے اوقات میں بھی علماء کے صحیح قول کے مطابق ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب .. جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسـ.. ركعتين، ح:٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

اذان مغرب کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز سنت ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب الصلاة قبل المغرب، ح:١١٨٣، ٧٣٦٨)

"مغرب سے پہلے نماز پڑھو' مغرب سے پہلے نماز پڑھو اور تیسری بار آپ نے فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب اذان مغرب ہو جاتی' تو وہ اقامت سے پہلے جلدی سے دو رکعات پڑھ لیتے تھے' نبی کریم ﷺ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے بلکہ آپ نے تو اس کا حکم بھی دیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔

جواب ۲ ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے' جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب سورج ظہر سے پہلے کھڑا ہو جائے۔ (یعنی نصف النہار کے وقت جب ابھی زوال شروع نہیں ہوا ہوتا) اور افضل وقت وہ ہے' جب دھوپ گرم ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«صَلَاةُ الأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الأوابين حين ترمض الفصال، ح:٧٤٨)

"اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلتے ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

سوال وہ کون کون سے اوقات ہیں' جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے' یہ ہیں:

① طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہونے تک۔

② سورج کے آسمان کے وسط میں کھڑا ہو جانے کے بعد سے لے کر جہت مغرب زوال پذیر ہونے تک۔

③ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک۔

یہ ہیں وہ اوقات جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنا منع

ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں' جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جا رہی ہوں مثلاً نماز طواف اور نماز کسوف کو عصر و صبح کے بعد بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد کو بھی اوقات ممانعت میں ادا کیا جا سکتا ہے جس طرح سنت فجر کو طلوع فجر کے بعد ادا کرنا مستثنیٰ ہے اور یہ جائز نہیں کہ دو رکعات سے زیادہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد آپ صرف دو ہلکی پھلکی رکعات سنت فجر کے طور پر ادا فرماتے اور اگر وقت کی تنگی یا دیگر اسباب کی وجہ سے نماز فجر سے پہلے سنتوں کو نہ پڑھ سکے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق نماز فجر کے بعد انہیں پڑھ سکتا ہے اور اگر انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے تو یہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

ممانعت کے وقت نماز

سوال کیا مغرب سے پہلے نماز مکروہ ہے' خواہ وہ تحیۃ المسجد ہی ہو؟

جواب یہ سوال مبہم ہے' جہت وقت اور نوعیت نماز کے اعتبار سے تفصیل کا محتاج ہے۔ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت ممانعت کا وقت ہے لہٰذا اس وقت عام نماز نہیں پڑھی جا سکتی کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہے مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى صلاةقبل غروب الشمس، ح:٥٨٦، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

"صبح کے بعد سے لے کر سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں ہے اور عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نماز نہیں ہے۔"

لیکن اگر کسی فوت شدہ نماز کی قضاء دینا مقصود ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے' اسی طرح وہ نمازیں جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جاتی ہیں مثلاً نماز کسوف' نماز جنازہ اور تحیۃ المسجد کی دو رکعات' تو اہل علم کے راجح قول کے مطابق یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہیں کیونکہ مخصوص اسباب والی نمازوں کے بارے میں احادیث عام ہیں' انہیں اوقات ممانعت و غیر ممانعت سبھی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعات پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔"

اور اوقات ممنوعہ میں جن نمازوں کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے تو انہیں فوت شدہ نمازوں اور مخصوص اسباب والی نمازوں کے علاوہ دیگر پر محمول کیا جائے گا۔

——— شیخ ابن باز ———

عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں

سوال: نماز عصر کے بعد سنتوں یا دیگر نماز کو کیوں ادا نہیں کیا جاتا؟

جواب: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلاَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى صلاة قبل غروب الشمس، ح:٥٨٦، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

"عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز نہیں ہے۔"

علماء نے فرمایا اس کا سبب شاید ان مشرکین کی مشابہت سے ممانعت ہے جو ان اوقات میں سورج کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا بلاسبب ان اوقات میں نماز نفل سے منع کر دیا تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ سورج کو سجدہ کیا جا رہا ہے یعنی احتیاط اور شرک کے اسباب و وسائل سے دوری اختیار کرنے کے پیش نظر ان اوقات میں نماز سے منع کر دیا گیا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مؤذن کی متابعت اور پھر تحیۃ المسجد

سوال: جب انسان مسجد میں داخل ہو اور مؤذن اذان کہہ رہا ہو تو کیا اذان ختم ہونے سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دے' پھر مسنون دعاء پڑھے اور پھر تحیۃ المسجد شروع کرے مگر بعض علماء نے اس شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے' جو جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آئے' جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو' تو وہ خطبہ سننے کی وجہ سے تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے اور اس کا سبب علماء نے یہ بتایا کہ خطبہ سننا واجب ہے اور مؤذن کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اوقات ممنوعہ

سوال: میں نے سنا ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہیں' جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ اوقات کون سے ہیں اور ان میں نماز کی کراہت کا سبب کیا ہے؟

جواب: اوقات ممنوعہ یہ ہیں نماز فجر کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یعنی تقریباً ایک میٹر بلند ہونے تک۔ اور سورج طلوع ہونے کے قریباً پندرہ منٹ بعد ایک میٹر بلند ہو جاتا ہے۔ (۲) دوسرا وقت سورج کے سر پر کھڑا ہونے کے وقت سے لے کر زوال شروع ہونے تک ہے یعنی جب سورج زوال سے قبل نصف النہار پر ہو اور یہ قریباً پانچ منٹ تک کا وقت ہوتا ہے۔ نماز عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ فجر و عصر میں ہر انسان کی اپنی نماز معتبر ہو گی' جب انسان نماز عصر ادا کرے تو غروب آفتاب تک نماز حرام ہے لیکن اس سے وہ فرض نماز مستثنیٰ ہے جو فوت ہو گئی ہو اور آدمی کو ان مکروہ اوقات میں یاد آئے تو وہ اسے پڑھ سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت، باب من نسي صلاة . . . ، ح:٥٩٧، وصحيح مسلم، كتا الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة . . . ، ح:٦٨٤)

"جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب بھی یاد آئے پڑھ لے۔"

اسی طرح ہر وہ نفل نماز بھی اس سے مستثنیٰ ہے جس کا کوئی خاص سبب ہو کیونکہ یہ نماز اپنے سبب کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس صورت میں حکمت ختم ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً اگر آپ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوں' تو دو رکعات پڑھ سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح:٧١٤)

"تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔"

اسی طرح اگر نماز عصر کے بعد سورج کو گرہن لگے' تو اس وقت نماز کسوف ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ ان نمازوں کا ایک خاص سبب موجود ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص ان اوقات میں آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے۔

ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ ان کفار کے ساتھ مشابہت سے روکنا مقصود ہے' جو طلوع آفتاب کے وقت اس کے طلوع کی خوشی میں اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اسے سجدہ کرتے ہیں اور غروب کے وقت اسے الوداع کہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور نبی ﷺ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ ہر اس دروازے کو بند کر دیں جو شرک تک پہنچاتا ہو یا جس میں مشرکین کی مشابہت ہو۔ آفتاب کے نصف النہار پر ہونے کے وقت نماز کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس وقت جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے لہٰذا اس وقت نماز سے رک جانا چاہئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نفل نماز

میں فجر کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان شروع کر دی

سوال میں صبح کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور میں نے دو رکعات پڑھنا شروع کر دیں' جب میں دوسری رکعت کے لئے اٹھ رہا تھا تو مؤذن نے صبح کی اذان کہنی شروع کر دی۔ میں نے جو دو رکعات شروع کیں تو وہ صبح کی سنتوں کی نیت سے شروع کی تھیں کیونکہ میں جب گھر سے نکلا تو بعض مسجدوں میں اذان ہو رہی تھی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا' تو میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اٹھو صبح کی سنتیں پڑھ لو' میں نے کہا کہ میں نے انہیں پڑھ لیا ہے' تو اس نے کہا آپ نے چونکہ اس وقت پڑھی تھیں' جب مؤذن اذان کہہ رہا تھا اور یہ جائز نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ آپ انہیں دوبارہ پڑھیں۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں مستفید فرمائیں گے؟

جواب اگر مؤذن نے اذان دیر سے دی ہے اور آپ نے سنتیں طلوع فجر کے بعد پڑھی ہیں تو آپ کی طرف سے سنت پر عمل ہو گیا اور یہ سنتیں جو آپ نے پڑھی ہیں کافی ہوں گی اور ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آپ کو شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس مؤذن کی اذان جسے سن کر آپ نے نماز شروع کی تھی' اس کی اذان صبح کے بعد ہے یا طلوع فجر کے وقت ہے تو پھر افضل یہ ہے اور زیادہ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ آپ ان دو رکعات کو دوبارہ پڑھ لیں تاکہ یقین ہو جائے کہ آپ نے انہیں طلوع فجر کے بعد ادا کیا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز کے بعد فجر کی سنتوں کی قضا

سوال میں ہمیشہ نماز فجر مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ اگر میں یہ دیکھوں کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تو کیا اس بات کی اجازت ہے کہ میں انہیں سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں؟ اگر میں طلوع آفتاب تک انتظار کروں تو کیا اس سے اجروثواب میں کمی ہو گی؟ میں جانتا ہوں کہ صبح کی سنتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؟

جواب اگر مسلمان آدمی نماز سے پہلے فجر کی سنتوں کو ادا نہ کر سکے' تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو نماز کے فوراً بعد ادا کر لے یا سورج نکلنے کے بعد ادا کر لے کیونکہ سنت سے دونوں طرح ثابت ہے۔ نماز کے فوراً بعد ادا کرنا سنت تقریری سے ثابت ہے یعنی ایک شخص نے نماز کے فوراً بعد ان سنتوں کو ادا کیا' نبی ﷺ نے اسے دیکھا تو اس پر سکوت فرمایا اور اسے کچھ نہیں کہا۔[1]

—— شیخ ابن باز ——

سنن رواتب کا حکم

سوال نماز کے بعد ادا کی جانے والی دو سنتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ فرضوں سے پہلے اور بعد اور اوقات ممنوعہ کے سوا دیگر تمام اوقات میں نماز ادا کرے' اسی نفل نماز میں سے سنن رواتب بھی ہیں یعنی ظہر سے پہلے دو رکعات اور ظہر کے بعد دو رکعات' فجر سے پہلے دو رکعات' مغرب کے بعد دو رکعات اور عشا کے بعد دو رکعات۔ یہ تمام رکعات واجب نہیں بلکہ سنت ہیں' انہیں ادا کرنے والے کو ثواب اور نہ ادا کرنے والے کو گناہ نہ ہو گا۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نفس عبادت کا عادی بنتا اور نماز کی محبت پیدا ہوتی ہے' ان سے فرائض میں رہ جانے والی کمی کی بھی تلافی ہو گی لہٰذا جو شخص کبھی کبھی انہیں چھوڑ دیتا ہے' اسے گناہ نہیں ہوتا لیکن ہمیشہ چھوڑ دینا عبادت کے عدم اہتمام کی دلیل ہے اور اس سے اس شخص کی عدالت بھی مجروح ہوتی ہے کہ وہ ترک سنن اور نفل خیر کے استخفاف میں رغبت رکھتا ہے۔

---

① دار قطنی 383/1' 384- بیہقی 283/2- ابن خزیمہ 1116- اسے ابن حبان اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

شیخ ابن جبرین

سنتیں پڑھنے کے لئے تکبیر کہی تھی کہ جماعت کھڑی ہو گئی

سوال ایک شخص ظہر کی سنتیں ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا لیکن جب اس نے اللہ اکبر کہا تو جماعت کھڑی ہو گئی' تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا اسے مکمل کرے؟ امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں گے۔

جواب جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کچھ لوگ تحیۃ المسجد یا سنت راتبہ پڑھ رہے ہوں' تو اس صورت میں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلاَّ الْمَكْتُوبَةُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع. . . ، ح: ٧١٠)

"جب جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ جلدی سے اپنی نماز کو پورا کر لیں اور توڑیں نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓاْ أَعْمَٰلَكُمْ ﴿٣٣﴾ ﴾ (محمد٤٧/ ٣٣)

"مومنو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے دو۔"

اور مذکورہ حدیث کو انہوں نے اس شخص پر محمول کیا ہے' جو جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتیں وغیرہ شروع کرے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ حدیث مذکور دونوں حالتوں کے لئے عام ہے اور پھر کچھ اور احادیث بھی وارد ہیں' جو عموم پر دلالت کناں ہیں۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ نے ایک شخص کو اس وقت نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جب مؤذن نماز کے لئے اقامت کہہ رہا تھا۔ رہی آیت کریمہ تو وہ عام ہے اور یہ حدیث خاص ہے۔ خاص سے عام کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور یہ اس کے مخالف نہیں ہوتا جیسا کہ اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں سے اس کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور آدمی نے دوسری رکعت کا رکوع بھی کر لیا ہے تو پھر نماز مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نماز قریب الاختتام ہے اور اس کا رکعت سے بھی کم حصہ باقی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ایک رات میں دو بار وتر نہیں

سوال کیا ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز ہے؟

جواب کسی کے لئے ایک رات میں دوبار وتر پڑھنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«اجْعَلُوْا آخِرَ صَلاَتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا»(صحيح بخاري، كتاب الوتر، باب ليجعل آخر صلاته وترا، ح:٩٩٨، وصحيح مسلم صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى ...، ح:٧٥١، ١٥١)

"رات کی نماز کے آخری حصہ کو وتر بنالو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ خَافَ أَنْ لاَ يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلاَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب من خاف ان لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ح:٧٥٥)

"جس کو یہ ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا' تو وہ ابتدائی حصہ ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ آخری حصہ میں اٹھ سکے گا تو اسے رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ وقت افضل ہے۔"

جب مسلمان کو رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنے کی توفیق میسر ہو تو وہ اپنی نماز کے آخر میں ایک رکعت پڑھ لے' اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی اور اگر آدمی آخری رات نہ اٹھ سکے تو وہ رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لے اور اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے' تو وہ جس قدر نماز پڑھ سکتا ہو' دو دو رکعات پڑھے۔ وتر کو دوبارہ نہ پڑھے' رات کے پہلے حصہ میں پڑھے ہوئے وتر ہی کافی ہوں گے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

جس انسان نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر وہ ...

سوال اگر میں نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر آخری حصہ میں بھی اٹھ کھڑا ہوں تو کس طرح نماز پڑھوں؟

جواب جب آپ نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ آخری حصہ میں بھی اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے تو جتنی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے' دو دو رکعات کر کے پڑھ لیجئے۔ وتر دوبارہ نہ پڑھیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ وتر کے بعد بھی نماز جائز ہے۔ واللہ اعلم

—— شیخ ابن باز ——

نماز میں قنوت

سوال نماز فجر میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ قنوت وتر کا کیا حکم ہے؟ نماز مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس سوال میں دو مسئلے پوچھے گئے ہیں' ان میں سے پہلا مسئلہ نماز فجر میں قنوت کا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قنوت فرمایا' جس میں کچھ لوگوں کے لئے دعاء فرمائی یا کچھ لوگوں کے لئے آپ نے بددعاء فرمائی مکہ میں رہنے والے کمزور مومنوں کے لئے آپ نے دعاء فرمائی اور ان لوگوں کے لئے بددعاء فرمائی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (دھوکے سے) شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ان کے لئے ایک ماہ تک بددعاء فرماتے رہے [1] تو جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس سنت پر غور کرے گا' اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ فرائض میں قنوت نہیں الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد میں مبتلا ہوں یا کسی حادثہ سے دوچار ہوں' جس کی وجہ سے ضرورت اس امر کی ہو کہ تمام مسلمان الحاح و زاری کے ساتھ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں دعاء کریں تو اس صورت میں قنوت کیا جائے۔ دلائل کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف نماز فجر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے تمام نمازوں میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جہری نمازوں میں قنوت جہری اور سری نمازوں میں سری طور پر کیا جائے گا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اہم حوادث کے وقت قنوت کیا جائے پھر جب حالات معمول پر آ جائیں تو قنوت نہ کیا جائے!

باقی رہی سوال کی دوسری شق یعنی قنوت وتر' تو وتر میں قنوت کرنا سنت ہے لیکن دوام و استمرار سنت نہیں ہے لہٰذا اگر بعض اوقات قنوت کر لے تو بہتر ہے اور اگر بعض اوقات ترک کر دے تو یہ بھی بہتر ہے' نبی ﷺ نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قنوت سکھایا تھا [2] لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ خود بھی قنوت فرماتے تھے یا نہیں؟

---

① صحیح بخاری' کتاب الوتر' باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ' ح: 1002- و صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات---' ح: 677-

② سنن ابی داود' ابواب الوتر' باب القنوت فی الوتر' ح: 1425 - 1426' سنن ترمذی' باب ماجاء فی القنوت فی الوتر' ح: 464-

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ وتر کو نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کا کیا حکم ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ جب انسان تین رکعت وتر پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انہیں دو سلام کے ساتھ ادا کرے یعنی دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر تیسری رکعت اکیلی پڑھ لے یا تینوں رکعات کو ایک تشہد کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ وتر کی تین رکعات کو دو تشہد کے ساتھ نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

انفرادی طور پر پڑھنے والے کو جہری قرأت کی ضرورت نہیں

سوال میں وتر کی تین رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتا ہوں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورة' دوسری میں ﴿ قل یا ایھا الکفرون ﴾ اور تیسری میں ﴿ قل ھو اللہ احد ﴾ اور ﴿ معوذتین ﴾ پڑھ لیتا ہوں۔ کبھی کبھی وتر کی گیارہ رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتا ہوں اور پہلی تین رکعات میں مذکورہ بالا سورتوں کو پڑھتا اور باقی رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر وتر کی تیرہ رکعات پڑھنا چاہوں تو کس طرح پڑھوں؟

جب مغرب یا عشاء یا صبح کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکوں تو انفرادی طور پر پڑھ لیتا اور آیات کی قرأت سری طور پر کرتا ہوں لیکن میرے چچا جان نے مجھے بتایا ہے کہ جہری نماز میں انفرادی طور پر پڑھنے کی صورت میں بھی قرأت جہری کرنا واجب ہے تو کیا میری سابقہ نمازیں صحیح ہیں؟ اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی کفارہ وغیرہ تو لازم نہیں؟

جواب وتر کی تیرہ یا گیارہ رکعات کو اس طرح پڑھنا مستحب ہے کہ آپ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں اور فاتحہ کے بعد جن سورتوں کی چاہیں قرأت کر لیں۔ نو رکعات پڑھنا بھی جائز ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے یا آٹھ رکعات پر تشہد بیٹھیں اور پھر نویں رکعت پڑھ کر تشہد کریں اور سلام پھیر دیں۔ ایک سلام کے ساتھ سات اور پانچ رکعات پڑھنا بھی جائز ہے۔ مستحب یہ ہے کہ وتر کی رکعات تین سے کم نہ ہوں اور تیسری رکعت میں سورة الاخلاص پڑھی جائے۔ اگر ان کے علاوہ دیگر سورتیں پڑھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں اور اگر ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے تو پھر بھی (ان شاء اللہ) جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے میں قرأت کے جہری کرنے کی ضرورت نہیں ہے' جہری قرأت تو امام رات کی نمازوں میں اس لئے کرتا ہے تاکہ مقتدیوں کو وہ اپنی قرأت سنا سکے اور مقتدیوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقعہ ملے لیکن جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھتا ہے' وہ تو اپنے آپ کو سناتا ہی ہے' خواہ قراءت سری کرے یا جہری اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی پھر--!

ایک شخص نے تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی لیکن نماز کے دوران ہی اس نے رکعات کی تعداد میں اضافہ کا

ارادہ کر لیا تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا اذان کے بعد بھی تحیۃ المسجد جائز ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھے جائیں' اگر تین سے زیادہ پڑھے تو افضل ہے۔ وتر گیارہ رکعات تک پڑھے جا سکتے ہیں۔ ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے۔ اگر تین رکعات پڑھنے کی نیت کی اور تکبیر کے بعد زیادہ رکعات پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے۔ تیسری رکعت کے بعد چوتھی رکعت کے اضافہ پھر اس کے بعد ایک رکعت پڑھنے کا ارادہ کیا تو (ان شاء اللہ) اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تحیۃ المسجد اذان کے بعد بھی جائز ہے اور نماز سے پہلے کی سنت راتبہ کے طور پر بھی یہ کافی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا

سوال نماز تراویح میں امام کے قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کی کتاب و سنت سے کیا دلیل ہے؟

جواب قیام رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس طرح مقتدیوں کو سارا قرآن مجید سنایا جا سکے گا کتاب و سنت کے شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قرأت کی جائے اور یہ حکم عام ہے قرآن مجید سے دیکھ کر اور زبانی قرأت سبھی کو شامل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ قیام رمضان میں ان کی امامت کروائیں اور ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھتے تھے' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی "صحیح" میں[1] معلقاً مگر صحت کے پورے وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال ہم نے رمضان المبارک میں نماز تراویح امریکی شہر فرزنو میں ادا کی اور قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کے بارے میں ہمارے ہاں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض بھائیوں کی یہ رائے تھی کہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرنا جائز نہیں اور بعض کی رائے یہ تھی کہ یہ جائز ہے۔ اس وقت یہ صورت حال اس لئے پیش آئی کہ ہم میں کوئی ایسا بھائی نہ تھا جسے مکمل قرآن مجید یاد ہو؟

جواب جب امر واقعہ اس طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا تو آپ کے امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کر لے بلکہ اس طرح کی حالت میں اس طرح کرنا شرعاً مستحب ہے کیونکہ نماز تراویح میں طویل قرأت کی ترغیب دی گئی ہے اور تمہارے لئے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارا امام دیکھ کر قرأت کرے۔ امام ابن ابی داؤد نے "کتاب المصاحف" میں "ایوب عن ابن ابی ملیکہ کی سند سے" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا غلام ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کی امامت کروایا کرتا تھا۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا ہشام بن عروہ سے' انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا ایک مدبر غلام تھا جو رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کو نماز پڑھایا کرتا تھا۔

---

① صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب امامۃ العبد والمولی' قبل حدیث: 692-

فتویٰ کمیٹی

وتر کا آخری وقت

سوال وتر کی نماز کے لئے آخری وقت کون سا ہے؟

جواب وتر کی نماز کے لئے آخری وقت طلوع فجر سے پہلے رات کا آخری حصہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى . . . فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى»(صحيح بخاري، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، ح:٩٩٠، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، ح:٧٤٩)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے' جب تم میں سے کسی کو صبح کے طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے' اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی۔"

شیخ ابن باز

قنوت کی دعائیں

سوال میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ امید ہے آپ میرے لئے کچھ ایسی مستحب دعائیں ارسال فرما دیں گے' جنہیں رمضان المبارک میں نماز وتر میں پڑھا جا سکے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے کچھ کلمات سکھائے تھے جیسا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے مجھے یہ کلمات سکھائے:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلاَ يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، [وَلاَ يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ»(سنن أبي داود، ابواب الوتر، باب القنوت في الوتر، ح:١٤٢٥، ١٤٢٦ وسنن ترمذي، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ح:٤٦٤، مسند احمد، ١/١٩٩، ٢٠٠ (ولا يعز من عاديت) رواه البيهقي، ٢/٢٠٩)

"اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے' ان (کے زمرہ) میں تو مجھے بھی ہدایت دے اور مجھے ان لوگوں (کے زمرہ) میں عافیت دے' جن کو تو نے عافیت دی ہے اور جن لوگوں کا تو کارساز بنا ہے ان (کے زمرہ) میں تو میرا بھی کارساز بن جا اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے' اس میں برکت عطا فرما اور جو تو نے میرے لئے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا' اس لئے کہ تیرا حکم' بے شک' سب پر چلتا ہے مگر تیرے اوپر کسی کا حکم نہیں چلتا جسکا تو والی (مددگار) بن گیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ توہی بابرکت ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو ہی سب سے بلند و برتر ہے۔"

علاوہ ازیں آپ مسنون دعاؤں میں سے جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وتر میں سورۂ اخلاص پڑھنا واجب نہیں ہے

سوال کیا وتر میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا شرط ہے یا کوئی بھی سورت پڑھ لی جائے تو یہ جائز ہے؟

جواب وتر میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، كَانَ يُوتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ»(سنن نسائي، كتاب قيام الليل، باب ذكر اختلاف الفاظ الناقلين ...، ح:١٧٠٠، ١٧٠١، ١٧٠٢، وسنن أبي داود، كتاب الوتر، باب ما يقرأ في الوتر، ح:١٤٢٣)

"رسول اللہ ﷺ وتر میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ ' ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔"

اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا چاہے تو جائز ہے لیکن وہ اس سورت کی قرأت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

خسوف و کسوف سے متعلق مسائل

سوال سماحۃ الشیخ! ہم نے اخبارات میں ایک خبر پڑھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عنقریب غروب آفتاب کے تھوڑی دیر بعد چاند کو مکمل طور پر گرہن لگے گا اور اس سے تین دن پہلے سورج کو بھی گرہن لگے گا۔ اس مقالہ میں مضمون نگار نے اسباب خسوف اور اس کی ابتداء و انتہاء کے بارے میں نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے جس سے درج حقائق کے بعد ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں:

① سورج اور چاند کو گرہن لگنا ایک طبیعی بات ہے کیونکہ فلکی رصد گاہوں کے ماہرین اس کے وقوع پذیر ہونے سے بھی کئی دن پہلے بتا دیتے ہیں اور یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ کس وقت گرہن شروع ہو کر کس وقت تک رہے گا اور نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ سورج یا چاند کا کتنا حصہ گرہن کی زد میں آئے گا؟

② رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حالت خسوف میں نماز پڑھیں اور فرمایا کہ اس حالت میں نماز پڑھو حتی کہ اللہ تعالیٰ گرہن کو صاف کر دے۔

③ صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خسوف کے وقت ہمیں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

④ "فتح الباری" میں حدیث ہے کہ "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔" تو سوال یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن سے لوگ کیوں ڈریں کیونکہ یہ تو ایک طبیعی

چیز ہے' جو رونما ہونے سے بھی پہلے معلوم کی جا سکتی ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن اس لئے لگتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتے ہیں اور یہ ترغیب دینا چاہتے ہیں کہ اس کے بندے ان نشانیوں کو دیکھ کر اس سے ڈریں اور اس کے ذکروطاعت کی طرف لپکیں' نبی ﷺ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن کسی انسان کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْخُسُوْفَ فَافْزَعُوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الذكر في الكسوف، ح:١٠٥٩، ١٠٦٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف، ح:٩١١، ٩١٢، ٩١٥، وسنن أبي داود، كتاب صلاة الكسوف، باب الصدقة فيها، ١١٩١، وسنن نسائي، كتاب الكسوف، باب الأمر بالاستغفار في الكسوف، ١٥٠٣، ١٥٠٤ رواه كلهم نحو المعنى)

"جب تم گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعاء کی طرف لپکو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ»(صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الذكر في الكسوف، ح:١٠٥٩، ١٠٦٠، وصحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف، ح:٩١١، ٩١٢، ٩١٥، وسنن أبي داود، كتاب صلاة الكسوف، باب الصدقة فيها، ١١٩١، وسنن نسائي، كتاب الكسوف، باب الأمر بالاستغفار في الكسوف، ١٥٠٣، ١٥٠٤ رواه كلهم نحو المعنى)

"جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو اور دعاء کرو حتیٰ کہ گرہن صاف ہو جائے۔"

اس موقعہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے' غلاموں کو آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ اس موقعہ پر نماز' ذکر' استغفار' صدقہ' غلاموں کو آزاد کرنے' خوف الٰہی اور اس کے عذاب سے ڈرنے کو اختیار کیا جائے۔ گرہن کا حساب سے معلوم ہو جانا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے کیونکہ اس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اور اسی نے ان کے لئے اسباب کو ترتیب دیا ہے جیسا کہ سورج' چاند اور ستارے مخصوص اوقات میں طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بھی ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب کو بھی مقرر فرمایا ہے' جن کے پیش نظر ماہرین فلکیات گرہن کو معلوم کر لیتے ہیں تو ان کا ان اسباب سے گرہن کو معلوم کر لینا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے' جس طرح سورج' چاند' ستارے' گرمی اور سردی یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان میں بھی تخویف و تحذیر کا پہلو ہے۔ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ ان نشانیوں کو بھی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ بندے اپنے اللہ سے ڈریں' اپنے دل میں اس کا خوف پیدا کریں' اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ان کو چھوڑ دیں۔

آسمان میں خسوف اور کسوف وغیرہ کی جو نشانیاں ہیں' ماہرین فلکیات اور حساب دانوں کا انہیں معلوم کر لینا اور

اکثروبیشتر وہ ان کے اسباب ہی سے انہیں معلوم کرتے ہیں' اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ حساب تو غلط بھی ہو سکتا ہے' ماہر فلکیات کو بھی غلطی لگ سکتی ہے' کبھی اس کا حساب درست بھی ہو سکتا ہے' لیکن اگر اسے حساب و فلکیات میں مہارت حاصل ہو تو اکثروبیشتر صورتوں میں اس کا اندازہ درست ہو تا ہے' تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا کیونکہ خسوف اور کسوف کے اسباب معلوم ہیں' جنہیں ماہرین فلکیات سورج اور چاند کی حرکت اور ان کی منازل سے معلوم کر لیتے ہیں اور اس منزل کو بھی معلوم کر لیتے ہیں' جس میں خسوف و کسوف رونما ہونا ہو' تو یہ اس بات سے مانع نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے کہ اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے' صدقہ و خیرات کیا جائے یا اس طرح کے دیگر امور بجالائے جائیں کہ ان سب امور میں بندگان الٰہی کی مصلحت ہے کہ وہ اس سے ڈریں' اس کے خوف کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور صراط مستقیم پر گامزن رہیں اور حساب سے اس کا معلوم ہو جانا ان امور سے مانع نہیں ہے۔

سوال کیا اس طرح کی خبروں کو نشر کرنا گرھن کی اہمیت کو کم نہیں کرتا؟

جواب اگر ان خبروں کی اشاعت کو ترک کر دیا جائے' تو یہ احسن و افضل ہے تاکہ لوگ جب اچانک گرہن کو دیکھیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو اور وہ یہ دیکھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے لئے خوب کوشش کریں لیکن بعض ماہرین کی یہ رائے ہے کہ لوگوں کو پہلے سے مطلع کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ اس طرح غفلت میں مبتلا ہو جانے کی بجائے' وہ اطاعت اور عبادت الٰہی کے لئے باقاعدہ تیاری کر لیتے ہیں کیونکہ بسااوقات لوگ گرہن کے بارے میں جب غافل ہوتے ہیں' تو انہیں شعور اور آگاہی حاصل نہیں ہوتی اور وہ اطاعت و عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتے لہٰذا اگر اخبارات میں پہلے سے خبر شائع کر دی جائے' تو وہ خبردار ہو کر اس کے لئے مناسب تیاری کر لیتے ہیں اور ان خبروں کے شائع کرنے سے اکثروبیشتر یہی مقصود ہونا چاہیے۔

سوال کیا چاند اور سورج کے گرہن کے بارے میں پہلے سے پیش گوئی کر دینا ادلہ شرعیہ سے تصادم تو نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگہداشت فرمائے!

جواب نہیں! اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اہل علم فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا تعلق غیبی امور سے نہیں ہے بلکہ انہیں حساب سے معلوم کیا جا سکتا ہے' جس طرح پہلے لوگوں میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ ماہرین فلکیات و حساب' چاند اور سورج کی منزلوں سے اس کا حساب لگا لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اسے معلوم کر لیتے ہیں' جنہیں انہوں نے علم فلکیات میں پڑھا اور معلوم کیا ہوتا ہے۔ علم غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دو رکعات پڑھنا

سوال میں نے نماز جمعہ میں یہ دیکھا ہے کہ جب امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھا تو بعض نمازیوں نے کھڑے ہو کر دو رکعات پڑھیں اور پھر بیٹھ گئے۔ اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے کہ آدمی مسجد میں آ کر بیٹھنے کے بعد پھر نماز کے لئے کھڑا ہو؟

جواب یہ نماز غیر مشروع ہے کیونکہ مشروع یہ ہے کہ جب امام خطبہ شروع کر دے تو لوگ اس کا خطبہ سنیں۔ دو خطبوں کے درمیان امام کے دوسرے خطبہ کا انتظار کریں اور اگر دو خطبوں کے درمیان دعاء کریں تو یہ بھی بہت بہتر ہے کیونکہ یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«فَإِنَّ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةً لاَ يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلاَّ أَعْطَاهُ اللهُ تَعَالَى مَا دَعَا بِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ح:٩٣٥، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، ح:٨٥٢)

"جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں مسلمان آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء کو قبول فرماتے ہوئے وہ عطا فرما دیتا ہے۔"

ہاں آدمی مسجد میں بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں اس وقت آیا جب نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا:

«أَصَلَّيْتَ: قَالَ لاَ قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب ، وباب من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين ح:٩٣٠، ٩٣١، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب التحية والامام يخطب ح:٨٧٥)

"کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟" اس نے عرض کیا۔ "نہیں" تو آپ نے فرمایا۔ "کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعات پڑھو۔"

ہاں اگر آدمی کو بیٹھے ہوئے کافی وقت ہو جائے تو پھر تحیۃ المسجد نہ پڑھے کیونکہ سنت یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مقام ختم ہو جائے تو مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اذان اول کے بعد نماز فجر

سوال کیا اذان اول کے بعد نماز فجر ادا کرنا صحیح ہے؟ دونوں اذانوں کے مابین کے وقت کو نماز فجر کا وقت قرار دیا جا سکتا ہے؟ یا اذان ثانی کے بعد کا وقت ہی نماز فجر کے لئے صحیح ہے؟

جواب نماز وقت شروع ہونے کے بعد ہی صحیح ہو گی اور فجر کا وقت طلوع صبح کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور صبح سے مراد مشرق میں پھیلنے والی سفیدی ہے لہٰذا جو شخص طلوع صبح سے پہلے نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ اذان اس کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صحت نماز کے لئے وقت کا شروع ہونا شرط ہے۔ اگر وقت ہو جائے اور اذان نہ بھی ہو تو نماز صحیح ہو گی۔ ہاں البتہ نماز فجر کے لئے بعض علماء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس کے لئے رات کے آخری حصہ میں وقت شروع ہونے سے پہلے بھی اذان دی جا سکتی ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے نماز نہیں پڑھی جا سکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ قبل از وقت صرف رمضان میں صبح کی اذان دی جا سکتی ہے تاکہ سونے والا شخص سحری کے لئے بیدار ہو جائے اور نمازی کو یہ معلوم ہو جائے کہ سحری کا وقت قریب ہے لیکن نماز' دوسری اذان کے بعد جو صحیح وقت پر

ہوتی ہے' ادا کی جائے گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا کوئی نماز فائدہ بھی ہے؟

سوال لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک نماز فائدہ ہے' جس کی سو رکعات ہیں۔ بعض لوگ اس کی صرف چار رکعات بتاتے ہیں اور اسے رمضان کے آخری جمعہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا بدعت؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نماز فائدہ نامی کوئی نماز نہیں کیونکہ تمام نمازیں ہی مبنی بر فوائد ہیں۔ فرض نماز فوائد کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت جب فرض ہو تو وہ نفل عبادت سے بہرحال افضل ہے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، ح: ٦٥٠٢)

"میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا تقرب حاصل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو جسے میں نے اپنے بندے پر فرض قرار دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کو واجب قرار دیا ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے اور یہ بندے کے لئے نفل سے زیادہ منفعت بخش ہے' یہی وجہ ہے کہ اسے لازم بھی قرار دیا گیا اور اس میں اجروثواب بھی زیادہ رکھا گیا تو تمام نمازیں ہی مبنی برفوائد ہیں۔ نماز فائدہ نامی کوئی خاص نماز نہیں ہے بلکہ یہ بدعت اور بے اصل ہے۔ آدمی کو ایسے اذکار اور نمازوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو لوگوں میں عام رواج پاچکی ہیں' لیکن سنت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ یاد رہے عبادت میں اصل ممانعت ہے لہذا کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں نہ بتایا ہو۔ جب انسان کو کسی چیز کے بارے میں یہ شک ہو کہ یہ اعمال عبادت سے ہے یا نہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ وہ عبادت نہیں ہے حتیٰ کہ دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ عبادت ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن عثیمین ———

نماز حاجت اور حفظ القرآن غیر شرعی ہیں

سوال میں نے نماز حاجت اور نماز حفظ القرآن کے بارے میں سن رکھا ہے تو کیا یہ نمازیں صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب یہ دونوں نمازیں صحیح نہیں ہیں۔ نماز حاجت درست ہے اور نہ نماز حفظ القرآن' کیونکہ اس طرح کی عبادات کا اثبات کسی ایسی شرعی دلیل ہی سے ممکن ہے جو حجت ہو اور یہ نمازیں کسی ایسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہیں' جو حجت ہو لہذا یہ غیر شرعی ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب وتر پڑھتے ہوئے اذان فجر ہو جائے

 ایک آدمی نماز وتر پڑھ رہا تھا کہ صبح کی اذان شروع ہو گئی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ اپنی نماز کو پورا کرے یا کیا کرے؟

جواب ہاں جب وتر پڑھتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو نماز مکمل کر لینی چاہیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا

 کیا فرض ادا کرنے کے بعد سنتوں کی جگہ کی تبدیلی کے بارے میں کوئی دلیل وارد ہے؟

جواب ہاں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَمَرَنَا أَنْ لاَ نُوصِلَ صَلاَةً بِصَلاَةٍ حَتَّى نَخْرُجَ أَوْ نَتَكَلَّمَ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:٨٨٣، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:١١٢٩)

"ہم ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملائیں حتی کہ ہم الگ ہو جائیں یا کلام کریں۔"

تو اس حدیث سے اہل علم نے یہ اخذ کیا ہے کہ فرض اور سنتوں میں فاصلہ ہونا چاہیے 'کلام کے ذریعہ یا جگہ کی تبدیلی کے ذریعہ۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

وتر کی قضاء

 جب میں سو جاؤں اور رات کو نماز وتر ادا نہ کر سکوں تو کیا اس کی قضاء دوں اور کس وقت دوں؟

جواب سنت یہ ہے کہ اس کی قضاء ضحیٰ کے وقت' سورج بلند ہونے کے بعد اور استواء سے پہلے جفت تعداد میں نہ کہ طاق تعداد میں دی جائے۔ اگر آپ کی عادت رات کو تین وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو تین کے بجائے دو دو کر کے چار رکعتیں پڑھی جائیں اور اگر آپ کی عادت رات کو پانچ رکعات وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو پانچ کے بجائے دو دو کر کے چھ رکعات پڑھی جائیں اور اگر آپ کا معمول اس سے زیادہ رکعات پڑھنے کا ہے تو ان کے بارے میں بھی اسی طرح حکم ہو گا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِذَا شُغِلَ عَنْ صَلاَتِهِ بِاللَّيْلِ بِنَوْمٍ أَوْ مَرَضٍ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً» مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض، ح:٧٤٦)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند یا مرض کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو آپ دن کو بارہ رکعات پڑھتے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر کی نماز چونکہ اکثر و بیشتر گیارہ رکعت ہوتی تھی اس لئے آپ قضاء کے طور پر بارہ رکعت ادا فرماتے اور سنت یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعات پڑھا جائے جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى» سنن أبي داود، كتاب التطوع، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥، واصله في

الصحیحین من حدیث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار)

"دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ اصل میں یہ حدیث صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما موجود ہے لیکن اس میں دن کا ذکر نہیں ہے' لیکن امام احمد اور اہل سنن کی روایتوں میں "دن" کا لفظ بھی ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اس وقت نماز کا حکم جب خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہو

سوال: جب جمعہ کے دن مسجد میں آؤں اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا اس وقت دو رکعات پڑھنا جائز ہے؟

جواب: جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے مسنون یہ ہے اور اس کی بہت تاکید آئی ہے کہ وہ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعات پڑھے بغیر نہ بیٹھے خواہ امام جمعہ کا خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وتر کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں

سوال: بعض ائمہ رمضان کے آخری عشرہ میں رات کے پہلے حصہ میں بھی وتر پڑھتے ہیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں بھی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

وتر کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

«لاَ وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)

"ایک رات میں دو بار وتر نہیں۔"

اس لئے کہ رات کی نماز کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ وتر ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی طاق ہے اور وہ طاق کو پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا رات کو تین یا پانچ یا سات یا نو وغیرہ کی تعداد میں وتر کو پڑھا جائے۔ اگر کوئی شخص حرم میں امام کے ساتھ تراویح پڑھے تو اسے اجازت ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے ہوئے وتر کو اس طرح شفع (جفت) بنا لے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور پھر رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کے بعد وتر پڑھے تو یہ افضل ہے تاکہ آخری نماز وتر ہو اور اگر تراویح کے بعد امام اول کے ساتھ اس نے وتر پڑھ لئے ہوں تو پھر آخری نماز شفع (جفت) ہونی چاہئے تاکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ ہوں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

نماز عشاء کے فوراً بعد وتر پڑھنا

مجھے قرآن مجید کی تلاوت' اذکار اور مستحب نمازوں مثلاً وتر وغیرہ کا بہت شوق ہے لیکن اکثر نماز وتر بوجھل

محسوس ہونے لگتی ہے خصوصاً جب کہ نماز عشاء کے فوراً بعد اسے ادا نہ کروں' تو کیا یہ جائز ہے کہ میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کر لیا کروں یا ضروری ہے کہ اسے مؤخر کیا جائے اور سونے سے پہلے پڑھا جائے؟

جواب سونے تک اسے مؤخر کرنا افضل نہیں ہے' جب کہ یہ نسیان یا گرانی یا غفلت کا ذریعہ بنے بلکہ اس صورت میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں البتہ اگر رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کا وثوق ہو تو پھر اسے مؤخر کرنا افضل ہے اور اگر نیند یا غفلت کا اندیشہ ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے رات کے پہلے حصہ ہی میں پڑھ لیا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سونے سے پہلے وتر پڑھنا

سوال میں ایک عورت ہوں۔ جب سونے لگتی ہوں تو بہت تھکی ہوتی ہوں' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لوں کیونکہ میں نماز فجر کے وقت بیدار ہوتی ہوں' کیا مجھے قیام اللیل کا ثواب مل جائے گا؟

جواب جب تمہاری عادت اذان فجر کے وقت اٹھنے کی ہے' تو پھر جو نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتی ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے سونے سے پہلے ادا کر لو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

«أَنْ يُوتِرَ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في الوتر قبل النوم، ح:١٤٣٢، ١٤٣٣، ومسند احمد، ٢/ ٢٢٩)

"وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیں۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ جتنی توفیق عطا فرمائے نماز پڑھ لو اور سونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو اور اگر اذان فجر سے پہلے بیدار ہو جاؤ اور نفل پڑھنا چاہو تو کوئی حرج نہیں۔ دو دو رکعات کر کے نفل پڑھ لو اور وتر دوبارہ نہ پڑھو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تحیۃ المسجد یا مؤذن کا جواب

سوال مؤذن اذان دے رہا ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے یا مؤذن کا جواب دینا اور اس کے بعد نماز پڑھنا افضل ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اذان ہو رہی ہو تو افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دیا جائے اور اس کے فارغ ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کو ادا کیا جائے لیکن جمعہ کی اذان ثانی کے وقت افضل یہ ہے کہ اذان کے وقت تحیۃ المسجد کو پڑھا جائے تاکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے آدمی نماز سے فارغ ہو جائے اور پھر خاموش بیٹھ کر خطبہ سن سکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

دعاء وتر میں رفع الیدین

سوال وتر میں رفع الیدین کا کیا حکم ہے؟

جواب شریعت کا حکم ہے کہ قنوت وتر میں بھی رفع الیدین کیا جائے کیونکہ یہ قنوت بھی قنوت نازلہ ہی کے جنس میں

سے ہے اور یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دُعَائِهِ فِي قُنُوْتِ النَّوَازِلِ»(السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في القنوت، ح: ٣٢٢٩)

"آپ نے قنوت نازلہ میں دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تھے۔" (امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح سند کیساتھ بیان فرمایا ہے)

—— شیخ ابن باز ——

نماز ضحیٰ' وقت اور تعداد رکعات؟

سوال نماز ضحیٰ کی رکعات کی تعداد کتنی ہے اور اس کے ادا کرنے کا مناسب وقت کون سا ہے؟

جواب نماز ضحیٰ سنت مستحب ہے۔ اس کی کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ افضل وقت وہ ہے جب سورج کی حرارت میں شدت آنا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

«صَلَاةُ الأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، ح: ٧٨٤)

"اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگتے ہیں۔"

لیکن یہ نماز اس وقت بھی جائز ہے جب ممانعت کا وقت گزرنے کے بعد سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور اذان ظہر سے پہلے زوال شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ پہلے تک اس نماز کا وقت رہتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز ضحیٰ اور شفع و وتر کا وقت؟

سوال ۱ نماز ضحیٰ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال ۲ نماز شفع و وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب ۱ نماز ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے' جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور ظہر سے قبل زوال سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ تک رہتا ہے اور افضل وقت ضحیٰ کا نصف وقت ہے' جس وقت اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنا شروع ہو جاتے ہیں یعنی گرمی کی شدت میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔

جواب ۲ وتر کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر طلوع صبح سے پہلے تک ہے۔ اسکا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے اس کیلئے جسے اس وقت اٹھنے کا اعتماد ہو۔ اور اگر اسے خدشہ ہو کہ وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نہیں اٹھ سکے گا تو وہ سونے سے پہلے پڑھ لے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عشاء کے بعد نماز قیام اللیل ہے

سوال کیا جو شخص عشاء کی نماز کے فوراً بعد گیارہ رکعت وتر پڑھ لیتا ہے' اسے بھی قیام اللیل شمار کیا جائے گا؟

جواب قیام اللیل وہ ہے' جسے رات کے دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد ادا کیا جائے خواہ رکعات کی تعداد زیادہ ہو یا کم خواہ

اسے عشاء سے پہلے رات کے ابتدائی حصہ میں' ادا کیا جائے یا فجر سے پہلے رات کے آخری حصہ میں لیکن افضل یہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد رات کی آخری تہائی میں اسے ادا کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں انسان جلدی سو جائے!

——— شیخ ابن جبرین ———

جس شخص کا نماز کسوف میں دوسرا رکوع فوت ہو جائے؟

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ نماز کسوف کا دوسرا رکوع سنت ہے لہٰذا جس کا پہلا رکوع رہ گیا اسے امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دو رکوع کیساتھ ایک مکمل رکعت ادا کرنا ہوگی یا یہ دوسرا رکوع پہلے رکوع کے قائم مقام ہو سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص کا نماز کسوف میں پہلا رکوع فوت ہو گیا' وہ اسے رکعت شمار نہ کرے اور اس کے بجائے وہ دو رکوعوں کے ساتھ ایک رکعت ادا کر لے۔ نماز کسوف چونکہ عبادت ہے اور عبادات توقیفی ہیں یعنی عبادات کے بارے میں صرف اسی کیفیت پر اکتفاء کیا جائے گا' جو صحیح نصوص سے ثابت ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مطلق نفل نماز

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں مطلق نیت کے ساتھ نفل نماز ادا کروں؟ مثلاً ایک شخص نے نفل نماز شروع کی اور رکعات کی تعداد کی تحدید نہ کی اور وہ چاہتا ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ توفیق دے رکعات پڑھے۔ کیا یہ جائز ہے؟ براہ کرم دلیل کے ساتھ جواب دیجئے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد جب اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس نے طاق رکعات پڑھی ہیں یا جفت اور نہ یہ معلوم ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جتنی رکعات چاہے بیک وقت شروع کر لے بلکہ وہ شریعت کے حکم کا پابند ہے اور حکم شریعت یہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى»(سنن أبي داود، كتاب التطوع، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥، واصله في الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار)

”رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔“

لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ وہ دن ہو یا رات نفل نماز دو دو رکعات کر کے پڑھے' چار یا چھ یا آٹھ وغیرہ اکٹھی نہ پڑھے ہاں البتہ وتر کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ تین یا پانچ یا سات ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے جائیں' اسی طرح نو رکعات وتر ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ ادا کی جائیں' ایک تشہد آٹھویں رکعت کے بعد کیا جائے اور دوسرا تشہد نویں رکعت کے بعد اور پھر اس کے بعد سلام پھیر دیا جائے۔ الغرض انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بیک وقت جتنی تعداد میں چاہے رکعات شروع کر لے بلکہ ضروری ہے کہ دو دو کر کے رکعات پڑھے ہاں اس طرح جتنی رکعات چاہے پڑھ سکتا ہے' اگرچہ افضل یہ ہے کہ رات کی نماز تیرہ یا گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

شیخ ابن عثیمین

نفل نماز یا طواف؟

سوال کعبہ کے پاس طواف افضل ہے یا نفل نماز؟

جواب بے شک نماز عبادت اور تقرب الٰہی کے حصول کا افضل ترین ذریعہ ہے' اسی طرح بیت الحرام کا طواف بھی نماز اور دعاء ہے اور اس کی بھی بہت فضیلت ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ جو شخص باہر سے مکہ میں آیا اور اسے یہاں سے جلد چلے جانا ہے تو اس کے حق میں مطلق نفل نماز کی نسبت طواف بہتر ہے کیونکہ طواف اسے ہر جگہ میسر نہ ہو گا لیکن وہ یہاں نماز بھی نہ چھوڑے بلکہ سنن راتبہ' طواف کی دو رکعات اور جس قدر ممکن ہو نماز بھی پڑھتا رہے۔ مکہ میں مقیم انسان کے لئے نفل نماز افضل ہے لیکن وہ بیت اللہ کا طواف بھی نہ چھوڑے' یہ کہتے ہوئے کہ وہ جب چاہے گا طواف کر لے گا۔

شیخ ابن جبرین

نماز باجماعت اور تارک نماز کا حکم

منافقوں کے لئے سب سے دشوار عشاء اور صبح کی نماز ہے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ صبح کی نماز کے وقت آدمی سویا رہے اور جب بیدار ہو' اس وقت پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو اسے جس وقت یاد آئے اسی وقت پڑھ لے' اس کا وہی وقت ہے۔“ میں صبح کے وقت اٹھ تو سکتا ہوں لیکن بے حد مشکل کے ساتھ اور اگر اس وقت نماز پڑھوں' تو ذہن بھی حاضر نہیں ہوتا۔ (یعنی منتشر ذہن سے نماز پڑھتا ہوں) امید ہے صبح کی نماز کی فضیلت خصوصاً نہایت وضاحت کے ساتھ اس کے تارک کی سزا بھی بیان فرمائیں گے؟

جواب ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام نمازوں کو باجماعت مسجد میں ادا کرے' اس کا خاص اہتمام کرے اور ہر اس بات سے دور رہے' جو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بنے۔ ان فرائض میں سے اہم ترین نماز فجر ہے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

”منافقوں کے لئے سب سے زیادہ دشوار نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان نمازوں میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو وہ گھٹنوں کے بل بھی چل کر آتے“

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ ﴾ (الإسراء۱۷/ ۷۸)

"اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔"

حدیث میں بھی ہے کہ صبح کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یعنی اس وقت دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

امام شافعی کا مذہب ہے کہ نماز فجر ہی نماز وسطیٰ ہے اور آپ کا استدلال:

﴿ وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۸)

"اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

کے جملہ سے ہے کہ طول قیام تو نماز فجر میں ہوتا ہے' بہرحال یہ واجب ہے کہ نماز صبح کے لئے خاص اہتمام کیا جائے لہٰذا ایسے اسباب اختیار کیجئے' جن کی وجہ سے آپ کے لئے نماز صبح کا باجماعت ادا کرنا ممکن ہو مثلاً رات کو جلد سو جایئے اور دیر تک بیدار نہ رہیئے کیونکہ اس سے رات کے آخری حصہ میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور آدمی صبح کی نماز بروقت ادا نہیں کر سکتا۔ آپ پوری پوری کوشش کریں کہ اذان کے قریب یا اذان سنتے ہی بیدار ہو جائیں یا کسی کے ذمے لگائیں جو آپ کو بیدار کر دے' یا نماز کے وقت آپ کے دروازہ پر دستک دے دے' یا الارم والی گھڑی استعمال کیجئے کہ اذان سن کر یا اذان کے قریب آپ الارم سن کر بیدار ہو جائیں اور جب انسان اٹھنے کا عادی ہو جائے تو وہ سستی اور صعوبت پر قابو پا ہی لیتا ہے' اس کے لئے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے' نماز سے اسے محبت ہو جاتی ہے اور نماز میں جو وہ کہتا یا سنتا ہے' اس کے لئے اسے دل کی حضوری بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

حالت رکوع میں امام کا مقتدیوں کے لئے انتظار کرنا

سوال امام جب حالت رکوع یا آخری تشہد میں مقتدیوں کے آنے کی آواز کو سنے' تو کیا اس کے لئے لازم ہے کہ ان کا انتظار کرے؟

جواب افضل یہ ہے کہ عجلت نہ کی جائے اور اسی طرح یہ بھی افضل ہے کہ امام اتنی تاخیر کرے' جو مومنوں کے لئے گراں نہ گزرے کیونکہ پہلے آنے والے مومنوں کی رعایت کرنا زیادہ اہم ہے لیکن امام اگر تھوڑی سی تاخیر کرے' کہ آنے والے لوگ امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ یا تشہد کو پالیں تو یہ امام کے لئے افضل اور اولیٰ ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز کے ساتھ ملنے کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا

سوال بہت سے مسلمانوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی نماز باجماعت کا کوئی حصہ بھی فوت نہ ہو لہٰذا جب وہ مسجد کی طرف آتے اور یہ دیکھتے ہیں کہ امام نے نماز شروع کر دی ہے' تو وہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں' تو اس طرز عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز کے لئے دوڑ کر نہیں آنا چاہیئے' یہ ایک مکروہ عمل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَامْشُوْا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب قول الرجل فاتتنا الصلوة،ح: ٦٣٥، ٦٣٦ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . .، ح: ٦٠٢)

"جب تم نماز کے لیے آؤ تو بڑے سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ' نماز کا جو حصہ پا لو اسے پڑھو اور جو حصہ فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلاَ تَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَائْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة . . .، ح: ٦٠٢)

"نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آؤ' جو حصہ پا لو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔"

سنت یہ ہے کہ آدمی نماز کے لئے چلتے ہوئے عاجزانہ انداز میں اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے آئے' بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی معمول کی چال میں آئے اور صف کے ساتھ مل جائے سنت یہی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

بچوں کو صف میں کہاں کھڑا کیا جائے

سوال: جب آدمی دو یا دو سے زیادہ نابالغ بچوں کی امامت کروائے تو بچے کہاں کھڑے ہوں اس کے پیچھے یا دائیں جانب؟

جواب: سنت یہ ہے کہ بچے جب سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہو جائیں تو وہ بالغوں کی طرح امام کے پیچھے ہی کھڑے ہوں اور اگر بچہ ایک ہو تو اسے امام اپنی دائیں جانب کھڑا کر لے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کر لیا[1] اور ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی اور انہیں اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا' اسی طرح ایک مرتبہ نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے' تو انہیں بھی آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔[2]

——— فتویٰ کمیٹی ———

---

① صحیح بخاری' کتاب الجماعة والامامة' باب المرأة وحدها تكون صفا' ح: 380' 727- و صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز الجماعة في النافلة' ح: 658-

② صحیح بخاری' کتاب الاذان' باب اذا قام الرجل عن یسار الامام فحوله الامام---' ح: 698-

محکموں' اداروں اور کمپنیوں میں نماز

سوال ہمارے شہر میں "امربالمعروف اور نہی عن المنکر" کے محکمہ کے سربراہ نے یہ حکم دیا ہے کہ بینک کا ہر ملازم نماز ظہر قریبی مسجد میں باجماعت ادا کرے' جب کہ بینک کے مدیر کی یہ رائے ہے کہ بینک کے تمام ملازمین کو بینک کے اندر ہی باجماعت نماز ادا کرنی چاہئے آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی قولی و فعلی سنت یہ ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے۔ آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دینے کا ارادہ فرمایا' جو مسجدوں میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے نہیں آتے۔ حضرات خلفاء راشدین' صحابہ کرام ﷺ اور تابعین کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ نماز کو مسجدوں میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠ والحاكم ١/ ٢٤٥ من هذا الطريق وسنده صحيح)

"جو شخص اذان کی آواز سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی' الّا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

اسی طرح یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک (نابینا) آدمی نے عرض کیا:

«إِنِّيْ يَارَسُوْلَ اللهِ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يُلاَزِمُنِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَهَلْ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِيْ؟ فَقَالَ لَهُ الرَّسُوْلُ ﷺ: تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَأَجِبْ»
(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"یارسول اللہ! میرا کوئی معاون نہیں' جو مجھے مسجد میں لا سکے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں گھر میں نماز ادا کر لوں؟" تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا "کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو اس پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند أحمد، ٣/ ٤٢٣)

"نہیں میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ بینک کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ قریبی مسجد میں نماز باجماعت ادا کریں تاکہ سنت پر عمل ہو' فرض کی ادائیگی ہو' مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے پیچھے رہ جانے کے لئے اختیار کئے جانے والے حیلوں' بہانوں کا سدباب ہو اور منافقوں کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ وباللہ التوفیق ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

دوسری جماعت کا حکم

سوال جو لوگ جماعت سے پیچھے رہ جائیں اور مسجد میں آئیں اور دیکھیں کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں' تو کیا وہ اسی مسجد میں دوسری جماعت کروا سکتے ہیں؟ کیا اس حدیث کہ ((من یتصدق علی ھذا)) "کون ہے جو اس پر صدقہ کرے؟" اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کا جو یہ قول ہے کہ "جب ہماری جماعت رہ جاتی تو ہم الگ الگ نماز پڑھتے" میں تعارض ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں آئے اور دیکھے کہ لوگ امام راتب یا غیر راتب کی اقتداء میں جماعت سے فارغ ہو چکے ہیں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر جن کی جماعت رہ گئی ہے' نماز باجماعت ادا کر لے یا ان میں سے کوئی اس پر صدقہ کرتے ہوئے اسے جماعت سے نماز پڑھا دے' جو پہلے اپنی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر چکے ہوں کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الجمع في المسجد مرتين، ح: ٥٧٤)

"کیا کوئی ہے جو اس شخص پر صدقہ کرے اور اسے نماز جماعت کے ساتھ پڑھا دے۔"

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اسے نماز پڑھا دی۔ ترمذی نے بھی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی اس وقت آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تھے' تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلٰى هٰذَا»(سنن ترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صُلّي فيه مرة، ح: ٢٢٠)

"کون ہے جو اس سے تجارت کرے؟"

ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اسے جماعت سے نماز پڑھا دی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے آپ کی موافقت کی ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی "المحلی" میں اسے ذکر کر کے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "کئی ایک صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے کہ اس مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' جس میں پہلے جماعت ہو چکی ہو۔" امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں کا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہیے۔ چنانچہ سفیان' ابن مبارک' مالک اور امام شافعی کا قول یہی ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہیے۔ اور ان کے ہم نوا لوگوں نے دوسری جماعت کو اس لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس سے افتراق اور انتشار پیدا ہو گا' خواہش نفس کے پجاری جماعت سے پیچھے رہ جانے کا اسے ایک ذریعہ بنا لیں گے اور اس طرح دوسری نماز اس امام کی اقتداء میں ادا کریں گے' جو ان کی جماعت اور ان کی بدعت میں ان کی موافقت کرے گا لیکن مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر ان میں سے پہلا قول ہی صحیح ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے۔ تم اللہ سے ڈرو۔"

کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے' نیز نبی ﷺ کے اس ارشاد کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَائْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحیح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ"

کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ بلاشک و شبہ نماز باجماعت ادا کرنا ہی تقویٰ ہے اور شریعت نے اس کا حکم دیا ہے لہٰذا مقدور بھر کوشش کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہئے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ صحیح احادیث کے معارضہ میں اہل علم کی ان بیان کردہ علل کو پیش کیا جائے' جن کی وجہ سے انہوں نے مسجد میں دوسری جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے بلکہ اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے' جس پر صحیح نقول دلالت کناں ہوں اور اگر کسی شخص یا کسی جماعت کے بارے میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ نماز باجماعت کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے دانستہ پیچھے رہتے ہیں اور ان سے بار بار اس بات کا صدور ہوا ہے یا ان کے طرز عمل اور ان کی جماعت کی روش سے یہ ظاہر ہو کہ وہ محض اس لئے جماعت سے پیچھے رہتے ہیں تاکہ اپنے ہم نوا لوگوں کے ساتھ نماز ادا کریں' تو انہیں تعزیری سزا دی جائے گی اور اس بات سے انہیں روکا جائے گا' مسلمان حاکم انہیں اور ان جیسے اپنی خواہش کے بچاریوں کو جو چاہے مناسب سزا دے سکتا ہے اور اس طرح انتشار و خلفشار اور خواہشات کے پجاریوں کی اغراض کا سدباب کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان دلائل کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں' جن سے ان لوگوں کے لئے دوسری جماعت کے جواز کا ثبوت ملتا ہے' جو پہلی جماعت سے محروم ہو گئے ہوں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز باجماعت واجب ہے

سوال بعض لوگ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت عطاء فرمائے ۔۔ کسی شرعی عذر کے بغیر نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ کچھ لوگ اس سلسلہ میں دنیوی کاموں کے عذر پیش کرتے ہیں اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے' تو وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھی جاتی ہے' کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے' آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب مسلمانوں کی ہمدردی و خیرخواہی اور منکر کا انکار کرنا تو اہم واجبات میں سے ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں' وہ (ایک دوسرے کو) اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان ...، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے' تو اسے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«وَقَالَ ﷺ: الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: للهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

"دین ہمدردی و خیرخواہی کا نام ہے" عرض کیا گیا "یا رسول اللہ! کس کے لئے ہمدردی و خیرخواہی؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لئے' اس کے رسول کے لئے' مسلمان حکمرانوں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے!"

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔

بلاشک و شبہ بغیر کسی عذر کے نماز باجماعت ترک کرنا' ان منکرات میں سے ہے' جن سے منع کرنا ضروری ہے کیونکہ مردوں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں اور یہ بہت سے دلائل سے ثابت ہے مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اور اس کی سند جید ہے۔ اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟" تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟" تو اس نے کہا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "پھر اذان کی آواز پر لبیک کہو۔"

(اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)

مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی دوسرا مسلمان بھائی جب کسی برائی سے روکے تو ناراض نہ ہو بلکہ اچھے طریقہ سے جواب دے بلکہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اسے دعاء دے کیونکہ اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دی اور اس کا حق اسے یاد دلایا ہے۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ داعی حق کے جواب میں تکبر کا اظہار کرے کیونکہ ایسا کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی اور اسے جہنم کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ ﴾

(البقرۃ٢/ ٢٠٦)

"اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے' سو ایسے شخص کو جہنم سزا وار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص آخری تشہد میں ملے اس کی جماعت فوت ہو گئی

سوال: کیا نمازی جب آخری تشہد میں ملے تو اسے نماز باجماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب: جماعت کا ثواب اسی صورت میں ملتا ہے کہ آدمی ایک رکعت ضرور پا لے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»(بخاري، مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، ح:٥٨٠، ومسلم، المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد . . . ، ح:٦٠٧)

"جس نے ایک رکعت پا لی اس نے نماز پا لی۔"

لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے لیٹ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب عطا فرما دیتا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللهُ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ مُقِيْمٌ»(صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل في الاقامة، ح:٢٩٩٦، ومسند احمد، ٤/ ٤١٠)

"جب کوئی آدمی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کے مطابق اجر و ثواب عطا فرما دیتا ہے جو وہ اس وقت کرتا تھا جب وہ صحیح اور مقیم تھا۔"

——— شیخ ابن باز ———

وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے

سوال: ایک مسلمان اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ایمان بہت قوی ہے اور وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے تو کیا جب وہ فوت ہو جائے تو اہل مسجد اس کی نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں؟

جواب: علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کو باجماعت ادا کرنا ان مردوں کے لئے واجب ہے' جو اسے باجماعت ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں لہٰذا جو آدمی بغیر کسی عذر کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا گناہ گار اور نافرمان ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کو باجماعت ادا کرنا تو اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کے وقت بھی واجب قرار دیا ہے حالانکہ یہ بہت مشکل وقت ہوتا ہے اور اگرچہ اس میں صحت نماز کی بعض شرطوں پر عمل نہیں ہو سکتا

جیسا کہ نماز خوف کی بعض صورتوں میں ہوتا ہے لیکن باجماعت ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓاْ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُواْ فَلْيَكُونُواْ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّواْ فَلْيُصَلُّواْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُواْ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

"اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو' تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں اور دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (ان کی جگہ) آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے' کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔"

سنت سے دلیل یہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ح:٦٤٤، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وانها فرض كفاية، ح:٦٥١)

"اس ذات اقدس کی قسم' جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میرا ارادہ ہے کہ میں حکم دوں کہ ایندھن اکٹھا کیا جائے پھر حکم دوں کہ نماز کے لئے اذان دی جائے' پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے گھروں کو اس آگ سے جلا دوں جو مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوئے۔ اس ذات اقدس کی قسم' جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہیں معلوم ہو کہ انہیں ایک موٹی ہڈی' یا دو اچھے پائے ملیں گے' تو وہ نماز عشاء میں ضرور حاضر ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے لیکن جو شخص کسی عذر کے بغیر جماعت ترک کر دے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے ہاں البتہ نماز جماعت کے فریضہ کے ترک کی وجہ سے وہ گناہگار ضرور ہے لہٰذا جب وہ فوت ہو جائے تو دیگر گناہ گاروں کی طرح اس کا بھی مسجد میں یا کسی اور جگہ جنازہ ضرور پڑھا جائے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

صف کے دائیں طرف نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں

سوال عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو صف کی دائیں جانب مکمل ہو گئی لیکن بائیں جانب تھوڑے لوگ تھے تو ہم نے کہا صف کو بائیں جانب سے بھی مکمل کر لو تو ایک نمازی نے کہا دائیں جانب افضل ہے تو دوسرے نے اس کے جواب میں

کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے‘ اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔“ براہ کرم فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح بات کیا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ہر صف کا دایاں حصہ اس کے بائیں حصہ سے افضل ہے لیکن لوگوں سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صف کو دونوں طرف سے برابر کرلو کیونکہ اگر دائیں طرف زیادہ لوگ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ دائیں طرف کی فضیلت کو حاصل کرسکیں۔

بعض نمازیوں نے جو یہ ذکر کیا کہ ”جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے‘ اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔“ تو مجھے اس حدیث کا کوئی اصل معلوم نہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے‘ اسے بعض ان سست لوگوں نے وضع کیا ہے‘ جو دائیں طرف کا شوق نہیں رکھتے اور اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ واللہ الھادی الٰی سواء السبیل

——— شیخ ابن باز ———

صف کہاں سے شروع کی جائے؟

سوال نماز کی صف کو کہاں سے شروع کیا جائے؟ کیا صف کو امام کے پیچھے سے شروع کیا جائے یا دائیں جانب کے کنارے سے شروع کیا جائے؟

جواب پہلی صف کو امام کے پیچھے سے شروع کرکے دائیں بائیں پھیلا دیا جائے اور اسے دائیں جانب کے کنارے سے شروع نہ کیا جائے جیسا کہ سوال میں پوچھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد دوسری صف کو بھی امام کے پیچھے سے شروع کرکے دائیں بائیں جانب پھیلا دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص لہسن‘ پیاز یا گندنا کھائے

سوال رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ:

«مَنْ أَكَلَ بَصَلاً أَوْ ثُومًا أَوْ كُرَّاثًا فَلاَ يَقْرَبَنَّ مَسَاجِدَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ ، فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُوْ آدَمَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من اكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها. . . ، ح: ٥٦٤ اما التحديد بثلاثة ايام فلا اعلم له اصلا)

”جو شخص لہسن‘ پیاز یا گندنا کھائے تو وہ تین دن تک ہماری مسجدوں میں نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں‘ جس سے انسان کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔“ (او کما قال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام)

تو کیا اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں میں سے کسی ایک کو کھانے کے بعد مسجد میں نماز جائز نہیں حتیٰ کہ یہ مذکورہ مدت گزر جائے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے نماز باجماعت لازم ہو اس کے لئے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے؟

جواب اس حدیث اور اس کے ہم معنی دیگر صحیح احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اس وقت تک نماز باجماعت کے لئے مسجد میں حاضری مکروہ ہے جب تک اس سے ایسی بدبو آتی رہے جس سے اس کے گردوپیش کے نمازیوں کو تکلیف ہو' خواہ یہ بو لہسن' پیاز اور گندنا کھانے کی وجہ سے ہو یا مکروہ بدبو والی دیگر اشیا مثلاً سگریٹ نوشی وغیرہ کی وجہ سے ہو حتی کہ اس کی بو زائل ہو جائے اور جہاں تک تین دن کی حد بندی کا مسئلہ ہے تو مجھے اس کے بارے میں کوئی اصل معلوم نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کی پڑتال

سوال ہم فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کو بلاتے اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔

جواب مسلمانوں کے لئے یہ واجب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی و خیرخواہی کریں اور نیکی' تقویٰ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس کے لئے کبھی اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں معلوم کیا جائے اور یہ جاسوسی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی کی جائے' اسے مفید مشورے دیئے جائیں' کوئی پریشانی ہے تو اسے دور کیا جائے' حصول منفعت یا دفع ضرر و مشقت کے سلسلہ میں اس سے تعاون کیا جائے یا اسے نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے منع کیا جائے' چنانچہ اسی مقصد کی خاطر مسجد کے نمازیوں کی بھی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی نماز فجر میں نمازیوں کی پڑتال کی اور فرمایا:

«أَشَاهِدٌ فُلاَنٌ، أَشَاهِدٌ فُلاَنٌ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، ح:٥٥٤، وسنن نسائي، كتاب الامامة، باب الجماعة إذا كانوا اثنين، ح:٨٤٤ ومسند احمد، ٥/ ١٤٠)

''کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ کیا فلاں شخص حاضر ہے؟''

—— فتویٰ کمیٹی ——

صبح کی نماز کے وقت سویا رہنا

سوال میں بعض اوقات بہت تھکا ہوتا ہوں اور رات کو سوتا بھی دیر سے ہوں' جس کی وجہ سے نماز صبح گھر ہی میں پڑھ سکتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہر بالغ مسلمان مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پانچوں نمازیں' اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر مسجد میں باجماعت ادا کرے اور اس سلسلہ میں سستی و کاہلی ہرگز جائز نہیں' صبح یا دیگر نمازوں میں جماعت سے پیچھے رہ جانا نفاق کی نشانی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

''منافق اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ

نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

"منافقوں کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہو تا کہ ان میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو وہ ان نمازوں میں گھٹنوں کے بل آکر بھی شریک ہوتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی معقول شرعی عذر ہو۔"

ایک نابینا آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں ہے' جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟" عرض کیا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر مؤذن کی آواز پر لبیک کہو۔"

جب ایسے نابینا شخص کو جس کے پاس کوئی معاون بھی نہ ہو' جماعت میں شرکت سے معذور نہیں سمجھا گیا تو کوئی دوسرا انسان تو بالاولیٰ معذور نہیں ہو سکتا لہٰذا اے سائل! آپ پر واجب ہے کہ اللہ سے ڈریں' فجر اور دیگر نمازوں کے باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں' (رات کو) جلد سو جائیں تاکہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ سکیں اور بیماری یا خوف وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر گھر میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے اختیار کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء

سوال کیا یہ جائز ہے کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی مل کر اجتماعی طور پر دعاء کریں؟

جواب بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس سوال کا پہلے بھی جواب دیا جا چکا ہے' جو کہ حسب ذیل ہے:

"عبادات توقیفی ہیں لہٰذا عبادات کے اصل' عدد' کیفیت اور جگہ کے بارے میں کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشروع ہے' تو اس ضابطہ کی بنیاد پر جب ہم اس اجتماعی دعاء کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ آپ کے قول یا فعل یا تقریر سے قطعاً ثابت

نہیں ہے اور ساری خیروبرکت آپ کی سنت کے اتباع میں ہے اور اس مسئلہ میں قطعی دلائل سے ثابت جو آپ کی سنت ہے اور جس کے مطابق آپ کے خلفاء راشدین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے عمل کیا وہ اجتماعی طور پر دعاء کا نہ کرنا ہے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے خلاف عمل کرتا ہے' تو وہ مردود (عمل) ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . . ، ح:١٧١٨)

''جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔''

لہٰذا جو امام سلام کے بعد دعاء کرتا ہے' مقتدی اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں اور سب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا رکھے ہوتے ہیں' ان سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اپنے اس عمل کے اثبات میں کوئی دلیل پیش کریں ورنہ یہ عمل مردود قرار پائے گا۔

اس اصولی بات کی وضاحت کے بعد اب ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا تھی؟ چنانچہ آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ سلام کے بعد تین بار پڑھتے ((اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ)) اور پھر پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلاَلِ وَالْإِكْرَامِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩١)

''اے اللہ! تو ہی سلامتی (دینے) والا ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی (نصیب ہوتی) ہے' بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و احسان (کرنے والے)''

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ استغفار کیسے کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بندہ یہ کہے:

«أَسْتَغْفِرُ اللهَ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩١)

''میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں' میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔''

یہ مسلم' ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلاَتِهِ»(سنن نسائي، كتاب السهو، باب الاستغفار بعد التسليم، ح:١٣٣٨)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ کہتے.....''

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ مِنْ صَلاَتِهِ اسْتَغْفَرُ اللهَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ»(سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب ما يقول الرجل إذا سلّم، ح:١٥١٣)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پھرتے تو تین بار ((استغفر اللہ)) پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے ((اللھم انت السلام))

ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو یہ پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلاَلِ وَالْإِكْرَامِ»(سنن أبي داود، كتاب

الوتر باب ما يقول الرجل إذا سلّم، ح:١٥١٢، سنن نسائي، كتاب السهو، باب الذكر بعد الاستغفار، ح:١٣٣٩)

مسلم میں وراد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں یہ بھی لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤٤، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفة، ح:٥٩٣)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے‘ وہ اکیلا ہے‘ کوئی اس کا ساتھی نہیں‘ اسی کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے‘ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے‘ اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔“

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے‘ جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة، ح:٥٩٤)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے‘ وہ اکیلا ہے‘ کوئی اس کا ساتھی نہیں‘ اس کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی (سب) تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (کسی کام کی بھی) طاقت و قوت اللہ (کی مدد) کے بغیر میسر نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے‘ اسی کی (دی ہوئی سب) نعمتیں ہیں اور اسی کا (ہم پر) فضل و احسان ہے اور اسی کی (سب) اچھی تعریفیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (ہم تو) پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے دین کے پیرو ہیں اگرچہ کافروں کو برا لگے۔“

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلاَثًا وَّثَلاَثِيْنَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر وبيان صفة، ح:٥٩٧)

”جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ‘ تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ‘ تینتیس (۳۳) مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو یہ ننانوے (۹۹) کلمات ہو گئے اور یہ پڑھ کر کلمات کی تعداد ایک سو (۱۰۰) کر دے کہ: لا الہ الا

اللہ وحدہ لاشریک له' له الملک وله الحمد' وھو علی کل شئی قدیر تو اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا' خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔"

اور جو شخص اس سلسلہ میں مزید دعائیں معلوم کرنا چاہے تو اسے جامع کتابوں کے "کتاب الادعیہ" کی طرف رجوع کرنا چاہئے مثلاً ((جامع الاصول' مجمع الزوائد اور المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة)) وغیرھا۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

پبلک پارکوں میں نماز کا حکم

سوال پبلک پارکوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے' جب کہ ان پارکوں کو ایسے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' جن سے گندی بو آتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جس پانی سے انہیں سیراب کیا جاتا ہے' وہ نالیوں کا یا ایسے کنوؤں کا صاف شدہ پانی ہوتا ہے' جن میں ناپاک گٹروں کا پانی شامل ہوتا ہے' تو کیا محکمہ کی طرف سے ان پارکوں میں نماز ادا کرنے سے منع کیا جا سکتا ہے؟ امید ہے اس مسئلہ میں صحیح صورت حال کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب جب تک ان پارکوں اور باغوں سے گندی بو آتی ہے' ان میں نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت نماز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ بھی پاک ہو جہاں مسلمان نے نماز پڑھنی ہو لہٰذا اگر کوئی پاک صاف کپڑا وغیرہ زمین پر بچھا لیا جائے تو نماز صحیح ہو گی!

لیکن یاد رہے ان پارکوں اور باغوں وغیرہ میں مسلمان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' خواہ وہ کوئی پاک صاف کپڑا ہی زمین پر کیوں نہ بچھا لے بلکہ اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے ان گھروں یعنی مسجدوں میں نماز ادا کرے' جن کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے:

﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ ﴾

(النور ۲٤/ ۳٦۔۳۸)

"ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔"

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، کتاب المساجد

والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

''جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔''

اور نبی ﷺ سے ایک نابینا آدمی نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں؟ تو نبی نے ﷺ فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

''کیا تم نماز کے لئے اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا پھر اس آواز پر لبیک کہو۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے محکمہ پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو باغوں اور پارکوں میں نماز پڑھنے سے منع کرے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دے تا کہ: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ اور ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (التوبة 9/81) پر عمل ہو سکے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان ....، ح:٤٩)

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

دوسری جماعت کا حکم

سوال بعض نمازی نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں تو امام راتب کی اقتداء میں پہلی جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے وہ دوسری جماعت کھڑی کر لیتے ہیں' اس کے بارے میں اسلام میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئیں جب امام نے سلام پھیر دیا ہو اور وہ باجماعت نماز ادا کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب ایک شخص اس وقت مسجد میں آیا جب نبی کریم ﷺ نے نماز سے سلام پھیر دیا تھا تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ»(رواه احمد في المسند ٣/ ٤٥)

''کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اسے نماز باجماعت پڑھا دے؟''

فتویٰ کمیٹی

کیا امام کو دیکھنا واجب ہے؟

سوال ہماری مسجد کے شمالی جانب ایک قطعہ زمین ہے' جو مسجد سے ملحق ہے اور اس کی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ ہم اس زمین کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ رمضان میں یہاں نماز ادا کر سکیں' تو کیا یہ جائز ہے جب کہ وہ یہاں نماز پڑھتے ہوئے امام کو نہ دیکھ سکیں گی بلکہ صرف لاؤڈ سپیکر ہی سے امام کی متابعت کر سکیں گی؟

جواب اس مذکورہ زمین میں ان کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' جہاں سے وہ نہ امام کو دیکھ سکیں اور نہ مقتدیوں کو بلکہ صرف تکبیر کی آواز سن سکیں۔ ان کے لئے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھر میں نماز ادا کریں الا یہ کہ مسجد میں انہیں نمازیوں کے پیچھے کوئی جگہ مل جائے یا کوئی ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ امام یا کچھ مقتدیوں کو دیکھ سکیں تو وہاں نماز ادا کر لیں۔

شیخ ابن باز

کیا عورتیں باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں؟

سوال کیا عورتیں بھی مردوں کی طرح باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں یا ان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ الگ الگ نماز ادا کریں؟ اور اگر ان کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا لازم ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنے اہل خانہ کو باجماعت نماز پڑھاؤں تاکہ انہیں نماز باجماعت کا اجر و ثواب مل جائے؟

جواب مسجدوں میں نماز باجماعت ادا کرنا صرف مردوں کے لئے واجب ہے لیکن جب کوئی عورت مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے اجازت مانگے تو اسے منع کرنا مکروہ ہے' جب کہ اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے اور گھر میں باجماعت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان کی امام ان کی صف کے درمیان ہی میں کھڑی ہو گی لیکن عورتوں کے لئے باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت اس طرح نہیں ہے' جس طرح مردوں کے لئے ہے۔ کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسجد کو چھوڑ کر گھر میں اپنے اہل خانہ یا عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھائے کیونکہ فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا مردوں کے لئے فرض ہے۔

شیخ ابن جبرین

ایک موضوع حدیث جو کہ صحیح نہیں ہے

سوال لوگوں میں ایک ورقہ تقسیم کیا گیا جس پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ حدیث لکھی ہوئی تھی کہ "جو شخص نماز میں سستی کرے اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی بنیاد ہے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان" میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "لسان المیزان" میں بیان فرمایا ہے لہٰذا جو

شخص اس کاغذ کو پائے اسے جلا دے اور اسے تقسیم کرنے والے کو تنبیہ کرے تا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے دفاع کیا جا سکے اور آپ کی سنت صحیحہ میں' نماز کی جو عظمت اور اس کے بارے میں سستی کے لئے وعید آئی ہے' وہ کافی' شافی اور کذاب لوگوں کے کذب سے بے نیاز کر دینے والی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ۝٢٣٨﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُواْ ٱلشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝٥٩﴾ (مريم١٩/ ٥٩)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے' جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے' سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔"

اور فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥﴾ (الماعون١٠٧/ ٤_٥)

"تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے' جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز کا ہے جو شخص نماز کو ترک کر دے' وہ کافر ہے۔"

اور اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے"

اسی طرح ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَحُشِرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ وَأُبَيِّ ابْنِ خَلَفٍ»(رواه احمد في المسند، ٢/ ١٦٩ ومجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة، ح:١٦١١)

"جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور' برہان اور ذریعہ نجات ہو گی اور جو شخص نماز کی حفاظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ نور ہو گا' نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور اسے روز

قیامت فرعون' ہامان' قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

بعض علماء نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ جس نے نماز کو ضائع کر دیا اسے قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا کیونکہ اگر اس نے حکومت و ریاست کی وجہ سے اسے ضائع کیا ہے' تو وہ فرعون کے مشابہ ہے۔ اگر اس نے وزارت اور دیگر اونچے عہدوں کی وجہ سے ضائع کیا ہے' تو وہ ہامان کے مشابہ ہے جو کہ فرعون کا وزیر تھا اور اس کے ساتھ ہی روز قیامت جہنم رسید ہو گا۔ جس نے اسے مال و خواہشات نفسانی کے باعث ضائع کیا ہے تو وہ اس قارون کے مشابہ ہو گا' جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر سمیت زندہ زمین میں دھنسا دیا تھا کیونکہ اس نے اپنے بے حدوحساب مال و دولت اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے اتباع حق سے اعراض کر لیا تھا تو مال ودولت کی بنا پر نماز ضائع کرنے والے کو روز قیامت قارون کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنی تجارت اور دیگر امور و معاملات کی وجہ سے ضائع کیا' تو وہ ابی بن خلف کے مشابہ ہے جو کفار مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور اس کے ساتھ مشابہت رکھنے والے بے نمازیوں کو روز قیامت اسی کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا۔ ہم ان اور ان جیسے لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

وہ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کرتا ہے

سوال میرا ایک دوست ہے جو میرے قریب ہی رہتا ہے اور مسجد بھی ہمارے گھر سے بہت ہی قریب ہے اور میرا یہ دوست رات بھر ٹیلی ویژن دیکھنے اور تاش کھیلنے مین مشغول رہتا ہے لیکن نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتا ہے۔ میں نے اسے کئی دفعہ سمجھایا ہے لیکن وہ عذر یہ پیش کرتا ہے کہ مجھے صبح کی اذان سنائی نہیں دیتی حالانکہ مسجد ہم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کر دیا کروں گا اور فی الواقع میں نے اس کے پاس جانا اور اسے بیدار کرنا شروع بھی کر دیا لیکن اس کے باوجود میں اسے مسجد میں نہیں دیکھتا' پھر میں نماز کے بعد واپس اس کے پاس آتا ہوں تو اسے بدستور سویا ہوا پاتا ہوں۔ میں اسے سرزنش کرتا ہوں تو فضول حیلے بہانے کرتا ہے اور بسااوقات کہتا ہے کہ ہاں عنداللہ روز قیامت میرے بارے میں تم جواب دہ ہو گے کیونکہ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ آپ سے درخواست یہ ہے کہ براہ کرم مطلع فرمائیے کیا واقعی مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کروں؟

جواب کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رات بھر اس قدر بیدار رہے کہ نماز فجر باجماعت یا بروقت ادا نہ کر سکے خواہ رات کی یہ بیداری قرآن مجید کی تلاوت یا طلب علم ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو' تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اس بات کی کس طرح اجازت ہو سکتی ہے کہ آدمی شب بھر ٹیلی ویژن دیکھنے یا تاش کھیلنے میں مشغول رہے اور نماز فجر ضائع کر دے؟

اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے یہ شخص گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہے' حکمرانوں کی طرف سے بھی یہ سزا کا مستحق ہے' حکمرانوں پر بھی فرض ہے کہ وہ اسے اور اس جیسے لوگوں کو سزا دے کر نماز ضائع کرنے سے روکیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک عمداً نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد تک مؤخر کرنا کفر اکبر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے

کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے"

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے' وہ نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ایسے ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص عمداً اور بغیر شرعی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتا ہے وہ کافر ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

تارک نماز اور تارک جماعت

سوال: تارک نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز نماز باجماعت ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: کمیٹی نے اس استفتاء کے مطالعہ کے بعد اس کا درج ذیل جواب لکھا:

نماز شہادتین کے بعد اسلام کے ارکان خمسہ میں سے سب سے اہم رکن ہے۔ جو شخص اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے اور جو شخص محض غفلت اور سستی کی بنا پر ترک کرے علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور اس قول کی اصل بنیاد وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

نیز وہ روایت جسے امام احمد نے "مسند" میں اور ترمذی نے "جامع" میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے' جو شخص اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔"

باقی رہا نماز باجماعت ادا کرنا تو یہ بھی واجب عین ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء ٤/ ١٠٢)

"اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ حالت خوف میں بھی نماز باجماعت ادا فرمائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت امن میں نماز باجماعت ادا کرنا تو بالاولیٰ فرض ہے۔ سنت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا آدمی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جا سکے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟" آپ نے اسے رخصت دے دی اور جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر مؤذن کی آواز پر لبیک کہو۔"

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"پھر میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک نابینا آدمی کے لئے ترک جماعت کی رخصت نہیں تو بینا کے لئے تو بالاولیٰ یہ رخصت نہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دینے کا ارادہ فرمایا تھا جو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے نہیں آتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب یا فرض کفایہ سے پیچھے رہے تو اسے تو اس طرح کی سرزنش نہیں کی جا سکتی۔ ((وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا تارک نماز کے بارے میں لوگوں کو بتانا جائز ہے؟

سوال جب بعض لوگوں کے بارے میں مجھے یہ علم ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے وہ ایسے برے اعمال کرتے ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں انہیں سرزنش کروں تاکہ لوگوں کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہو جائے یا یہ جائز نہیں ہے؟

جواب سب سے پہلے تو آپ پر یہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ وہ ان کاموں کو کرے' جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کاموں کو چھوڑ دے' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ بات مانے خواہ آہستہ آہستہ ہی سہی تو اس کے ساتھ مقدور بھر نصیحت کا یہ سلسلہ جاری رکھو' وگرنہ مقدور بھر اس سے اجتناب کرو تاکہ فتنہ سے بچ سکو اور منکر سے کنارہ کشی کر سکو اور پھر اس کے بعد وہ شخص واجبات میں جو کوتاہی کرتا اور منکرات کو بجالاتا ہو' اس کے بارے میں لوگوں کو بوقت ضرورت بتا سکتے ہو تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں صحیح صورت حال کا علم ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ پڑوس اختیار کرنے' یا کاروبار میں شراکت کرنے یا مثلاً ایسے شخص کو کسی خدمت وغیرہ کے لئے رکھنے کی وجہ سے آپ سے مشورہ کرے یا آپ کو کسی کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس کے جال میں پھنس جائے گا یا اس کے شر میں مبتلا ہو جائے گا تو ان تمام صورتوں میں لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کرنا واجب ہے تاکہ اچھے لوگوں کو اس کے شر سے بچایا جا سکے اور اس کے بارے میں یہ توقع ہو کہ جب اچھے لوگ اس سے کنارہ کشی کریں گے تو شاید یہ بھی اپنی اصلاح کر سکے۔ یہ جائز نہیں کہ آپ اس کے برے سیرت و کردار کو اپنے لئے یا لوگوں کے لئے مثال قرار دیں یا مجلسوں اور محفلوں میں اس کا مذاق اڑاتے پھریں کیونکہ اس طرح بھی شر پھیلتا ہے' لوگ بے حس ہو جاتے ہیں اور بری باتیں سنتے سنتے برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ اسے بہت ہی برا ثابت کرنے کے لئے آپ اس کی طرف ایسی ایسی برائیاں اور ایسے ایسے بدترین اعمال منسوب کریں' جو اس نے کئے ہی نہ ہوں کیونکہ یہ کذب اور بہتان ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ایسا دوست جو نماز روزہ ادا نہیں کرتا' اس سے صلہ رحمی کی جائے یا نہیں؟

سوال میرا ایک بہت گہرا دوست علی ہے' لیکن یہ دوست فرض نماز پڑھتا ہے' نہ رمضان کے روزے رکھتا ہے' میں نے اسے سمجھایا تو وہ میری بات نہیں مانتا تو کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں یا نہ کروں؟

جواب اس طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض اور دشمنی رکھنا ضروری ہے حتی کہ وہ توبہ کر لیں کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر اکبر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨١)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک ہے۔"

اور نبی علیہ السلام کا ایک اور ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔" (اس حدیث کو امام احمد

اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس معنی و مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)
شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑ دینا بھی بہت بڑا اور کبیرہ جرم ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بیماری یا سفر وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑنا بھی کفر ہے لہٰذا آپ کے لئے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس شخص سے بغض رکھیں اور اس کو چھوڑ دیں حتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ حکمرانوں پر بھی واجب ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ تارک نماز ہیں' ان سے توبہ کرائیں اگر وہ توبہ کرلیں تو درست ورنہ انہیں قتل کر دیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا۟ سَبِيلَهُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٥)

"پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے' اس کے راستہ کو نہ چھوڑا جائے اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ»(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المخنثين، ح:٤٩٢٨)

"مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔"

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے' اس کے قتل سے آپ کو منع نہیں کیا گیا۔ الغرض ادلہ شرعیہ اور آیات و احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکمران پر یہ واجب ہے کہ بے نماز اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھی کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔

—— شیخ ابن باز ——

تارک نماز کافر ہے

سوال بہت سے باپ اپنے بچوں کی تربیت خصوصاً دینی تربیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ بچوں کی تعلیم میں کوتاہی کا وہ عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ کام کی وجہ سے وہ بہت تھک گئے ہیں' تو ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں لیکن وہ رمضان کے روزے کم ہی رکھتے ہیں یا نماز بھی وہ بہت کم ہی پڑھتے ہیں؟

جواب ایک مرد مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کا وہ پورا پورا اہتمام کرے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ' جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو حکم اللہ ان کو فرماتا ہے' اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

مرد مومن کو چاہئے کہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے' جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کے کندھوں پر

ڈالی ہے کہ:

«اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ، وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة في القرى والمدن، ح:٨٩٣، ٢٤٠٩، ٢٥٥٤، ٢٥٥٨)

"مرد اپنے اہل خانہ کے بارے میں نگہبان ہے اور اپنی اس رعیت کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔"

لہٰذا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی اولاد کی طرف توجہ نہ دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ حسب حالات اور حسب جرائم انہیں ادب سکھائے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مُرُوْا أَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلاَةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ح:٤٩٤، ٤٩٥)

"اپنے بیٹوں (یعنی اولاد) کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوں۔"

یاد رہے کہ مرد کے کندھوں پر یہ جو امانت ڈالی گئی ہے' روز قیامت اس کے بارے میں اس سے بازپرس بھی ہو گی لہٰذا اسے چاہئے کہ صحیح جواب تیار کر رکھے تاکہ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکے اور اپنے عمل کے پھل کو پا سکے کہ اگر عمل اچھا کیا تو پھل بھی اچھا اور اگر عمل برا کیا تو پھل بھی برا ہو گا اور بسااوقات تو برے عمل کی سزا دنیا میں بھی اس طرح مل جاتی ہے کہ اولاد اس سے برا سلوک کرتی ہے' نافرمان ہو جاتی ہے اور اپنے باپ کے حق کو ادا نہیں کرتی۔

جو لوگ اسلام کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن نماز اور روزہ کی پابندی کم ہی کرتے ہیں' تو ان کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ رمضان کے روزے اس لئے نہیں رکھتے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ روزہ واجب نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بدنی ریاضت ہے اور انسان کو اختیار ہے کہ چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے تو یہ لوگ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے فرائض اسلام میں سے ایک فرض کا انکار کیا ہے اور جہالت کی وجہ سے انہیں معذور بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک اسلامی معاشرہ میں رہ رہے ہیں۔

اگر یہ روزہ کی فرضیت اور وجوب کا عقیدہ تو رکھتے ہیں لیکن عملاً روزہ نہیں رکھتے تو یہ نافرمان ہیں اور اہل علم کے راجح قول کے مطابق انہیں کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھتے تو یہ کافر ہیں خواہ نماز کے وجوب کا اقرار کریں یا انکار کیونکہ اس صورت میں ان کا کفر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے' چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ﴾ (التوبة٩/ ١١)

"پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔"

اور سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلشَّهَوَٰتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾﴾ (مريم١٩/ ٥٩-٦٠)

"پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے' جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا کہ اسے) کھو دیا اور

خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ ہاں! جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیئے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔"

یہاں استدلال سورۂ مریم کی اس دوسری آیت کریمہ سے ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے نماز ضائع کرنے والوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والوں میں سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا' جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں' تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز ضائع اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے وقت وہ مسلمان نہیں ہیں اور یہ استدلال پہلی آیت سے ہے جو سورۂ توبہ کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور مشرکین کے درمیان ثبوت اخوت کے لئے تین شرطیں قرار دی ہیں اور وہ یہ ہیں: ① وہ شرک سے توبہ کریں ② نماز قائم کریں اور ③ زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ شرک سے تو توبہ کر لیں لیکن نماز اور زکوٰۃ کو ادا نہ کریں تو وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔ اور یاد رہے دینی اخوت کی نفی صرف اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی مومن مکمل طور پر دائرہ دین سے خارج ہو جائے' فسق کے ساتھ اس اخوت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ آیت قصاص:

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۷۸)

"اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔"

اس آیت میں عمداً قتل کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نے مقتول کا بھائی قرار دیا ہے حالانکہ قتل عمد بھی اکبرا لکبائر میں سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٩٣)

"اور جو شخص مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے' جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمانی اخوت کی نفی کفر سے کم تر درجہ کے کسی جرم کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

ترک نماز سے جب دینی اخوت کی نفی ہو جاتی ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت سے واضح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کفر دون کفر یا یہ فسق نہیں ہے ورنہ اس سے دینی اخوت کی نفی نہ ہوتی' جس طرح قتل مومن سے نفی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا تم تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دو گے جیسا کہ سورۂ توبہ کی اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے' تو ہم کہیں گے کہ ہاں بعض اہل علم نے تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کافر نہیں ہے ہاں البتہ اس کے لئے سزا بہت سخت ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت میں بیان فرمایا ہے مثلاً حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے

جس میں نبی ﷺ نے مانعین زکوۃ کی سزا کو بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

«ثُمَّ يَرَى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ح:٩٨٧)

''پھر وہ اپنے راستہ کو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔''

تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مانع زکوۃ کافر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو پھر اس کا راستہ جنت کی طرف نہ ہوتا تو اس حدیث کا منطوق آیت توبہ کے مفہوم سے مقدم ہے کیونکہ منطوق مفہوم سے مقدم ہوا کرتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں معروف ہے۔

سنت سے تارک نماز کے کفر کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

''بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔''

اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

''ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔''

یہاں کفر سے مراد وہ کفر ہے' جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو مومنوں اور کافروں کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور ظاہر ہے ملت کفر اور ملت اسلام دو الگ الگ ملتیں ہیں تو جو شخص عہد نماز کی پابندی نہ کرے تو وہ کافروں میں سے ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَتَكُوْنُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِيءَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب الانكار على الامراء فيما يخالف الشرع...، ح:١٨٥٤)

''عنقریب کچھ ایسے امراء ہوں گے کہ جن کو تم پہچانو گے بھی اور انکار بھی کرو گے' جس نے پہچان لیا وہ بری ہو گیا اور جس نے انکار کر دیا وہ سلامت رہا لیکن جو شخص ان سے راضی ہو گیا اور جس نے ان کی پیروی کی (وہ ہلاک ہو گیا)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں جب تک یہ نماز پڑھتے رہیں (تم ان سے لڑائی نہ کرو)''

اور حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ

أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ: أَفَلاَ نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ قَالَ: لاَ، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلاَةَ»(صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب خيار الائمة وشرارهم، ح:١٨٥٥)

"تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو' وہ تم سے محبت کریں' وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور تم ان کے لئے دعائیں کرو اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو' وہ تم سے بغض رکھیں' تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "کیا ہم تلوار کے ساتھ انہیں ختم نہ کر دیں؟" آپ نے فرمایا "نہیں جب تک وہ نماز کو قائم رکھیں (ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ)۔"

یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر حکمران نماز قائم نہ کریں تو ان کے خلاف تلوار استعمال کر کے ان کا خاتمہ کر دیا جائے اور یاد رہے کہ حکمرانوں سے لڑائی جھگڑا اور قتال صرف اسی صورت میں جائز ہے' جب وہ کفر صریح کا ارتکاب کریں اور ہمارے پاس اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح برہان ہو جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت کی۔ ہم نے یہ بیعت کی کہ ہم پسندیدگی اور ناپسندگی میں' مشکل اور آسانی میں اور اپنے اوپر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں بھی سمع و طاعت کا مظاہرہ کریں گے اور اہل لوگوں سے حکومت نہیں چھینیں گے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا:

«إِلاَّ أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ»(صحيح بخاري، كتاب الفتن، باب سترون بعدي امورا تنكرونها، ح:٧٠٥٦، ٧٠٧٦)

"ہاں الایہ کہ تم حکمرانوں کی طرف سے صریح کفر کا ارتکاب دیکھو اور تمہارے پاس اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان ہو۔"

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حکمرانوں کا نماز ترک کرنا جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے ساتھ تلوار سے لڑنے کو بھی جائز قرار دیا یہ کفر صریح ہے اور ترک نماز کے کفر صریح ہونے کی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان موجود ہے۔

کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ تارک نماز کافر نہیں ہے یا یہ معلوم ہو کہ وہ مومن ہے یا یہ معلوم ہو کہ وہ جنت میں داخل ہو گا یا یہ معلوم ہو کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا' زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں جو وارد ہے' وہ ایسی نصوص ہیں جو توحید اور لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی فضیلت پر دلالت کرتی اور اس کا ثواب بیان کرتی ہیں اور یہ نصوص یا تو کسی ایسے وصف کے ساتھ مقید ہیں' جس کے ساتھ ترک نماز ممکن ہی نہیں یا یہ معین حالات کے بارے میں وارد ہیں' جن میں انسان ترک نماز کے لئے معذور ہوتا ہے یا یہ عام ہیں اور انہیں تارک نماز کے کفر کے دلائل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ تارک نماز کے کفر کے دلائل خاص ہیں اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے جیسا کہ اصول حدیث اور اصول فقہ میں یہ ایک معروف اصول ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے' کیا یہ جائز نہیں کہ تارک نماز کے کفر پر دلالت کرنے والے نصوص کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اس کا ترک کرے؟ ہم عرض کریں گے کہ نہیں

یہ تاویل جائز نہیں کیونکہ اس میں دو رکاوٹیں ہیں اس وصف کا ابطال لازم آتا ہے جسے شریعت نے معتبر قرار دیا اور جس کے مطابق حکم عائد کیا ہے۔ یعنی شریعت نے ترک نماز پر کفر کا حکم لگایا ہے اور یہاں یہ نہیں کہا کہ جو کوئی نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے' وہ کافر ہے اور پھر محض اقامت نماز کی بنیاد پر دینی اخوت کو قائم کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ دینی بھائی وہ ہیں' جو نماز کے وجوب کا اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور وجوب نماز کا اقرار کرلیں تو..... اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق وجوب نماز کے اقرار کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے وجوب کا انکار کرے' وہ کافر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یہ مراد ہوتی تو اس سے روگردانی اس بیان کے خلاف ہوتی جسے قرآن نے پیش کیا ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ (النحل ۱۶/ ۸۹)

"اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔"

اور جس کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (النحل ۱۶/ ۴۴)

"اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں' وہ ان پر ظاہر کردو۔"

اس میں دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسے وصف کا اعتبار لازم آتا ہے' جسے شریعت نے مناط حکم قرار نہیں دیا۔ نماز پنجگانہ کے وجوب کا انکار موجب کفر ہے' اس شخص کے لئے جو جہالت کی وجہ سے معذور ہو خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے مثلاً ایک شخص اگر پانچوں نمازوں کو تمام شروط' ارکان' واجبات اور مستحبات سمیت ادا کرے لیکن وہ کسی عذر کے بغیر ان نمازوں کے وجوب کا منکر ہو تو وہ کافر ہو گا حالانکہ اس نے نماز کو ترک نہیں کیا' تو اس سے معلوم ہوا کہ نصوص کو اس بات پر محمول کرنا کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے صحیح نہیں ہے جب کہ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور وہ اپنے اس کفر کے باعث ملت سے خارج ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں اس کی صراحت ہے' جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَوْصَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لاَ تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا، وَلاَ تَتْرُكُوا الصَّلاَةَ عَمْدًا، فَمَنْ تَرَكَهَا عَمْدًا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ» (انظر مجمع الزوائد: ۷۱۴ وأخرجه ابن ماجه مختصراً وحسنه الألباني: ۴۰۳۴)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' قصدوارادہ سے نماز ترک نہ کرو کیونکہ جو شخص قصدوارادہ سے جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے' تو وہ ملت سے خارج ہو جاتا ہے۔"

نیز اگر ہم اسے ترک انکار پر محمول کریں تو پھر نصوص میں نماز کے بطور خاص ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ یہ حکم تو نماز' زکوٰۃ' حج اور ان تمام امور کے لئے عام ہے جو دین کے واجبات و فرائض میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا اس کے وجوب کے انکار کی وجہ سے ترک موجب کفر ہے بشرطیکہ انکار کرنے والا جہالت کی وجہ سے معذور نہ ہو۔

جس طرح سمعی اثری دلیل کا تقاضا ہے کہ تارک نماز کو کافر قرار دیا جائے' اسی طرح عقلی نظری دلیل کا بھی تقاضا ہے اور وہ اس طرح کہ جو شخص دین کے ستون نماز ہی کو ترک کر دے تو اس کے پاس پھر ایمان کیسے باقی رہا؟ نماز کے بارے

میں اس قدر ترغیب آئی ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عاقل مومن اس کے ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور اس کے ترک کے بارے میں اس قدر وعید آئی ہے' جس کا ہر عاقل مومن سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے ترک سے اور اسے ضائع کرنے سے مکمل احتیاط برتے کیونکہ اگر اسے ترک اور ضائع کر دیا گیا تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ پھر ایمان بھی باقی نہ رہے!

جہاں تک اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کا تعلق ہے تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے بلکہ کئی ایک علماء نے کہا ہے کہ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ، لاَ يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلاَةِ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢٢)

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے ترک نماز کے سوا اور کسی عمل کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔" (ترمذی۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے)

مشہور امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک اہل علم کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصدوارادہ سے بغیر کسی عذر کے نماز چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو جائے تو وہ کافر ہے۔

امام ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر' عبدالرحمٰن بن عوف' معاذ بن جبل' ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ علامہ منذری نے "الترغیب والترہیب" میں امام ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ مزید نام بھی شمار کروائے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عباس' جابر بن عبداللہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ کرام میں سے امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ' عبداللہ بن مبارک' نخعی' حکم بن عتیبہ' ایوب سختیانی' ابوداؤد طیالسی' ابوبکر بن ابی شیبہ' زہیر بن حرب رحمہم اللہ اور بہت سے دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی یہی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آیت کریمہ: فخلف من بعدهم خلف ... کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی "کتاب الصلوٰۃ" میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے اور اسے امام طحاوی نے خود امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کا کیا جواب ہے' جس سے تارک نماز کو کافر نہ سمجھنے والوں نے استدلال کیا ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جن دلائل سے انہوں نے استدلال کیا ہے' ان کی اس موضوع پر اصلاً دلالت ہی نہیں ہے کیونکہ یا تو یہ ایسے وصف سے مقید ہیں کہ اس کے ساتھ ترک نماز ہے ہی نہیں یا یہ ایسی حالت کے ساتھ مقید ہیں' جس میں تارک نماز معذور سمجھا جاتا ہے یا وہ دلائل عام ہیں' تارک نماز کی تکفیر کے دلائل کے ساتھ ان کی تخصیص کر دی جائے گی۔ تارک نماز کو کافر قرار نہ دینے والوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے' وہ ان مذکورہ بالا چار حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور عظیم مسئلہ ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور نماز کی حفاظت کرے تاکہ اس کا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہو' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝٣ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝٤ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦﴾ (المؤمنون٢٣/ ١-٦)

"بلاشبہ ایمان والے رستگار (کامیاب) ہو گئے' جو نماز میں عجزونیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے (یا کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے

سوال میری مشکلات کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا شوہر شرابی ہے' وہ نماز بھی نہیں پڑھتا اور رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا' ایک سال سے بے کار ہے اور کوئی کام بھی نہیں کرتا' میرے اس سے دو نابالغ بچے ہیں اور اب میں اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں' جب کہ میرا شوہر مختلف حیلوں بہانوں سے مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے' میں بچوں کی وجہ سے پریشان ہوں' تو کیا اس کے پاس چلی جاؤں؟ یا اس سے طلاق کا مطالبہ کروں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ بے نماز اور شرابی کے ساتھ زندگی بسر کرنا جائز نہیں لہٰذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب وہ شوہر جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے جو اسے چھوڑ دے وہ کافر ہے۔"

اسے امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔"

اسے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لہٰذا تارک نماز کافر ہے خواہ وہ نماز کے وجوب کا انکار کرے یا نہ کرے ہاں اگر وہ نماز کے وجوب کا منکر ہے تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور اگر وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا اور اس کے وجوب کا انکار نہیں کرتا ہے تو مذکورہ بالا دو اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کے پیش نظر' علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے!

اے سوال کرنے والی خاتون! تیرے لئے اس وقت تک اپنے مذکورہ شوہر کی طرف واپس جانا جائز نہیں' جب تک وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر کے نماز کی حفاظت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخشے اور خالص توبہ کی توفیق عطاء

فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میں نے اپنے بھائی کو کافر کہا

سوال میرا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تو غصے کی حالت میں میں نے اسے یہ کہہ دیا کہ "اے کافر! مجھ سے دور ہو جا" اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ وہ خاص خاص موقعوں مثلاً رشتہ داروں کی آمد وغیرہ کے موقعہ پر ہی نماز پڑھتا ہے اور عام حالات میں نہیں پڑھتا' تو اس بارے میں کیا حکم ہے' کیا وہ واقعی کافر ہے؟

جواب صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔"

اسی طرح امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان کے مابین ہے' وہ نماز ہے' جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ لیکن آپ کو چاہئے کہ ان حالات میں اس لفظ کے استعمال میں جلدی نہ کریں' پہلے اسے سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ ترک نماز کفر اور گمراہی ہے لہٰذا واجب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' ہو سکتا ہے وہ تمہاری بات مان لے اور نصیحت کو قبول کر لے۔

——— شیخ ابن باز ———

بے نمازوں کے ساتھ سکونت

سوال ہمارے بہت سے ساتھی ہیں' جو نماز نہیں پڑھتے' جب کبھی وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہتے تھے تو نماز پڑھتے تھے لیکن امریکی زندگی کو دیکھنے کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ ترک کر کے اپنے قدیم دین کو بھلا دیا ہے۔ میں نے اور میرے بعض دیگر ساتھیوں نے انہیں سمجھایا اور نماز پڑھنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے ہماری بات کو قبول نہیں کیا' تو کیا اس طرح سمجھانے سے ہم بریُ الذمہ ہیں جب کہ ہماری رہائش ایک ہی جگہ ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی ہے تو آپ بریُ الذمہ ہیں اور ضرورت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ سکونت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ انہیں مسلسل نصیحت کرتے رہئے اور حکمت' عمدہ نصائح

اور پسندیدہ طریق کے ساتھ بحث کر کے انہیں دین سے وابستگی اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہیئے' ہو سکتا ہے آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے اور اس طرح آپ کو بھی اور انہیں بھی ان شاء اللہ خیر کثیر اور بے پناہ اجروثواب حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم رکھے' تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں صبروثواب سے بہرہ ور فرمائے۔ ﴿ انه سميع مجيب ﴾ وہ آپ کے باقی ساتھیوں کو بھی صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے!

ــــــــــ فتویٰ کمیٹی ــــــــــ

تارک نماز کی مجلس اختیار کرنے کے بارے میں حکم

سوال کیا تارک نماز کی مجلس اختیار کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص قصدوارادہ سے نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کر دے وہ باتفاق علماء کافر ہے اور جو شخص سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرے' اہل علم کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے' للذا بے نمازوں کی مجلس اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اور ان سے قطع تعلق کر لیا جائے لیکن ضروری ہے کہ اس سے پہلے انہیں یہ سمجھایا جائے کہ نماز کا ترک کرنا کفر ہے' جب کہ یہ لوگ جاہل ہوں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔"

اور یہ حکم عام ہے جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو یا محض کوتاہی و سستی کی وجہ سے نماز ترک کرے' سب کو شامل ہے۔ (وباللہ التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله)

ــــــــــ فتویٰ کمیٹی ــــــــــ

❁ جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا ہے' کیا وہ بھی کافر ہے؟ ❁ کیا اس کی مسلمان بیوی اس کے لئے حلال ہے؟ ❁ کیا اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال ایک آدمی دو یا تین فرض نمازیں پڑھتا اور پھر چار پانچ دن تک نماز چھوڑ دیتا ہے اور یہی اس کا معمول ہے اور محض کاہلی' سستی اور عدم اہتمام کے سوا اس کے پاس کوئی عذر بھی نہیں' تو کیا اسے کافر قرار دیا جائے گا؟ کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے؟ کیا تارک نماز کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب جو شخص ہمیشہ کے لئے نماز ترک کر دے یا محض سستی و کوتاہی اور عدم اہتمام کی وجہ سے چند دنوں کے لئے نماز ترک کر دے تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ والعیاذ باللہ! اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کر لے اور نماز پنجگانہ کو بروقت ادا کر لے تو الحمد للہ ورنہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا اور جب یہ ترک نماز

کی وجہ سے کافر ہو گیا تو اس کی بیوی بھی اس کے لئے حلال نہ رہی بلکہ اس کا ارتداد بیوی کے لئے طلاق یا فسخ عقد کا موجب ہو گا' اگر بیوی کی عدت کے اندر اندر یہ توبہ کر لے تو نئے عقد کے بغیر بیوی اس کے نکاح میں آ جائے گی' تارک نماز کو فرض مال زکوٰۃ بھی نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ اس کا اہل نہیں ہے۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

تارک نماز کو سلام کہنا

سوال کیا ظالم حکمرانوں کو حفظہ اللہ کہنا اور تارک نماز کو سلام کہنا جائز ہے؟

جواب ان ظالم حکمرانوں کو حفظہ اللہ کہنا جائز ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوئے۔ جو شخص نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اور جو شخص انکار کی وجہ سے تو نہیں بلکہ محض سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے لہٰذا اسے سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز نہیں کیونکہ اسے مرتد شمار کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق! ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

مفقود العقل کی بعض نمازوں کا ترک ہو جانا

سوال ایک شخص فوت ہو گیا جس کے ذمہ کچھ ایسی فرض نمازیں تھیں جنہیں وہ اپنی بیماری کے ان دنوں میں نہیں پڑھ سکا تھا جب اس کی عقل جواب دے گئی تھی' تو کیا اس کی وفات کے بعد اس کے زندہ قریبی رشتہ دار مردوں یا عورتوں پر ان نمازوں کی قضاء لازم ہے یا فقدان عقل کی وجہ سے اس سے یہ نمازیں ساقط اور اس کے ورثاء پر ان کی قضاء لازم نہ ہو گی؟

جواب جب انسان عقل کے ختم ہو جانے کی وجہ سے فرض نمازوں کو چھوڑ دے تو فقدان عقل کی وجہ سے یہ اس سے ساقط ہو جائیں گی لہٰذا اس کے ورثاء پر ان کی قضاء بھی نہ ہو گی اور جب آدمی فرض نماز کو ترک کرے جب کہ اس کی عقل سلیم ہو اور خواہ جسم مریض ہو یا نہ ہو تو وہ ترک نماز کی وجہ سے گناہ گار ہو گا اور اس کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے' وارث اس کی طرف سے قضاء نہیں دیں گے۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

میں نے چار سال پہلے ایک نماز چھوڑ دی تھی

سوال چار سال قبل ہم ایک تفریحی سفر میں تھے اور سفر میں میری ایک نماز (ظہر یا عصر) ترک ہو گئی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ وہ کون سی نماز تھی؟ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ میں نے محض کاہلی اور سستی کی وجہ سے اس نماز کو ترک کیا تھا اور اب اس گناہ پر نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ اور غلطی سے معافی کا طلب گار ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس مذکورہ نماز کے

حوالہ سے مجھ پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کریں' قضاء آپ کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/٣٤٦، ٣٥٥)

''ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔''

عمداً قصد وارادہ سے نماز ترک کرنا کفر ہے۔ نیز آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

''آدمی اور کفر و شرک کے مابین فرق نماز سے ہے۔''

خالص اور سچی پکی توبہ کے سوا اس کا اور کوئی کفارہ نہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تارک نماز کو نصیحت کرنا واجب ہے

سوال میں ایک ہسپتال میں کچھ عرصہ پہلے داخل ہوا۔ میرے ساتھ ہسپتال کے کمرہ میں دو اور آدمی بھی تھے۔ ہم اس کمرہ میں تین دن رہے۔ اس عرصہ میں میں تو وہاں نمازیں پڑھتا رہا لیکن ان دونوں آدمیوں نے نماز نہیں پڑھی حالانکہ وہ بھی مسلمان تھے اور میرے ہی شہر کے رہنے والے تھے لیکن میں نے ان سے اس سلسلہ میں کوئی بات نہ کی' تو انہیں نماز کا حکم نہ دینے کی وجہ سے کیا میں گناہ گار تو نہ ہوں گا اور اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب آپ پر یہ واجب تھا کہ ان دونوں کو نصیحت کرتے اور اس منکر عظیم یعنی ترک نماز کا وہ جو ارتکاب کر رہے تھے تو اس پر انہیں سمجھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو جاتی کہ:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾ (آل عمران٣/ ١٠٤)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے' جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے' یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔''

نیز اس مفہوم کی دیگر آیات اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جاتا کہ:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان . . .، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

اور جب آپ نے اس فرض کو انجام نہیں دیا تو اس معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور اس کوتاہی کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لئے اخلاص' اس کی تعظیم' اس کے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے آئندہ اس کے نہ کرنے کا عزم کیا جائے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے اس کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

شیخ ابن باز

یونیورسٹی کے ایام تعلیم میں نماز ترک کر دینا

سوال ایک مسلمان عاقل نوجوان یونیورسٹی میں داخلہ سے پہلے نماز پڑھتا تھا لیکن جب تک وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہا اس نے نماز ترک کر دی اور یہ مدت چار سال پر محیط ہے۔ یونیورسٹی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے نماز پھر شروع کر دی۔ ان چار سالوں میں نماز نہ پڑھنے کے بارے میں اب کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ اس عرصہ میں بھی وہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہوا' لہٰذا سوال یہ ہے کیا وہ ان چار سالوں کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء دے گا یا اس کے لئے توبہ ہی کافی ہے؟

جواب جہاں تک ہمیں معلوم ہے' علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جو شخص عمداً نماز ترک کرے' وہ فوت شدہ نماز کی قضاء نہ دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرض نمازوں کے اوقات متعین ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کی صبح ان اوقات کو بیان کر دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور قول سے امت کے لئے ان اوقات کی حد بندی کر دی ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں تقدیم و تأخیر جائز اور صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ ہمارے علم کے مطابق علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے' لہٰذا جب وہ توبہ کر لے تو اسے ایام کفر کی ان عبادات کی قضاء لازم نہیں ہے جن کے اوقات مقرر ہیں۔ اگر وہ سچی توبہ کر رہا ہے تو اس کے لئے خیر کی امید ہے لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنا اور زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرنے چاہئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مفہوم

خطاب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا»(صحيح بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة ...، ح:٦٨٤، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة...، ح:٦٨٤)

''جو شخص نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔''

تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قصد وارادہ سے نماز ترک کرے' اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ قصد وارادہ کے ساتھ عمداً نماز ترک کرنے والے کو سوئے یا بھولے ہوئے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قصد وارادہ کے ساتھ ترک کرنے والا معذور نہیں ہے' اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی اور وقت مقرر نہیں کیا' جس میں وہ فوت شدہ نماز کو ادا کر سکے جب کہ سویا اور بھولا ہوا دونوں معذور ہیں للذا ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں وہ فوت شدہ نماز کو پڑھ سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کے روزہ کا حکم

سوال میں نے بعض مسلمان نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ وہ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو کیا اس شخص کا روزہ قبول ہو جاتا ہے جو نماز نہ پڑھے؟ میں نے بعض واعظوں سے یہ سنا ہے کہ وہ ایسے نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ افطار کر دو اور روزہ نہ رکھو کیونکہ جو نماز نہ پڑھے اس کا روزہ بھی نہیں ہوتا تو مہربانی کر کے رہنمائی فرمائیے کیا یہ برابر ہے کہ یہ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ اور کیا ہمیں انہیں یہ بات کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اگر تم نماز نہیں پڑھتے تو روزہ بھی چھوڑ دو؟

جواب جس شخص پر نماز واجب ہو اور وہ اپنے قصد وارادہ سے وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص محض سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کر دے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور جب وہ کافر ہے تو اس کا روزہ اور اس کی دیگر عبادات رائیگاں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٩﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٩)

''اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے' سب ضائع ہو جاتے۔''

لیکن نماز نہ پڑھنے والے کو ہم یہ حکم نہیں دیں گے کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے کیونکہ روزہ اسے خیر اور دین کے قریب ہونے میں مدد دے گا اور اس کے دل کے اس خوف کی وجہ سے جو اسے روزہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے' امید ہے کہ وہ نماز پڑھنا بھی شروع کر دے گا اور آئندہ کے لئے ترک نماز سے توبہ کر لے گا۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

نماز ترک کرنے اور دین کا مذاق اڑانے والے کی صحبت

سوال کیا مسلمان آدمی کے لئے ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنا جائز ہے' جو اکثر اوقات نماز نہیں پڑھتا؟

سوال ۲ میں بہت سارے نوجوانوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ جب کسی ایسے نوجوان کو دیکھتے ہیں' جو نماز اور دین کی حفاظت کرتا ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور بعض ایسے نوجوانوں کو بھی دیکھتا ہوں۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔۔ جو دین کے بارے میں بہت لاپرواہی کے ساتھ نامناسب انداز میں بات کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کے ساتھ صحبت و رفاقت جائز ہے؟ اور ایسے اوقات میں خوش طبعی جائز ہے' جو نماز کے اوقات نہ ہوں؟

جواب ا مسلمان کے لئے کسی ایسے شخص کی صحبت و رفاقت جائز نہیں' جو بعض اوقات نماز ترک کر دیتا ہو بلکہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس کے اس برے عمل کا انکار کیا جائے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک وگرنہ اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا دوست نہ بنائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس سے بغض رکھے حتیٰ کہ وہ اپنے اس برے عمل سے تائب ہو جائے کیونکہ نماز کو چھوڑنا کفر اکبر ہے جیسا کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن نسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤، ومسند احمد ٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔"

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کسی سے دوستی رکھے اور اسی کی خاطر دشمنی جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٤)

"تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان' ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی!"

اس طرح کے آدمی کے معاملہ کو حکمرانوں تک بھی پہنچانا چاہیے بشرطیکہ تمہارے ملک میں اسلامی شریعت کی حکمرانی ہو تاکہ اس سے توبہ کروائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ جو شخص نماز چھوڑ دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی حد قتل ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا۟ سَبِيلَهُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٥)

"پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز ترک کر دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی راہ کو نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے قتل کر دیا جائے اور سابقہ دونوں حدیثوں اور ان کے ہم معنی دیگر حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو کافر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّيْ نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المخنثين، ح:٤٩٢٨)

"مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔"

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کے قتل سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا قتل واجب ہے بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرلے اور پھر ظاہر ہے کہ اس سزا کی صورت میں ہی وہ اس عظیم جرم کے ارتکاب سے باز رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما دے' ہمیں اور ان سب کو دین پر ثابت قدم رکھے۔ انہ سمیع قریب!

جواب ۲ اسلام یا اسلام کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر اکبر ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٦٥ـ٦٦)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

جو شخص اہل دین اور نمازیوں کا ان کے دین اور اس کی حفاظت کرنے کی وجہ سے مذاق اڑائے تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دین کا مذاق اڑا رہا ہے لہٰذا اس شخص کی صحبت وہم نشینی جائز نہیں بلکہ اس کی ان خرافات کا انکار کرنا اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا واجب ہے۔ نیز واجب ہے کہ اسے سچی توبہ کی ترغیب دی جائے اگر وہ توبہ کرے تو الحمدللہ ورنہ اس کے ان برے اعمال کے بارے میں عادل گواہوں کی شہادت کے بعد حکمرانوں کو شکایت کی جائے گی تا کہ شرعی عدالت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے۔ بہرحال یہ بہت اہم مسائل ہیں۔ ہر طالب علم اور اس مسلمان کے لئے جو اپنے دین کو جانتا ہو' ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی دین کا مذاق اڑانے کی اجازت نہ دے تا کہ عقیدہ خراب نہ ہو اور وہ سزا بھی نہ ملے' جو حق اور اہل حق کا مذاق اڑانے کی صورت میں ملتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس کام سے محفوظ رکھے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے کافر و منافق دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور تمام حالات میں کتاب و سنت کے دامن سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ جواد کریم۔

—— شیخ ابن باز ——

کام میں مشغولیت تاخیر نماز کے لئے عذر نہیں ہے

سوال میں ایک مہاجر ہوں' مجھے شام کے سات بجے سے صبح کے سات بجے تک کام کرنا پڑتا ہے لہٰذا کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں تمام فرض نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا کروں؟

جواب مقررہ وقت سے پہلے کسی نماز کو ادا کرنا جائز نہیں خواہ کام کی مشغولیت یا کوئی اور عذر ہو' اسی طرح کسی نماز کو بغیر عذر کے اس قدر مؤخر کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کا وقت ہی ختم ہو جائے' معمول کا کام نماز کو مؤخر کرنے کے لئے عذر یا جمع کرنے کے لئے جواز نہیں بن سکتا۔ کام کی جگہ پر بھی نماز کو ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کام کی جگہ کو بند کر کے مسجد میں جا کر نماز ادا کر لی جائے۔ علماء نے کام کروانے والوں کے لئے یہ شرط مقرر کی ہے کہ انہیں کارکنوں کو نماز پنجگانہ ان کے اوقات میں' شرائط کے مطابق ادا کرنے کی سہولت دینا ہو گی۔ یاد رہے بعض نمازوں کو سفر یا بارش یا بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عذر کے بغیر ترک جماعت جائز نہیں

سوال میں نماز تو ہمیشہ بروقت ادا کرتا ہوں لیکن مسجد میں نہیں بلکہ اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں ہی ادا کر لیتا ہوں۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا گھر میں ادا کی جانے والی نماز اجروثواب کے اعتبار سے مسجد میں ادا کی جانے والی نماز کے برابر ہے؟

جواب آپ کے لئے جماعت اور مسجد کو ترک کرنا جائز نہیں' خواہ اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ نماز باجماعت ہی کیوں نہ ادا کریں کیونکہ مسجدیں بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ انہیں نماز باجماعت کے اہتمام کے ساتھ آباد کیا جائے اور مؤذن جو اذان میں یہ کلمہ کہتا ہے کہ ((حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ)) تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ مسجد میں آ کر نماز باجماعت ادا کرو تاکہ فلاح پا سکو لہٰذا ہم جب اذان کی آواز سنیں تو ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم مسجد میں جا کر نماز ادا کریں' جہاں تمام مسلمان ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں' نماز ادا کرنے کے طریقوں کو سیکھتے ہیں' نمازی باہم دگر ملاقات کر کے تحفۂ سلام کا تبادلہ کرتے اور اجتماعیت' محبت اور ہمدردی و خیر خواہی سے شادکام ہوتے ہیں۔ وجوب جماعت پر ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ اور ﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ﴾ سے بھی استدلال کیا گیا ہے لہٰذا جو شخص اذان سنے اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس پر لبیک کہے اور اسی وجہ سے یہ وعید بھی آئی ہے کہ جو شخص باجماعت نماز ادا نہ کرے' اس کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ))(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور اس پر لبیک نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الاّ یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

اگر اس سلسلہ میں کسی کے لئے رخصت ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس نابینا آدمی کو ضرور رخصت عطا فرما دیتے' جس کا

گھر بھی مسجد سے دور تھا' جس کے گھر اور مسجد کے درمیان وادی اور کھجور کے درخت تھے اور جس کے پاس مسجد لے جانے کے لئے کوئی معاون بھی نہ تھا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا نہ کرنے والوں کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر عورتیں اور بچے نہ ہوں تو آپ ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیں گے۔ نماز باجماعت ادا کرنا ان مسجدوں کی آبادی ہے' جو بیوت طاعت ہیں' جو اسلامی ملکوں کے شعائر ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا ذکر کیا جائے اور جن میں وہ بندگان الٰہی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے ترانے گاتے ہیں' جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نماز فجر میں نیند کا غلبہ

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو' جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو' نماز کے پاس نہ جاؤ۔"

کیا اس آیت میں ہمارے وہ بھائی بھی داخل ہیں' جو نماز فجر کے لئے اس حال میں آتے ہیں کہ ان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے؟ آپ اپنے ان بھائیوں کو کیا نصیحت کریں گے؟

جواب میں اپنے ان بھائیوں کو جو نماز فجر کے لئے نیند کے شدید غلبہ کی حالت میں آتے ہیں' یہ نصیحت کروں گا کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں کیونکہ اگر وہ رات کو جلدی سو جایا کریں گے تو ان کی نیند پوری ہو جائے گی اور نیند کا یہ شدید غلبہ ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اس مسئلہ کا بس یہی حل ہے کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مسجد میں دو جماعتیں

سوال میں مسجد میں آیا تو امام آخری تشہد میں تھا تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں یا انتظار کروں کہ وہ سلام پھیر دے اور ہم دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں؟ اگر یہ بات یقینی ہو کہ امام آخری رکعت میں ہے اور ہم بہت سے لوگ ہوں تو پھر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہم امام کے سلام کا انتظار کریں؟ کیا آخری تشہد مکمل پڑھنا واجب ہے یا جس قدر ممکن ہو پڑھ لیا جائے؟

جواب افضل یہ ہے کہ آپ کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیں' جہاں امید ہو کہ آپ کو جماعت مل جائے گی یا پھر انتظار کریں اور امام کے سلام کے بعد اسی مسجد میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ افضل یہی ہے کہ آپ پہلے امام کے سلام کا انتظار کریں تاکہ پہلی جماعت کی نماز میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ پہلے امام کے سلام سے قبل دوسری جماعت کے

لئے تکبیر کہنا جائز ہے اور اگر دوسری جماعت کی امید نہ ہو تو پھر پہلی جماعت کے ساتھ تشہد میں شامل ہو جایئے اور تشہد کا سارا یا جتنا حصہ پڑھنا ممکن ہو پڑھ لیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسجدوں کی بجائے سرکاری دفاتر ہی میں نماز پڑھ لینا

سوال کیا ملازمین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے دفتروں ہی میں نماز ادا کر لیں حالانکہ مسجدیں بھی ان کے پڑوس میں ہوتی ہیں یا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مسجد ہی میں نماز ادا کریں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی فعلی اور قولی سنت یہ رہی ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے اور آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا معمول بھی مسجد میں نماز ادا کرنا تھا۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔"

اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں' جو مجھے مسجد میں لے جا سکے تو کیا مجھے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے؟" آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تو نماز کے لئے اذان کی آواز سنتا ہے؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"نہیں تمہیں کوئی اجازت نہیں ہے۔"

اس سے یہ واضح ہوا کہ تمام دفتروں وغیرہ کے ملازمین کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ نماز ظہر کسی قریبی مسجد میں ادا کریں تاکہ سنت کے مطابق عمل ہو' واجب ادا ہو' مسجدوں میں نماز کی ادائیگی سے پیچھے رہنے کے حیلوں بہانوں کا سدباب ہو اور اہل نفاق کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ «وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم»

ــــــ فتویٰ کمیٹی ــــــ

جس نے عرصہ دراز تک نماز کو چھوڑے رکھا' وہ اب کیسے قضاء دے؟

سوال نماز کی قضاء کے حوالے سے یہ سوال پوچھنا ہے کہ جب انسان کئی سالوں تک نماز کو ترک کئے رکھے تو کیا اس کے لئے قضاء دینا جائز ہے؟ اور قضاء دیتے ہوئے کیا ہر وقت کی نماز کے ساتھ اس وقت کی نماز کی قضاء دے یا کس طرح قضاء دے؟

جواب جب آدمی کئی سال تک نمازوں کو ترک کرنے کے بعد توبہ کر لے اور نماز کو (باقاعدگی کے ساتھ) پابندی سے پڑھنا شروع کر دے تو اس پر متروکہ (چھوڑی ہوئی) نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ اگر متروکہ تمام نمازوں کی قضاء بھی لازم ہوتی تو اس سے بہت سے توبہ کرنے والے بددل ہو جاتے لہٰذا توبہ کرنے والے کو شریعت کا صرف یہ حکم ہے کہ وہ مستقبل میں نماز کی پابندی کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے' صدقہ و خیرات کرے اور دیگر نیکی کے کام کرے' اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔

ــــــ شیخ ابن جبرین ــــــ

جو شخص خود تو نماز کے لئے مسجد میں چلا جاتا ہے لیکن بچوں....

سوال مسجدوں کے بہت سے پڑوسی ...... اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے .... خود تو نماز کے لئے آجاتے ہیں اور اپنے بالغ بیٹوں کو جن میں سے کئی شادی شدہ بھی ہوتے ہیں' گھر چھوڑ آتے ہیں اور انہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیتے تاکہ ان میں سے بعض لوگوں کے بقول وہ نماز سے متنفر نہ ہو جائیں خصوصاً وہ نماز فجر میں شریک نہیں ہوتے' تو جس گھر کے سربراہ کا یہ عمل ہو اس پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کی اپنی نماز صحیح ہو گی اور وہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا' جب کہ اس کے بچے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ نماز باجماعت ادا نہیں کرتے؟

جواب یہ شخص جو خود تو نماز کے لئے مسجد میں آجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کو گھر میں چھوڑ آتا ہے' اگر یہ اس کی کوتاہی ہے کہ یہ انہیں نماز کا حکم نہیں دیتا اور نہ کوتاہی کرنے سے روکتا ہے تو یہ ان کی صحیح تربیت اور رہنمائی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے لیکن اس کی اپنی نماز صحیح ہو گی اور اگر یہ شخص خود عاجز و قاصر ہے' انہیں نماز کا حکم دیتا ہے اور کوتاہی کرنے سے منع کرتا ہے لیکن بچے اس کی بات نہیں مانتے تو اس پر واجب ہے کہ ان کی حکمرانوں کے پاس شکایت کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرے۔ حکمرانوں کو جب ایسے لوگوں کی شکایت کی جائے تو ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں لائیں۔

ــــــ شیخ ابن جبرین ــــــ

تارک نماز' گھر میں نماز پڑھنے والے اور نماز کو لیٹ کر کے پڑھنے والے کے لئے حکم

تارک نماز کے لئے کیا حکم ہے؟ جو شخص باجماعت نماز ادا کرنے میں کوتاہی کر کے گھر میں نماز پڑھتا ہے' اس

کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ تین الگ الگ مسئلے ہیں ان میں سے پہلے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ترک نماز کفر ہے' جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو ترک نماز سے اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ جائے گا' اس شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی حلال نہیں اور نہ اس کا روزہ اور صدقہ قبول ہوتا ہے۔ بے نماز کا مکہ مکرمہ میں جانا اور حرم میں داخل ہونا بھی جائز نہیں اور جب وہ فوت ہو جائے تو اسے غسل دینا' کفن پہنانا' جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں بلکہ جنگل میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا جائے۔ جس شخص کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے جو بے نماز ہو تو اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ لوگوں کو دھوکا دے کر اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دے کیونکہ کافر کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ﴾ (التوبة٩/ ٨٤)

"اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا' یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ ﴾ (التوبة٩/ ١١٣)

"پیغمبر اور مسلمانوں کو لائق نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز باجماعت ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے تو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو وہ اہل فسق کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور وہ گواہی کے لئے عادل نہ رہے گا

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں اس قدر دیر کر دینا کہ وقت ہی ختم ہو جائے تو اس شخص کا گناہ اس سے زیادہ ہے جو جماعت کے ساتھ تو نماز ادا نہیں کرتا لیکن وقت پر پڑھتا ہے لیکن اس شخص سے یہ بہرحال بہتر ہے جو بالکل ہی نہیں پڑھتا۔ بہرحال نماز کا مسئلہ ان انتہائی اہم امور میں سے ہے' جن کا اہتمام کرنا ایک مرد مومن کے لئے ضروری ہے کیونکہ نماز اسلام کی عمارت کا ستون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کا ستون ہی نہ ہو وہ عمارت مضبوط و مستحکم نہ ہو گی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کرتے رہنا' نماز کا حکم دیتے رہنا اور خود بھی بہت ذوق و شوق اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے رہنا چاہئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خجالت و شرمندگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا

سوال میں گھر میں نماز پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میری طبیعت میں شرمیلا پن بہت زیادہ ہے۔ میں نوافل' دعاء اور تسبیح بھی کثرت سے پڑھتا ہوں' تو کیا گھر میں پڑھی جانے والی نماز قبول نہیں ہوتی؟

جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں۔ وہ خجالت اور شرمیلا پن جو کسی شرعی واجب کے ترک کا سبب بنے' وہ بزدلی ہے لہٰذا اس خجالت کی وجہ سے واجب کو ترک کرنا جائز نہیں لہٰذا اپنے آپ کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ ایک دن اگر خجالت محسوس ہو گی تو دوسرے دن یہ خود بخود ختم ہو جائے گی لیکن اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ آپ کے لئے مسجد میں جانا مطلقاً ممکن نہ ہو اور آپ گھر میں نماز پڑھ لیں تو آپ کو گناہ نہ ہو گا کیونکہ یہ خجالت وغیرہ بھی ایک عذر ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

شیخ ابن عثیمین

نماز باجماعت ادا کرو خواہ امام تمہیں ناپسند ہو

سوال میں مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص امام ہے' جس کے پیچھے نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں' تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے تاکہ میں جماعت کے اجر و ثواب کو حاصل کر سکوں؟

جواب جب آپ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جائیں اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوئے پائیں تو ان کے ساتھ مل کر نماز ادا کریں خواہ امام ایسا شخص ہو جس کو آپ ناپسند کرتے ہوں کیونکہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے اور آپ کو جب اس کا موقع مل گیا ہے تو اب اس میں کوتاہی کرنا جائز نہیں ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس شخص کو آپ کے ناپسند کرنے کا سبب کیا ہے؟ کیا اس کا سبب اس کے دین میں خلل ہے یا آپ دونوں کے درمیان کوئی ذاتی دشمنی ہے؟ اگر ذاتی دشمنی ہے تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ و بغض کو ختم کر کے اسے الفت و محبت سے بدل دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ١٠)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اور اگر ناپسندیدگی کا سبب دین میں خرابی ہے' تو آپ پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور اس کے سامنے اس خرابی کو واضح کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر کے دین پر صحیح طور پر چلے۔ دین کی خرابی کو دیکھ کر لوگوں کا ایک دوسرے کو چھوڑ دینا اور دلوں میں بغض و عداوت کو چھپانا ان مومنوں کی شان کے خلاف ہے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِۗ ﴾ (آل عمران ٣/ ١١٠)

"(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں' تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

منفرد کے لئے نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہونا جائز ہے

سوال ایک شخص تنہا فرض نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں ایک جماعت مسجد میں داخل ہوئی اور اس نے نماز باجماعت شروع کر دی تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا نفل کی نیت کر لے تاکہ ان کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کر سکے؟

جواب افضل یہ ہے کہ اسے نفل نماز میں بدل دے اور پھر باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ نماز باجماعت کا اجروثواب حاصل کر سکے اور اگر نماز کو توڑ کر باجماعت ادا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے نماز ہی سے متعلق ایک شرعی مصلحت کی وجہ سے نماز کو توڑا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو

سوال میں الحمد للہ ایک مسلمان آدمی ہوں' پانچوں نمازیں باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرتا ہوں لیکن اکثروبیشتر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔ نیند کے غلبہ کی وجہ سے اٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے حالانکہ میں الارم بھی لگاتا ہوں۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ نفاق ہی نہ ہو' تو کیا اس مذکورہ صورت حال میں میں منافق تو نہیں؟ آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب آپ کے لئے واجب یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کیجئے کہ نماز باجماعت ادا کر سکیں' اس کے لئے الارم سے فائدہ اٹھائیے' جلد سو جائیے اور اہل خانہ سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے آپ الارم کی آواز کو سن ہی نہ سکیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لئے معاملہ میں آسانی پیدا فرمائے اور فرض ادا کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

متروکہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں

سوال پہلے میں نماز نہیں پڑھتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی اور مجھے نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کیا گزشتہ سالوں کی نمازوں کی قضاء مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟

جواب جب انسان کئی سال تک نمازیں چھوڑے رکھے اور پھر توبہ کر کے انہیں باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے تو اس پر چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ ایسی شرط کی صورت میں بہت سے لوگ توبہ ہی سے بددل ہو جائیں گے ہاں البتہ توبہ کرنے والے کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اب آئندہ نماز کی پوری پوری حفاظت کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے' طاعت الٰہی بجالائے' نیکی کے کام کرے' تقرب الٰہی کے حصول کے لئے کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو اپنے دل میں جگہ دے۔

——— شیخ ابن باز ———

کپڑوں کے میلا ہونے کے بہانے نماز ترک کرنا

سوال میرا ایک دوست موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔ میں اسے نماز پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر میری دعوت کو مسترد کر دیتا ہے کہ اس کے کپڑے صاف نہیں ہیں' اس کے لئے کپڑوں کو بدلنا مشکل ہے لہٰذا وہ گھر واپس جا کر نماز پڑھ لے گا تو اس کے اس عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے مذکورہ دوست کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرے' اس کے لئے گھر واپس لوٹنے تک نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم، ١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (شرعی) عذر ہو۔"

ہاں البتہ کپڑے اگر ناپاک ہوں تو انہیں دھونا یا تبدیل کر کے پاک کپڑے پہننا واجب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت سے بہرہ مند فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

امامت کا بیان

بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والے کی امامت

 کیا اس شخص کے پیچھے نماز صحیح ہے جو بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والا ہو؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق بدعتی' کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے اور دیگر گناہ گاروں کے پیچھے نماز صحیح ہے بشرطیکہ بدعت کفر تک پہنچانے والی نہ ہو' اور اگر بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو' جیسے جہمیہ وغیرہ بدعتی ہیں جو اپنی کفریہ بدعات کے باعث دائرہ اسلام ہی سے خارج ہیں' تو ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔ لیکن ذمہ دار اصحاب پر یہ واجب ہے کہ امامت کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو بدعت اور فسق و فجور سے پاک ہوں اور اچھے سیرت و اخلاق کے مالک ہوں کیونکہ امامت ایک عظیم امانت ہے' امام مسلمانوں کا قائد ہوتا ہے لہٰذا اگر اچھے لوگوں کو امامت پر فائز کرنا ممکن ہو تو اہل بدعت و فسق کو امام نہیں بنانا چاہئے!

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا بھی گناہ ہے' اس سے اجتناب کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکایا گیا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔''

قمیص' شلوار اور پینٹ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ فِيمَا أَعْطَى، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار والمنّ بالعطية. . .، ح:١٠٦)

''تین قسم کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ روز قیامت نہیں دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا: ① اپنی چادر کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان جتلانے والا اور ③ اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔''

اگر کپڑے وغیرہ کو تکبر کی وجہ سے لٹکایا جا رہا ہو تو اس میں گناہ اور بھی زیادہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد گرفت اور سزا کا بھی خطرہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب من جر ازاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٣، ٥٧٨٤، ٥٧٩١، ٣٦٦٥)

''جس (مرد) نے اپنے کپڑے کو ازراہ تکبر نیچے لٹکایا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔''

لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ کپڑے کے لٹکانے اور ان تمام دیگر گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کرے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' اسی طرح ہر قسم کی بدعت سے اجتناب بھی ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة. . .، ح:١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر (دین) کے مطابق نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔''

نیز آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

«خَيْرُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧)

"سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے' بدترین امور وہ ہیں جو نئے نئے پیدا کیے گئے ہوں اور ہر بدعت (دین میں نیا کام) ضلالت (گمراہی) ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو بدعات اور گناہوں سے محفوظ رکھے۔ فانہ خیر مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

امام کا رکوع میں انتظار کرنا

سوال جب امام حالت رکوع میں ہو اور وہ یہ محسوس کرے کہ کچھ نمازی جلدی سے آ رہے ہیں تاکہ رکوع میں مل جائیں تو کیا امام کے لئے ان کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں امام کے لئے افضل یہ ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے میں جلدی نہ کرے تاکہ جو لوگ رکعت پا لینے کے شوق میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونا چاہتے ہیں' وہ شامل ہو جائیں لیکن امام کو اس قدر تأخیر بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے امام کے ساتھ شریک مقتدیوں کو تکلیف ہو' اس حالت میں نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرے انتظار کر لینا مستحب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سگریٹ نوش امام کی امامت

سوال کیا ایسے امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے جو سگریٹ نوشی کرتا ہو؟

جواب سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ مضر صحت ہے' یہ خبیث چیز ہے' اس میں اسراف اور فضول خرچی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف/٧/ ١٥٧)

"اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

جہاں تک سگریٹ نوشی کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا تعلق ہے تو اگر اس کی اقتداء میں نماز ترک کرنے سے نماز جمعہ یا نماز باجماعت فوت ہوتی ہو یا کوئی فتنہ رونما ہوتا ہو تو اخف الضررین (بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی کو اختیار کرنا) کے اصول پر عمل کرنے کی وجہ سے اس امام کے پیچھے نماز ادا کرنا واجب ہو گا اور اگر بعض لوگ اس کے پیچھے نماز چھوڑ دیں اور اس سے ترک جمعہ یا ترک جماعت لازم نہ آئے' کوئی اور بھی نقصان نہ ہو اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے اسے تنبیہ بھی ہو اور وہ اس طرح سگریٹ نوشی سے باز آ جائے تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز چھوڑ دینا جائز ہو گا تاکہ اسے سرزنش ہو اور وہ اس حرام امر کے ارتکاب سے باز آ جائے اور یہ عمل انکار منکر کے قبیل سے ہو گا اور اگر اس امام کے پیچھے نماز ترک کرنے سے کوئی نقصان بھی نہ ہو' ترک جمعہ و جماعت بھی لازم نہ آئے اور نہ امام ہی

اس سے کوئی سبق سیکھے تو پھر کوشش کی جائے کہ کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے جو اس کی طرح فسق و معصیت میں مبتلا نہ ہو' اس سے نماز زیادہ مکمل بھی ہو گی اور دین کی زیادہ حفاظت بھی۔ وباللہ التوفیق

——— فتویٰ کمیٹی ———

عمامہ (پگڑی) کے بغیر امامت

سوال ہمارے علاقے میں بعض لوگ اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے' جس نے عمامہ نہ پہنا ہو بلکہ عمامہ کے بغیر امامت کو وہ سنت کے خلاف سمجھتے ہیں' اسی لئے بعض لوگ اپنی مسجدوں کے محرابوں میں عماموں کو تیار رکھتے ہیں تاکہ بوقت امامت امام عمامہ کو اپنے سر پر رکھ لے تو اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

کیا شرعی نقطہ' نگاہ سے اس میں کوئی فرق ہے کہ بوقت امامت سر پر عمامہ ہو یا ٹوپی؟ نیز بوقت امامت لوگ مختلف قسم کی ٹوپیاں جو استعمال کرتے ہیں تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جعفر بن عمرو بن حریث نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَىٰ طَرَفَهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير احرام، ح:١٣٥٩، وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في العمائم، ح:٤٠٧٧ واللفظ له)

"آپ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا اور اس کے کنارے کو آپ نے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔"

امام ترمذی نے نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما سند سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے'[1] ان روایات کے پیش نظر بہت سے علماء نے امام ہو یا مقتدی سب کے لئے عمامہ پہننا اور اس کے کچھ حصہ کو لٹکانا مستحب قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی ٹوپی پر عمامہ باندھتے اور کبھی ٹوپی کے بغیر اور کبھی آپ ٹوپی ہی پہن لیتے اور عمامہ استعمال نہ فرماتے۔ اس مسئلہ میں گنجائش ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عمامہ استعمال کرنے کا حکم دیا ہو یا آپ نے خود اس کی ہمیشہ پابندی فرمائی ہو اور اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ عمامہ نماز یا جماعت کی صحت کے لئے شرط بھی نہیں ہے تو اس کو لازم قرار دینا بھی دین میں تکلف اور تشدد ہے اور جو شخص دین میں تکلف اور تشدد کو اختیار کرے گا' دین اس پر غالب آ جائے گا۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

[1] سنن ترمذی' کتاب اللباس' باب فی سدل العمامة بین الکتفین' ح: 1736۔

جس امام کی قرأت کمزور ہو کیا وہ استعفیٰ دے دے؟
ایک ہی ہفتہ میں بعض سورتوں کے بار بار پڑھنے کا حکم؟

سوال ۱ میں ریاض کے مضافات میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں تجوید و قرأت میں کمزور ہوں اور پڑھنے میں غلطیاں بہت کرتا ہوں۔ مجھے قرآن مجید کے تین پارے اور بعض سورتوں کی بعض آیات یاد ہیں لیکن میں اس ذمہ داری کے بارے میں بہت ڈرتا ہوں۔ لہٰذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کیا میں امامت کا سلسلہ جاری رکھوں یا مستعفی ہو جاؤں؟

سوال ۲ ہماری مسجد کے بعض لوگ نماز فجر کے باجماعت ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں' میں نے انہیں بار بار سمجھایا ہے لیکن بے سود' تو کیا میں ان کی محکمہ میں شکایت کر دوں یا نصیحت کرتا رہوں؟

سوال ۳ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کی ایک ہی سورہ کو ہفتہ میں دو بار یا تین یا اس سے بھی زیادہ دفعہ پڑھا جائے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔ (جزاکم اللہ خیرا)

جواب ۱ آپ کو جس قدر قرآن مجید یاد ہے اس کے حفظ و تجوید میں خوب محنت کریں اور اگر آپ کی نیت نیک ہوئی اور آپ نے خوب مقدور بھر کوشش کی تو پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیروبرکت کی بشارت ہو! کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه ح:٧٩٨، وسنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح:٣٧٧٩، ومسند احمد، ٦/ ٩٨، ١٧٠، ٢٦٦)

"قرآن مجید کے ماہر کو معزز اور نیکوکار فرشتوں کا ساتھ نصیب ہو گا اور جو قرآن پڑھتا اور اس میں اٹکتا ہے اور قرآن پڑھنا اس کے لئے بہت مشکل ہے تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔"

ہم آپ کو یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ استعفیٰ دے دو بلکہ یہ مشورہ دیں گے کہ مسلسل محنت اور صبرو کوشش سے کام لو حتی کہ کتاب اللہ کے مکمل حفظ و تجوید میں کامیاب ہو جاؤ یا قرآن مجید کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے' اتنا حفظ کر لو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور آسانی فرمائے۔

جواب ۲ ہم آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ ان لوگوں کو مسلسل سمجھاتے رہو اور جماعت کے خاص خاص احباب کو ساتھ لے کر ان کے پاس بھی جاؤ اور بتاؤ کہ نماز باجماعت ادا نہ کرنے کے کس قدر نقصانات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کی بات کو قبول کر کے یہ لوگ راہ راست پر آ جائیں۔ صحیح حدیث سے

ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاةالجماعة وبيان التشديد . . .، ح:٦٥١)

"منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہو کہ ان نمازوں میں کس قدر اجروثواب ہے' تو وہ ضرور آئیں گے خواہ گھٹنوں کے بل چل کر۔"

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣، والدارقطني ١/ ٤٢٠، والحاكم،١/ ٢٤٥ واسناده على شرط مسلم)

"جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔"

ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اس کے پاس کوئی معاون نہیں جو اسے مسجد میں لے جا سکے تو کیا اس کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟" اس نے جواب دیا "ہاں" تو آپ نے فرمایا "پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔"

ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢، ومسند احمد، ٣/ ٤٢٣)

"میں تمہارے لئے کوئی اجازت نہیں پاتا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں' فرماتے ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلاَّ مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٠، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة، ح:٧٧٧، واللفظ له)

"ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہتا تھا جو واضح طور پر منافق ہوتا تھا۔"

ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز باجماعت کی حفاظت کرے اور جماعت سے پیچھے رہنے میں احتیاط کرے' ائمہ مساجد پر بھی واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والوں کو سمجھاتے رہیں' انہیں نصیحت کرتے رہیں اور اللہ کے غضب و عقاب سے ڈراتے رہیں اور اگر وہ وعظ و نصیحت سے بھی باز نہ آئیں تو واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے

رہنے والوں کے معاملہ کو محکمہ کے اس دفتر میں پیش کیا جائے جو محلہ کی مسجد میں ہے تاکہ محکمہ ان کے بارے میں قانونی کارروائی کر سکے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو نیکی و تقویٰ کے اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب ۳ اس بات کی اجازت ہے کہ ایک سورۃ کو ہفتہ میں یا ایک ہی دن میں بار بار پڑھ لیا جائے' اس کے لئے کوئی پابندی نہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ کو پڑھ لیا جائے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ قَرَأَ سُوْرَةَ ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ﴾ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ»(سنن أبي داود، باب الرجل يعيد سورة واحدة في الركعتين، ح:٨١٦)

"نبی کریم ﷺ نے پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں سورۂ اذا زلزلت کی تلاوت فرمائی۔"

شیخ ابن باز

اس شخص کی امامت کا حکم' جسے ہوا خارج ہونے کا شک ہو

سوال میں قولون (بڑی آنت کے درد) کا دائمی مریض ہوں اور اس مرض کی وجہ سے ہوا خارج ہوتی رہتی ہے' خاص طور پر نماز میں اور ہوا کے کثرت سے خروج کے باعث مجھے نماز میں بھی بدبو محسوس ہوتی ہے حتی کہ بدبو اگر کسی اور چیز سے آرہی ہو تو پھر بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری ہوا خارج ہونے کی وجہ سے ہے تو میں نماز کے دوران کیا کروں؟ کیا شک کی صورت میں وضوء واجب ہے؟ اور جب مقتدی اچھی طرح قرأت نہ کر سکتے ہوں تو کیا میرے لئے ان کی امامت کرانا جائز ہے؟

جواب اصل بقاء طہارت ہے لہٰذا آپ کے لئے یہ واجب ہے کہ اپنی نماز کو مکمل کرو اور وسوسہ کی طرف توجہ نہ دو الا یہ کہ آواز سننے یا بدبو محسوس کرنے کی وجہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ہوا خارج ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آدمی اپنی نماز میں کچھ محسوس کرتا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»(صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح:١٣٧، وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على ان من تيقن الطهارة. . .، ح:٣٦١)

"وہ اس وقت تک نماز کو نہ چھوڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔"

جب تمام حاضرین کی نسبت آپ قرآن مجید زیادہ پڑھنے والے ہوں' تو امامت کروانے میں ممانعت نہیں بشرطیکہ حدث کی کیفیت مسلسل نہ ہو اور یہ عارضہ کبھی کبھی لاحق ہوتا ہو اور جب وضوء ٹوٹ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے خواہ آپ امام ہوں' مقتدی ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں' اگر آپ امام ہوں اور وضوء ٹوٹ جائے تو اپنے پیچھے کھڑے ہوئے جماعت کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی جگہ کھڑا کر دیں جو باقی نماز پڑھائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عافیت عطا فرمائے!

شیخ ابن باز

ننگے سر امام کی امامت کا حکم

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام ننگے سر نماز پڑھائے؟

جواب سر' نماز اور غیر نماز میں مردوں کے لئے خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ ستر نہیں ہے لہٰذا اسے نماز اور غیر نماز حالت میں ڈھانپنا واجب نہیں ہے لیکن حسب عادت مناسب لباس کے ساتھ سر کو ڈھانپنا جب کہ اس میں شریعت کی مخالفت نہ ہو زینت کے قبیل میں سے ہے لہٰذا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق نماز میں سر کو ڈھانپنا مستحسن ہو گا:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ﴾ (الأعراف۷/ ۳۱)

"اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو۔"

امام کو نسبتاً اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا چاہئے۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال کیا کوئی ایسی صحیح حدیث ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے ہوئے امام کے پیچھے نماز باطل ہے؟

جواب ہمارے علم کی حد تک ایسی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے' جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے امام کی امامت میں نماز ادا کرنا باطل ہے۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

پاؤں کٹے ہوئے امام کی امامت کا حکم

سوال میں ایک ایسا آدمی ہوں' جس کا پاؤں ٹخنے کے نیچے سے کٹا ہوا ہے' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ امام کی عدم موجودگی میں میں نمازیوں کو نماز پڑھا دوں؟ اور کیا نماز کے لئے وضوء کرتے ہوئے کٹے ہوئے پاؤں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب اگر پاؤں کا کٹا ہونا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں مانع نہیں ہے تو پھر لوگوں کی امامت کروانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ میں امامت کی باقی شرطیں موجود ہوں' اگر پاؤں کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو اس پر مسح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' جب آپ نے بحالت طہارت اس پر موزہ یا جراب کو پہن رکھا ہو اور اس طرح حالت قیام میں ایک دن رات اور حالت سفر میں تین دن رات کی نمازیں آپ مسح کر کے ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت صحیحہ سے یہ ثابت ہے۔[1]

اگر پاؤں ٹخنے کے اوپر سے کٹا ہو تو اسے نہ مسح کی ضرورت ہے اور نہ دھونے کی کیونکہ ٹخنوں کے اوپر کی جگہ دھونے یا مسح کرنے کا مقام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا بدلہ دے' آپ کی مصیبت کا صلہ دے اور آپ کو صبر اور طلب ثواب کی توفیق عطاء فرمائے!

—————— شیخ ابن باز ——————

① صحيح مسلم' كتاب الطهارة' باب التوقيت في المسح على الخفين' ح: 276۔

فاسق' جاہل اور بیوقوف وغیرہ کی امامت

سوال جو شخص داڑھی منڈاتا ہو یا سگریٹ نوشی کرتا ہو یا جاہل اور بے وقوف ہو اور قرآن پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب سگریٹ نوشی کرنے والا اور داڑھی منڈانے والا اگر مستقل یا غیر مستقل امام ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن ہو تو پھر کسی دوسرے امام ہی کے پیچھے نماز ادا کی جائے اور اگر کسی دوسرے کے پیچھے ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے ثواب کے حصول کے لئے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے' اگر ایسا امام مستقل ہو اور اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرنا ممکن ہو تو یہ واجب ہو گا اور اگر امام کو بدلنا ممکن نہ ہو کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا امام موجود نہ ہو یا اسے امامت سے معزول کرنے میں زبردست خرابیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے برقرار رکھا جائے تاکہ اعلیٰ مصلحت کے حصول کی خاطر ادنیٰ مصلحت کو قربان کر دیا جائے اور بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی کو اختیار کر لیا جائے۔

باقی رہی جاہل و بیوقوف کی امامت تو صحیح مسلم میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ٦٧٣)

"قوم کی امامت وہ کروائے جو ان میں کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو' اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کروائے جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو' اگر وہ سنت کے علم میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو اور اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ امامت کروائے جو عمر میں ان سے بڑا ہو۔"

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«سِلْمًا، وَلاَ يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلاَ يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ٦٧٣ وقال الأشج في روايته مكان سِلْمًا: سِنًّا)

"جو اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو' کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی جگہ امامت نہ کروائے اور نہ اجازت کے بغیر کسی کی عزت کی جگہ پر بیٹھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ جاہل جو سورۂ فاتحہ کی قرأت بھی اچھی طرح نہ کر سکتا ہو' اس کی امامت جائز نہیں ہاں اگر کوئی اور امامت کے لائق شخص موجود نہ ہو تو پھر اسی طرح کا جاہل اپنے جیسے جاہلوں کی امامت کروا سکتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

قرأت میں لحن کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال ایسا امام جو قرأت میں لحن کرتا ہے اور کبھی آیات قرآنیہ کے حروف میں کمی بیشی بھی کر دیتا ہے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر لحن سے معنی میں تبدیلی نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں مثلاً ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ میں رب کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا یا بسم اللہ میں رحمٰن کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا وغیرہ ① اور اگر لحن سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو پھر اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جب کہ تعلیم دینے اور لقمہ دینے سے بھی اسے کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو مثلاً ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں وہ کاف کو مکسور یا ﴿ اَنْعَمْتَ ﴾ میں تا کو مکسور یا مرفوع پڑھ لے۔ اگر وہ تعلیم کو قبول کر لے اور بتا دینے سے قرأت کو صحیح کر لے تو اس کی نماز اور قرأت صحیح ہو گی اور شرعی حکم بھی یہی ہے کہ مسلمان تمام حالات میں نماز کے اندر بھی اور نماز سے باہر بھی اپنے بھائی کو سکھاتا رہے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' جب وہ غلطی کرے تو اس کی رہنمائی کرے' جاہل ہو تو اسے سکھائے اور اگر قرآن مجید پڑھتے ہوئے بھول جائے تو اس کی اصلاح کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا

سوال میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی' میں جماعت میں شامل نہ ہو سکا تھا لہٰذا میں نے دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھی' ہمارا امام غیر سعودی تھا' نماز کے بعد وہ کچھ دیر تک بیٹھا رہا اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہ کیا بلکہ وہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہی بیٹھا رہا' میں بھی جلدی میں تھا تو کیا میرے لئے یہ صحیح تھا کہ امام کے ہماری طرف منہ کرنے سے پہلے میں چلا جاتا یا ضروری تھا کہ میں انتظار کرتا؟

جواب امام کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنے سے پہلے زیادہ دیر تک بیٹھا رہے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ انتظار کریں اور جب تک امام ان کی طرف منہ نہ کرے اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ اس امام نے غلطی کی ہے جو سلام کے بعد زیادہ دیر بیٹھا رہا ہے اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہیں کیا لہٰذا جب مقتدی کے لئے زیادہ انتظار کرنا گراں ہو تو وہ امام کے منہ پھیرنے سے پہلے اٹھ سکتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سگریٹ نوش کی امامت

سوال کیا سگریٹ نوش کو امامت کا حق ہے' جب کہ وہ دوسرے نمازیوں کی نسبت قرأت اچھی کرتا ہو؟

جواب ہاں اس کے لئے امامت کروانا جائز ہے جب کہ غیر فاسقوں میں سے کوئی شخص ایسا موجود نہ ہو جو قرأت اچھی کر سکتا اور نماز کے احکام جانتا ہو۔ اگر مذکورہ قسم کا شخص کسی مسجد میں مستقل امام ہو تو اسے بدلنے کی کوشش کرنی چاہیئے جب وہ سگریٹ نوشی پر اصرار کرتا ہو۔ اس مسئلہ میں مستقل کمیٹی کی طرف سے پہلے بھی ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

① "منصوب" سے مراد وہ حرف جس پر زبر ہو۔ "مرفوع" سے مراد وہ حرف جس پر پیش ہو۔ "مکسور" سے مراد وہ حرف جس کے نیچے زیر ہو۔

"جو شخص جمعہ و جماعت کا امام ہو اور وہ سگریٹ نوشی کرتا یا داڑھی منڈاتا یا کسی بھی اور گناہ کے کام میں ملوث ہو تو ضروری ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اسے گناہ کے ان کاموں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے' اگر وہ باز نہ آئے اور اسے معزول کرنا ممکن ہو تو اسے معزول کر دیا جائے بشرطیکہ اس سے کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر اندیشہ ہو تو پھر اس کی بجائے کسی اور نیک امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے تاکہ اس کو اس سے نصیحت و عبرت حاصل ہو اور اگر اسے معزول کرنے میں کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو اور کسی دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے اجروثواب کی خاطر اسی کی امامت میں نماز پڑھ لی جائے اور اگر کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچنے کے لئے بھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تاکہ اخف الضررین (بڑی خرابی کے مقابلہ میں چھوٹی خرابی اختیار کرنے) کا ارتکاب کر لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف صالح حجاج بن یوسف کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے حالانکہ وہ سب سے بڑا ظالم تھا لیکن یہ سلف صالح مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی خاطر اور انہیں فتنہ و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔" وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فاتحہ کے بعد سکتہ

سوال فاتحہ کے بعد امام کے وقوف کا کیا حکم ہے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے اور اگر امام یہ وقفہ نہ کرے تو پھر مقتدی کس وقت سورہ فاتحہ پڑھے؟

جواب اس بات کی کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے' جس سے معلوم ہو کہ جہری نماز میں امام کو سکتہ کرنا چاہئے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ مقتدی کو چاہئے کہ امام کی قرأت کے سکتات میں فاتحہ کو پڑھ لے اور اگر امام سکتہ کرتا ہی نہ ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ سری طور پر فاتحہ پڑھ لے' خواہ امام قرأت کر رہا ہو اور پھر فاتحہ پڑھنے کے بعد امام کی قرأت کو سننے کے لئے خاموش ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات . . . ، ح:٧٥٦، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة. . . ، ح:٣٩٤)

"جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

نیز آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا:

«لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِهَا»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح:٨٢٣)

"سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

یہ دونوں حدیثیں حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْءَانُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کی تخصیص کر رہی ہیں کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٤، ٤١١)

"امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو' جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

شیخ ابن باز

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال ہمیں ایک داڑھی منڈے امام نے نماز پڑھائی تو کیا اس کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر یہ داڑھی منڈا شخص تمہاری مسجد میں مستقل امام ہے تو کوشش کرو کہ اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرو' امید ہے تم اہل صلاح و خیر میں سے یقیناً کوئی ایسا آدمی پا لو گے' جو اس گناہ سے پاک ہو اور اگر یہ امام کسی ادارہ یا مدرسہ میں عارضی طور پر کام کے وقت ظہر کی نماز پڑھاتا ہے تو اولاً اسے نصیحت کرو' اس برے فعل کے انجام سے ڈراؤ اور اگر وہ داڑھی منڈانے پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے تو کسی ایسے امام کو تلاش کرو' جو اس گناہ سے پاک ہو خواہ اس سے قرأت میں کم مرتبہ ہو اور اگر اس نے محض وقتی طور پر ایک نماز پڑھائی ہے' تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گیا ہو اور اس سے بہتر قرأت والا اور کوئی شخص نہ ہو' مختصر یہ کہ اس امام کی اقتداء میں ان شاء اللہ نماز صحیح ہو گی جب کہ اسے بھی اور ہر اس مسلمان کو بھی نصیحت کرنا واجب ہے جس سے یہ یا اس طرح کا اور کوئی گناہ سرزد ہوتا ہو۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

جب امام غلط قرأت کرتا ہو

سوال جب امام سورۂ فاتحہ کے پڑھنے میں بھی غلطی کرتا ہو' تو کیا اس کے پیچھے پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب جب امام فاتحہ کی قرأت میں کوئی ایسی غلطی کرے' جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو اسے متنبہ کرنا اور غلطی کی تصحیح کرنا ضروری ہے' اگر وہ قرأت کو صحیح کر لے تو الحمدللہ ورنہ اس کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہو گی اور انتظامیہ پر واجب ہو گا کہ ایسے امام کو معزول کر دیا جائے۔ وہ غلطی جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو' کی مثال یہ ہے کہ جیسے ﴿ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ میں تا پر کسرہ یا ضمہ پڑھ لیا جائے یا ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ میں ک پر کسرہ پڑھ لیا جائے اور قرأت کی وہ غلطی جس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے "رب العالمین" یا "الرحمٰن" کو فتحہ یا ضمہ کے ساتھ پڑھ لیا

جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ [1]

شیخ ابن باز

سگریٹ نوشی وغیرہ کرنے والے کی امامت

سوال بحوث العلمیہ والا فتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے وہ سوال آیا جو کہ عزت مآب جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں کبار العلماء کمیٹی کے سیکرٹری کی طرف سے (حوالہ نمبر۱۵۱/ ۲) پیش کیا گیا تھا اور جس کی عبارت یہ ہے:

"نماز کا وقت ہو گیا تھا اور میں نے باجماعت نماز پالی لیکن جب میں آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ امام ان لوگوں میں سے ہے' جو سگریٹ نوشی کرتے یا سویکہ استعمال کرتے ہیں' جسے منطقہ جنوب میں "شمہ" کہا جاتا ہے یا درخت قات کے پتوں کو یا ان سب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اس امام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے' انفرادی طور پر نماز پڑھ لی اور بعض نمازیوں نے مجھے کہا کہ تم نے یہ غلط کام کیا ہے۔ کیا یہ واقعی میری غلطی تھی اور یہ جائز تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا یا میرا الگ نماز پڑھنا درست تھا؟ اور یہ میں نے اجتہاد کی بنیاد پر ایسا کیا اور میں نے الحمدللہ' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک ان چیزوں میں سے کبھی بھی کوئی چیز استعمال نہیں کی تو کیا جو شخص ان چیزوں کے استعمال کا عادی ہے وہ لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے؟"

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس کے پینے پر اصرار اور دوام و ہمیشگی کرنا حرمت میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ یہ خبیث چیزوں میں سے ہے اور خبیث چیزوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف/٧ /١٥٧)

"اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

سگریٹ اور تمباکو نوشی مضر صحت ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح: ٢٣٤٠. ٢٣٤١، ومسند احمد، ١/ ٣١٣، البيهقي، ٦/ ٦٩، ٧٠، ٤٥٧، ١٠/ ١٣)

یعنی "کسی سے نقصان اٹھاؤ نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ۔"

جو شخص تمباکو نوشی میں مبتلا ہو' اسے امام بن کر نماز نہیں پڑھانی چاہئے الا یہ کہ مقتدی بھی اسی کی طرح یا اس سے بڑھ کر تمباکو نوشی کرنے والے ہوں لیکن یہ واقعی تمہاری غلطی تھی' جو تم نے ان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کی بجائے الگ نماز پڑھی کیونکہ پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے یہ ثابت ہے اور پھر جب تم نے امام کے تمباکو نوشی کی وجہ سے جماعت ترک کر دی' تو واجب تھا کہ کسی دوسری جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرتے اور اگر حالات ایسے تھے کہ کسی دوسری جماعت کے ملنے کی امید نہ تھی تو پھر اسی جماعت کے ساتھ نماز

[1] کسرہ سے مراد زیر ہے اور ضمہ سے مراد پیش ہے اور فتحہ سے مراد زبر ہے۔

ادا کر لیتے تاکہ فرض نماز باجماعت ادا ہوتی اور ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گاروں کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایسے امام کے پیچھے نماز جو قرأت اچھی نہ کرتا ہو

سوال فضیلۃ الشیخ کی اس امام کے بارے میں کیا رائے ہے' جو قرأت اچھی نہیں کرتا؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ یاد رہے ہماری بستی میں اس سے اچھی قرأت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے ہاں البتہ ایام تعطیلات میں طلبہ جب اپنے گھروں میں واپس آتے ہیں' تو وہ یقیناً اس سے اچھی قرأت کرتے ہیں لیکن یہ اس مسجد کے مستقل امام ہیں۔ یہاں قریب ہی تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ بھی ہے لہٰذا میں نے کئی دفعہ ان سے کہا ہے کہ اس مدرسہ میں قرأت سیکھ لو لیکن انہوں نے میری بات پر عمل نہیں کیا' تو امید ہے اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر یہ امام قرأت میں ایسی غلطی نہیں کرتے کہ جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو تو پھر ان کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً اگر یہ ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ میں رب کی باء کو منصوب پڑھ لیں یا الرحمٰن الرحیم میں ن کو منصوب پڑھ لیں یا اسے مضموم پڑھ لیں' تو یہ غلطی نقصان دہ نہیں ہے لیکن اگر یہ قرأت میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی میں تبدیلی آ جائے تو اس غلطی کو اس کے سامنے واضح کیا جائے' اسے سکھایا جائے اور پوری پوری توجہ دلائی جائے تاکہ اس کی قرأت صحیح ہو جائے اور اگر پڑھتے ہوئے اس طرح کی غلطی کر بیٹھے تو دوران نماز ہی اس کی تصحیح کر دی جائے' نیز مدرسہ تحفیظ القرآن میں داخلہ کی ترغیب دی جائے شاید اس سے ہی انہیں قرآن مجید صحیح طور پر پڑھنا آ جائے۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن باز ———

رباعی نماز کی تین رکعات پڑھ لیں

سوال جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور پھر وہ سلام پھیر دے اور سلام کے بعد بعض مقتدی بتائیں کہ انہوں نے تین رکعات پڑھی ہیں' تو اس حالت میں امام کیا چوتھی رکعت کے لئے تکبیر تحریمہ کہے گا یا فقط تکبیر تحریمہ کہے بغیر کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کر دے گا؟ اس حالت میں سجدہ سہو سلام سے پہلے ہو گا یا بعد میں؟

جواب جب امام یا منفرد کو چار رکعتوں والی نماز میں یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے واجب یہ ہے کہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ وہ کم تعداد ہو گی لہٰذا اسے تین قرار دے کر چوتھی رکعت پڑھ لے اور پھر سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد في

الصلاة والسجود له، ح: ٥٧١)

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو جھٹک دے اور یقین پر بنیاد رکھ لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے' اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔"

اگر امام تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے اور سلام پھیرنے کے بعد امام کو متنبہ کیا جائے تو وہ نماز کی نیت کی تکبیر کہے بغیر اٹھ کھڑا ہو' چوتھی رکعت پڑھے' پھر تشہد کے لئے بیٹھ جائے' تشہد' رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے' پھر دو سجدے کر لے اور پھر سلام پھیر دے' ہر اس مسلمان کے حق میں یہی افضل صورت ہے جو بھولنے کی وجہ سے نماز میں کمی کر بیٹھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز کی دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور جب ذوالیدین نے اس سلسلہ میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل فرمایا' پھر سلام پھیر دیا' پھر سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔ [1] اسی طرح نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار نماز عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا' جب آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروائی گئی تو آپ ﷺ نے چوتھی رکعت ادا فرمائی اور سلام پھیر دیا' پھر سجدہ سہو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔ [2]

—— فتویٰ کمیٹی ——

جو شخص لوگوں کو بے وضو نماز پڑھا دے

سوال ایک شخص نے لوگوں کی ایک فرض نماز میں امامت کی اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا اور نمازی بھی منتشر ہو گئے تو اسے یاد آیا کہ اس نے تو وضوء نہیں کیا ہوا تھا تو اس نے وضوء کے بعد اپنی نماز کو دوہرا لیا' تو کیا اس حالت میں مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گی یا امام کے لئے لازم ہے کہ وہ سب مقتدیوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرے؟ اور اگر اسے تمام مقتدیوں کی پہچان بھی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

جواب مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گی البتہ امام کے لئے لازم ہو گا کہ وضوء کر کے نماز کو دوبارہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ح: ٢٢٤)

"طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔"

—— شیخ ابن باز ——

[1] صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو فی الصلوٰة والسجود له' ح: 573۔

[2] صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السهو فی الصلوٰة' ح: 574۔

جب امام قرأت میں غلطی کرے

سوال جب امام جہری نماز میں قرأت کرتے ہوئے غلطی کرے مثلاً یہ کہ ایک آیت یا کسی آیت کا کوئی جز نہ پڑھے یا غلطی سے آیت کے کسی لفظ کو تبدیل کر دے تو کیا مقتدی امام کی اس نوعیت کی غلطی کی تصحیح کرے؟

جواب جب امام قرأت میں غلطی کرتے ہوئے ایک آیت کو چھوڑ دے یا الفاظ غلط پڑھے تو مقتدیوں کے لئے لازم ہے کہ امام کی تصحیح کریں اور اگر غلطی کا تعلق سورۂ فاتحہ سے ہو تو پھر اس کی تصحیح کرنا مقتدیوں پر واجب ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے ہاں البتہ اگر غلطی اس قسم کی ہو کہ اس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو مثلاً الرحمن یا الرحیم کو منصوب پڑھ لیا جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کے لئے لقمہ دینا واجب نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جب امام قرأت میں غلطی کرے اور کوئی تصحیح کرنے والا بھی نہ ہو

سوال جب امام نماز میں قرآن مجید کی قرأت کر رہا ہو اور پھر وہ آیت کا آخری حصہ بھول جائے اور نمازیوں میں سے بھی کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو کیا وہ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے یا کوئی دوسری سورہ پڑھنی شروع کر دے؟

جواب اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اللہ اکبر کہہ کر قرأت کو ختم کر دے اور اگر چاہے تو کسی دوسری سورۃ کی ایک یا چند آیات پڑھ لے جیسا کہ اس نماز سے متعلق سنت مطہرہ کا تقاضا ہو بشرطیکہ اس بھول کا تعلق سورۂ فاتحہ سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق سورۂ فاتحہ سے ہو تو مکمل سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کی قرأت نماز کا رکن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

سلسل البول کے مریض کی امامت

سوال کیا سلسل البول کے مریض کے لئے نماز کی امامت کروانا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے اور وہ مدت مسح کو کس طرح مکمل کرے گا؟

جواب سلسل البول کے مریض کے لئے امامت کروانا جائز نہیں، خواہ مقتدی بھی اسی کی طرح کے مریض ہوں کیونکہ اس مرض میں طہارت کاملہ مفقود ہوتی ہے۔ سلسل البول کا مریض مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مسجد کو ناپاک کر دے گا، اسے موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے!

——— شیخ ابن جبرین ———

مسافر کی نماز

مسافر امام کا مقیم لوگوں کو نماز پڑھانا

سوال کیا مسافر امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے؟ اور امام کے نماز کو قصر کرنے اور جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں مقتدی کس طرح کریں گے؟

جواب اگر مسافر امامت کا اہل ہو تو وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ جب نماز ایسی ہو جس میں مسافر کو قصر کی رخصت ہو اور امام اس رخصت سے فائدہ اٹھائے تو مقتدی امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی نماز کو پورا کر لیں اور وہ نماز جس میں مسافر کو جمع کی اجازت ہو تو وہ جمع کر لے گا' مقتدی اپنی نمازوں کو جمع نہیں کریں گے کیونکہ جمع کرنے کی رخصت تو صرف مسافر کے لئے ہے' مقیم مقتدیوں کے لئے نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ جب مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے تو دو رکعات پڑھاتے اور پھر فرماتے:

«يَاأَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلاَتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ»(رواه مالك في الموطأ، كتاب الحج، باب صلاة منى، ح:٢٠٢، ٢٠٣)

''اے مکہ والو! تم اپنی نماز کو مکمل کر لو' ہم تو مسافر لوگ ہیں۔''

فتویٰ کمیٹی

قصر کے بغیر جمع کرنا

سوال کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نمازوں میں قصر تو کرے لیکن جمع کر کے نہ پڑھے یا جمع تو کرے لیکن قصر نہ کرے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے البتہ مسافر کے لئے قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے' جس طرح وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مقرر کردہ واجبات و فرائض پر عمل کیا جائے' اسی طرح مذکورہ بالا سبب کے پیش نظر مسافر کے لئے حالت سفر میں نمازوں کو جمع کرنا افضل ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مقیم کی امامت میں مسافر کی نماز

سوال کیا مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء جائز ہے؟ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مقیم امام کے ساتھ نماز سے فراغت کے بعد اس نماز کو جمع بھی کرے' جس کا جمع کرنا اس کے الگ پڑھنے یا اپنے جیسے مسافروں کے ساتھ مل کر پڑھنے کی صورت میں جائز ہو؟

جواب مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس صورت میں اس کے لئے امام کے سلام پھیرنے تک متابعت لازم ہو گی یعنی اگر امام چار رکعتوں والی نماز پڑھا رہا ہو تو اس صورت میں مسافر مقتدی کے لئے قصر جائز نہ ہو گی بلکہ اسے امام کی اقتداء کرتے ہوئے چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا:

«مَا بَالُ الْمُسَافِرِ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ إِذَا انْفَرَدَ وَأَرْبَعًا إِذَا ائْتَمَّ بِمُقِيمٍ؟ فَقَالَ: تِلْكَ السُّنَّةُ»

''کیا بات ہے کہ مسافر جب الگ پڑھتا ہے تو دو رکعات لیکن جب وہ مقیم امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''سنت یہی ہے''

اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«تِلْكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ»

''یہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''تلخیص الحبیر'' میں ذکر فرمایا اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کا اصل مسلم اور نسائی میں ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد مسافر اس نماز کو جمع کر سکتا ہے جس کا جمع کرنا جائز ہو خواہ وہ انفرادی طور پر جمع کرے یا مسافروں کی جماعت کے ساتھ!

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسافروں کی مستقل امام کے پیچھے نماز

سوال کیا افضل یہ ہے کہ مسافر مستقل امام کی اقتداء میں نماز ظہر مسجد میں ادا کریں اور پھر اپنی عصر کی نماز جمع کر لیں یا افضل یہ ہے کہ وہ امام کا انتظار نہ کریں اور مسافر اپنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیں؟

جواب اگر مستقل امام کا انتظار ان کے لئے گراں نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ مستقل امام کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کریں کیونکہ اس طرح کثرت اجتماع اور انتظار جو کہ نماز ہی کی ایک قسم ہے' کی وجہ سے انہیں زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور اگر امام راتب کا انتظار گراں ہو تو مسافروں کو اجازت ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو قصر و جمع کی رخصتوں کے ساتھ ادا کر لیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دوسرے ملکوں میں مقیم فوجیوں کے لئے قصر و جمع کا حکم

سوال مسلح افواج کے وہ سپاہی جو اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں مقیم ہوں کیا ان کے لئے بھی قصر و جمع جائز ہے؟ جو شخص کسی ملک کے دارالحکومت سے اپنے کام کی جگہ پر جانے کے لئے روزانہ ایک سو تیس کلو میٹر سفر کرتا ہو' تو کیا وہ روزانہ اس سفر پر آتے جاتے جمع و قصر کر سکتا ہے؟

جواب اگر ان کی اقامت کی نیت چار دنوں سے زیادہ کی ہو تو پھر انہیں نماز پوری پڑھنی ہو گی اور جمع بھی نہیں کر سکتے کیونکہ سفر کی رخصتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ مدت اقامت چار دن سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہاں اقامت نہ ہو یا

اقامت تو ہو لیکن وہ چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر مشہور مذہب کے مطابق وہ قصر اور جمع کر سکتے ہیں۔

اس سوال کی دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ جب تک ان کی رہائش گاہ اس ملک کے دارالحکومت میں سے ہے تو ان کے لئے دارالحکومت میں قصر اور جمع کرنا جائز نہیں اور جب وہ دارالحکومت کو چھوڑ کر اپنے کام کی جگہ یا کسی اور ایسی جگہ جائیں کہ مسافت اسی کلو میٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر کی رخصتوں کو اختیار کر سکتے ہیں حتی کہ اپنی رہائش گاہ پر واپس آجائیں۔ جمع و قصر کا تعلق بھی سفر کی رخصتوں میں سے ہے' ہاں یہ اس صورت میں ہے' جب وہاں چار دن سے زیادہ اقامت کی نیت نہ ہو اور اگر ایسی نیت ہو تو پھر جمع و قصر جائز نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اندرون شہر مسافر کے لئے جمع و قصر کا حکم

سوال جب میں مسافر ہوں اور اس شہر میں سکونت پذیر جس کی طرف تین یا چار یا اس سے کم و بیش دن رہنے کے لئے سفر کر کے گیا ہوں اور میں ظہر کے وقت مسجد میں گیا اور جماعت کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں ادا کیں' پھر میں نے اکیلے کھڑے ہو کر نماز عصر قصر کی صورت میں ادا کر لی تو کیا میرا یہ عمل جائز ہے؟ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنی رہائش گاہ پر نمازوں کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرتا رہوں جبکہ میرا قیام اندرون شہر ہو جہاں مسجدیں بھی بہت ہوں' میں اذان کی آواز بھی سنوں لیکن مسافر ہونے کی بنیاد پر رہائش گاہ پر ہی نمازوں کو ادا کرتا رہوں؟

جواب جس مسافر کا کسی شہر میں چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کے لئے پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر اس سے کم مدت کی اقامت کا ارادہ ہو تو پھر قصر افضل ہے اور اگر پوری نماز بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں اور اگر مسافر اکیلا ہو تو اسے اکیلے ہی نماز قصر نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ اس کے لئے واجب یہ ہے کہ باجماعت پوری نماز ادا کرے جیسا کہ ان احادیث سے ثابت ہے جو جماعت کے وجوب پر دلالت کناں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسافر کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ امام مقیم کے ساتھ نماز ادا کرے تو چار رکعتیں پڑھے[1] کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان باب إقامة الصف من تمام الصلاة، ح: ٧٢٢، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح: ٤٠٤، ٤١١)

"امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

سفر میں نماز جمع کرنا

سوال بعض لوگ جب ریاض سے خرج کا سفر کرتے ہیں جو اسی کلو میٹر کے قریب فاصلہ بنتا ہے' تو وہ راستے میں نماز جمع کر کے پڑھتے ہیں' کیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

---

[1] صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ المسافرین و قصرھا' ح: 687۔

جواب ہاں مسافر کو اجازت ہے' وہ نماز جمع کر کے بھی پڑھ سکتا ہے اور ہر نماز کو اپنے وقت پر بھی لیکن مسافر جب اقامت اختیار کرے تو پھر ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا افضل ہے جس طرح نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ہر نماز کو منیٰ میں اس کے وقت پر ادا فرماتے رہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سو کلو میٹر کی مسافت کا سفر

سوال جب انسان ایک سو کلو میٹر تک کا سفر کر کے کسی دوسرے شہر میں جائے تو کیا وہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کر سکتا ہے؟

جواب جب انسان اپنے شہر سے سفر کر کے ایک سو کلو میٹر یا اس کے قریب قریب مسافت طے کرے تو وہ احکام سفر مثلاً قصر' افطار' جمع بین الصلاتین اور موزوں پر تین دن تک مسح پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسافت سفر شمار ہوتی ہے' اسی طرح اگر اس نے اسی کلو میٹر کے قریب سفر کیا تو جمہور اہل علم کے نزدیک یہ بھی مسافت قصر شمار ہوتی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا دو سال کی مدت تک قیام کرنے والا مسافر قصر کرے؟

سوال میرے اور ایک عرب دوست کے درمیان نماز قصر کرنے کے بارے میں جھگڑا ہوا صورت حال یہ ہے کہ ہم آج کل امریکہ میں قیام پذیر ہیں اور ممکن ہے کہ دو سال تک یہ قیام رہے میں تو نماز پوری پڑھتا ہوں گویا اب اپنے ہی ملک میں ہوں جب کہ میرا دوست نماز قصر پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مسافر ہوں خواہ سفر کی مدت دو سال تک طویل کیوں نہ ہو۔ امید ہے آپ ہمارے اس قصر نماز کے مسئلہ میں دلیل کے ساتھ رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اصل یہ ہے کہ مسافر وہ ہے جسے رباعی نماز قصر کرنے کی رخصت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔"

اور یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے کہ:

﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذاء دیں گے۔"

تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی اس سے تعجب ہوا جس سے آپ کو تعجب ہوا ہے تو میں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، ح:٦٨٦)

"یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول کر لو۔"
اور بالفعل اسے مسافر کے حکم میں شمار کیا جائے گا جو چار دن راتیں یا اس سے کم مدت کے لئے قیام کرے جیسا کہ حدیث جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور آپ نے ذوالحجہ کی چار' پانچ' چھ اور سات تاریخ کو مکہ ہی میں قیام فرمایا اور پھر آٹھ تاریخ کو صبح کی نماز ابطح میں ادا فرمائی' ان تمام دنوں میں آپ نے نماز قصر پڑھی اور یہاں آپ کی اقامت کی نیت تھی جیسا کہ معلوم ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو مسافر ہو اور اس کی اتنی مدت اقامت کی نیت ہو جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا اس سے کم مدت کی نیت ہو تو وہ نماز قصر پڑھ سکتا ہے اور اگر نیت اس سے زیادہ اقامت کی ہو تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ وہ مسافر کے حکم میں نہ ہو گا۔

جو شخص اپنے سفر میں چار دن سے زیادہ اقامت تو اختیار کر لے لیکن اس کی اقامت کی نیت نہ ہو بلکہ ارادہ یہ ہو کہ جوں ہی اس کی ضرورت پوری ہو گئی وہ واپس لوٹ جائے گا مثلاً کوئی شخص دشمن سے جہاد کے لئے کسی جگہ مقیم ہو یا کسی کو بادشاہ نے روک لیا ہو یا کوئی کسی مرض کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہو گیا ہو اور نیت یہ ہو کہ جونہی جہاد کا مرحلہ فتح و نصرت یا صلح کی شکل میں مکمل ہو گیا یا جوں ہی اس نے مرض یا دشمن یا بادشاہ یا اپنے سامان تجارت کی فروخت سے فراغت پالی تو وہ واپس لوٹ جائے گا تو اس صورت میں اسے مسافر سمجھا جائے گا اور اسے رباعی نماز کے قصر کی اجازت ہو گی خواہ یہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے۔ اسی طرح عیسائیوں سے جہاد کے لئے آپ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں بھی آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز قصر ادا فرمائی کیونکہ آپ کی اقامت کی باقاعدہ نیت نہ تھی بلکہ نیت یہ تھی کہ جوں ہی ضرورت پوری ہو گئی' آپ سفر شروع فرما دیں گے!

—— فتویٰ کمیٹی ——

مقیم طالب علم کے لئے تعلیمی پیریڈ کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا ہمارے لئے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ہم شہر میں مقیم ہیں اور تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہونے کی وجہ سے پیریڈ کو چھوڑ کر جانا ممکن نہیں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس حدیث کو دلیل بنا لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر' بارش اور بیماری وغیرہ کے عذر کے بغیر بھی نماز جمع کر کے پڑھی ہے یا ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ پیریڈ کو چھوڑ کو نماز کے لئے مسجد میں چلے جائیں؟

جواب آپ کے لئے ضروری یہ ہے کہ پانچوں فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کریں۔ پڑھائی کو ایسا عذر قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس کی وجہ سے نماز مؤخر کر کے پڑھنے کی اجازت ہو۔ جس حدیث کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر اور مسلسل عمل کے خلاف ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیمی اوقات کو اس طرح ترتیب دو کہ نماز کو ان کے اوقات میں ادا کرنا ممکن ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا حکم

 حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا کیا حکم ہے جب مکہ مکرمہ میں چار دن سے زیادہ اقامت ہو؟

جواب جب حاجی کی مکہ مکرمہ میں اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعات پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع میں یہی عمل تھا اور اگر ارادہ چار دن سے زیادہ قیام کا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ نماز قصر کرنے کی بجائے پوری پڑھے اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جنگل میں نماز قصر کرنا

سوال ہم لوگ جماعت کی صورت میں جنگل میں گئے تو کیا ہمارے لئے نماز کو قصر اور جمع کی صورت میں ادا کرنا جائز تھا؟

جواب جب آپ لوگ جنگل میں اس قدر دور چلے جائیں کہ وہ سفر شمار ہو تو جمع اور قصر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ قصر کے معنی یہ ہیں کہ ظہر' عصر اور عشاء کی نمازوں کی دو دو رکعات پڑھی جائیں' باقی رہی جمع تو اس کی رخصت ہے کہ جو چاہے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لے اور جو چاہے ان نمازوں کو الگ الگ پڑھے۔ اور اگر مسافر نے اقامت اختیار کر رکھی ہو اور وہ ہشاش بشاش بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ جمع کو ترک کر دیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں مدت اقامت کے دوران نمازوں کو قصر تو کیا لیکن جمع نہیں کیا ہاں البتہ ضرورت کے پیش نظر عرفہ اور مزدلفہ میں جمع کر کے بھی نمازوں کو پڑھا ہے اور جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ کرے تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ وہ قصر نہ کرے بلکہ رباعی نمازوں کی چار چار رکعات ہی پڑھے' اکثر اہل علم کا یہی قول ہے لیکن اگر اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر قصر کرنا افضل ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

متروکہ نمازوں کی جلد قضاء دو

سوال میں نے سعودیہ سے باہر کا سفر کیا اور ایک ایسے ملک میں گیا جو اسلامی ملک نہیں ہے لیکن میری خواہش تھی کہ میں وہاں بھی نماز ادا کرتا رہوں البتہ سعودیہ سے وقت مختلف ہونے کی وجہ سے اور قبلہ رخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میری کئی نمازیں رہ گئیں تو کیا میں ان فوت شدہ نمازوں کو پڑھوں؟

جواب ہاں ان فوت شدہ نمازوں کی جلد قضاء دو کیونکہ جو سبب آپ نے بیان کیا ہے یہ ترک نماز کے لئے جواز نہیں بن سکتا' آپ کے لئے ممکن تھا کہ قبلہ رخ کا اندازے سے یا قبلہ نما سے تعین کر لیتے' وقت کا آپ تقویم سے حساب معلوم کر سکتے تھے' رات دن سے یا گھڑی سے دونوں وقتوں کے فرق کو بھی معلوم کر سکتے تھے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو ان متروکہ نمازوں کی فوراً اور مسلسل قضاء دے لیں خواہ تمام نمازوں کو اکٹھا ایک یا دو گھنٹوں میں ادا کر لیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جب مقیم' مسافر کے پیچھے نماز پڑھے

سوال جب کوئی انسان سفر میں ہو اور وہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا چاہے اور ایک ایسے شخص کو پائے جس نے نماز ظہر پڑھ لی ہے اور وہ مقیم ہے تو کیا یہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے؟ نیز کیا یہ مسافر کے ساتھ قصر کرے گا یا پوری نماز پڑھے گا؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے جماعت کے ثواب کے حصول کی خاطر نماز پڑھے اور وہ اپنی فرض نماز پہلے پڑھ چکا ہو تو وہ مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھے گا کیونکہ مقیم کے لئے یہ نماز نفل ہوگی۔ اور اگر مقیم' مسافر امام کے پیچھے ظہر' عصر یا عشاء کے فرض پڑھے تو پھر اسے چار رکعتیں پڑھنا ہوں گی لہٰذا مسافر امام جب دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے تو اسے دو رکعات اور پڑھ کر اپنی نماز کو مکمل کرنا ہوگا اور اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے فرض نماز ادا کرے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں مسافر کو بھی پوری نماز پڑھنا ہوگی کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ مسافر مقیم امام کے ساتھ چار لیکن اپنے مسافر ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات پڑھتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ سنت یہی ہے۔[1] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان باب إقامة الصف من تمام الصلاة، ح:٧٢٢، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح:٤٠٤، ٤١١)

"امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

سفر میں سنن مؤکدہ

سوال کیا سفر میں سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں' اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر تمام سنن مؤکدہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر سنن مؤکدہ کو ترک فرما دیا کرتے تھے ہاں البتہ نوافل' سفر ہو یا حضر پڑھے جا سکتے ہیں' اسی طرح وہ نمازیں جن کے مخصوص اسباب ہیں' انہیں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً سنت وضو' سنت طواف' نماز ضحیٰ اور رات کی نماز تہجد کیونکہ ان نمازوں کا سفر میں بھی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

—— شیخ ابن باز ——

ہوائی جہاز میں نماز

سوال جب میں ہوائی جہاز میں محو پرواز ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

[1] صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ المسافرین و قصرھا' ح: 687

جواب جب نماز کا وقت ہو جائے اور طیارہ محو پرواز ہو اور کسی ایئرپورٹ پر طیارہ کے اترنے سے قبل نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ نماز کو وقت پر بقدر استطاعت رکوع' سجود اور استقبال قبلہ کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧، ومسند احمد، ٢/٢، ٥٠٨)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

اگر یہ معلوم ہو کہ طیارہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے ایئرپورٹ پر اتر جائے گا یا نماز ایسی ہو کہ اسے جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہو مثلاً ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو یکجا کر کے پڑھا جا سکتا ہے اور معلوم ہو کہ طیارہ ان میں سے دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے ایئرپورٹ پر اتر جائے گا اور دونوں نمازوں کے پڑھنے کے لئے کافی وقت مل جائے گا تو پھر بھی جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ انہیں طیارے میں ادا کرنا جائز ہے کہ حکم یہ ہے کہ جونہی نماز کا وقت شروع ہو جائے' مقدور بھر کوشش کے مطابق اسے ادا کیا جائے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور اس مسئلہ میں یہی قول درست ہے۔ (وباللہ التوفیق)

——— فتویٰ کمیٹی ———

سفر میں چار قسم کی رخصت ہے

سوال سفر میں کیا کیا رخصت ہے؟

جواب سفر میں چار قسم کی رخصت ہے:

- چار رکعتوں والی نماز کی صرف دو رکعات ہیں۔
- رمضان کا روزہ نہ رکھا جائے اور پھر ایام سفر کی گنتی کے مطابق روزے بعد میں رکھ لئے جائیں۔
- موزوں پر مسح شروع کرنے کے وقت سے لے کر تین دن اور تین راتوں تک مسح کر لیا جائے۔
- ظہر' مغرب اور عشاء کی سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں البتہ صبح کی سنتوں اور دیگر نفلوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

یعنی مسافر رات کی نماز' سنت فجر' ضحیٰ کی دو رکعات' سنت وضو' مسجد میں داخل ہونے کے وقت کی دو رکعات اور سفر سے واپسی کے موقعہ کی دو رکعات پڑھ سکتا ہے۔ سنت یہ ہے کہ آدمی جب سفر سے واپس آئے تو گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں آئے اور اللہ کے گھر میں دو رکعات پڑھے۔ نماز کے ساتھ مسافر دیگر نوافل تو ادا کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا اس نے ظہر' مغرب اور عشا کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں کرنا کیونکہ نبی ﷺ ان تینوں نمازوں کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں فرمایا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہوائی جہاز میں نماز

 سوال: جب طیارہ فضا میں ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز جائز ہے؟

جواب: جب نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو مثلاً یہ کہ صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے سورج کے طلوع اور نماز عصر پڑھنے سے پہلے سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہو تو طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر طیارہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ ہو تو کھڑا ہو کر پڑھے اور رکوع و سجود بھی اسی طرح کرے گویا وہ زمین پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور اگر ایسی کوئی جگہ نہ ہو تو اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے اور سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ سر جھکائے اور اگر نماز ایسی ہو جسے جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہو تو اسے دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے طیارہ سے اترنے کے بعد پڑھ لے لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ طیارہ کے اترنے سے پہلے دونوں نمازوں کا وقت ختم ہو جائے گا مثلاً ظہر اور عصر کی نماز کے پڑھنے سے پہلے سورج غروب ہو جائے یا مغرب اور عشاء کی نمازوں کے پڑھنے سے پہلے فجر طلوع ہو جائے گی تو پھر ان نمازوں کو مؤخر کرنا جائز نہیں بلکہ ان کو طیارہ کے اندر ہی' خواہ اشارہ کے ساتھ' وقت پر ادا کرنا چاہئے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا ریاض سے خرج جانا سفر شمار ہو گا؟

سوال: کیا ریاض سے خرج تک کے سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ان دونوں شہروں کے مابین قریباً اسی (۸۰) کلو میٹر کا فاصلہ ہے؟

جواب: ریاض سے خرج جانا بلاشک و شبہ سفر ہے کیونکہ ان دونوں شہروں کے مابین طویل مسافت ہے اور پھر یہ دونوں شہر الگ اور مستقل ہیں' ان میں سے ایک دوسرے کی طرف منسوب بھی نہیں ہے لیکن اگر یہ آمدورفت صرف اس قدر ہو کہ ضرورت کو پورا کیا اور پھر اسی دن واپسی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اسے سفر شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے لئے سامان سفر تو تیار ہی نہیں کیا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ شادی کی تقریب یا کسی دعوت وغیرہ میں شرکت کے لئے جاتے اور اسی دن واپس لوٹ آتے ہیں تو لوگ اسے سفر شمار نہیں کرتے لیکن جو لوگ سفر کا اندازہ مسافت کے ساتھ کرتے ہیں' ان کے نزدیک اگر سفر تراسی (۸۳) کلو میٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر ہے خواہ آدمی اسی دن واپس لوٹ آئے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

وہ مسافت جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے!

سوال: کتنی مسافت ہو تو مسافر کے لئے فرض نماز قصر کرنا جائز ہے؟

 جواب: وہ مسافت جس میں نماز قصر کرنا جائز ہے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ ﴾

(النساء٤/ ١٠١)

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو

ایذاء دیں گے۔"

مطلق ہے اور اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے کہ یہ مسافت طویل ہو یا قصیر لہٰذا بعض اہل علم کا یہ قول ہے کہ ہر وہ مسافت جسے عرف میں سفر کہا جا سکتا ہو اس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے کیونکہ کتاب و سنت میں لفظ ضرب (زمین میں سفر کرنا) مطلقاً استعمال ہوا ہے جب کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی اس طرح حد بندی بھی کی ہے کہ جب مسافت درمیانے درجہ کے دو دن کی ہو یعنی تقریباً اسی (۸۰) کلو میٹر ہو تو پھر قصر کرنی چاہئے لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہے کہ معین مسافت کی حد بندی مقرر نہیں بلکہ جسے عرفاً سفر کہا جائے' اس میں نماز قصر کرنا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سفر سے پہلے اپنے ہی شہر میں قصر اور جمع کرنا

سوال کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے شہر کو چھوڑنے سے پہلے دو نمازوں کو قصر اور جمع کے ساتھ ادا کرے؟

جواب مسافر کے لئے اپنے شہر میں نماز قصر کرنا حلال نہیں ہے بلکہ قصر کے لئے سفر شرط ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔"

اور آدمی زمین میں سفر کرنے والا اسی وقت کہلائے گا جب وہ اپنے شہر سے باہر نکل پڑے گا ہاں البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ سفر میں دوسری نماز کا پڑھنا ممکن نہ ہو گا تو وہ جمع تقدیم کی صورت میں پہلی نماز کے ساتھ پڑھ سکتا ہے' خواہ اپنے شہر ہی میں ہو اور اگر ایسا خدشہ نہ ہو تو پھر جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ابھی تک وہ اپنے شہر میں ہے اور اس نے سفر کا آغاز نہیں کیا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تعلیم کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

سوال میں اکثر اوقات عصر اور مغرب کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں برطانیہ میں زیر تعلیم ہوں اور جس یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں وہاں وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ عصر کو مغرب کے ساتھ پڑھ لوں یا عصر کو کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ مؤخر ادا کروں؟

جواب دو نمازوں کو کسی عذر کی وجہ سے ہی جمع کر کے ادا کیا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ موسلا دھار بارش ہو' مسلسل سفر ہو یا شدید مرض ہو لیکن کسی عذر کے بغیر جمع کرنا جائز نہیں اور پھر ظہر و عصر کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں اور مغرب و عشاء کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے' بغیر عذر کے نماز کو اس کے وقت مقررہ سے مؤخر کرنا بھی جائز نہیں اور خصوصاً نماز عصر کو تو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کا بطور خاص حکم ہے کہ حدیث میں ہے جس کی نماز عصر فوت ہو گئی' اس کا گویا اہل و مال تباہ ہو گیا۔[1] سائل نے چونکہ ذکر کیا ہے کہ یونیورسٹی میں چونکہ وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے لہٰذا وہ جونہی اپنی کلاس سے فارغ ہو اور عذر ختم ہو جائے' اسے غروب آفتاب سے پہلے پہلے فوراً نماز ادا کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق!

شیخ ابن جبرین

مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے تو کیا پھر بھی جمع اور قصر کرے؟

سوال کیا مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کے مستقل باشندوں میں سے تو نہ ہو لیکن وہ علاج وغیرہ کی غرض سے وہاں دو یا تین دن کے لئے مقیم ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں کہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرے؟

جواب جب مسافر کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کسی مقصد کی خاطر اس کا قیام ہو کہ مقصد پورا ہونے کی بعد اس نے واپس لوٹنا ہو تو وہ مسافر ہی ہے۔ عورت نماز کو قصر تو کرے گی لیکن جمع نہیں کرے گی' جمع کر بھی لے تو کوئی حرج نہیں' مرد کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور پوری نماز پڑھنا لازم ہو گا ہاں البتہ اگر جماعت فوت ہو جائے تو پھر وہ دو رکعات پڑھ سکتا ہے خواہ اس کی مدت قیام طویل ہو یا قصیر خواہ وہ ایک ماہ یا دو ماہ یا پانچ ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت کے لئے قیام کرے بشرطیکہ اس کی اقامت اس طرح کی شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ جونہی اس کی غرض پوری ہو گئی' وہ اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا۔

شیخ ابن عثیمین

کیا مدت تعلیم کے دوران قصر اور جمع کیا جا سکتا ہے

سوال میں برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں تو کیا مدت تعلیم کے دوران نمازوں کو قصر اور جمع کر کے ادا کر سکتا ہوں؟ اور کیا اس حالت میں رمضان میں بھی قصر اور جمع کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب مسافر کے لئے نماز کو اس صورت میں جمع کرنا جائز ہے جب وہ راستے پر چل رہا ہو اور ہر نماز کے لئے سواری سے اترنا اور پڑاؤ ڈالنا مشکل ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ دو نمازوں میں سے کسی ایک کے وقت میں دونوں کو پڑھ لے لیکن اگر مسافر باقاعدہ اقامت پذیر ہو تو وہ جمع نہیں کرے گا بلکہ اسے ہر نماز وقت پر ادا کرنا پڑے گی خواہ وہ پوری نماز پڑھے یا قصر بشرطیکہ قصر اس کے لئے جائز ہو اور قصر اس مسافر کے لئے جائز ہے جس نے رخت سفر باندھ رکھا ہو خواہ جنگل میں کسی ضرورت کے پیش نظر پڑاؤ ہی کیوں نہ ڈال دیا ہو یا شہر کے ایک کنارہ پر قبہ یا خیمہ لگا کر انتظار میں ہو کہ جوں ہی اس کا کام پورا ہو جائے گا وہ یہاں سے چل پڑے گا لیکن اگر وہ اندرون شہر مقیم ہو گیا ہو اور طویل مدت تک اقامت کا ارادہ کر لیا ہو اور اگرچہ وہ یہاں کا مستقل باشندہ تو نہیں لیکن اس نے سکونت کے لئے یہاں ایک کمرہ یا ایک کشادہ مکان حاصل کر لیا ہو اور اس کے پاس حسب ضرورت ہر طرح کا سامان زیست بھی ہو تو اس حال میں اس کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہیں اور نہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے کیونکہ اس حالت پر سفر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس حالت میں اس کے اور شہر کے مستقل باشندوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نماز پوری پڑھنے اور روزہ رکھنے میں اسے کسی مشقت کا بھی سامنا نہیں۔

شیخ ابن جبرین

① سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب وقت العصر' ح: 414- و سنن نسائی' کتاب المواقیت' باب التشدید فی تأخیر العصر' ح: 513-

مریض کی نماز

مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال: مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

جواب: مریض کے لئے واجب ہے کہ:

① فرض نماز کو کھڑا ہو کر ادا کرے خواہ اس کے لئے اسے جھکنا پڑے یا بوقت ضرورت کسی دیوار یا عصا وغیرہ کا سہارا لینا پڑے۔

② اگر مریض کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور افضل یہ ہے کہ قیام اور رکوع کی حالت میں چوکڑی مار کر بیٹھے۔

③ اگر اسے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو قبلہ رخ لیٹ کر پڑھ لے' دائیں جانب لیٹ کر پڑھنا افضل ہے' اگر قبلہ رخ متوجہ ہونا ممکن نہ ہو تو جس طرف منہ کرنا ممکن ہو' نماز پڑھ لے' اس کی نماز صحیح ہو گی اور اعادہ بھی لازم نہ ہو گا۔

④ اگر پہلو کے بل لیٹنا ممکن نہ ہو تو چت لیٹ کر پڑھ لے' دونوں پاؤں قبلہ رخ کرے اور افضل یہ ہے کہ سر تھوڑا سا اونچا کر لے تا کہ وہ قبلہ رخ ہو اور اگر پاؤں کو قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جیسے ممکن ہو اس طرح پڑھ لے' اس صورت میں اعادہ بھی لازم نہ ہو گا۔

⑤ مریض کے لئے بھی نماز میں رکوع و سجدہ واجب ہے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سر کے اشارہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرے' سجدہ میں رکوع کی نسبت سر کو زیادہ جھکائے' اگر رکوع ممکن ہو تو رکوع کرے اور سجدہ اشارہ کے ساتھ کرے اور اگر سجدہ ممکن ہو تو سجدہ کرے اور رکوع اشارہ سے کر لے۔

⑥ اگر رکوع و سجود سر کے اشارے سے ممکن نہ ہو تو دونوں آنکھوں سے اشارہ کر لے' رکوع کے لئے آنکھوں کو تھوڑا لیکن سجدہ کے لئے زیادہ بند کر لے۔ بعض مریض جو انگلی سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے' کتاب و سنت اور اہل علم کے اقوال سے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہو سکی۔

⑦ اگر سر یا آنکھ کے ساتھ اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں نماز پڑھ لے' تکبیر کہے اور پڑھے اور رکوع' سجود' قیام اور قعود کی دل میں نیت کر لے۔ ((لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى))

⑧ مریض کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ نماز کو وقت پر ادا کرے اور مقدور بھر کوشش کر کے تمام واجبات کو پورا کرے۔ اگر ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا اس کے لئے مشکل ہو تو پھر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھ لے اور جس طرح اس کے لئے آسانی ہو جمع تقدیم یا جمع تاخیر دونوں طرح جائز ہے لیکن فجر کی نماز تنہا پڑھی جائے گی' اسے کسی اگلی یا پچھلی نماز کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قیام کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال ہمارے ہاں ایک مریضہ ہے جس کی کمر ٹوٹی ہوئی ہے اور اس پر پلستر لگایا گیا ہے یہ کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی، ایک مہینے سے یہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہے تو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب ہاں اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اسے قیام کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ قیام اس کیلئے فرض ہے جسے کھڑا ہونے کی طاقت ہو اور اگر کمر کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ کھڑی نہیں ہو سکتی تو یہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہے اور اگر یہ لاٹھی یا دیوار وغیرہ کے سہارے کھڑی ہو سکتی ہے تو پھر اسے سہارا لے کر کھڑی ہو کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ماضی کی وہ تمام نمازیں جو کھڑا نہ ہو سکنے کی وجہ سے اس نے بیٹھ کر پڑھی ہیں، صحیح ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ»(صحيح بخاري، كتاب التقصير، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، ح: ١١١٧، ومسند احمد، ٤/ ٤٢٦)

"کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مریض کی جب کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو کس طرح قضاء دے؟

سوال ایک مریض کا آپریشن ہوا جس کی وجہ سے اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں تو کیا شفایاب ہونے کے بعد وہ ان سب نمازوں کو اکٹھا پڑھ لے یا صبح کی نماز کو صبح کے ساتھ اور ظہر کی نماز کو ظہر کے ساتھ ادا کرلے؟

جواب یہ شخص فوت شدہ تمام نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب نماز عصر فوت ہو گئی تو آپ نے اسے مغرب سے پہلے پڑھا تھا[1] لہٰذا جب کسی انسان کی کچھ فرض نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ ان سب کو اکٹھا پڑھے اور مزید مؤخر نہ کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نماز جمعہ و عیدین

خطبۂ جمعہ میں دعاء

ہماری جامع مسجد کا خطیب ہمیشہ آخری خطبہ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَكَافَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ» یا کبھی «اَسْئَلُ اللّٰهَ لِيْ

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، ح: 4111، 4112۔

وَلَكُمُ الْفِرْدَوْسُ الْأَعْلٰى)) کے الفاظ پر ختم کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی دعاء ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ہماری دعائیں بھی اسی کے گرد گھومتی ہیں لیکن بعض مقتدی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا دن بہت عظیم دن ہے اور یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے لہٰذا حسب حال دعاء لمبی ہونی چاہیئے مثلاً بوقت ضرورت بارش کے لئے دعاء' مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت اور حکمرانوں کے لئے اتباع حق کی دعاء' دشمنوں کے شیرازہ کے منتشر ہونے کی دعاء' الغرض اس طرح کی مناسب حال دعائیں ہونا چاہیں لیکن خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر کسی بھی دعاء کا التزام نہیں فرمایا' اسی طرح خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس موقع پر دعاء ثابت نہیں لہٰذا میں انہیں کے نقش قدم پر چلتا ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض مقتدیوں نے اس مسجد کو چھوڑ کر اپنے گھروں سے دور ایک دوسری مسجد میں جاکر جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا امام خطبہ کے اختتام پر بہت سی دعائیں مانگتا ہے اور یہ لوگ اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں۔ گھروں کے قریب اس مسجد کو چھوڑنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ امام دعاء کا التزام نہیں کرتا۔ اس مسئلہ میں دین کا حکم کیا ہے؟ آپ کی نصیحت کیا ہے؟ اور ان دونوں میں سے کس کا موقف مبنی بر حق ہے؟

جواب امام کا خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعاء کرنا حکم شریعت ہے' نبی کریم ﷺ بھی دعاء فرمایا کرتے تھے لیکن امام کو چاہیئے کہ کسی ایک معین دعاء ہی کا التزام نہ کرے بلکہ حسب حالات مختلف دعائیں مانگے' دعاؤں کی کثرت و قلت کا تعلق حاجت و ضرورت سے ہے۔ نبی کریم ﷺ دعاء کو کبھی دوبار یا تین بار بھی دوہراتے تھے لہٰذا خطیب کو چاہیئے کہ اپنے خطبہ میں اور اپنی دعاؤں میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرے۔ وباللہ التوفیق ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کیا یہ شرط ہے کہ خطیب ہی نماز پڑھائے؟

سوال کیا یہ شرط ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ دے' نماز بھی وہی پڑھائے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ خطیب ہی جمعہ کی نماز پڑھائے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی ایسی دلیل وارد نہیں ہے کہ جس کی پابندی کی جائے ہاں البتہ مالکیہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ شرط قرار دی ہے کہ خطیب ہی نماز جمعہ کی امامت بھی کروائے' ان کی دلیل یہ ہے کہ خطبہ نماز ہی کے ساتھ منسلک ہے لہٰذا کسی عذر کے بغیر' قصدواراده سے اسے دو اماموں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

خطیب خطبہ جمعہ کے دوران بیمار ہو گیا اور وہ نماز نہ پڑھ سکا

سوال امام صاحب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا لیکن پھر وہ دوسرے خطبہ کے دوران بیمار پڑ گئے' خطبہ مکمل کرنے کے بعد منبر سے نیچے اتر آئے اور شدت مرض کے باعث کھڑے نہ ہو سکے' پھر نماز کے پورا ہونے کے بعد انہیں اس مرض سے افاقہ ہوا تو کیا وہ قضاء کے طور پر نماز ظہر پڑھیں گے یا نماز جمعہ جبکہ انہیں افاقہ ہوا تو ابھی جمعہ کا وقت ختم نہیں ہوا تھا؟

جواب جو شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ کی ایک رکعت نہ پا سکے' اسے نماز ظہر پڑھنا ہوگی کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»(سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ما جاء فيمن أدرك من الجمعة ركعة، ح:١١٢٣)

"جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے اس نے نماز جمعہ کو پالیا"

اور یہ شخص تو امام کے ساتھ نماز جمعہ میں بالکل شریک ہی نہ ہو سکا تھا لہٰذا اسے ظہر کی نماز ادا کرنا ہوگی۔

——— شیخ ابن باز ———

خطبہ کے دوران چھینک کا جواب

 جب امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو تو چھینک کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں چھینک کا جواب نہیں دینا چاہئے کیونکہ خطبہ سننے کے لئے خاموش رہنا واجب ہے' جس طرح دوران نماز چھینک کا جواب نہیں دیا جاتا اسی طرح خطبہ کے دوران بھی نہیں دیا جاتا۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے دن کی بعض بدعات

بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس وہ رسالہ آیا' جو جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾﴾ (النساء٤/ ٦٥)

"تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

خالد: جمعہ کے دن اذان ظہر سے پہلے جمعہ کے لئے شوق دلانا اور اشعار پڑھنا واجب ہے۔

عمر: مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔

خالد: خطبہ شروع ہونے سے پہلے صمدیہ کی قرأت اور دینی ترتیل واجب و مستحب ہے۔

عمر: اس کا اللہ نے حکم دیا ہے نہ اس کے رسول نے لہٰذا یہ واجب نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور جب خطیب منبر پر چڑھ جائے تو پھر اذان دی جائے۔

خالد: نماز جمعہ سے فراغت کے بعد دینی درس ایک مستحب چیز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

عمر: رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں اور انہوں نے ساری زندگی ایسا نہیں کیا۔

خالد: نماز جمعہ سے پہلے دو رکعات واجب ہیں' انہیں سنت قبلیہ کہتے ہیں۔

عمر: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں نہیں پڑھا۔

خالد: اذان کے بعد مؤذن کا نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنا مستحب ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔
عمر: نہیں یہ جائز نہیں' اسے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے مسنون قرار نہیں دیا۔
امید ہے آپ صحیح جواب سے تحریری طور پر مطلع فرمائیں گے کہ حکم شریعت کیا ہے؟ (جزاکم اللہ خیرالجزاء)

جواب اولاً: نماز جمعہ کی اذان سے پہلے اشعار پڑھنا شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے جمعہ کے دن کو مخصوص نہ کیا جائے اور یہ تلاوت نہ اذان سے پہلے کی جائے اور نہ نماز کے بعد' صرف جمعہ کے دن تلاوت اسلامی شعار نہیں ہے بلکہ حکم شریعت تو یہ ہے کہ روزانہ تلاوت کی جائے لہٰذا صرف جمعہ کے دن کی تخصیص بدعت ہے اور سنت سے ثابت یہ ہے کہ صرف اذان پر اکتفاء کیا جائے۔

ثانیاً: قرآن مجید سے صمدیہ وغیرہ کی قرأت یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے دیگر اذکار وغیرہ کا پڑھنا واجب یا مستحب نہیں بلکہ یہ بدعت ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ، فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ...، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام ...، ح:١٧١٨)

"جو کوئی ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ثالثاً: جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کے بعد علمی مجلس میں درس دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

رابعاً: نماز جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام ؓ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں ہاں البتہ جو شخص جمعہ ادا کرنے کے لئے آئے تو اسے اجازت ہے کہ خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد صرف دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کی اجازت ہے۔

خامساً: نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کی شریعت نے بہت ترغیب دی ہے' اس کا اجروثواب بھی بہت زیادہ ہے لیکن سنت یہ ہے کہ اسے مؤذن اذان سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دل میں آہستہ سے پڑھے' بلند آواز سے نہ پڑھے کیونکہ مؤذن کا اس کو اذان سے فراغت کے بعد بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔ جو شخص اذان سنے اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کہتا جائے' جب مؤذن اذان سے فارغ ہو تو سننے والا بھی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے نبی کریم ﷺ کے لئے وسیلہ کا سوال کرتے ہوئے یہ دعاء پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح:٦١٤، ٤٧١٩)

"اے اللہ! اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما دے اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے!"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا عورت کے لئے نماز جمعہ میں حاضر ہونا جائز ہے؟

سوال عورت کے نماز جمعہ ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عورت مردوں سے پہلے یا بعد میں یا مردوں کے ساتھ ہی نماز جمعہ ادا کرے؟

جواب عورت کے لئے نماز جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر عورت امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے تو اس کی نماز صحیح اور نماز ظہر سے کفایت کرے گی اور اگر عورت گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ظہر کی نماز کے چار فرض ادا کرنا ہوں گے اور وہ نماز وقت شروع ہونے یعنی زوال آفتاب کے بعد ادا کرے گی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللّٰه علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے

سوال جب میں مسجد میں باجماعت نماز جمعہ ادا نہ کرسکوں تو کیا جمعہ کی نیت سے گھر میں دو رکعتیں پڑھوں یا ظہر کی نیت سے چار رکعات؟

جواب جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً بیماری وغیرہ یا دیگر اسباب کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا نہ کر سکے تو اسے نماز ظہر پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح عورت' مسافر اور بادیہ نشیں لوگ بھی نماز ظہر ادا کریں گے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے' اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے اور ان سے الگ راہ اختیار کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ ابن باز

جب ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام اور ہو اور خطیب اور جب کہ امام تو قاری اور قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والا ہو لیکن خطیب امام کی طرح قاری نہ ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ بھی وہی پڑھائے' جس نے خطبہ دیا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے اور آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی کی پابندی کی کہ اپنے عہد میں ان میں سے جب کوئی خطبہ دیتا تو نماز بھی خود ہی پڑھاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي»(صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب للمسافرين. . . ، ح: ٦٣١)

"تم اس طرح نماز پڑھو' جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ»(مسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

"میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔"

لیکن اگر ایک شخص خطبہ دے اور عذر کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا دے تو یہ جائز ہے اور نماز صحیح ہو گی

اور اگر کوئی بغیر عذر کے ایسا کرے تو اگرچہ یہ عمل خلاف سنت ہو گا لیکن نماز صحیح ہو گی۔

――― فتویٰ کمیٹی ―――

جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت نہیں ہے

 کیا جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ»(مسند احمد، ٤/ ١٢٦، ١٢٧)

"تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو' اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے نہایت مضبوطی سے تھام لو۔"

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی' جب امام منبر پر بیٹھتا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مدینہ کی آبادی میں اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن اذان اول کا حکم دیا لہٰذا یہ بدعت نہیں کیونکہ نبی ﷺ کی اس حدیث میں جو ہم نے ابھی بیان کی ہے' ہمیں خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ میں اصل حدیث وہ ہے جسے امام بخاری' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ اور ابوداؤد ---- اور یہ الفاظ ابوداؤد ہی کی روایت میں ہیں ---- نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ:

«أَخْبَرَنِيْ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ أَنَّ الأَذَانَ كَانَ أَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ، ﷺ، وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَتْ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرَ النَّاسُ أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالأَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ، فَثَبَتَ الأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الاذان يوم الجمعة، ح:٩١٢، ٩١٣، ٩١٥، ٩١٦، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، ح:١٠٨٧)

"مجھے سائب بن یزید نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اذان اول اس وقت ہوتی تھی' جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور مدینہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان کا حکم دیا جو زوراء میں کہی جاتی تھی' تو اس وقت سے یہی معمول چلا آتا ہے۔"

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ کیا' اس سے مراد وہ ہے جو نماز جمعہ کا وقت شروع ہونے پر کہی جاتی ہے' اسے تیسری اذان اس لئے کہا کہ یہ اذان و اقامت سے زائد ایک تیسری اذان تھی اور اس حدیث میں اقامت کو ((تغلیبًا)) اذان کہا گیا ہے' جب مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہو گیا (تو جمعہ کے وقت کے قریب ہونے کی اطلاع کے پیش نظر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے اس اذان کا اضافہ فرمایا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس پر سکوت فرمایا اور انکار نہ کیا تو یہ گویا اجماع سکوتی ہوا۔ وباللہ التوفیق

______ فتویٰ کمیٹی ______

کیا شہر سے باہر کام کرنے والے مزارعین پر بھی جمعہ واجب ہے؟

سوال کچھ لوگ اپنے زراعت کے کام کے لئے شہر سے نکل کر اپنے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں اور کام کی غرض سے ہر سال دو سے چار ماہ تک اپنے کھیتوں ہی میں گزارتے ہیں۔ کام کی اس مدت کے دوران نماز جمعہ کے لئے شہر میں واپس آنا انہیں بہت مشکل ہوتا ہے' تو کیا ان کے لئے جمعہ واجب ہے یا جائز یا ان کے لئے کام کی جگہ پر اقامت جائز نہیں اور ان کے لئے لازم ہے کہ شہر میں جائیں خواہ اس میں تکلیف ہی ہو یا مسافر کی طرح ان سے جمعہ ساقط ہو جائے گا؟ کام کی جگہ اقامت کے دوران کتنی مدت تک ان سے جمعہ ساقط رہے گا؟

جواب اگر ان کھیتوں میں لوگوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان مقیم لوگوں کی متابعت میں ان پر بھی جمعہ واجب ہو گا اور انہیں چاہئے کہ ان کے ساتھ یا کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ آسانی سے ممکن ہو مل کر نماز جمعہ ادا کریں کیونکہ جمعہ کے وجوب اور اس کے لئے سعی و کوشش کے وجوب کے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

ان کھیتوں میں کام کرنے والے اگر اپنی بستی یا کسی دوسرے گاؤں کی جو ان کے کھیتوں کے قریب ہو' اذان کی آواز کو سنتے ہوں تو پھر وہاں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ٩)

''مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔''

اور اگر ان کھیتوں میں مقیم لوگ نہ ہوں اور نہ وہ کھیتوں میں بستیوں سے اذان جمعہ کی آواز سنیں تو ان پر جمعہ واجب نہ ہو گا لہٰذا وہ نماز ظہر باجماعت ادا کر لیں۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں مدینہ کے گرد قبائل بھی تھے اور نواح میں کھیت بھی لیکن آپ نے انہیں حکم نہیں دیا کہ وہ نماز جمعہ کے لئے سعی و کوشش کریں' اگر آپ نے انہیں کوئی ایسا حکم دیا ہوتا تو یقیناً منقول ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مشقت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

______ فتویٰ کمیٹی ______

عید' جمعہ کے دن میں

سوال ایک ہی دن میں دو عیدیں یعنی جمعہ اور عیدالاضحیٰ یکجا ہو گئیں تو اس صورت میں صحیح بات کیا ہے کہ جب ہم جمعہ نہ پڑھیں تو کیا ظہر پڑھیں یا جمعہ نہ پڑھنے سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

جواب جو شخص جمعہ کے دن نماز عید پڑھ لے تو اسے رخصت ہے کہ جمعہ نہ پڑھے البتہ امام کے لئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مسجد میں آنے والوں اور عید نہ پڑھ سکنے والوں کو وہ جمعہ پڑھا دے اور اگر جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی بھی نہ آئے تو جمعہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا اور امام کو نماز ظہر پڑھنی ہو گی۔ استدلال سنن ابي داؤد کی اس روایت

سے ہے جو ایاس بن ابی رملہ شامی سے مروی ہے کہ میں معاویہ بن ابی سفیان کے پاس موجود تھا کہ انہوں نے زید بن ارقم سے پوچھا "کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا کبھی ایسا موقعہ ملا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہوں؟" تو انہوں نے کہا "جی ہاں" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تو پھر آپ ﷺ نے اس دن کس طرح عمل کیا؟" انہوں نے کہا کہ:

«صَلَّى الْعِيْدَ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح:١٠٧٠)

"آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ کے لئے رخصت دے دی اور فرمایا کہ جو شخص پڑھنا چاہے' وہ پڑھ لے۔"

ابوداؤد نے سنن ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّا مُجَمِّعُوْنَ»(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح:١٠٧٣)

"آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں' جو شخص چاہے تو اس کے لئے عید ہی جمعہ سے کافی ہو گی لیکن ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز عید پڑھ لی ہو' اس کے لئے جمعہ پڑھنے کی رخصت ہے لیکن امام کے لئے رخصت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«وَإِنَّا مُجَمِّعُوْنَ»

"ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔"

اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدِ بِسَبِّحِ وَالْغَاشِيَةِ، وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ فَقَرَأَ بِهِمَا فِيْهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ح:٨٧٨)

نبی کریم ﷺ نماز جمعہ و عید میں ((الاعلیٰ)) اور ((غاشیۃ)) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائے تو پھر آپ ﷺ دونوں نمازوں ہی میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔"

جو شخص نماز عید تو پڑھے لیکن جمعہ نہ پڑھے تو اسے نماز ظہر پڑھنا ہو گی جیسا کہ ان دلائل کے عموم سے ثابت ہے' جن میں یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ نہ پڑھ سکے وہ نماز ظہر پڑھے۔ ((وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے

جب جمعہ فوت ہو جائے تو کیا انسان دو رکعتیں پڑھے؟

جواب جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ جماعت کے ساتھ ۔۔ اگر ممکن ہو ۔۔ ظہر کی چار رکعات ادا کر لے اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو انفرادی طور پر نماز ظہر پڑھ لے' یہی بات صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا خَطَبَ النَّاسَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِعَرَفَاتٍ وَكَانَ وُقُوفُهُ يَوْمَ جُمُعَةٍ - أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى النَّبِيُّ، ﷺ الظُّهْرَ بِأَصْحَابِهِ، ثُمَّ أَقَامَ الْمُؤَذِّنُ فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِهِمُ الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا»

"نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا ۔۔آپ کا وقوف جمعہ کے دن تھا۔۔ تو مؤذن نے اذان دی' پھر اقامت کہی اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی' پھر مؤذن نے اقامت کہی اور آپ نے نماز عصر پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان نوافل وغیرہ نہیں پڑھے تھے۔"

اس مسئلہ سے متعلق دیگر دلائل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مسافر کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے

سوال جب سفر میں نماز جمعہ فوت ہو جائے تو کیا مسافر جمعہ کی دو رکعات پڑھے یا ظہر کی چار رکعتیں پڑھے؟

جواب جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ باجماعت ادا نہ کر سکے' تو وہ ظہر کی نماز پڑھے اور اگر ایسا مسافر ہو کہ اس کے لئے قصر کی رخصت ہو تو وہ ظہر کی نیت سے دو رکعتیں پڑھے اور قرأت سری کرے گا اور اگر مقیم ہو تو ظہر کی نیت کے ساتھ چار رکعات سری قرأت کے ساتھ پڑھے گا۔ بعض اہل علم کی رائے اس کے مخالف ہے لیکن صحیح قول جمہور ہی کا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر جمعہ کے دن عرفہ میں وقوف فرمایا تو لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور جمعہ نہیں پڑھایا تھا اور آپ نے بادیہ نشیں لوگوں کو بھی جمعہ کا حکم نہیں دیا۔ ((وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

بیرون ملک مقیم شخص دو سال سے جمعہ نہیں پڑھ رہا

سوال ایک شخص کہتا ہے کہ وہ دو سال سے ریاست ہائے متحدہ میں تعلیم کے لئے مقیم ہے' وہاں مسجدیں نہیں ہیں لہٰذا وہ دو سال سے نماز جمعہ نہیں پڑھ رہا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو تعلیم کے لئے کسی ملک میں بھیجا گیا ہو' وہ مقیم ہی کے حکم میں ہے اور اگر وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان کے ساتھ مل کر جمعہ ادا کرنا اس کے لئے لازم ہے لہٰذا اگر تمہاری تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو کسی گھر یا باغیچہ وغیرہ میں جمعہ پڑھ لو' تم میں سے کوئی شخص اذان دے اور جو قرآن مجید زیادہ جانتا ہو وہ خطبہ و امامت کے فرائض انجام

دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ ﴾ (الجمعة٦٢/ ٩)

"مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔"

نبی کریم ﷺ نے تو نماز جمعہ کے لئے کسی عدد معین کی شرط بیان نہیں فرمائی لیکن آپ کی سنت اور اہل علم کے اجماع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے (اور تعداد دو سے زیادہ ہو تو اسے جماعت کہتے ہیں) اور پھر اقامت جمعہ میں مقیم لوگوں اور عام مسلمانوں کے لئے بہت سی مصلحتیں بھی ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جمعہ کے دن سیروسیاحت

سوال بعض لوگ جنگل یا سمندر کی طرف جمعہ کے دن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں سیروسیاحت کے لئے جمعہ کے دن ہی وقت ملتا ہے؟

جواب اس سیروسیاحت میں اگر وہ نماز جمعہ بھی ادا کرلیں تو پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس سیروسیاحت کی وجہ سے نماز جمعہ ضائع ہوتی ہو تو پھر یہ سیروسیاحت جائز نہیں کیونکہ اس سے فرض کا ضیاع لازم آتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز جمعہ کے بعد کی سنتیں

سوال رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا نماز جمعہ کے بعد بھی کچھ رکعتیں پڑھتے تھے یا نہیں؟ جمعہ کے بعد نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس سے پہلے بھی فتویٰ کمیٹی کو اسی طرح کا ایک سوال موصول ہوا تھا جس کا کمیٹی نے حسب ذیل جواب دیا تھا:

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا»(مسلم، الجمعة، باب الصلاة ح:٨٨١)

"جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو وہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں بھی پڑھے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ لاَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ»

(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح:٨٨٢)

"نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔"

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ نمازی مسجد میں پڑھے تو چار رکعات اور اگر گھر میں پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اور ایک دوسری تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ جمعہ کے بعد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار ہیں' خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جمعہ کی نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور انسان کی تلاوت

 کیا یہ جائز ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں ہمیشہ سورۂ سجدہ اور سورۂ انسان (سورۂ دہر) کی تلاوت کی جائے؟

جواب جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور انسان (دہر) کی تلاوت ثابت ہے اور ان سورتوں کو ہمیشہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ لوگ سمجھیں گے کہ ان سورتوں کو پڑھنا واجب ہے تو پھر ان کو کبھی کبھی چھوڑ دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز جمعہ ہر نیک و بد کے ساتھ واجب ہے

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے' جو جمعہ نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے کسی امام عادل ہی کے پیچھے ادا کیا جائے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز جمعہ ادا کرنا واجب قرار دیا ہے' جب کہ وہ ایک جگہ سکونت پذیر ہوں' خواہ ان کی یہ سکونت بڑے شہروں میں ہو یا چھوٹے دیہاتوں میں' لیکن اہل علم کا اس تعداد کے بارے میں اختلاف ہے' جو نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں سے سب سے راجح قول یہ ہے کہ جب نمازیوں کی تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو جمعہ ادا کیا جائے' نمازیوں کی تعداد کے اس سے زیادہ ہونے کے بارے میں کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ بھی جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے کہ امام عادل اور معصوم کی اقتداء میں ادا کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ ہر نیک و بد کے ساتھ ادا کیا جائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اس کا گناہ ایسا نہ ہو جو اسے دائرہ اسلام ہی سے خارج کر دینے والا ہو' تو اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کا نماز جمعہ اس لئے ادا نہ کرنا کہ امام عادل و معصوم نہیں ہے' یہ بدعت ہے اور ایک ایسی شرط ہے کہ شریعت مطہرہ میں جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اہل علم جو یہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کو صرف بڑے بڑے شہروں میں ادا کیا جائے اور چھوٹے دیہاتوں میں ادا نہ کیا جائے تو یہ قول بھی سخت ضعیف ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن آپ سے بھی یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں نے یہاں نماز جمعہ ادا کرنے کا اہتمام کیا حالانکہ ان دنوں مدینہ ایک بڑا شہر نہیں بلکہ ایک بستی شمار ہوتا تھا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آئے تو آپ نے بھی جمعہ کا اہتمام فرمایا اور تاحیات یہاں باقاعدگی سے نماز جمعہ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین کی ایک بستی جواثی میں بھی جمعہ ادا کیا جاتا تھا اور آپ نے کبھی اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہروں یا دیہات نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے تا کہ کتاب و سنت کے شرعی دلائل پر عمل ہو سکے' وہ عظیم مصلحتیں حاصل ہو سکیں جو نماز جمعہ ادا کرنے سے مقصود ہیں' جن میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو خیروبھلائی کے لئے جمع کیا جائے اور وہ وعظ و نصیحت کی جائے اور تعلیم دی

جائے' جو ان کے لئے منفعت بخش ہو' آپس میں باہمی تعارف ہو اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی ہو' علاوہ ازیں اس عبادت کے ادا کرنے میں اور بھی بہت بڑی بڑی مصلحتیں ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت سے بھی کم پایا تو اس کا جمعہ فوت ہو گیا

سوال میں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں بہت دیر سے گیا اور میں نے فقط التحیات کو پایا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد میں نے فوت شدہ نماز کی تکمیل کر لی تو کیا میری یہ نماز کامل اور صحیح ہے؟

جواب جس نے نماز جمعہ میں ایک رکعت سے کم حصہ پایا' اس کا جمعہ فوت ہو گیا للذا اسے ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شامل ہو تو اسے نماز ظہر کی نیت کے ساتھ شامل ہونا چاہئے اور اگر وہ جمعہ سمجھ کر شامل ہوا اور اس نے صرف دو رکعتیں پڑھیں تو اس کی نماز نہیں ہو گی للذا اسے ظہر کی نماز دوبارہ پڑھنی ہو گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اور سورۂ کہف کی تلاوت

سوال کیا جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی کوئی خاص فضیلت ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اذان اول اور اقامت کے درمیان ہوتی ہے؟

جواب جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث آئی ہے جسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ذکر فرمایا ہے' لیکن حدیث میں ضعف ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس سورت کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا اور اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرمایا ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت دعاء والی گھڑی کے بارے میں یہ احادیث سے ثابت ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد آخری گھڑی ہے اور یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ یہ گھڑی منبر پر امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ اس کے علاوہ اس گھڑی کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں' اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا سارا دن خوب کوشش کر کے دعاء میں بسر کرے تاکہ اس گھڑی کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جمعہ کے دن غسل سنت مؤکدہ ہے

سوال کیا جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا مستحب؟

جواب جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

«غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَأَنْ يَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ»(صحيح بخاري، كتاب

الجمعة، باب الطيب للجمعة، ح: ٨٨٠ وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، ح: ٨٤٦)

"جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے نیز یہ کہ وہ مسواک کرے اور خوشبو استعمال کرے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهُ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى وَفَضْلِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ٨٥٧)

"جس نے غسل کیا اور پھر جمعہ پڑھنے آیا' توفیق کے مطابق نماز پڑھی' پھر خاموش رہا حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے' پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے لئے (اس) جمعہ سے لے کر (آنے والے) جمعہ تک بلکہ تین دن مزید تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ٨٥٧)

"جس نے وضوء کیا اور خوب اچھی طرح وضوء کیا' پھر جمعہ پڑھنے آیا اور خاموش ہو کر خطبہ سنا تو اس کے لئے جمعہ سے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس نے (جمعہ کے دوران) کنکری کو بھی چھوا اس نے لغو کام کیا۔" (اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں)

حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ:

«وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»

"جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔"

تو اس کے معنی اکثر اہل علم کے نزدیک یہ ہیں کہ اس کی بہت تاکید ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے عرب کہتے ہیں کہ:

"وعدہ قرض ہے اور آپ کا حق مجھ پر واجب ہے۔"

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء بھی کافی ہے' اسی طرح جمعہ کے دن خوشبو لگانا' مسواک کرنا' اچھے کپڑے پہننا اور جمعہ کے لئے جلدی جانا ان امور میں سے ہے' جن کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اس شخص کی نماز جمعہ جو مسافر کے حکم میں ہو

سوال کیا ہمارے لئے یہاں ہسپانیہ میں نماز جمعہ فرض ہے جبکہ یہاں کوئی مسجد نہیں ہے اور ہم لوگ یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں؟

جواب اہل علم نے صراحت کی ہے کہ آپ جیسے لوگوں کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ اگر آپ لوگ جمعہ پڑھ بھی لیں تو اس کی صحت محل نظر ہے۔ آپ کے لئے نماز ظہر واجب ہے کیونکہ آپ کی مسافروں اور بادیہ نشیں لوگوں سے مشابہت ہے اور جمعہ تو ان لوگوں پر واجب ہے جو کسی علاقے کے مستقل رہنے والے ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسافروں اور بادیہ نشیں لوگوں کو جمعہ کا حکم نہیں دیا اور نبی ﷺ نے اپنے سفروں میں خود بھی جمعہ کا اہتمام نہیں فرمایا' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی حالت سفر میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ میں جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ جمعہ کے دن نماز ظہر ادا فرمائی تھی۔ آپ نے حاجیوں کو بھی جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ مسافروں کے حکم میں تھے۔ الحمدللہ! اہل اسلام میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں البتہ بعض تابعین سے جو اختلاف منقول ہے تو وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ ہاں البتہ آپ وہاں کے مسلمان مقیم لوگوں کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھیں تو پھر آپ جیسے لوگوں کو جو اس ملک میں عارضی طور پر تعلیم یا تجارت وغیرہ کی غرض سے مقیم ہیں' چاہئے کہ جمعہ پڑھنے کے اجروثواب کے حصول کے لئے ان کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کر لیں۔

—— شیخ ابن باز ——

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو جمعہ کے دن اس وقت غیر شعوری طور پر بات کرے' جب خطیب خطبہ دے رہا ہو؟ مثلاً کسی دوست نے سلام کہا تو جواب میں سلام علیک کہہ دیا' دیکھا کہ قریب ہی بچے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ؟

جواب جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ دے رہا ہو' خطیب کو سننے اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہونا ضروری اور اس وقت کلام کرنا حرام ہے خواہ یہ کلام امر بالمعروف ہی کے لئے کیوں نہ ہو' نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ»(صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، ح:٩٣٤، وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الانصات يوم الجمعة في الخطبة، ح:٨٥١)

”جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو یہ بھی تم نے لغو کام کیا۔“

فضول کام کرنا' زمین یا دری اور چٹائی وغیرہ کو اس وقت درست کرنا بھی حرام ہے' حدیث میں آیا ہے:

«وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح:٨٥٧)

”جس نے کنکری کو چھوا اس نے بھی لغو کام کیا۔“

لیکن امام مستثنیٰ ہے' اس کے لئے یہ جائز ہے کہ جمعہ کے لئے آنے والوں سے بات کرے یا جمعہ پڑھنے والوں میں سے کوئی بوقت ضرورت امام سے بات کرے۔ امام کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے بات کرنا یا کسی دوسرے سے مخاطب ہونا جائز نہیں۔ اگر کوئی تمہیں سلام کرے تو اس کے سلام کا اشارہ سے جواب دو' اسی طرح بچوں کو بھی اشارہ سے خاموش کراؤ' بات نہ کرو۔ اگر کوئی شخص ازراہ جہالت بات کرے' تو وہ معذور ہے اور اگر کوئی مذکورہ وعید کو جانتے ہوئے دانستہ بات کرے' تو وہ خطاکار ہے لیکن اسے یہ حکم نہیں کہ وہ نماز کو دوہرائے۔ واللہ اعلم۔

———— شیخ ابن جبرین ————

جمعہ کے دن سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت

سوال بہت سے اسلامی ممالک میں جمعہ کی نماز سے پہلے بعض مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہمیں کتاب و سنت اور صحابہ کرام و سلف صالح رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا لہٰذا اس طریقہ کو بدعت ہی قرار دیا جائے گا اور پھر اس سے مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصلی اللّٰہ علی نبینا محمدٍ وآلہ وصحبہ

———— شیخ ابن باز ————

تشہد میں امام کے ساتھ ملنا

سوال جب میں مسجد میں جاؤں اور امام نماز جمعہ میں حالت تشہد میں ہو تو کیا میں جمعہ کی نماز پڑھوں یا ظہر کی؟

جواب جب کوئی شخص نماز جمعہ میں سجدہ یا تشہد میں آکر ملے تو اسے جمعہ کے بجائے نماز ظہر پڑھنا ہوگی کیونکہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ایک رکعت ضرور پالے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلاَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ»(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلاة، ح:٦٠٧)

"جس نے نماز کی ایک رکعت پالی' اس نے نماز کو پالیا۔"

اور اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلاَتُهُ»(سنن الدارقطني ٢/ ١٠، ١١، ١٣)

"جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی ملالے' اس کی نماز ہوگئی۔"

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت بھی نہ پاسکے اس کا جمعہ فوت ہوگیا لہٰذا اسے ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

خطبۂ جمعہ کا غیر عربی زبان میں ترجمہ

سوال ہمارے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خطبۂ جمعہ کا ہماری ملکی زبان میں ترجمہ جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اسے جائز بتاتے ہیں اور کچھ ناجائز تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ افیدونا افادکم اللہ

جواب علماء کرام رحمہم اللہ کا جمعہ وعیدین کے خطبوں کے عجمی زبانوں میں ترجموں کے بارے میں اختلاف ہے' اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ممنوع ہے اور انہوں نے اسے ممنوع اس لئے قرار دیا ہے تا کہ عربی زبان باقی رہے' اس کی حفاظت ہو سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق خطبے عربی میں دیئے جائیں خواہ عجمی ممالک ہوں یا غیر عجمی اور پھر عربی زبان میں خطبہ دینے سے لوگوں میں عربی زبان سیکھنے کا شوق بھی پیدا ہو گا۔

دیگر اہل علم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خطبوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی جائز ہے جب کہ سامعین یا ان کی اکثریت عربی زبان نہ جانتی ہو تا کہ وہ مقصود حاصل ہو سکے جس کے لئے جمعہ کا حکم ہے اور وہ یہ کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت کے اوامر اور نواہی کو پہنچا دیا جائے' اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ کی تلقین کی جائے اور ان کی خلاف ورزی سے بچنے کی تنبیہ کی جائے اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ الفاظ و رسوم کی پابندی کی بجائے معانی و مقاصد کی پابندی زیادہ افضل اور زیادہ واجب ہے خصوصاً جب کہ سامعین عربی زبان کا اہتمام کرنے والے نہ ہوں اور خطیب کا عربی میں خطبہ بھی ان میں عربی زبان کے سیکھنے کا شوق پیدا نہ کرے تو اس سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور عربی زبان میں خطبہ کے بقاء کا مطلوب حاصل نہ ہو گا تو اس سے غور کرنے والے کے سامنے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سامعین میں مروج ان زبانوں میں خطبہ جن کو وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ معنی و مراد کو سمجھ جاتے ہوں' زیادہ موزوں اور لائق اتباع ہے خصوصاً جب کہ ترجمہ نہ کرنے سے نزاع اور جھگڑے کے پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات میں حصول مصلحت اور دفع مفسدت کے لئے ترجمہ ضروری ہے۔

اگر سامعین میں کچھ لوگ عربی جاننے والے بھی ہوں تو پھر خطیب کے لئے موزوں یہ ہے کہ وہ دونوں زبانوں کو استعمال کرے' خطبہ عربی زبان میں دے اور پھر دوسری زبان میں جسے سامعین سمجھتے ہوں دوہرائے' اس سے دونوں مصلحتیں جمع ہو جائیں گی' ہر طرح کی مضرت کی نفی ہو جائے گی اور سامعین میں ہر طرح کا نزاع بھی ختم ہو جائے گا۔

شریعت مطہرہ کے بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے' ان میں سے ایک دلیل تو یہی ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ خطبہ سے مقصود سامعین کو نفع پہنچانا' اللہ تعالیٰ کے حقوق یاد دلانا' اس کی طرف دعوت دینا اور انہیں ان امور کے ارتکاب سے ڈرانا ہے' جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں ایسی زبان استعمال کی جائے' جسے سامعین سمجھتے ہوں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو ان کی قوموں کی زبانوں کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ وہ ان کی زبانوں میں ان تک اللہ تعالیٰ کی مراد کو پہنچا دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ (ابراھیم ۱۴/ ۴)

"اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر (وہ) اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تا کہ انہیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتا

دے۔"

نیز فرمایا:

﴿كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ ٱلنَّاسَ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَمِيدِ ۝١﴾ (ابراهيم١٤/ ١)

"(یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف۔"

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کو جانیں گے ہی نہیں تو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا کس طرح ممکن ہو گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں کہ مراد الٰہی کو سمجھانے کے لئے اس کا لوگوں کی ان زبانوں میں ترجمہ کیا جائے جنہیں وہ سمجھتے ہوں اور اگر ان کے لئے اصل زبان شریعت کو سمجھنا آسان نہ ہو تو ضروری ہے کہ ان کے سامنے ان کی اپنی زبان میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان پر کیا کیا حق ہے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی زبان سیکھ لیں تاکہ آپ ان کی زبان میں ان سے خط و کتابت کر کے ان پر حجت تمام کر دیں اور اگر ان کی طرف سے خطوط آئیں تو وہ انہیں پڑھ کر آپ کو سنا سکیں اور ان کے مقصود کو آپ کی خدمت میں پہنچا سکیں۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عجم فارس و روم سے جہاد کیا تو اس وقت تک لڑائی نہ کی جب تک مترجمین کے واسطہ سے انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لی اور جب انہوں نے عجمی ملکوں کو فتح کر لیا تو انہوں نے لوگوں کو عربی زبان میں دعوت الی اللہ دی' لوگوں کو عربی زبان سیکھنے کا حکم دیا' جو عربی زبان نہ سیکھ سکا' اسے اسی کی زبان میں دعوت دی اور اس تک اس زبان میں دین کے پیغام کو پہنچا دیا جسے وہ سمجھتا تھا' اس سے حجت تمام ہو گئی اور معذرت ختم ہو گئی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترجمہ کی راہ کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں خصوصاً اس آخری دور میں' اس غربت اسلام کے عہد میں' جب کہ ہر قوم نے اپنی ہی زبان کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے تو آج ترجمہ کی ضرورت اور اہمیت بہت بڑھ چکی ہے اور اس کے بغیر داعی دعوت کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کو ..... خواہ وہ کہیں بھی ہوں ..... یہ توفیق بخشے کہ وہ اپنے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں' شریعت کو مضبوطی سے تھام کر استقامت کا مظاہرہ کریں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں کی بھی اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے' اپنے دین کو فتح و نصرت سے نوازے اور اپنے دشمنوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرے۔ انہ جواد کریم۔

—— شیخ ابن باز ——

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد

سوال میرے اور بعض نمازی بھائیوں کے درمیان اس مسئلہ میں جھگڑا پیدا ہو گیا کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم فتویٰ

دیں کیا اس حالت میں دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے مذکورہ نمازی جنہوں نے مجھ سے اختلاف کیا وہ مالکی یعنی امام مالک کے مذہب کے مقلد ہیں۔

جواب سنت یہ ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے' خواہ امام خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو' کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح:١١٦٣، وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين ...، ح:٧١٤)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔"

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب التحية، والامام يخطب، ح:٨٧٥)

"جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بھی دو رکعتیں پڑھے اور انہیں مختصر طور پر پڑھے۔"

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص صریح ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ شاید امام مالک رحمہ اللہ تک یہ سنت نہ پہنچی ہو' اگر ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے بوقت خطبہ ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے' لیکن جب صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے تو پھر کسی بھی شخص کے قول کی وجہ سے خواہ وہ کوئی بھی ہو' اس سنت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں' ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ ﴾ (الشورى٤٢/ ١٠)

"اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہو گا)"

اور یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

"جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔"

——— شیخ ابن باز ———

کیا جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟

سوال میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ اقامت جمعہ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ چالیس ایسے آدمی ہوں جن پر نماز واجب ہو لیکن "الدعوة" میں سماحۃ الشیخ کا یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ امام کے ساتھ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جمعہ قائم کیا جائے گا' تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہو گی؟

جواب اہل علم کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ چالیس آدمیوں سے کم کے ساتھ بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے اور کم از کم تعداد تین ہے جس طرح کہ اس فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ چالیس کے عدد کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ حدیث جس میں چالیس آدمیوں کی شرط کا ذکر ہے' وہ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "بلوغ المرام" میں ذکر فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے لئے نمازیوں کی تعداد

سوال نماز جمعہ اور اقامت خطبہ کے لئے نمازیوں کی کم از کم کتنی تعداد شرط ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں بہت اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر امام اور اس کے ساتھ دو مقتدی یعنی کل تین نمازی ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی بستی میں تین مکلف' آزاد اور مقیم مرد ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں اور نماز ظہر نہ پڑھیں کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت کے دلائل کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ آدمی ہوں تو ان کے لئے نماز جمعہ ادا کرنا فرض ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

عید کے دو خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

سوال کیا عید کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے؟

جواب نماز عید کے بعد دو خطبے سنت ہیں کیونکہ نسائی' ابن ماجہ اور ابوداؤد نے عطاء سے اور انہوں نے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید میں حاضر تھا' جب آپ نے نماز ادا فرمائی تو فرمایا:

«إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ»

(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الجلوس للخطبة، ح:١١٥٥)

"اب ہم خطبہ دیں گے' جو خطبہ سننے کے لئے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔"

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل" میں لکھا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ سنت ہے' اگر خطبہ واجب ہوتا تو اس کے لئے بیٹھنا بھی واجب ہوتا۔"

جو شخص عید میں دو خطبے دینا چاہے تو اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ پر قیاس کی بنیاد پر وہ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے عبیداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام عید میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فرق کرے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ نماز عید کے لئے صرف ایک ہی خطبہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح احادیث میں صرف ایک ہی خطبہ کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

——— فتویٰ کمیٹی ———

جنگلوں میں اور سفر میں نماز عید

سوال ایک دفعہ مجھے دیہاتی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے یہ عیدالاضحیٰ کا دن تھا تو میں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں قبروں کی زیارت کے لئے قبرستان گئے' مجھے اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ عید کی صبح ہر وہ شخص جس نے نماز پڑھی' وہ قبرستان میں بھی ضرور گیا! ان کے آگے جوانی اور بڑھاپے کی عمر کے درمیان کا ایک آدمی تھا جس نے سب کو نماز پڑھائی اور میں حیرت و تعجب سے یہ سارا منظر دیکھتا رہا اور میں نے ان کے ساتھ یہ نماز نہ پڑھی' جسے وہ نماز عید کے نام سے موسوم کر رہے تھے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس نماز کے بارے میں حکم اسلام کیا ہے؟ یہ دیہاتی لوگ جن کا میں تذکرہ کر رہا ہوں' ان کے ہاں کوئی جامع یا غیر جامع مسجد بھی نہ تھی کیونکہ یہ تو خیموں میں رہتے ہیں' جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ (میرے یہ کہنے کا مقصد کہ انہوں نے قبرستان میں نماز پڑھی یہ ہے کہ انہوں نے قبرستان کے قریب نماز پڑھی لیکن قبروں سے وہ لوگ بہت دور تھے۔)

جواب نماز عید شہروں اور بستیوں میں تو ادا کی جاتی ہے لیکن جنگلوں اور سفر میں اسے قائم کرنے کا حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہی ثابت ہے اور یہ ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی سفر میں یا جنگل میں نماز عید ادا کی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ میں نماز جمعہ نہیں پڑھی' اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں نماز عید بھی نہیں پڑھی اور ہر طرح کی خیروسعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع ہی میں مضمر ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

——— شیخ ابن باز ———

خوف کی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا

سوال ایک شخص کی نماز جمعہ کے وقت ایک ادارے کے سامان کی حفاظت کے لئے بطور چوکیدار ڈیوٹی ہے اور وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر وہ نماز کے لئے گیا تو سامان چوری ہو جائے گا' تو کیا اس سے نماز جمعہ ساقط ہو جائے گی؟

جواب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جمعہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ سامان کی چوری کا خوف یقینی ہو اور یہ ممکن نہ ہو کہ سامان کو مضبوط عمارت کے اندر رکھ کر حفاظت کے لئے تالا لگا دیا جائے اور اس علاقے میں ایسے چور اور اچکے موجود

ہوں جو نماز جمعہ پڑھنے کی بجائے لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر سامان اٹھا لیتے اور غیر محفوظ جگہ پر پڑے ہوئے سازوسامان کو چرا لیتے ہوں اور اگر چوری کا اندیشہ حقیقی نہ ہو بلکہ یہ صرف وہم کی کرشمہ سازی ہو تو اس سے کسی سے بھی جمعہ ساقط نہ ہو گا اور جب خوف کا اندیشہ یقینی ہو تو اس صورت میں سامان کے پاس ایک آدمی یا اتنے آدمی رہ جائیں جو بقدر ضرورت ہوں اور پھر دیگر چوکیداروں وغیرہ کی آمد کے بعد یہ نماز ظہر پڑھ لیں۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن باز ———

یہ ترک جمعہ کے لئے عذر نہیں

سوال ایک حادثہ کی وجہ سے میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی' جس کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے میں اپنے پاؤں کو سیدھا کھڑا نہیں کر سکتا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے' تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں جمعہ کی نماز گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ ادا کر لوں؟

جواب شرعاً منصوص علیہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر اس مسلمان کے لئے مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا فرض عین ہے' جس میں جمعہ کی شرطیں موجود ہوں لہٰذا جمعہ صرف اسی صورت میں ساقط ہو گا' جب ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو گی۔ سائل جب اقرار کر رہا ہے کہ وہ بالفعل نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے اور اب صرف اس وجہ سے ترک کرنا چاہتا ہے کہ بعض نمازی اس کے پاؤں کھڑا نہ کر سکنے اور مجبوراً اسے پھیلا دینے کی وجہ سے تنگی محسوس کرتے ہیں' تو یہ کوئی ایسا عذر نہیں' جس کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کو ترک کر دے' جب کہ بالفعل اسے نماز جمعہ ادا کرنے کی قدرت حاصل ہے اور مذکورہ بالا معذوری کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صفوں کے پیچھے تنہا ایک مستقل صف میں یا کسی صف کے آخری کنارہ پر کسی بھی دوسری ایسی صورت کو اختیار کر کے کھڑا ہو جائے' جس سے ساتھ والے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن عثیمین ———

خطبہ جمعہ کے دوران بوقت دعاء ہاتھوں کو اٹھانا

سوال خطبہ جمعہ کے دوران امام کی دعاء پر مقتدیوں کے آمین کے موقعہ پر ہاتھوں کے اٹھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اس موقعہ پر بلند آواز سے آمین کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خطبہ جمعہ میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کی امام یا مقتدیوں کو شرعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین سے اس طرح ثابت نہیں ہے' ہاں البتہ اگر خطبہ جمعہ میں بارش کے لئے دعاء کی جا رہی ہو تو پھر امام اور مقتدیوں دونوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب خطبہ جمعہ میں بارش کی دعاء مانگی تو آپ نے خود بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور لوگوں نے بھی دعاء کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تھا اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۲۱)

(مسلمانو!) تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے"
اگر آواز بلند کئے بغیر مقتدی آہستہ سے امام کی دعاء پر آمین کہتے جائیں تو میرے علم کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت

سوال جمعہ کی رات اور دن میں سورۂ کہف کی تلاوت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت ایک مستحب عمل ہے اور اس کی بہت فضیلت ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ انسان قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی اور یاد رہے کہ شرعی دن کا آغاز طلوع فجر سے ہوتا ہے اور اختتام غروب آفتاب پر للذا اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے بعد اس سورت کی تلاوت کرے تو اسے بھی اجروثواب ملے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جمعہ کے دن امام کی دعاء پر آمین کہنا

سوال کیا خطبہ کے بعد نماز جمعہ میں مقتدیوں کا امام کی دعاء پر آمین کہنا بدعت ہے؟ یعنی جب امام دعاء کرے اور ہم اس پر آمین کہیں تو کیا یہ بدعت ہے؟

جواب خطبہ میں امام کی دعاء پر مقتدیوں کا آمین کہنا جب کہ وہ مسلمانوں کے لئے دعاء کر رہا ہو' بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ امام کی دعاء پر آمین کہی جائے لیکن آمین اجتماعی طور پر بلند آواز کے ساتھ نہ کہی جائے بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر آہستہ سے آمین کہے تاکہ تشویش پیدا نہ ہو اور مسجد میں آوازیں بلند نہ ہوں للذا ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے الگ اپنے طور پر اور آہستہ سے خطیب کی دعاء پر آمین کہے!

——— شیخ ابن عثیمین ———

محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنے علاقہ میں موجود مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسری مسجد میں اس لئے جائے کہ وہاں کے خطیب کی معلومات بھی زیادہ ہیں اور وہ خطیب بھی بہت اچھا ہے؟

جواب زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ اہل محلہ اپنی مسجد میں نماز ادا کریں تاکہ آپس میں تعارف اور الفت پیدا ہو اور ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی بھی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی دینی مصلحت مثلاً تحصیل علم یا زیادہ علمی اور پر تاثیر خطبہ کی سماعت کے لئے کسی دوسری مسجد میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ' امام اور مسجد کی فضیلت کے پیش نظر آپ کی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جاکر بھی نماز ادا کر لیتے جس طرح کہ رسول اللہ کے عہد مبارک میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم بھی تھا مگر

آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

شیخ ابن عثیمین

عید کے دن کے مستحب افعال

 عیدالفطر کے دن ہمارے لئے کون سے اعمال و افعال مستحب ہیں؟

جواب عید کے دن مسلمان فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے صیام و قیام کی تکمیل کی اور دیگر عبادات کو سرانجام دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں' جن کی اس نے اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا سب سے پہلے تو وہ عید کی رات اور دن میں نماز عید سے پہلے تکبیریں شروع کر دیتے ہیں' پھر دن کے ابتدائی حصہ میں اس مخصوص عبادت یعنی نماز عید کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز میں اپنے گھروں سے باہر کھلے میدان میں جاتے ہیں اور اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی حتیٰ کہ پردہ نشین دوشیزگان بھی اس عبادت میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ بھی خیروبھلائی اور مسلمانوں کی دعاء کے اس مقدس موقعہ پر حاضر ہوں جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ نماز عید ادا کرنے کے بعد مسلمان اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عید گاہ سے واپس لوٹتے ہیں' ایک دوسرے کو سلام اور مبارکباد کہتے ہیں' ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے آتے جاتے ہیں اور عبادت روزہ کے اختتام پذیر ہونے کی علامت کے طور پر اس دن انواع و اقسام کی چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔

شیخ ابن جبرین

فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سوتیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب و سنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیو یارک